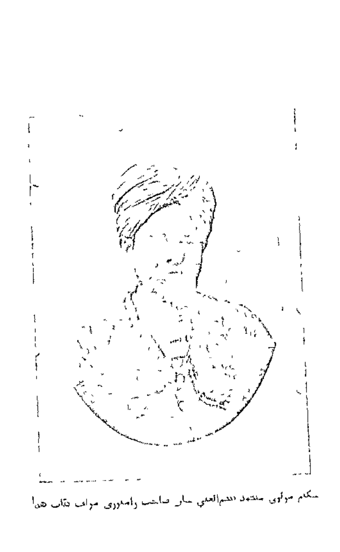
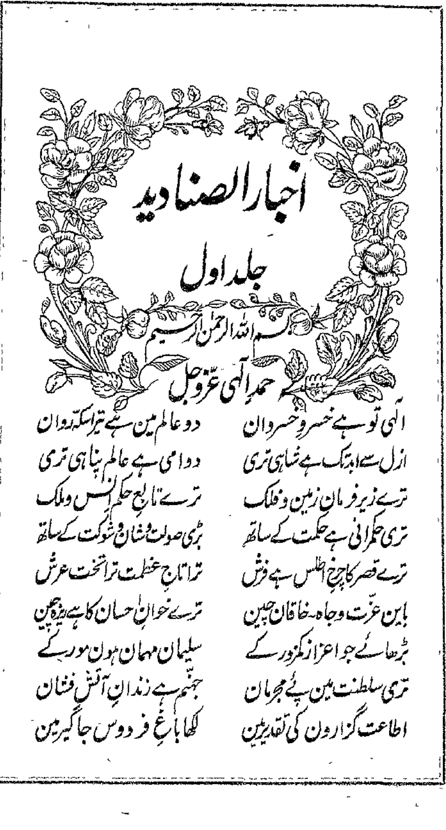


حکیم مولوی محمد نجم الغنی خان صاحب رامپوری مولف کتاب هذا



اخبار الصنادید

جلد اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ الٰہی عزّ و جلّ

الٰہی تو ہے خسروِ خسروان — دو عالم مین ہے تیرا سکہ روان

ازل سے ابد تک ہے شاہی تری — دوامی ہے عالم پناہی تری

ترے زیرِ فرمان زمین و فلک — ترے تابعِ حکم انس و ملک

تری حکمرانی ہے حکمت کے ساتھ — بڑی صولت و شان و شوکت کے ساتھ

ترے قصر کا چرخِ اطلس ہے فرش — ترا تاجِ عظمت ترا تخت عرش

بایں عزّت و جاہ۔ خاقانِ چین — ترے خوانِ احسان کا ہے ریزہ چین

بڑھائے جو اعزاز کمزور کے — سلیمان مہمان ہون مور کے

تری سلطنت مین پئے مجرمان — جہنّم ہے زندانِ آتش فشان

اطاعت گزارون کی تقدیر مین — لکھا باغِ فردوس جاگیر مین

ترے آگے شاہوں کی شوکت ہے ہیچ ‌‌‌ حکیموں کی حکمت و دانست ہے ہیچ

تو محتاجِ اظہارِ انساں نہیں ‌‌‌ کوئی راز دل تجھ سے پنہاں نہیں

کیے سجدۂ شکر شمس و قمر ‌‌‌ ترے آستاں پر جھکاتے ہیں سر

تری جستجو میں یہ ہفت آسماں ‌‌‌ پھرا کرتے ہیں گرد دورِ جہاں

تو ہے وہ جہاندار و عالم پناہ ‌‌‌ کہ ہرکارے دو ہیں ترے مہر و ماہ

پھرا کرتے ہیں دہر میں صبح و شام ‌‌‌ یہی اُنکو خدمت یہی اُن کا کام

سوا اُن کے دو اور خامہ نویس ‌‌‌ ہر انساں کے ہیں برابر انیس

نہیں اُن سے پردہ بد و نیک کو ‌‌‌ قلم بند کرتے ہیں ہر ایک کو

تجھے حاجت عرض انساں نہیں ‌‌‌ تری ذات میں سہو و نسیاں نہیں

میں جاہل ہوں دانائے برحق ہے تو ‌‌‌ حقیقت میں علامِ مطلق ہے تو

ہر اک پر کرم لطف و انعام ہے ‌‌‌ خلائق نوازی ترا کام ہے

دمِ جوش دریائے جود و کرم ‌‌‌ دیا تو نے شاہوں کو طبل و علم

عطا کی حکومت سلیماں کو ‌‌‌ کیا زیرِ فرماں پری جاں کو

سکندر کو آفاق گیر کیا ‌‌‌ شہ عادلِ ہفت کشور کیا

شب و روز و شام و سحر دمبدم ‌‌‌ ہر اک پر ہزاروں ہیں لطف و کرم

نعت فخر آدم حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم

محمدؐ کہ ہیں افتخارِ رسل ‌‌‌ وجود اُن کا ہے رحمتِ جزو کل

فلک اُنکی درگاہ کا سائباں ‌‌‌ ملائک درِ پاک کے پاسباں

کہان اُن کے کوچے کا پیدا عدیل | کہ جاروب کش ہے پرِ جبرئیل
زمینِ مدینہ ہے رشکِ بہشت | ہوا مُشکبُو خاک عنبر سرشت
جدھر دیکھیے عالمِ نور ہے | جو ذرّہ ہے وہ ذرۂ طور ہے
ہدایت سے عالم کو روشن کیا | بیابان کو رشکِ ایمن کیا
ہوا آپ کا جس گھڑی سے ظہور | ضلالت ہوئی ربعِ مسکون سے دور
زمانے مین تھے جتنے اہلِ ذکا | دل و جان سے فرمان لائے بجا
پس مصطفٰے آلِ عالی نسب | یقینی معظّم مکرّم ہین سب
تہِ آسمان اِن سے بڑھکر نہین | ولی قطب و ابدال ہمسر نہین
نموے یہ آثار قدرت کے ہین | گہر تاجِ اعزاز و عظمت کے ہین
سب اصحاب کشف و کرامات ہین | زمانے مین افضل ہین ہر بات مین

مدح بندگان فلک آستان حضور فیض گنجور عالی خطاب جوزا رکاب فرمان روائے کشور برتری طغرائے صحیفۂ سروری گوہر دریائے تاجداری افسر فرق بختیاری خورشید نگاہ انجم سپاہ ملک معظم سکندر شان اعلےٰ حضرت جارج پنجم قیصر ہندوستان ادام اللہ اقبالہ و زاد اجلالہ

ادب سے جھکا کر کے سر اپنے قلم | لکھ اب مدحتِ جارج ذی حشم
جسے کہتی ہے خلق شام و سحر | کہ یہ قیصرِ ہند فرخ سیر
بڑے قدر دان اہلِ معنی کے ہین | مربی فصیحانِ دنیا کے ہین
جوان و جوان بخت۔ اقبالمند | نکورونکو کار نیکی پسند

خدا وند ہمت نہایت دلیر — سخاوت میں حاتم شجاعت میں شیر

لیاقت میں تہذیب اخلاق میں — یگانہ ہیں مشہور آفاق میں

فراست وہ حاصل خداداد ہے — برابر سب و رور اسکا دہے

نظر سوئے آغاز و انجام سے — رعایا کی بہبود سے کام ہے

کہیں ظلم و بے اعتدالی نہیں — کوئی شاکی خستہ حالی نہیں

بسر ہوتی ہے لشکر بے درد و غم — خلائق سبے صرف دعا دم بدم

عدالت ہے اِس درجہ مدنظر — کہ وقت سیاست بھی رہتا ہے ڈر

کسی جرم میں کوئی اہل خطا — مبادا سوا حد سے پائے سزا

خدا ایسے شاہ جہاندار کو — رعایا کے ہمدرد و غمخوار کو

سلامت رکھے جاہ و اقبال سے — کرے بہرہ ور دولت و مال سے

کسی طرح کا دہر میں غم نہ ہو — نہ چرخ جاہ و حشم کم ہو

ترقی یہ اقبال ہر دم رہے — سر خصم پامال ہر دم رہے

التماس

میں نے یہ کتاب سنہ ۱۹۰۶ء میں تالیف کی تھی۔ اُس وقت بعض ضروری باتیں رہ گئی تھیں اور بعض امور کی تحقیق ناقص و ناکمل تھی۔ اور چونکہ یہ تاریخ میری ہی قوم کا مرقع اور میرے ہی اہل وطن کا کارنامہ ہے اِس لیئے میں اُس وقت سے اب تک برابر اِس پر نظر ثانی کرتا رہا اور وقتاً فوقتاً محققانہ حالات جمع کیئے یہانتک کہ اِس تحقیق کا نتیجہ یہ صورت موجودہ ہے

جسکو مین ناظرین کی خدمت مین نہایت عاجزی سے پیش کرتا ہون بعض بعض جگہ مین نے اپنی رایون اور عبارتون مین بھی ضروری تصرفات کیے ہین۔ اب پہلے نسخے میرے قلمی جو ہین وہ سب ناقص و ناکارہ ہین اگر کہین پائے جائین تو ناظرین اُنپر التفات نہ کرین۔

مقدمۃ الکتاب

افلاک کی گردشین اور طبقات انسانی کے تغیر و تبدل جو جو عبرت بخش تصرف عمل مین لاتے ہین وہ انجام بین نگاہون مین مآل اندیش طبائع سے پوشیدہ نہین۔ رات دن کی اُلٹ پھیر معزز و محترم اشخاص کی باثر زندگی کو پورا کرکے ابنائے روزگار کی صحبت سے اُنکو علیحدہ کرتی ہے اور صفحہ ہستی کو آنے والی نسلون کے واسطے پاک و صاف رکھنے مین طبعی خاصہ دکھلاتی ہے۔

اگر سلسلۂ تاریخ عالم مین نہوتا تو ہمکو شاہان سلف اور ناموران سابق کی حالت سے کچھ بھی آگہی نہوتی اُن کے باعزت و جلال کارنامے اُن کے اجساد کی طرح ہماری نگاہون سے پوشیدہ ہوتے۔ جن قومون مین تاریخی انتظام نہین وہ آج بھی باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے باعتبار عدم شہرت حشرات الارض کے مساوی ہین۔

افاغنۂ روہیلکھنڈ جنکی مفصل تاریخ لکھنے کا مین نے تہیہ کیا ہے ایک باوقعت گروہ انسانی ہے لیکن مؤرخین کے عدم التفات کے سبب سے

اِس قوم کے سربرآوردہ لوگ بھی میسر اسے حالات کے عمر مشہور ہونے کا افسوس ایسے تزارمان دل اور مایوس وماسوں میں لیئے ہوئے ہیں۔ ممالک متحدہ آگرہ واودھ میں روہیلکھنڈ کے نام سے جو حصہ زمین موسوم ہے اُسکی مفصل تاریخ آج تک نہیں دیکھی گئی البتہ چند مؤرخین نے اُسکی طرف فی الجملہ توجہ کی ہے لیکن اُس میں بھی ایسے وصف مصنفی یعنی راست بیانی اور تحقیق کو بہ معلوم کیوں ترک کیا ہے میں نے اطلاع عام کی غرض سے اِس خطے کے پٹھانوں کی جو روہیلوں کے نام سے مشہور ہیں مفصل تاریخ لکھی ہے اور صاف صاف حالات بے مبالغہ وعبارت آرائی لکھے ہیں جس سے معاملات ومہمات کی اصلیت واضح ہوتی ہے جو جس کی بات تھی وہ جوں کی توں درج کر دی ہے اور اِس خصوصیت میں جن کتب سے کچھ لیا ہے اُس کا حوالہ دیدیا ہے اور معتبر خاص تحریریں میرے ہاتھ ایسی آئی ہیں جنکے ذریعہ سے میرے اس ارادے کی تکمیل ہوئی ہے۔ تمول دنیوی ہونے کے سبب دولت پرست گروہ میری جانکاہی وجانفشانی پر متوجہ نہیں ہوتے اور معاصر بعض للّہی کے باعث بجائے قدر وعزت درپئے تحقیر ہیں سے

ناحق ہے عداوت اُنھیں اس ہیچداں سے ۔۔ بے تیغ کئے جاتے ہیں اِس تیغ زباں سے

اگرچہ برٹش گورنمنٹ کی شاہی سرپرستی نے جہالت کی تاریکیوں سے اہل ہند کے نکالنے میں روپیہ اور وقت دونوں سیرچشمی سے صرف کئے مگر ہنوز ابنائے روزگار تعصب اور حسد سے پاک نہیں ہوئے ما این ہمہ میں نے

اپنے ارادے کی تکمیل کی اور قوم کی توجہ اور ہمدردی سے مجھکو کوئی مدد
نہین پہونچی۔ تمام تعلیم یافتہ قومین اپنی قوم کے صنّاع اور مصنف و مؤلف
کی امداد مالی اور لسانی کرتی ہین ۔ بخلاف ہمارے اہل وطن کے کہ بجاے
تائید مخالفت کرکے درپے تخریب ہوتے ہین ۔ مجھکو موجودہ اہل کمال اور
آنے والے اہل علم سے سروکار ہے وہ ضرور میری محنت کی احسنت و مرحبا
کہکر داد دین گے جو میری جانکاہی کا وافی صلہ ہوگا ۔ مین حسب قانون
قدرت کسی غیر معلوم میعاد کے بعد دنیا کو خیرباد کہکر راہی ملک بقا ہونگا
لیکن یہ میری تحریرین دستاویز وجود اور حیات جاودانی کا کام دینگی۔
اس پیرایے مین اہل علم کی صحبتون سے شرکت کا لطف حاصل کرونگا
اہل انصاف مجھکو نیکی سے یاد کرکے میری روح کو فرحت بخشین گے۔

تاریخ اور اُس کی تعریف اور موضوع اور غرض اور فائدے اور خاصے کے اصطلاحی معانی

اصطلاح مین انسانون کے یکجا ہو کر رہنے کو تمدّن اور اُس انسانی
مجمع کو مدینہ اور اُن مختلف حالتون کو جو طبعًا اُسکو عارض ہون مثلاً
بسنا ۔ اُجڑنا ۔ ملنا ۔ بچھڑنا ۔ گرنا ۔ سنبھلنا ۔ سیکھنا ۔ بھلانا ۔ لڑنا ۔ بھڑنا
وغیرہ وغیرہ واقعات تاریخی ۔ اور پچھلون کا پہلون سے سنکر اُن
واقعات کو اکٹھا کرنے اور اپنے سے پیچھے آنے والون کی عبرت
اور نصیحت کے لیے بطور نمونہ چھوڑ جانے کو تاریخ کہتے ہین تاریخ ایک

آئینہ ہے جس سے ہم زمانۂ ماضی کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور چونکہ ان حالات کا علم انسان کے تجربے اور معلومات کا دائرہ زیادہ وسیع کر دیتا ہے اس لئے تاریخ ایک نہایت قابل قدر چیز سمجھی جاتی ہے۔

مورخین عرب نے تاریخ کی جو کچھ تعریف کی ہے اُس کا بیان مختلف ہے بعض کہتے ہیں کہ تاریخ ایک وقت کے مقرر کرنے کا نام ہے تاکہ اُس وقت خاص کی طرف پچھلے اور اگلے زمانے کو منسوب کیا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تاریخ وقت کا بیان کرنا ہے اس طرح کہ کسی واقعہ کے ابتدا سے پیدایش کو اُس کی طرف منسوب کیا جائے مثلاً یہ بتائیں کہ فلاں مذہب یا فلاں سلطنت یا فلاں معرکہ یا فلاں حادثۂ ارضی وسماوی اس وقت میں ظاہر ہوا تھا جو کچھ واقعات خاص اس وقت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جو کچھ اس سے پیشتر یا پیچھے ظہور پاتے ہیں اُن سب کے معلوم کرنے کا مبدا یہی وقت ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تاریخ یہ ہے کہ دنوں اور راتوں کو بیان کریں اس طرح کہ جس قدر برس اور مہینے گذر چکے ہیں اُن کا ذکر آنے والے برسوں اور مہینوں تک کیا جائے[1]۔

علم تاریخ اشخاص کے حالوں اور اُن کے شہروں اور واقعات اور عادتوں اور صنائع بدائع اور اُن کے نسبوں اور مرنے کے وقتوں کے جان لینے کو کہتے ہیں۔ تاریخ میں زمانۂ گذشتہ کے اشخاص مثلاً نبیوں

---

[1] دیکھو کشف الظنون ۱۲

ولیون۔عالمون۔فلاسفرون۔بادشاہون۔شاعرون وغیرہ کا حال
بیان کیا جاتا ہے یہی اُسکا موضوع ہے اور اُس سے غرض یہ ہوتی ہے
کہ اگلے زمانے کے واقعات معلوم ہوجائین فائدہ اِس علم کا یہ ہے کہ
خاصان خدا اور بزرگان دین اور بہی خواہان قوم کے عمدہ اور شریف
اقوال و افعال سے واقف ہونا اور اُن کی تقلید سے عمدہ اخلاق اور
نیک خصلتین اختیار کرنا۔اور بداخلاقی اور بُری خصلتون کو چھوڑنا سلطنت
کرنا۔وفادار اور آزاد رعیت بننا۔سلطنت اور ملک کے لئے عمدہ
قاعدے اور قوانین ایجاد کرنا اور ظلم کو روکنا اور صلح اور امن سے رہنا
دوستون سے ملنا اور دشمنون سے بچنا۔علم و ہنر مین ترقی کرنا۔جائز
طریقون سے مال و دولت حاصل کرنا اور اُسکو عمدہ اور واجبی طور پر
صرف کرنا۔نہ صرف آغاز و انجام سلطنتون کے کہ مختلف زمانون مین ہوئین
اور نہ فقط عیوب اور اوصاف حاکمون کے مقصود بیان تاریخ کا ہے
بلکہ منظور یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ کے قضا و قدر پر کہ ایک کو خاک مین ملایا
اور دوسرے کو تخت بادشاہی پر بٹھایا غور کرنا چاہئے۔کیا کیا اقبال و ادبار
اُسکی قضا و قدر سے واقع ہوا اور ہوتا ہے۔تاریخ کے علم کا خاصہ یہ ہے کہ
بادشاہون اور امیرون کو تعلیم دے اور عوام الناس کو بھی اچھی تربیت
بخشے اُسکے اوراق کے صفحون سے کارآزمودگی اور تجربہ کاری سلطنت کی
بے تفاوت واضح ہوتی ہے۔غرض اس علم سے بڑھکر کوئی علم ذریعہ انسانکی
ترقی تہذیب و شایستگی کا نہین ہے کیونکہ دین کو دیکھو تو اِس کا محتاج۔دنیا پر

سطرڈالو تو اُسکی حاجت مند ہے۔ یہ علم انسان کے لئے ایک دوسری عمر ہے گھر بیٹھے ملکوں کی سیر کریں اور حوادث سفر کے شدائد اُٹھا کر حاصل کرتے ہیں وہ اپنے گھر میں حاصل کریں اسی علم کا خاصہ ہے۔ اِسی لئے دُنیا کے اکثر اہل علم نے اپنے اور پرائے ملکوں کے حالات اور تاریخیں لکھ کر انسانوں کو ترقی اور تہذیب کے رستے پر چڑھایا ہے۔ میں نے بھی چاہا کہ تاریخ کے عمدہ اور شریف فن میں کچھ لکھوں تاکہ میرے ہم جنسوں کو اُس سے فائدہ ہو۔ میں جانتا تھا کہ میری محنت تاریخ نویسی اور خاندان نواب سید علی محمد خاں کی سوانح نگاری امراء کی جوہر شناسی کو رحمت اور قدر کے راستے پر کھینچ لائے گی مگر خیالات کے اختلاف نے بیچ میں خاک اُڑا کر کام خراب کر دیا اور اُن لوگوں میں کوئی انسان بھی نہیں جو اِس فن سے دلچسپی رکھتا ہو۔

رؤس ثمانیہ

متقدمین کا یہ دستور تھا کہ ہر ایک کتاب کے اول میں آٹھ چیزیں بیان کرتے تھے جنہیں رؤس ثمانیہ کہتے تھے۔ (۱) غرض کتاب (۲) عنوان کتاب (۳) منفعت کتاب (۴) مرتبۂ کتاب (۵) مُصنف یا مؤلف کا نام اور پتہ (۶) کتاب کس قسم کے علم سے ہے (۷) کتاب کے کتنے حصے اور باب اور فصلیں ہیں (۸) مستعمل تعلیموں میں سے اس میں کونسی قسم اختیار کی ہے۔ اِس لئے میں بھی اِن آٹھوں باتوں کو جو اس کتاب میں موجود ہیں بتاتا ہوں۔

غرض اس تالیف سے یہ ہے کہ افاغنۂ روہیلکھنڈ کے حالات جو
روہیلون کے نام سے مشہور ہین جس قدر متفرق کتابون وغیرہ مین ہین
وہ اس مین جمع ہوجائین تاکہ روہیلکھنڈ کی رعایا جن کا حق ہم وطنی مجھپر ہے
اِس سے فائدہ اُٹھائے اور اس مجموعے سے روہیلکھنڈ کے پٹھانونکے
حالات ناظرین کے ذہن نشین ہوکر اُنکو اس بات پر قدرت حاصل
ہوجائے کہ جب چاہین یہان کے واقعات ظاہر کرسکین اور جو کوئی ذکر
اُن کے سامنے روہیلون کے متعلق آئے وہ اُسکی تصحیح یا تکذیب کرسکین
اور پٹھانون کے مزاج اور طرز معاشرت کے متعلق ایک ایسے قاعدۂ کلیہ
پر حاوی ہوجائین کہ اُنکی اُن باتون کی نسبت جو آیندہ واقع ہون اور کہین
مذکور نہین ہین پیشین گوئی کرسکین اور روہیلون کی ریاست کے بانی اور
فاتح کا قصہ بیان کرسکین۔ یہ بتا سکین کہ وہ کس کی اولاد مین ہین۔موجودہ
روہیلون کے اسلاف نے کیا کیا کارنامے صفحۂ ہستی پر یادگار چھوڑے ہین
اور کون سے ضلع اُنکے قبضۂ اقتدار سے نکل گئے ہین اور اُنھون نے
گورنمنٹ برٹش کے ساتھ کن کن موقعون پر خیر خواہیان کین اور کیا کیا صلہ پایا
اور اُنھون نے اپنی رعایا کے رضامند اور رفیق رکھنے کے لئے کیا کیا برتاؤ
رکھا اور اُن کے جانشینون کو کیا کرنا چاہیئے۔

عنوان اس کتاب کا یہ ہے کہ روہیلکھنڈ کے پٹھانونکی کوئی مفصل اور سچی
تاریخ اس سے پہلے نہین لکھی گئی جس ملک کا مین پشتون سے رعیت ہون
اور جس قدر اِس ملک کے متعلق (جس مین روہیلون نے اُولوالعزمی اور

فتوحات کا جھنڈا گاڑا تھا۔) تواریخ میں حالات تلاش کئے اور لوگوں کی زبان سے سُنے تو وہ مختلف اور پریشاں ملے اور پھر بھی نہایت عامیانہ طرز سے جن میں نہ اسباب و علل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا تھا نہ واقعات کی اصلیت کھلتی تھی نہ سنوں کا سلسلہ وار صحیح پتا چلتا تھا اس لئے مجھ سے نہ یہ ہو سکا کہ سنہ وار تمام واقعات کو جمع کرتا اور نہ محض سُنی سُنائی باتوں پر انحصار کر سکا نہ تو سنوں ہی پر بھروسا رکھا بلکہ یوں مناسب سمجھا کہ ہر ایک رئیس کے ضمن میں واقعات زبانی اور تحریری سنجیدگی سے جانچ کر لکھے جائیں جن میں سنوں کا پتا چلے سنہ لکھ دیے جائیں اور اُن کا اختلاف بتا دیا جائے باقی اخبار کے طور پر ویسے ہی بیان کر دیے جائیں اور گو بہت سے ایسے نامی سرداروں اور بادشاہوں اور امیروں کا ذکر بھی اس میں آگیا ہے جو خاص اس ملک سے تعلق نہیں رکھتے ہیں مگر چونکہ یہاں کے روہیلوں سے اور اس ملک سے اُنکو کسی قسم کا علاقہ تھا اور سلسلہ اس تاریخ کا بغیر اُن کے ذکر کے ناتمام رہتا اس لئے اُن کے حالات چھوڑنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے نہ تاریخ سلاطین متاخرین دہلی اور والیان اودھ اور نوابان فرخ آباد اور مرہٹوں وغیرہ کے بعض بعض بزرگوں کا بھی جو بوجہ طرز معاشرت اور انتظام ملکی کے متعلق ہر رئیس کے حالات میں علیحدہ علیحدہ لکھنا طوالت سے خالی نہ تھا اس لئے اس تمام بحث کو علیحدہ ایک جگہ بیان کر دیا پھر بھی اگر کہیں تکرار مضامین ہو گئی ہے تو اُسکو قند مکرر سمجھنا چاہیے فارسی کی عبارتوں کا بامحاورہ ترجمہ کیا ہے محاورے میں فرق رہ جائے تو اہل ذوق

معاف فرمائین۔ واقعات کا لکھنا چندان مشکل نہ تھا مگر وہ باتین جن کے لکھنے کا
اُس زمانے کے مؤرخون کو بہت کم خیال تھا یا اُسکی قدر نہین کرتے تھے
اور اِس زمانے مین اُنھی کی تلاش اور اُنھی کی قدر کی جاتی ہے مشکل سے
دستیاب ہوئین میری یہ تاریخ کماحقہٗ فلسفیانہ تاریخ نہین تاہم جہان تک ممکن ہوا
سوسائٹی کے مختلف پہلوؤن پر نقادانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ تاریخ نگاری کے راستے
مین ایک سخت کانٹا یہ موجود ہے کہ اپنے وقت کے حُکّام کے حالات صحیح صحیح
قلم بند کرنے مین ہزارون دشواریان ہین البتہ گذشتہ حکام کے حالات لکھنے مین
جو لوگ اِس جہان سے گذر گئے ہین اندیشہ نہین ہے مگر اُن لوگون کو جو دیسی
ریاستون کے باشندے ہین اپنے وطن کے گذشتہ لوگون کے بھی صحیح حالات
لکھنے مین اِن مشکلات سے رستگاری نہین ہوتی ہے پھر خیال کرلو کہ ہماری تاریخون
مین آزاد طبیعتون کو کیا لطف آئے کہ ہمارا طرز تحریر مقید ہوتا ہے رُکھائی اور سچائی
سے کام لینے کی ہم مین مطلقاً جراٗت نہین۔ تاریخون کا جزو لاینفک آزادی اور
صاف گوئی وہ ہمارے یہان معدوم ہے۔ مین خیال کرتا ہون کہ یہ نازک اور
مشکل کام جب ایمانداری اور دیانت سے کرون گا خواہ گذشتہ لوگون کے
حالات ہون یا اِس زمانے کے حُکّام کے تو اکثر حکام کی ناراضی حاصل کیے بغیر
نہین رہ سکونگا کیونکہ بعض شخص اس تاریخ کے ایسے ہین کہ اگرچہ وہ دنیا مین
اس وقت حکمران یا صاحب اعتبار نہین مگر اُن کے بعض اخلاف ایسے موجود
ہین کہ وہ اُن کے حق مین میری سچی تحریرون کو ناگوار سمجھین گے اور میرے دشمن
بن جائین گے۔ کیونکہ اُن کا آئینۂ دل داغ تعصب سے پاک نظر نہین آتا اسی لیے

میں نے وہ حالات بہت سوچ سمجھ کر جو تاریخی عبرتوں کے اعلیٰ نمونہ ہیں
لکھے پھر بھی ایسے لوگوں کے شور و شغب کا بہت خیال رکھا ہے اور کسی کا دل
آزردہ کرنا شریعت اور طریقت کی رو سے بُرا سمجھا ہے۔ میں نے یہ تاریخ مفصل
لکھی ہے اور جس قدر واقعات ایسے ملے کہ اُن سے انکار نہیں ہو سکتا تھا
اور اُن میں قانونی مداخلتوں کی دشواری میں آنے کا اندیشہ نہ تھا اُن کو
احتیاطاً بھی مخفی نہیں رکھا ہے کیونکہ جو مؤرخ تاریخ اس غرض سے لکھتے ہیں کہ اُس سے
انسان کا بھلا ہو اور اس سے اُسکی عقل و دانش زیادہ ہو تو وہ ضرور حکام
کے افعال و اعمال لکھتے ہیں اُنکی بھلائی بُرائی دلائل اور براہین کے ساتھ تحریر
کرتے ہیں تاکہ اگر وہ دیدہ و دانستہ غفلت اور بے پروائی کرتے ہوں تو اس سے
متنبہ ہوں مگر ان عیب و صواب کے بتلانے میں اُنکی رائیں مختلف ہوتی ہیں
ایک ہی کام ہوتا ہے جسکو ایک بھلا دوسرا بُرا دلائل سے ثابت کرتا ہے
پس اس طرح مختلف مؤرخوں نے روہیلوں کی بھی تاریخیں لکھی ہیں اور اُنکے
افعال کی رسی اور نکوئی کو دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے ایک بات کو ایک
مؤرخ اس پیرایہ میں بیان کرتا ہے کہ وہ سر سے پیر تک بُری ہی بُری
معلوم ہوتی ہے دوسرا مؤرخ اُسکو اس انداز سے ادا کرتا ہے کہ وہ ساری
بھلی ہی بھلی دکھلائی دیتی ہے میں نے اُسکو دونوں طرح سے بیان کر کے
اِس کتاب میں دکھلا دیا ہے جس کے پڑھنے سے مجھے یقین ہے کہ ناظرین اصلی
واقعات کا اندازہ بخوبی کر لیں گے۔ انگریزی مورخوں میں ہر شخص کو اپنی رائے
کے اظہار کے لیئے بشرطیکہ اُس کے لیئے وجوہ ہوں اختیار حاصل ہے۔

اِس لئے وہ اپنی گورنمنٹ کی غلطیون پر اور اپنے افسرون کی لغزشون پر
ایسے ایسے سخت اعتراض چرب زبانی سے کرتے ہین کہ جو اِس کوچے سے
نابلد ہین وہ جانتے ہین کہ یہ شخص کوئی اپنی گورنمنٹ کا بڑا سخت دشمن ہے اور
حقیقت مین قومی رہنمائی کا کام یہی ہے کہ جب وہ دیدہٗ و دانستہ غفلت و
بے پروائی کرے تو اُسکو متنبہ کرے اور سچّی دل سوزی اور ہم دردی کا
اقتضا یہ ہے کہ اُس کے کامون پر نیک نیتی کے ساتھ سچی سچی راے ظاہر
کرے غرض جو اس چاشنی سے بے بہرہ ہین وہ اس نکتے کو ہرگز نہین سمجھ
سکتے کہ اس عیب بینی ہی کی بدولت ہر ایک قوم عالی نفش بلند حوصلہ
معراج ترقی پر چڑھتی جاتی ہے۔

منفعت اس کتاب کی یہ ہے کہ تھوڑے سے زمانے مین افاغنۂ روہیلکھنڈ
کے وہ حالات معلوم ہوسکتے ہین جو برسون مین واقع ہوے ہین اور اُس سے
یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کس طرح ادنےٰ درجے سے اپنے تئین اعلےٰ درجے پر
پہونچاتا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اِن روہیلون کا سرغنہ اور ریاست
رام پور جو کہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ مین ایک زرخیز و خود مختار ریاست ہے
اس خاندان کا مورث اعلےٰ ایک نہایت معمولی گھر مین پیدا ہوا اب اِس کا
ستارہ ایسے گھر مین جھلملایا ہوگا تو کسی کی آنکھ اُدھر نہ اُٹھی ہوگی مگر تقدیر ضرور
کہتی ہوگی کہ دیکھنا آفتاب ہو کر چمکیگا اور ستارے اس ملک کے اُس کی
روشنی مین دُھندلے ہو کر نظر سے غائب ہو جائینگے غریب مان نے اس
ہونہار لڑکے کو بڑی تنگدستی اور افلاس کی حالت مین پالا تھا اُسکے صدق دل

کی دعائیں جو ٹھنڈی سانس کے ساتھ رات کو درگاہ الٰہی میں پہونچی ہیں اپنا کام کر گئیں۔

تباہ اور تنگ رعیت کے مرنے کے بعد جب سلطنت ہند کا چہار شاہی میں آیا اور وہ شکستہ ہو کر پاس پاس ہوا اور اُس کے تختے اِدھر اُدھر بکھر گئے اور جس زبردست کے ہاتھ کوئی تختہ لگ گیا اُس پر پاؤں جما کر اسے تیلیں تخت نشین سلطنت سمجھنے لگا اور چاروں طرف ہتے جھٹکنے لگا تو ایسی حالت میں اس مدبر زبردست شخص نے بھی اس ساب میں قدم رکھ کر ایک تختے کے گوشہ کو لیا ہاتھ ٹیک کر ایسا درست کیا کہ اُسکی چمک دمک دیکھ کر بڑے بڑے تخت نشینوں کی آنکھوں میں چکا چوندا آگئی اور اُس کے اقبالمند جانشینوں نے اسی قوت بازو سے اُسے ایسا تھاما کہ آج تک یہ سرسبز وشاداب ریاست اُسی کا نقشہ ہے اِن تمام حالات پر غور کرنے سے طبیعت میں ایک قسم کی اُولو العزمی اور پست حالی سے نفرت آجائے گی اور جب اس بات کو سوچا جائے گا کہ ایسے ایسے اُولوالعزموں نے دنیا کو کس حسرت اور مایوسی کے ساتھ الوداع کہا اور باوجود کثرت خدم وحشم کے خالی ہاتھ یہاں سے کوچ کیا تو نفس میں ایک قسم کی شکست اور افسردگی آجائے گی اور اخلاق میں تہذیب پیدا ہو جائے گی۔ دل نیکی کی طرف مائل ہوگا بُرائی سے نفرت کرے گا دنیا کو فانی جانے گا اُس سے اعراض کرے گا۔ عالم باقی کی طرف رغبت پیدا ہوگی۔

مترجم چونکہ یہ کتاب علوم عقلی ونقلی میں سے ایک قسم کے بیان میں ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ علوم عقلی اور نقلی کا ایک ضروری حصہ سیکھ لینے کے بعد

اِسکے پڑھنے اور اسکی عبرت انگیز باتون پر غور کرنے کی طرف متوجہ ہون کیونکہ جب
سمجھ ٹھیک ہو جائیگی اور پھر اسکو دیکھین گے تو امید ہے کہ طبائع سلیمہ مین بڑا
اثر پیدا ہوگا اور یہ بات سمجھ مین آ جائے گی کہ ہمارے ہم جنسون نے دنیا مین آکر
کیا کیا اور کیا کرنا چاہیئے تھا اور کس طرح چلے گئے اور ہمکو کیا کرنا چاہیئے۔

مؤلف اور اُس کا رتبہ اس کتاب کو محمد نجم الغنی خان ساکن رام پور
ملک روہیلکھنڈ ابن مولوی عبد الغنی خان ابن مولوی عبد العلی خان ابن مولوی
عبد الرحمٰن خان ابن مولانا حاجی محمد سعید صاحب محدث شاگرد حضرت شاہ
ولی اللہ صاحب دہلوی ابن ملا لطیف خان ابن خان محمد خان ابن یار محمد خان
ابن خواجہ احمد خان ابن باشو خان ابن اندران خان ابن بازو خان ابن
شاہزادہ شہاب الدین خان قوم حقیتہ برلاس نے سنہ ۱۳۱۶ہجری مطابق سنہ ۱۹ء
مین تالیف کیا تھا اور سنہ ۱۳۳۶ ہجری مطابق سنہ ۱۹۱۶ء مین اسکی نظر ثانی کی۔ نجم الغنی
خان کی والدہ محمدی بیگم شیر محمد خان ابن رضی خان[1] عرف روزی خان ابن اسمٰعیل
خان اکزئی کی بیٹی ہین۔ یہ شیر محمد خان حکیم شاہ اعظم خان پدر حکیم محمد اعظم خان مؤلف
اکسیر اعظم و محیط اعظم وغیرہ کے بھائی ہین نجم الغنی خان کی ولادت دسوین ربیع الاول
سنہ ۱۲۹۶ہجری کو شب کے وقت رام پور مین نواب محمد علی خان کے مقبرے کے
قریب جو فی الحال پرانا مدرسہ مشہور ہے وقوع مین آئی تھی مؤلف کا رتبہ اُسکی
تالیفات سے ظاہر ہے۔ اس تاریخ سمیت اتنی کتابین اور رسالے اُسکی تالیف
سے ہین۔

---

[1] ان کا ذکر نواب سید فیض اللہ خان کے حالات مین پانی پت کی لڑائی کے موقع پر ہے اور کچھ انکا حال
نواب سید غلام محمد خان کے حالات مین دوجوڑہ کی لڑائی کے ضمن مین بھی آیا ہے ۱۲

نمبر	نام کتاب	مضمون کتاب	زبان کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ
۱	احیاء الصاد	روہیلکھنڈ کے شعراء کی تاریخ (یعنی یہی کتاب)	اردو	م
۲	بحر الفصاحت	علم معانی، بیان، بدیع، عروض و قافیہ وغیرہ کے مسائل	اردو	م
۳	نہج الادب	اس میں زبان فارسی کے صرف و نحو کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں لکھا ہے ہر مسئلے کو دلائل کے ساتھ مدلل کیا ہے مثالیں بکثرت فارسی زبان کی کتابوں سے دی ہیں نہایت مبسوط کتاب ہے مطبع منشی نولکشور میں غیاث اللغات کے حاشیے پر چھپ رہی ہے۔	فارسی	م
۴	رسالہ نجم الغنی	یہ رسالہ نہج الادب کا انتخاب ہے۔	فارسی	م
۵	مصباح القواعد عرف قواعد حامدی	یہ کتاب بھی نہج الادب کا انتخاب ہے اس سے زیادہ ضخامت ہے۔	اردو	م
۶	تہذیب العقائد	یہ رسالہ علم کلام میں ہے اور عقائد نسفی کی شرح ہے علمائے رام پور جیسے مولوی فضل حق صاحب پرنسپل مدرسۂ عالیہ رام پور اور مولوی ظہور الحسن صاحب سابق مدرس دوم مدرسۂ عالیہ رام پور اور مولوی اسد الحق صاحب ابن مولوی عبد الحق صاحب خیرآبادی اور مولوی سید محمد شاہ صاحب محدث اور مولوی عبد الغفار خاں صاحب اور منشی امیر احمد صاحب	اردو	م

نمبر	نام کتاب	مضمون کتاب	زبان کتاب	مطبوعہ ہے یا غیر مطبوعہ
۶		مینائی امیر تخلص نے اسکی تصحیح و تنقید کی ہے۔		
۷	تعلیم الایمان	فقہ اکبر کی ضخیم شرح ہے۔	اُردو	م
۸	میزان الافکار	فن منطق مین ہے اِسکی تصحیح مولوی فضل حق صاحب پرنسپل مدرسۂ عالیہ رام پور اور مولوی ظہور الحسین سابق مدرس دوم مدرسۂ عالیہ نے کی ہے۔	فارسی	م
۹	مذاہب الاسلام	اِس مین اسلام کے تمام مذاہب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اِس زمانے تک جتنے شخصون نے مہدی موعود ہونے کا دعوے کیا ہے اُن کا حال بھی لکھا ہے یہ کتاب اسی نام سے مختصر اور مطول دونون حالتون مین چھپی ہے اور تاریخ مذاہب الاسلام کے نام سے بھی ایکبار چھپی ہے۔	اُردو	م
۱۰	خزانۃ الادویہ	اِس ضخیم کتاب مین ادویۂ مفردہ کا بیان ہے ویدک اور ڈاکٹری اور یونانی تینون طور پر کلام کیا ہے۔ ہم ہزار صفحات کے قریب ضخامت ہے ایک بار اس سے کم حجم میں مخزن الادویہ کے نام سے چھپی ہے۔ اِس کتاب کی چار جلدین ہین۔	اُردو	م
۱۱	تذکرۃ السلوک	اِس کتاب مین علم تصوف کا بیان ہے اور خاتمے مین مصطلحات صوفیہ کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا ہے۔	اُردو	م

نمبر شمار	نام کتاب	مضمون کتاب	زبان کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ
۱۲	شرح تکملہ بیانیہ عبدالواسع	حروف تہجی اور اعداد مفردہ و مرکبہ میں نقطوں کا بیان ہے۔	فارسی	م
۱۳	سلک جواہر فی احوال الملوک	داؤد پوتروں کی تاریخ ہے ایک بار مختصر حالت میں بعنوان احوال الجواہر کے نام سے چھپ چکی ہے	اردو	م
۱۴	شرح جمل نقش	اوراد و اعمال کے بیان میں۔	اردو	م
۱۵	مصباح الطالب	اس رسالے میں آیات قرآنی سے فال لینے کی ترکیب بتائی ہے۔ رسالہ دراصل شیخ اکبر قدس سرہ کے ایک رسالہ عربی کا ترجمہ ہے۔ سال مصنف علی صاحب مرحوم نے اس کی تاریخ یوں لکھی ہے سنہ فالنامہ از آیات قرآن خان محمد اعظم محمد گفت کلک مصنف سال طبع یوسف۔ فالنامہ گل مراد شگفت۔	اردو	م
۱۶	القول الفصل فی شرح الظہر المعضل	شرح دعاء میں جو ظہر معضل کا ایک مشکل مقام ہے اسکو حل کیا ہے (یہ کتاب علم فقہ میں ہے)	عربی	م
۱۷	اصول الفقہ	فن اصول فقہ میں سب سے مبسوط کتاب ہے مسمی اخبار کے پریس میں چھپ رہی ہے۔	اردو	
۱۸	مختصر الاصول	یہ اصول فقہ کا انتخاب ہے۔	اردو	م
۱۹	مرقاۃ الحواشی	اصول شاشی کی شرح ہے علم اصول فقہ میں۔	اردو	ع

نمبر	نام کتاب	مضمون کتاب	زبان کتاب	[illegible]
۲۰	تاریخ اودھ	یہ مسلمان والیان اودھ کی تاریخ ہے چار جلدون مین	اُردو	۴

قسم علم یہ کتاب علم اخبار کی قسم سے ہے اور یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کے شرائع اور اُس کے رسولون کی سنتین معلوم ہوتی ہین اسی اخبار کے سبب سے اگلے وقتون کے بادشاہون امیرون عالمون اور نیک و بد لوگون کے حالات دریافت ہوتے ہین اِسی اخبار کے سبب سے حاکم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے اگلے لوگون نے یہ یہ کیا اور مجھے یہ کرنا چاہیئے اور اس سے اُن غیبی چیزون کا جن کو گذرے ہوے ایک زمانہ گذر چکا ہے اور بہت دور ہین خوب حال کھُل جاتا ہے اور یہ ایسی چیزین ہین جن کی فضیلتین مسلم الثبوت ہین ہر ایک ملک کے باشندونکی خصلتون اور عقائد کی وجہ سے جُدا جُدا اخبار ہین جو اُن مین مشہور ہین اور ہر ایک مین ایسے ایسے حادثے گذرے ہین جنکو وہانکے علما اور سمجھدار لوگ ہر وقت مین جانتے ہین۔

حصہ اور باب اور فصل اس کتاب مین ایک مقدمہ ہے فوائد فن تاریخ وغیرہ مین اور اُس کے بعد تین حصے ہین۔ پہلے حصے مین افغانونکی قوم کی تحقیقات کی ہے اور روہیلکھنڈ مین روہیلون کا جماؤ اور اُنکی حکومت قائم ہونے کے وقت سے نواب سید فیض اللہ خان کے آخر عہد تک

نمبر	نام کتاب	مضمون کتاب	زبان	مطبوعہ یا قلمی
١٢	سرح گنجینہ اسرار عبدالواسع	حروف تہجی اور اعداد مفردہ و مرکبہ میں نطس کا ساں ہے۔	فارسی	م
١٣	سلک گوہر احوال الملوک فی	داؤد بوہروں کی تاریخ ہے ایک مختصر رسالہ میں عدد وانکا اہری احوال الملوا ہر کے نام سے طبع ہو چکی ہے	اُردو	م
١٤	سرح عمل نیشا	اوراد و اعمال کے بیان میں۔	اُردو	م
١٥	مفتاح الطلب	اس رسالے میں آیات قرآنی سے فال لینے کی ترکیب بتائی ہے۔ رسالہ دراصل شیخ اکبر قدس سرہ کے ایک رسالہ عربی کا ترجمہ ہے میاں منصور علی صاحب مرحوم نے اس کی تاریخ یوں لکھی ہے سے فالنامہ ز آیت قرآن نشان حکم الہی محی گشت کلک منصور سال طبع نوشت۔ فالنامہ گل مراد شگفت	اُردو	م
١٦	الفصول الفیصل فی شرح الطہر المحلل	سرح دعائیہ میں جو طہر محلل کا ایک مشکل مقام ہے اُسکو حل کیا ہے (یہ کتاب علم فقہ میں ہے)	عربی	م
١٧	اصول فقہ	فن اصول فقہ میں سب مبسوط کتاب ہے مسیار احبار کے پریس میں چھپ رہی ہے۔	اُردو	
١٨	مختصر الاصول	۔ اصول فقہ کا انتخاب ہے۔	اُردو	م
١٩	مرقاۃ الوصول	۔ اصول شاشی کی سرح ہے علم اصول فقہ میں۔	اُردو	ع

نمبر	نام کتاب	مضمون کتاب	زبان کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ
۲۰	تاریخ اودھ	یہ مسلمان والیان اودھ کی تاریخ ہے چار جلدون مین	اُردو	م

قسم علم یہ کتاب علم اخبار کی قسم سے ہے اور یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کے شرائع اور اُس کے رسولون کی سنتین معلوم ہوتی ہین اسی اخبار کے سبب سے اگلے وقتون کے بادشاہون امیرون عالمون اور نیک و بد لوگون کے حالات دریافت ہوتے ہین اِسی اخبار کے سبب سے حاکم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے اگلے لوگون نے یہ یہ کیا اور مجھے یہ کرنا چاہئیے اور اس سے اُن غیبی چیزون کا جن کو گذرے ہوے ایک زمانہ گذر چکا ہے اور بہت دور ہین خوب حال کُھل جاتا ہے اور یہ ایسی چیزین ہین جن کی فضیلتین مسلم الثبوت ہین ہر ایک ملک کے باشندونکی خصلتون اور عقائد کی وجہ سے جُدا جُدا اخبار ہین جو اُنمین مشہور ہین اور ہر ایک مین ایسے ایسے حادثے گذرے ہین جنکو وہانکے علما اور سمجھدار لوگ ہر وقت مین جانتے ہین۔

حصہ اور باب اور فصل اس کتاب مین ایک مقدمہ ہے فوائد فن تاریخ وغیرہ مین اور اُس کے بعد تین حصے ہین۔ پہلے حِصّے مین افغانونکی قوم کی تحقیقات کی ہے اور روہیلکھنڈ مین روہیلون کا جماؤ اور اُنکی حکومت قائم ہونے کے وقت سے نواب سید فیض اللہ خان کے آخر عہد تک

کے واقعات ذکر کئے ہیں۔ دوسرے حصے میں نواب سید محمد علی خاں
ابن نواب سید فیض اللہ خاں کے عہد سے نواب سید مشتاق علی خاں کے
اواخر عہد تک کے حالات ہیں تیسرے حصے میں نواب سید حامد علی خاں
بہادر کی مسند نشینی سے اس وقت تک کے حالات ہیں۔ ایک خاتمہ بھی ہے
جس میں ریاست رام پور کا جغرافیہ مع تکمل جغرافیہ اور پٹھانوں وغیرہ کا
تمدن وطرز معاشرت بیان کیا ہے۔
پہلے زمانے میں ہر ایک کتاب یا رسالہ مقدمہ۔ ابواب۔ فصول اور
خاتمہ پر منقسم ہوتا تھا اب تحریرات انگریزی کی تقلید سے یہ بات اُردو میں
چھوٹتی جاتی ہے اور کتاب اس طرز سے لکھی جاتی ہے جو اخبار کا ایک
مضمون سا معلوم ہوتا ہے۔
طریق تعلیم میں نے اس کتاب میں تین طریق اختیار کئے ہیں (۱)
روہیلوں کے بیان میں جس قدر تاریخیں دستیاب ہوئیں اُن سے نقل کیا ہے
(۲) معتمد اور ثقہ لوگوں کے بیانات تحریری ولفظی کو جمع کیا ہے (۳)
جو کچھ میری نظر سے گذرا اور میں نے دیکھا وہ لکھا ہے۔
تنبیہ بعض حالات جو دلچسپ تھے مگر کافی ثبوت نہ رکھتے تھے مستند
لوگوں کے بیان سے لئے گئے ہیں مگر اُن کا اشارہ میں نے حاشیوں میں
کر دیا ہے۔ اس خاندان کا تاریخی مادہ جس قدر کتب میں ہے جو خوش قسمتی
سے میرے استعمال میں رہا لکیں میں علانیہ اعتراف کرتا ہوں کہ سہو ونسیان
وغلطی سے میری کتاب کیا کوئی کتاب پاک نہیں ہو سکتی۔ ناظرین سے مجھے مورد

ملامت نہ بنائین اور جہان عیب پائین عیب پوشی کو کام مین لائین۔
تنبیہ اس عام قومی پستی اور ذلت کے زمانے مین تصنیف و تالیف کی مٹی خوب پلید ہو رہی ہے اِس کو بچون کا کھیل سمجھ لیا ہے اور ایسے کھلونوں کا مقبول یا مستحق ستائش سمجھا جانا ملک کی شائق مطالعہ پبلک کی علمی بے مائگی کی وضاحت کر رہا ہے۔ ہمارے ملک مین یہ خرابی بہت زور پکڑ گئی ہے کہ ملک کی بے شوقی اور کتابون کی قلیل المقدار فروخت سے ڈر کر یا ذاتی تساہل و کم محنتی کے عادی ہو جانے کی وجہ سے عموماً مؤلف صاحبان اپنی مد نظر تالیف کی تیاری مین مدد لینے کے لیئے مصالح و مواد لازمہ کی فراہمی کی طرف مطلق توجہ نہین کرتے۔ اور اگر معدودے چند ایسا کرین بھی تو انتخاب یا تحقیق اور پرتال مین کوتاہی کر جاتے ہین یہی وجہ ہے کہ اکثر بڑی بڑی ضخیم کتابون مین عموماً جزوی واقعات اور غیر اہم معاملات تو برابر موجود ہونگے لیکن کئی اہم واقعات کا کہین پتہ نہین چلتا۔ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب نے ہندوستان کی تاریخ کئی موٹی موٹی جلدون مین شائع کی ہے مگر یہ نقص اِس کتاب مین بھی برابر موجود ہے غدر کے واقعات تو خیر اُنھون نے عمداً سرے سے ہی قلم انداز کر دیے۔ اور صاف لکھ دیا کہ وہ اِن واقعات کا مطلقاً ذکر نکرینگے مگر اسکے ساتھ ہی وہ ۱۸۵۷ء کے تمام دیگر واقعات کو بھی نظر انداز کر گئے ہین یعنی اس منحوس سال ہی کو صفحات تاریخ سے خارج کر دیا ہے خیر اِسکے لیئے یہ کہکر تسلی کیجا سکتی ہے کہ یہ سال اپنے اہم ترین واقعہ کے سبب سے ایسے سلوک کا مستوجب تھا لیکن سال ماسبق کی جنگ ایران اور واقعۂ ہرات ایسے اہم معاملے کو بالکل چھوڑ دینے کی کوئی وجہ ابتک سمجھ مین نہین آسکی

اسی طرح سلطان سلیمان اعظم کے زمانے میں بنگال اور گجرات کے خود مختار بادشاہوں نے سلطنت عثمانیہ سے خط و کتابت کر کے خود مدد کی استدعا کی تھی اور گجرات کے ساحل پر پرتگیزوں اور ترکوں میں جو مہینوں تک سخت معرکہ اور بحری جدال و قتال ہوا اسکے متعلقہ حالات کا مطلقاً ذکر نہیں کیا گیا ایک جگہ جلد چہارم کے ایک ضمیمے میں صرف ایک سطر پر کنایت کی گئی ہے کہ بہادر شاہ سے عہد کیا کہ ترکی جہازوں کا معاون ہوگا۔ پھر یہ کہ ۱۵۳۸ء میں سلیمان آغا ترکی امیر البحر کے بیڑے اور خواجہ ظفر کی فوج نے پرتگیزوں سے دیو کو بڑی بہادری سے بچایا۔ حالانکہ اس اہم واقعہ کو جس نے اسلامی تاریخ کے واقعات آئندہ پر بڑا اثر ڈالا کمال وضاحت اور بسط سے تحریر کرنا زیادہ مناسب تھا۔ اس قسم کی تمام فروگذاشتوں کا اصل سبب یہی ہے کہ مؤلف کے پاس کم یا زیادہ جس قدر مصالح موجود ہو وہ اسی پر قناعت کر لیتا ہے اور وہ دلی شوق سے اسے کام کو سرانجام نہیں دیتا بلکہ بوجھ سمجھ کر حتی المقدور جلد اسے سر سے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر ثمرہ بھی اسی محنت کا حسب حال اٹھاتا ہے۔

اُن کتابوں کے نام جن جن سے انتخاب لیا گیا ہے

کشف الظنون عربی۔ آئین اکبری۔ ہفت اقلیم مولفہ عبد النبی بلگرامی۔ بیان الواقعہ۔ تاریخ آصفی۔ عزیز القلوب۔ فرح بخش۔ عماد السعادت۔ مخزن افغانی۔ گلستان رحمت مولفہ نواب مستجاب خان بن حافظ رحمت خان

مرتبہ سنہ ۱۲۴۰ ہجری اور یہ خلاصہ ہے گلستان رحمت کا۔ اخبار حسن مولفہٗ
محمد حسن رضا خان بن محمد کامگار خان بن الہ یار خان بن حافظ رحمت خان
مرتبہ سنہ ۱۲۵۰ ہجری۔ آصف نامہ۔ جام جہان نما مؤلفہٗ مولوی قدرت اللہ۔
طبقات الشعرا۔ سیر المتاخرین۔ تاریخ سلاطین متاخرین ہند۔ طبقات ناصری
خلاصۃ الانساب مولفہٗ حافظ رحمت خان۔ منتخب العلوم۔ مآثر الامرا۔
مرآت آفتاب نما۔ تنقیح الاخبار فی آثار الادوار۔ گلشن فتوت مؤلفہ نواب
کلب علی خان۔ حسین شاہی۔ شاہ نواز خانی۔ قانون خاندان ریاست
رام پور۔ چند اجزاے فارسی در حالات جنگ نواب سید علی محمد خان وراجہ
ہرنند۔ سفرنامۂ بن گڑھ مؤلفہٗ انند رام مخلص۔ تاریخ خواجہ بشیر۔ تاریخ اودھ
مؤلفہ گرو سہاے۔ مساکن فلسفی۔ خزانۂ عامرہ۔ جارج نامہ۔ شاہ عالم نامہ
عالم شاہی۔ وقائع عالم شاہی۔ سیر کریمی۔ فصول فیض اللہ خانی معروف
بہ اقتباس العلاج۔ سوانح محمد عباس علی خان۔ گیان پرکاش۔ تاریخ آصفی
مولفہٗ ابو طالب بن محمد۔ مجمع الفصحا۔ براہین العجم۔ تکملہ تاریخ ذکر ملوک۔ سلسلۂ عالیہ
نشتر عشق۔ تاریخ مظفری۔ انتخاب یادگار۔ حیات افغانی۔ مجموعۂ بائبل
سفرنامۂ برنیر۔ تاریخ فرخ آباد مولفہٗ مفتی ولی اللہ۔ تاریخ فرخ آباد مولفہ آروِن صاحب۔
تذکرۂ حکومت السلطین۔ گزیٹیر ممالک متحدہ کے حصہ روہلکھنڈ و کمایوں و شاہجہانپور
اجزا ایک قلمی تاریخ کے جو پرانے زمانے کی لکھی ہوئی زبان اردو مین ملکیون کے
خاندان مین رام پور مین ملی تھی۔ تاریخ روہیلکھنڈ۔ تاریخ مالوہ۔ تاریخ راجگان پنجاب۔ تاریخ پٹیالہ۔
تاریخ ہندوستان مولفۂ الفنسٹن صاحب۔ ملٹن کی تاریخ۔ تاریخ ہندوستان،

مؤلفہ خان بہادر شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب۔تاریخ ہندوستان
جیمس گرینڈ۔ڈل کی تاریخ۔آئینۂ اودھ۔وقائع راجوتانہ۔جنگ نامۂ
حافظ خان منظوم۔تاریخ اودھ دفتر سوم۔قیصر التواریخ۔جلد دوم مہاتمات
موسی پدماوت۔طلسم ہند۔آب حیات۔مثنوی منظوم دربیان جنگ دوجوڑہ۔
جنگ نامہ منظوم اردو نواب غلام محمد خان مؤلفہ تسلیم ساکن رستم نگر۔
فصل الکلام۔آئینۂ محمدی۔دُر منظوم۔نظم عمدہ۔نظم صامن۔واقعات دارالحکومت
سرگذشت شاہ دہلی۔محاربہ عظیم۔تاریخ امروہہ۔تاریخ حلقۂ قیصری مصنفہ
جی مثال یا ئروطر۔اخبارات دبدبۂ سکندری۔خطوط نوابان اودھ سام
رؤسائے رام پور۔سالانہ رپورٹہائے ریاست رام پور۔کلیات سودا۔
کلیات عمر شاہ خان عمر۔دیوان نواب محبت خان۔دیوان مرزا محمو
عرف کرم خان کرم تخلص۔دیوان اکبر شاہ خان فرحت۔کلیات نواب
عبداللہ خان۔کلیات نواب یوسف علی خان۔کلیات فارسی و اردو
نواب کلب علی خان۔رپورٹ کتب خانہ رام پور۔قوانین ریاست رام پور
مولفہ مولوی مظہر اللہ۔بعض ثقہ لوگوں کی تحریریں اور تقریریں۔رام پور کی
کچہریوں اور دفتروں اور عدالتوں وکارخانوں سے تحقیقات۔

اخبار الصنادید کا پہلا حصہ

اس میں افغانوں کی قوم کی تحقیقات اور واقعات تاریخی نواب سید فیض اللہ
خان کے عہد تک درج کیے جاویں گے۔

افغان کے نسب اور لفظ پٹھان کی تحقیق

مخزن افغانی مین جو سنہ ایک ہزار تیس ہجری مین تالیف ہوئی ہے
اس طرح لکھا ہے کہ حضرت یعقوب اسرائیل کے بارہ فرزندون مین سے
یہودا پسر کلان سے افغانون کی نسل چلتی ہے اور یہودا کی پانچوین پشت
مین ساؤل ملقب بہ طالوت بادشاہ بنی اسرائیل پیدا ہوا جو حضرت
مسیح کے وجود سے ایک ہزار پچانوے برس پیشتر حضرت شمویل نبی کے
فرمانے سے بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا تھا۔ پٹھان اُسکو اپنا مورث اعلےٰ
کہتے ہین ساؤل طالوت نے گناہون سے توبہ کرکے سلطنت حضرت داؤد
کے سپرد کی اور کفار سے جنگ و شہادت کا ارادہ کیا اور حضرت داؤد کو
وصیت کی کہ میری دو زوجہ حرم مین حمل دار ہین اور اُن سے دو بیٹے
پیدا ہون گے جن کے نتائج اور اُنکی اولاد کی شجاعت تا قیامت صفحۂ
روزگار پر یادگار رہے گی اور کثرت تعداد مین اُنکی ذریات سب قومونسے
زیادہ ہوگی طالوت تو کفار کے ہاتھ سے شہید ہوگئے۔ اُنکی دونون زوجہ
سے دو بیٹے پیدا ہوئے حضرت داؤد نے ایک کا نام ارخیا اور دوسرے
کا ارمیا رکھا ان دو بھائیون کے بھی دو فرزند اولوالعزم پیدا ہوئے
ارخیا نے اپنے فرزند کا نام آصف اور ارمیا نے اپنے بیٹے کا نام افغان
رکھا حضرت داؤد نے آصف کو اُس کے باپ کی جگہ وزیر کیا اور افغان کو
اُس کے باپ کی جگہ کل فوج کی سپہ سالاری دی بیت المقدس کی تعمیر

افغان ہی کے اہتمام سے ہوئی جس نے اس کی تعمیر کو حضرت سلیمان کی
حیات میں اور آپ کی وفات کے بعد دیووں سے پورا کرایا اور وہاں مستقر
اس وقت دیووں نے افغان کو سکھائی افغان کے چالیس بیٹے پیدا
ہوئے اور آپ کی اولاد اتنی کثیر ہوئی کہ ربع مسکون کا کوئی قبیلہ ان کے
برابر نہ تھا مدت کے بعد جب بخت نصر نے بیت المقدس پر یورش
کر کے ویرانی پیدا کی اور بنی اسرائیل کو جلاوطن کر دیا تب آصف اور
افغان کی اولاد کے قبیلے اکثر کوہ غور اور کوہ فیروزہ اور جبال
خراسان میں آ کر آباد ہوئے اور بعضے عرب میں جا بسے جن میں سے
خالد بن ولید مشہور ہوئے جو بڑے دلاور تھے اور ان کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا لقب عطا کیا تھا جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے
کو ہجرت فرمائی تو خالد بن الولید کی تحریر سے کوہ غور کی قوم افغان کے رئیسوں میں سے
چند آدمی مدینے کو چلے گئے جن میں نامور آدمی قیس ابن عیص تھے جن کا سلسلہ نسب
سنتالیس واسطے سے ساؤل طالوت تک پہونچتا ہے اور یہ جماعت آنحضرت
پر ایمان لائی حضرت نے فرمایا قیس نام عبرانی ہے اور میں عرب ہوں
آپ نے مہربانی سے قیس کا نام عبدالرشید رکھا اور فرمایا کہ تم ملک
طالوت کی اولاد میں سے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ملکی کے
خطاب سے یاد فرمایا ہے اس واسطے آئندہ بہتر ہے کہ تم کو بھی ملک
کہا جائے یہی وجہ ہے کہ معتبر افغانوں کو ملک کہتے ہیں اور انہی دنوں
آنحضرت نے فتح مکہ کی عزیمت فرمائی اور قیس عبدالرشید کو افغانوں کی

ایک جماعت کے ساتھ خالد بن ولید کی ہمراہی مین اپنے لشکر کے ہراول
مین مقرر کیا چنانچہ فتح مکہ کی لڑائی مین افغانون سے بڑی جوانمردی ظہور
مین آئی اور ستر قریش خاص عبد الرشید کے ہاتھ سے قتل ہوئے تب
پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر فرمایا کہ اس شخص کی اولاد سے
سلسلۂ عظیم پیدا ہوگا کہ قیامت تک دین اسلام کا استحکام کرین گے
اور اس قوم کا استحکام اس لکڑی کے مثل ہے جسپر جہاز کی بنیاد رکھی
جاتی ہے اور اس لکڑی کو بتان کہتے ہین اور اس سبب سے قیس
عبد الرشید بتان کے لقب سے مشہور ہوے رفتہ رفتہ یہ لفظ پٹھان
(بیاے فارسی وتاے ہندی مخلوط التلفظ بہا) زبان زد ہوگیا۔ اور
قیس عبد الرشید کی اولاد پٹھان کہلانے لگی۔

ایک شخص نے ایک رسالے مین یہ لکھا ہے کہ پشتو زبان حضرت
سلیمان ؑ کے عہد مین افغانون نے اسواسطے ایجاد کی کہ سر اجلاس بادشاہ
سے پردہ اور راز کی باتین کرین اور افغانون کو عرب لوگ سلیمانی اسواسطے
کہتے ہین کہ اُن کے مورث اعلے حضرت سلیمان ؑ کے مصاحب تھے۔

محمد حیات خان نے حیات افغانی مین اس سلسلۂ نسب پر بہت سے اعتراض کیے ہین وہ
کہتے ہین کہ غور کرنے کا مقام ہے کہ کتاب عہد عتیق مین جہان بنی اسرائیل کے خانوادون کا
شمار اسم وار لکھا ہے اسمین کہین بھی بنی افغان کا ذکر نہین اور نہ بنی اسرائیل کا کوئی خاندان
ملک شام مین بنی افغان کے نام سے نامزد ہوا اور خالد بن ولید صاف قریش
تھے اگر وہ افغان ہوتے تو اُن کے خاندان کو یا خود اُن کو عرب مین بھی

سے۔ بیاے موحدہ عربی وتاے مثناۃ فوقانی ۱۲

کوئی افغان لکھا مگر مخزن افغانی کی تحریر کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ جاہل افغان اپنے
آپ کو خالد بن ولید کی نسل سمجھتے ہیں اور لفظ ملک ایک رسمی تعریف
سفید پوشاں، مہہ یا قوم کے واسطے ہے جیسا کہ کسی علاقے میں سردار یا چودھری
یا مقدم کہتے ہیں اور کسی ملک میں ملک لام کے فتح سے بولا جاتا ہے مراد ان
الفاظ سے ایک ہی ہے اور یہ کہیں سے ثبوت کو نہیں پہنچا کہ ملکی کا خطاب
حضرت خاتم الانبیا کے دربو دے سے ہے کتب اسماء الرجال اور رجالات
صحابہ میں کہیں اس روایت کا ذکر نہیں اور ماننا لفظ ملک مالک کا اختصار
ہے یعنی وارث یا گاؤں کا سرگروہ اور قیاس چاہتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی
کے عہد سے یہ لفظ چلا ہے اُس سے پہلے کسی تاریخ میں گاؤں یا قوم کے
معتبروں کے واسطے ملک کا لفظ دیکھنے میں نہیں آیا اُس کے بعد اکثر غلامان
ترک وغیرہ سرداروں کو ملک کہتے ہیں تاریخ فرشتہ کے دیکھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ ملک کا لفظ اکثر امیروں اور ملازموں کو جو افغان نہیں ہوتے
تھے بادشاہ ہند کے دربار میں کہا جاتا تھا اُسکی خصوصیت کچھ پٹھانوں کے
واسطے نہیں ہے اور طالوت کو جو لفظ مَلِک سے قرآن میں ذکر فرمایا ہے
وہ لفظ لام کے کسرے سے بادشاہ کے معنے میں ہے اور اس معاملے کو
علیحدہ سمجھنا چاہیئے اور ہر ایک اہل بصیرت کو یہ بات معلوم ہے کہ افغانوں کو
اہل ہند یعنی دریائے سندھ کے مشرقی ملکوں کے لوگ پٹھان کہتے ہیں خود
افغانستان کے افغان اور مغربی ملکوں کے لوگوں میں سے کوئی پٹھان
نہیں کہتا ہے بس خیال کرو کہ اگر لفظ پٹھان عطیۂ جناب موسیٰ ہوتا تو مغربی

طرف سے آنا اور رفتہ رفتہ یہ لوگ خود پٹھان اپنے آپ کو کہتے نہ کہ ہندوستانی زبان سے اُس کی بنیاد پیدا ہوتی۔ اور عرب کے لوگ بھی جس ملک سے اُن کو لقب عطا ہوا تھا پٹھان کہتے نہ کہ سلیمانی اور لفظ سلیمانی اگر صاحبان حضرت سلیمانؑ سے تعلق رکھتا تو اور ملکون مین بھی کسی نبی اسرائیل کو سلیمانی کہتے۔ بنیاد لفظ سلیمانی کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوہ سلیمانؑ کے باعث سے جو اس ملک مین ہے عرب لوگ اس جگہ کے رہنے والون کو سلیمانی کہتے ہین بعضون نے یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ فرملیون کے بزرگ شیخ محمد سلیمان کے مرید تھے اور وہ ایک صاحب کرامات آدمی تھے پس اول اول فرملیون کو سلیمانی کہتے تھے رفتہ رفتہ یہ لقب تمام افغانون کو شامل ہوگیا۔ بعضے یہ بیان کرتے ہین کہ افغانون مین بعضے ایسے لوگ داخل ہوگئے تھے جو سلیمان بن خالد بن ولید کی اولاد تھے عرصۂ دراز کے بعد سب پٹھانون کا لقب سلیمانی مقرر ہوگیا قیاس چاہتا ہے کہ پٹھان کی بنیاد ہندی زبان سے ہے۔

تاریخ فرشتہ مین کہا ہے کہ عہد سلاطین اسلام مین جب اول دفعہ یہ لوگ ہند مین آئے تو بلدہ پٹنہ مین آباد ہوئے تھے اِس کے سبب سے اہل ہند انکو پٹھان کہتے ہون گے اور ایسا بھی سمجھ مین آتا ہے کہ یہ لفظ پٹ آن سے نکلا ہو کیونکہ جب یہ لوگ مغرب کی جانب سے آئے تو سابق کے رہنے والون کو بے دخل کردیا اور اُنھون نے اپنی زبان سے اُنکو پٹیہ آن بولا یعنی آنکے پٹنے والے پٹنے کے معنی برباد کرنا ہین اور اب تک دوآبہ سندھ ساگر مین برباد کرنے کو پٹنا یعنی اکھاڑنا کہتے ہین اور کثرت استعمال سے پٹ آن

کاٹھاں لگیا یا پٹیں لیبر نہیں عبدالرشید کے نام سے جس کے نواسے
قوم لودی نے سب افغانوں سے پہلے ہندوستان میں رسوخ پیدا کیا
اس قوم کو ہندوستانی ایسے تصرف لفظی سے پٹھان کہنے لگے یعنی بٹ کی
دڑیبات یا یہ لفظ پشتوں سے بہ سبب کثرت استعمال اور تصرف کے پٹھان
میں گیا اور لفظ پشتو کی وجہ تسمیہ ایک معتبر روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ
پشت نامی ایک موضع ملک غور میں واقع ہے یہاں اس قوم کے مورث
اعلاقیس عبدالرشید کی سکونت تھی اس جگہ کی نسبت سے پشتون کے
نام سے یہ قوم مشہور ہوئی اور اسی باعث سے انکی زبان کا نام بھی پشتو ہوا
یا پشتوں پشتہ کی طرف منسوب ہے جس کے معنی پہاڑی آدمی کے ہیں چونکہ
یہ لوگ پہاڑی ملک میں رہتے تھے اس سکونت کے باعث سے یہ قوم
تھوڑے سے تغیر لفظی کے ساتھ پشتون کہلائی اور اس تقدیر پر لفظ روہیلہ
اور پشتوں کی بھی تطبیق ہے۔ پس پشتون کے معنی کوہی یا کوہستانی ہوتے
ہیں۔ پشتو زبان کی حقیقت یہ ہے کہ۔ کچھ قدیم نہیں ہے فارسی جدید۔ ژند
پہلوی۔ سنسکرت۔ ہندوستانی۔ عربی۔ سارسی۔ جوجیانی۔ عبرانی۔ مل
کی زبان مل کر یہ ایک سخت زبان مروج ہوگئی ہے۔ اور نہ کوئی بھی عقلمند
نہیں کہہ سکے گا کہ حضرت سلیمان کے سب مصاحب بیت المقدس سے
اٹھ کے افغانستان میں آرہے اور صرف اسی جگہ وہ زبان کی زبان پشتو پھیلی
اور لفظ افغان بھی کچھ قدیمی لفظ نہیں معلوم ہوتا میاد اس کی فارسی زبان
سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ اسی زبان پشتو میں کبھی اپنے آپ کو افغان نہیں

کہتے بلکہ پشتون یا پختون اپنی اصل بتلاتے ہین پس اگران کا مورث کوئی افغان نامی ہوتا اور اُس کے سبب سے اُس کی اولاد افغان مشہور ہوتی تو خود اپنی زبان مین افغان کہتے نہ کہ غیر زبان سے یہ لفظ آتا کیونکہ اپنے مورث کا نام اولاد کو بہ نسبت اور لوگون کے صحیح آتا ہے تاریخ فرشتہ مین افغان کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ جب اس قوم نے ۱۴۳ھ ہجری مین پشاور کے نواح مین حملہ کر کے قبضہ کر لیا تو لاہور کے راجہ نے جس کے متعلق پشاور تھا فوج بھیجی اور چند لڑائیان ہوتی رہین۔ کابل۔غور۔خلج۔فارس بان جو حلیہ اسلام سے آراستہ تھے دین کے اشتراک کی وجہ سے مدد کو آئے جب راجۂ پنجاب کی فوج واپس گئی اور کابل اور خلج کے لوگون نے بھی اپنے مقامون کو مراجعت کی تو اُن سے کوئی پوچھتا تھا کہ مسلمانان کوہستان کا حال کیا ہے اور کیا صورت پیدا ہوئی تو وہ فارسی زبان مین اس طرح جواب دیتے تھے کہ کوہستان مگوئید افغانستان بگوئید کہ بجز افغان (یعنی فریاد وغوغا) درآنجا چیزے دیگر نیست اس سبب سے لوگ انکو افغان اور انکے ملک کو افغانستان کہتے ہین۔مؤلف کہتا ہے کہ سید ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد مین لکھا ہے کہ یہ وجہ اس بات کے منافی نہین کہ یہ لوگ افغان بن ارمیا بن طالوت کی اولاد ہین۔

اُس بیان کے بعد حیات افغانی مین لکھا ہے کہ خالد بن ولید خالص عرب قبیلۂ عبد الشمس سے تھے جو قریش کی شاخ ہے اُن کا تعلق اگر پٹھانون سے ہے تو صرف اسی قدر ہے کہ جب قیس عبد الرشید مدینۂ منورہ مین جاکر

کاٹھاں سنگیا یا بٹیں لیبر میں عبدالرشید کے نام سے جس کے تو اسے قوم لودی نے سب افغانوں سے پہلے ہندوستان میں رسوخ پیدا کیا اس قوم کو ہندوستانی اپنے تصرف لفظی سے ٹھاں کہنے لگے یعنی سٹ کی وڑیات یا یہ لفظ پشتون سے بسبب کثرت استعمال اور تصرف کے پٹھان بن گیا اور لفظ پشتو کی وجہ تسمیہ ایک معتبر روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ پشت نامی ایک موضع ملک غور میں واقع ہے یہاں اس قوم کے مورث اعلیٰ قیس عبدالرشید کی سکونت تھی اس جگہ کی نسبت سے پشتون کے نام سے یہ قوم مشہور ہوئی اور اسی باعث سے انکی زبان کا نام بھی پشتو ہوا یا پشتون پشتہ کی طرف منسوب ہے جس کے معنی پہاڑی آدمی کے ہیں چونکہ یہ لوگ پہاڑی ملک میں رہتے تھے اس سکونت کے باعث سے یہ قوم تھوڑے سے تغیر لفظی کے ساتھ پشتون کہلائی اور اس تقدیر پر لفظ روہیلہ اور پشتون کی بھی تطبیق ہے۔ پس پشتون کے معنی کوہی یا کوہستانی ہوتے ہیں۔ پشتو زبان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کچھ قدیم نہیں ہے فارسی جدید تر۔ پہلوی سنسکرت۔ ہندوستانی۔ عربی۔ آرمنی۔ جوجیانی۔ عبرانی۔ داخل کی زبان مل کر یہ ایک مخلوط زبان مروج ہو گئی ہے۔ اور یہ کوئی بھی عقلمند نہیں کہہ سکے گا کہ حضرت سلیمان کے سب مصاحب بیت المقدس سے اٹھ کے افغانستان میں آرہے اور صرف اسی جگہ و ہ ان کی زبان پشتو پھیلی اور لفظ افغان بھی کچھ قدیمی لفظ نہیں معلوم ہوتا میاد اس کی فارسی زبان سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ اسی زبان پشتو میں کبھی اپنے آپ کو افغان نہیں

کہتے بلکہ پشتون یا پختون اپنی اصل بتلاتے ہین بس اگر ان کا مورث کوئی افغان نامی ہوتا اور اُس کے سبب سے اُس کی اولاد افغان مشہور ہوتی تو خود اپنی زبان مین افغان کہتے نہ کہ غیر زبان سے یہ لفظ آتا کیونکہ اپنے مورث کا نام اولاد کو بہ نسبت اور لوگون کے صحیح آتا ہے تاریخ فرشتہ مین افغان کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ جب اس قوم نے ۶۳ہجری مین پشاور کے نواح مین حملہ کرکے قبضہ کرلیا تو لاہور کے راجہ نے جس کے متعلق پشاور تھا فوج بھیجی اور چند لڑائیان ہوتی رہین - کابل - غور - خلج - فارسی بان جو حلیۂ اسلام سے آراستہ تھے دین کے اشتراک کی وجہ سے مدد کو آئے جب راجۂ پنجاب کی فوج واپس گئی اور کابل اور خلج کے لوگون نے بھی اپنے مقامون کو مراجعت کی تو اُن سے کوئی پوچھتا تھا کہ مسلمانان کوہستان کا حال کیا ہے اور کیا صورت پیدا ہوئی تو وہ فارسی زبان مین اس طرح جواب دیتے تھے کہ کوہستان مگوئید افغانستان بگوئید کہ بجز افغان (یعنی فریاد و غوغا) در آنجا چیزے دیگر نیست اس سبب سے لوگ انکو افغان اور انکے ملک کو افغانستان کہتے ہین - مؤلف کہتا ہے کہ سید ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد مین لکھا ہے کہ یہ وجہ اس بات کے منافی نہین کہ یہ لوگ افغان بن ارمیا بن طالوت کی اولاد ہین -

اُس بیان کے بعد حیات افغانی مین لکھا ہے کہ خالد بن ولید خالص عرب قبیلۂ عبد الشمس سے تھے جو قریش کی شاخ ہے اُن کا تعلق اگر پٹھانون سے ہے تو صرف اسی قدر ہے کہ جب قیس عبد الرشید مدینۂ منورہ مین جاکر

مسلمان ہوا تب اس نے مسماۃ سارہ بنت خالد بن ولید سے نکاح کیا
جس کے بطن سے سڑبن اور غُرغُشت اور بیٹن تین بیٹے قیس کے پیدا ہوئے
جو بموجب اعلٰی صحیح النسب افغانوں کے ہیں پس اس صورت میں خالد
افغانوں کے جد مادری ہیں نہ جد پدری۔ اصلی نام عبدالرشید کا قیس تھا
جو بدل کر بقاعدہ اہل اسلام عربی لغت میں عبدالرشید نام رکھا گیا جیسا
کہ اب بھی دستور ہے کہ نومسلم کا نام مسلمان ہونے کے وقت اسلامیہ طریقے
سے عربی میں رکھا جاتا ہے۔ اس بات کا اختلاف ہے کہ قیس نے کس عہد
میں دین اسلام قبول کیا۔ افغانی روایات کل متفق ہیں کہ آنحضرت کے
دست مبارک پر مسلمان ہوا اور ایک روایت غور کی تاریخ سے ایسی ملی
ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں کوفے میں جب شنسب رئیس غور
ایمان لایا تو اس وقت قیس بھی اُسکے ہمراہ مسلمان ہوا اور اس نے واپس آکر
کوہ غور وغیرہ کے نواح میں دین اسلام کی تلقین کی۔ مصادی چہرہ اور
اونچی ناک اور قد و قامت کسی کو بنی اسرائیل نہیں بنا سکتے اور کل پٹھانوں میں
یہ خصوصیت ہے بھی نہیں اور اگر اس حلیے کے سب آدمی بنی اسرائیل میں
سے سمجھے جائیں تو قوم اور رنگ اور زبان ملک ڈھونڈ ڈھونڈ کر پرتگال کے بھی کئی کروڑ
آدمیوں کو بنی اسرائیل کہنا پڑے گا اور ممکن ہے کہ بخت نصر بابلی جب بنی
اسرائیل کو مع حضرت دانیال ہمراہ کے گرفتار کر کے بابل کو لے گیا اور بنی
اسرائیل کی بارہ قوموں میں سے دس قومیں مشرق میں رہیں اور دو قومیں
یہودا اور بنیامین واپس گئیں تو اس سبب سے افغانوں کا مورث

قیس عبدالرشید آن باقی ماندہ بنی اسرائیل مین سے کسی کی اولاد ہو مگر اس
دلیل کا ثبوت کچھ نہین ہے پرانی تاریخ قابل تسلیم اور اطمینان نہین مل سکتی
بلکہ ایسی صورت مین جیسا کہ الفنسٹن صاحب اپنی کتاب مین لکھتے ہین
کہ افغانون کی قومیت کی نسبت اس قدر مختلف روایات ہین (۱) قبطی
فرعون مصری معاصر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم (۲) بنی اسرائیل
(۳) جوجیانی (۴) ترک (۵) مغل (۶) ارمنی (۷) تاتاری (۸)
میڈیانی (۹) سغدیانی (۱۰) فارسی بان (۱۱) ہندوستانی - تو ایسی
مختلف روایات کی موجودگی مین کبھی یقینی طور پر نہین کہہ سکتے کہ افغان ساؤل
طالوت کی اولاد سے ہین بلکہ سوا ے موقع مقبوضہ اور صورت موجودہ
حال کے پہلے کا کچھ صحیح پتہ نہین مل سکتا زمانۂ گذشتہ کی اگر قابل لحاظ تاریخ
مل سکتی ہے تو قیس عبدالرشید تک ملتی ہے اُس کی وفات ۴۱ ھ
ہجری مین واقع ہوئی اور وہ گویا افغانون کا باوا آدم ہے جسکی ایک بی بی
سے تین بیٹے تھے (۱) ابراہیم عرف سٹربن یہ شخص چونکہ نہایت حلیم تھا
اس لیئے سٹربن مشہور ہو گیا جس کے لغوی معنی سرد طبع ہین اس کی اولاد
کو مجتمعًا سٹربنی کہتے ہین (۲) اسماعیل یہ چونکہ لہو ولعب مین زیادہ مصروف
تھا اس لیئے غرغشت (یا غور غشت) کہلایا جس کے لفظی معنی لہو لعب
کے ہین (۳) شیخ اسیب یہ شخص صلاح و تقوے کی وجہ سے بٹن (یا بیٹن)
کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ اس لفظ کے معنی پارسا ہین اس کی نسل بیٹنی
کہلائی ہے - انہی تینون بیٹون کی اولاد مین سے اکثر شاخین افغانستان کے

بڑے حصے پر قابض ہیں مگر اور بھی بہت سے آدمی افغانوں میں رہنے کی
وجہ سے افغان شمار ہوتے ہیں۔
افغانوں کے نسب پر جو کچھ اعتراض تھے جن سے اُن کا ماحصل یہ ہے کہ
یہ لوگ درحقیقت بنی اسرائیل ہیں لیکن افغانوں میں یہ متفق علیہ تاریخی امر ہے
کہ قیس صورت اسلئے اُن کا بنی اسرائیل میں سے ہونا بات یہودیوں اور
عیسائیوں اور مسلمانوں یعنی تینوں فرقوں کے بالاتفاق تسلیم کی ہے کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام سے قریبًا سات سو برس پہلے بخت نصر بابلی نے بنی اسرائیل
کو گرفتار کر کے بابل میں بھجوا دیا تھا اور اس حادثے کے بعد بنی اسرائیل
کی بارہ قوموں میں سے صرف دو قومیں یہودا اور بن یامین اپنے ملک میں
واپس آگئیں اور دس قومیں اُن کی مشرق میں رہیں اور چونکہ اب تک یہود بتا
نہیں بتلا سکتے کہ وہ قومیں کہاں ہیں اور نہ انھوں نے اُن سے خط وکتابت
اور رشتہ کا تعلق رکھا اس لیئے اِس واقعہ سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے
کہ انجام کار وہ قومیں مسلمان ہوگئی ہوں گی غرض ہم اس قصے کو اس جگہ
چھوڑ کر افغانوں کی سوانح پر نظر کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ اور دادوں
سے قدیم سے یہ سنتے آئے ہیں کہ دراصل وہ اسرائیلی ہیں جیسا کہ کتاب
مخزن افغانی میں مفصل لکھا ہے تو اس امر میں کچھ بھی شک وشبہ نہیں رہتا کہ
یہ لوگ انہی دس قوموں میں سے ہیں جو مشرق میں یا افغانستان بتلائی جاتی
ہیں اور انہی اسرائیلیوں میں سے کشمیری بھی ہیں جو اپنی شکل اور پیرایہ میں
افغانوں سے بہت کچھ ملتے ہیں۔ اور تاریخ ... میں کئی اور انگریز مورخوں کے

حوالے سے اُنکی نسبت بھی ثبوت دیا ہے کہ وہ اسرائیلی الاصل ہین اور ایسے
امر کی بحث کے وقت جبکو ایک قوم پشت بہ پشت اپنے خاندان اور نسب کی
نسبت تسلیم کرتی چلی آئی ہو یہ بالکل نامناسب ہے کہ ہم چند بیہودہ قیاسون کو
ہاتھ مین لے کر اُن کے مسلمات کو رد کر دین۔ اگر ایسا کیا جائے تو مین سمجھتا ہون
کہ دنیا مین کوئی قوم بھی اپنی صحت قومیت کو ثابت نہین کر سکتی ہے مین اس بات کو
اول درجے کی دلیل قرار دینا چاہیئے کہ ایک قوم باوجود ہزارون اور لاکھون
اپنی افراد کے پھر ایک بات پر متفق ہو۔ پھر جبکہ افغانان کابل اور قندھار اور
ہندوستان وغیرہ سرحدی زمینون کے اپنے تئین اسرائیلی ظاہر کرتے ہین
تو سخت بے وقوفی ہوگی کہ خواہ نخواہ ان کے مسلمات قدیمہ سے انکار کیا جائے
قومون کی جانچ پڑتال مین یہی کافی ثبوت اور اطمینان کے لیئے وضع استقامت
ہے کہ جو کسی قوم مین اُن کے خاندان اور قومیت کی نسبت مشہور واقعات
ہون اُنکو مان لیا جائے اور ایسے امور مین اس سے زیادہ ثبوت ممکن ہی
نہین کہ ایک قوم باوجود اپنی کثرت برادری اور کثرت انتشار نطفہ کے
ایک قول پر متفق ہو اور اگر یہ ثبوت قابل اعتبار نہو تو پھر اس زمانے مین
مسلمانون کی جس قدر قومین ہین مثلاً سید اور قریش اور مغل وغیرہ یہ سب
بے ثبوت اور صرف زبانی دعوے ٹھہرین گے لیکن یہ ہماری سخت غلطی
ہوگی کہ ہم اُن اخبار مشہورہ متواترہ کو منظر انداز کرین جو ہر ایک قوم اپنی
صحت قومیت کے بارے مین بطور تاریخی امر کے اپنے پاس رکھتی ہے
ہان یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم اپنے خاندان کے بیان کرنے مین حدت

زیادہ مبالغات کر دیئے گئے ہیں چاہیئے کہ مبالغات کو دیکھ کر کوئی اصول
اور بے ربط باتیں پاکر اصل امر کو بھی رد کر دیں بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ وہ
زوائد جو درحقیقت فضول معلوم ہوں چھوڑ دیئے جائیں اور بعض امر کو جس پر
قوم کا اتفاق ہے لیا جائے پس اس طریق سے ہر ایک محقق کو ماننا پڑے گا
کہ قوم افغان ضرور بنی اسرائیل ہے۔ ہر ایک کو جو واقف نفس کو اور اسی قوم کو
زیر بحث رکھ کر سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ قوم جس میں وہ اپنے تئیں داخل
سمجھتا ہے کوئی دوسرا شخص محض حد قیاسی باتیں مدنظر رکھ کر اس قوم سے
اس کو خارج کر دے اور تسلیم نہ کرے کہ وہ اس قوم میں سے ہے اور
اس کے ان ثبوتوں کو جو نسبت نسب کے بیانات سے معلوم ہوتے ہیں
نظر انداز کرے اور مجمع عظیم کے اتفاق کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھے تو ایسا آدمی کیسا
سفیہ اور ظالم معلوم ہوتا ہے پس قول سچے ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند
یہ بھی نامناسب ہے کہ دوسروں کی قومیت پر جو ایک بڑی قومی اتفاق
سے مانی گئی ہے ناحق کی جرح کی جائے ہمیں کیا حق ہو سکتا ہے اور ہمارے
پاس کیا دلیل کہ ہم ایک قوم کے مسلمات اور متفق علیہ امر کو یونہی زبان سے
رد کر دیں۔ جب ایک امر معقولی اتفاق سے صحیح قرار دیا گیا ہے تو اس کے
بعد خلاف کی گنجائش نہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سی باتیں فضول اور تمسخر
کے طور پر بعض قوموں کے لوگ اپنی قومیت کی نسبت بیان کیا کرتے ہیں
لیکن محقق لوگ فضول باتوں کی وجہ سے اصل واقعات کو ہرگز نہیں چھوڑتے
بلکہ خذ ما صفا و دع ما کدر پر عمل کر لیتے ہیں مثلاً گوتم بدھ کے سوانح میں یہ بھی

لکھا گیا ہے کہ وہ منھ کی راہ سے پیدا ہوا تھا لیکن جب ہم گوتم کے سوانح لکھنا چاہین تو ہمین نہین چاہیئے کہ منھ کی راہ کی پیدائش پر نظر ڈالکر بُدھ کے اصل وجود ہی سے انکار کر دین اسی طرح جب کسی خاندان کا پتہ ایک معلوم حد تک پہونچکر رہ جاتا ہے تو پُرانی باتون پر فخر کرنے والے لوگ آسمانی پیدائش بننے کو چاند اور سورج وغیرہ سے سلسلہ جا ملاتے ہین چنانچہ راجپوتون کی شاخ مین چندربنسی اور سورج بنسی دو بڑے اور مشہور خاندان ہین پھر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کا کوئی مورث اعلےٰ نہو گا اسی طرح راجپوتون مین ایک شاخ اگنبنسی ہے جو خود کو آگ کی پیدائش بتلاتے ہین تو اس قصے کی بات سے اُنکی قومیت اور وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے تاریخ نویسی بڑا نازک امر ہے اس مین وہ شخص جادۂ استقامت پر رہتا ہے جو افراط و تفریط دونون سے پرہیز کرے یہ اعتراض بھی ٹھیک نہین ہے کہ اگر افغان لوگ عبرانی الاصل تھے تو اُن کے نامون مین کیون عبرانی لفظ نہین اور ان کا شجرۂ پیش کردہ توریت کے بعض مقامات سے کیون اختلاف رکھتا ہے یہ سب قیاسی باتین ہین جو قومی تاریخ اور تواتر کو مٹا نہین سکتین دیکھو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش کے اُس شجرے کو صحیح نہین قرار دیا جو وہ لوگ حضرت اسماعیل تک پہونچایا کرتے تھے اور بجز چند نسبت کے باقی سے سکوت فرمایا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہین آتا کہ قریش بنی اسماعیل نہین ہین پھر جبکہ قریش جو علم انساب مین بڑے حریص تھے تفصیل وار سلسلہ یاد نہ رکھ سکے تو یہ قوم افغان جن مین اکثر غفلت مین زندگی بسر کرنے والے

کہ درے میں اگر انھوں نے اپنے سلسلے کی تفاصیل بیان کرنے میں
غلطی کی اگر جھوٹ ملایا تو اصل مقصود میں کیا فرق آ سکتا ہے۔ اور اب
تورات بھی کونسی ایسی محفوظ ہے جو نص قطعی کا حکم رکھتی ہو غرض یہ نکتہ چینی
خوب نہیں اور یہ بات بھی صحیح نہیں کہ افغانوں کے نام عبرانی طرز پر نہیں۔
مثلاً یوسف زئی داؤد زئی اور سلیمان زئی یہ عبرانیوں کے نام نہیں
اکحہ اور ہے۔ ہاں جب یہ لوگ دوسرے ملکوں میں آگئے تو اُن ملکوں کا
رنگ بھی انکی بول چال میں آگیا۔ دیکھو سادات کے نام بھی ہمارے ملک میں
حسن شاہ اور گل شاہ اور بہتو شاہ اور متو شاہ وغیرہ پائے جاتے ہیں تو کیا
اب اُن کو سید نہیں کہو گے کیا یہ عربی نام ہیں غرض یہ بیہودہ نکتہ چینیاں
اور نہایت قابل شرم حالات ہیں ہم قوم کے متواترات سے کیوں انکار
کریں اس سے عمدہ تر اور صاف تر ذریعہ حقیقت شناسی کا ہمارے ہاتھ
میں کونسا ہے کہ جو قوم جسکی اصلیت ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں ایک
امر متفق رکھتی ہے۔ ماسوا اسکے دوسرے قرائن بھی صاف بتلا رہے
ہیں کہ حقیقت میں یہ لوگ اسرائیلی ہیں۔ مثلاً کوہ سلیمان جو اول افغانوں کا
مسکن تھا خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اِس پہاڑ کا نام اسرائیلی یادگار کے
لحاظ سے رکھا گیا ہے دوسرے ایک بڑا قرینہ یہ ہے کہ قلعہ خیبر جو افغانوں
نے بنایا کچھ شک نہیں کہ یہ خیبر کا نام اسرائیلی یادگار کے لئے اُس خیبر کے
نام پر جو عرب میں ہے جہاں یہودی رہتے تھے رکھا تھا۔ تیسرا قرینہ ایک
یہ بھی ہے کہ افغانوں کی شکلیں بھی اسرائیلیوں سے بہت ملتی ہیں۔ اگر ایک

جماعت یہودیون کی افغانون کی جماعت کے ساتھ کھڑی کی جائے تو مین سمجھتا ہون کہ اُن کا منھ اور اُن کی اونچی ناک اور چہرہ بیضاوی ایسا باہم مشابہ ہوگا کہ خود دل بول اُٹھے گا کہ یہ لوگ ایک ہی خاندان مین سے ہین۔ چوتھا قرینہ افغانون کی پوشاک بھی ہے افغانون کے لیئے کرتے اور بجھے یہ وہی وضع اور پیرایہ اسرائیلیون کا ہے جس کا انجیل مین بھی ذکر ہے۔ پانچوان قرینہ اُن کی وہ رسوم ہین جو یہودیون سے بہت ملتی ہین مثلاً اُنکے بعض قبائل نسبت اور نکاح مین کچھ چندان فرق نہین سمجھتے اور عورتین اپنے منسوب سے بلا تکلف ملتی ہین اور باتین کرتی ہین حضرت مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ قبل نکاح کے پھرنا اس اسرائیلی رسم پر پختہ شہادت ہے مگر خوانین سرحدی کے بعض قبائل مین یہ مماثلت عورتون کی اپنے منسوبون سے حد سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ یہود کی طرح یہ لوگ نسبت کو ایک قسم کا نکاح ہی جانتے ہین جس مین پہلے مہر بھی مقرر ہو جاتا ہے۔ چھٹا قرینہ افغانون کے بنی اسرائیل ہونے پر یہ ہے کہ افغانون کا یہ بیان کہ قیس ہمارا مورث اعلےٰ ہے انکے بنی اسرائیل ہونے کی تائید کرتا ہے کیونکہ یہودیونکی کتاب مقدس مین جو کتاب پہلی تاریخ کے نام سے موسوم ہے اُسمین باب ۹ آیت ۳۹ مین قیس کا ذکر ہے اور وہ بنی اسرائیل مین سے تھا اس سے ہمین پتہ ملتا ہے کہ یا تو اسی قیس کی اولاد مین سے کوئی دوسرا قیس ہوگا جو مسلمان ہو گیا ہوگا اور یا یہ کہ مسلمان ہونے والے کا کوئی اور نام ہوگا اور وہ اس قیس کی اولاد مین سے ہوگا اور پھر باعث خطاے حافظہ اُس کا نام بھی قیس سمجھا گیا بہر حال ایک ایسی قوم کے منھ سے

قیس کا لفظ نکلتا جس کو ہنود دنوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رہا تھا اور محض اتفاقیہ
تھی لیکن طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ قیس کا لفظ انھوں نے اپنے ان لوگوں سے ساتھ لیا
کہ ان کا مورث اعلیٰ ہے۔ پہلی تاریخ کی آیت ۳۹ کی یہ عبارت ہے اور
نیر[1] سے قیس ہوا اور قیس سے ساؤل پیدا ہوا اور ساؤل سے یہونتن۔
ساتواں قرینہ اخلاقی حالتیں ہیں جیسا کہ سرحدی افغانوں کی رو درکھی اور
تلون مزاجی اور خود غرضی اور گردن کشی اور سخت مزاجی اور کجروی اور دوسرے
جذبات نفسانی اور جوشی حالات اور جاہل اور بے شعور ہو نا مشاہدہ ہو رہا ہے
یہ تمام صفات وہی ہیں جو توریت اور دوسرے صحیفوں میں اسرائیلی قوم کی
لکھی گئی ہیں۔ اور اگر قرآن شریف کھول کر سورۂ بقرہ سے بنی اسرائیل کی
صفات اور عادات اور اخلاق اور اعمال پڑھنا شروع کرو تو ایسا معلوم ہوگا
کہ گویا سرحدی افغانوں کی اخلاقی حالتیں بیان ہو رہی ہیں اور یہ بات
یہاں تک صاف ہے کہ اکثر انگریزوں نے بھی یہی خیال کیا ہے۔ برنیر نے
جہاں یہ لکھا ہے کہ کشمیر کے مسلمان کشمیری بھی دراصل بنی اسرائیل ہیں وہاں بعض
انگریزوں کا بھی حوالہ دیا ہے اور ان تمام لوگوں کو ان دس فرقوں میں سے
ٹھہرایا ہے جو مشرق میں گم ہیں جن کا اس زمانے میں پتہ ملا ہے کہ وہ
درحقیقت سب کے سب مسلمان ہو گئے ہیں غرض چونکہ افغانوں کی قوم کے اسرائیلی
ہونے میں اتنے قرائن موجود ہیں اور خود وہ تعامل کے طور پر اپنے باپ
دادوں سے سنتے آئے ہیں کہ وہ قوم اسرائیلی ہیں اور یہ باتیں اُنکی قوم میں

---

[1] عربی کا ترجمہ نظر سے گذرا ہے اس میں پہلی تاریخ کی آٹھویں فصل میں یہ عبارت ہے ونیر ولد قیس وقیس ولد
ساول وشاول ابن ابوناتان ۱۲

واقعات شہرت یافتہ ہین تو سخت نا انصافی ہوگی کہ ہم محض تحکم کے طور سے اُنکے
بیانات سے انکار کرین ذرا یہ تو سوچنا کہ اُن کے دلائل کے مقابلے پر ہمارے
ہاتھ مین انکار کی کیا دلیل ہے یہ ایک قانونی مسئلہ ہے کہ ہر ایک پرانی دستاویز
جو چالیس برس سے زیادہ کی ہو وہ اپنی صحت کا آپ ثبوت ہوتی ہے
پھر جب کہ صدہا سال سے دوسری قومون کی طرح جو اپنی اپنی اصلیت
بیان کرتی ہین افغان لوگ اپنی اصلیت قوم بنی اسرائیل قرار دیتے ہین
تو ہم کیون جھگڑا کرین اور کیا وجہ کہ ہم قبول نہ کرین یاد رہے کہ یہ ایک دو کا
بیان نہین یہ ایک قوم کا بیان ہے جو لاکھون انسانون کا مجموعہ ہے اور
پشت بہ پشت گواہی دیتے چلے آئے ہین اور چونکہ یہ بھی ایک مشہور واقعہ
افغانون مین ہے کہ والدہ کی طرف سے اُن کے سلسلے کی ابتدا سارہ بنت
خالد بن ولید سے ہے یعنی قیس اُن کے مورث نے سارہ سے شادی کی تھی
اس لیئے اور ان معنون سے وہ خالد کی آل بھی ٹھہرے۔

افغانون کے مذہب کی تحقیقات

جب ۳۱ھ ہجری مطابق ۶۵۱ع مین ایران مین بغاوت قائم ہوئی اور
وہان کے نکالے ہوئے بادشاہ کو اپنے دعوون کی تجدید کا موقع ملا اور
عربون نے چڑھائی کر کے اس کو بحر آکسس (دریاے جیحون) کے متصل
قتل کیا اور عربون نے حد شمالی کو دریاے مذکور تک بڑھا کر بلخ اور ہندوکش
کے سلسلے کے تمام شمالی ملک داخل کیئے اور حد شرقی کے واسطے اُس ناہموار ٹکڑے کو
جو ہندوکش کے سلسلے سے جنوباً و شمالاً پھیلا ہوا ہے اور ایران کے جنگل سے دریاے

ایک بیک ترشاد عرماد واقع ہے مقرر کیا اور اس وقت سے قبل کون مذہب
رائج تھا۔ اس بات کی تحقیقات سخت مشکل ہے البتہ بلخ کے اتصال اور
ایران کے تعلقات کی وجہ سے بعض نے اس کا گمان کیا ہے کہ شاید وہ بھی
آتش پرست ہوں گے۔ لیکن چونکہ افغانوں میں یہ متفق علیہ تاریخی امر ہے
کہ وہ اسرائیلی الاصل ہیں تو ان کا مذہب بھی وہی ہوگا جو اسرائیلیوں کا
ہے اس سے زیادہ پتہ یوں نہیں چل سکا کہ مسلمان اپنی تاریخوں میں غیر
اقوام کو اکثر لفظ کافر سے یاد کرتے ہیں اگر تاریخ فرشتہ کا بیان معتبر سمجھا
جائے تو یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں مگر آنحضرت ؐ
کے عہد مبارک میں وہ ایمان لا چکے تھے اگرچہ دیکھا جاتا ہے کہ تمام اقوام
میں خواہ وہ کسی وقت اسلام میں داخل ہوئی ہوں اُن کے قدیمی برتاؤ کی
ایک جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے لیکن افغانوں کے معاملات روزمرہ میں
کبھی اس کا کچھ بھی اثر نہیں پایا جاتا شاید یہ آج ہوا اور اس سے پہلے کسی
زمانے میں کوئی بات ہو۔

افغانستان میں بودھ مذہب اور آتش پرست مذہب کی نشانیاں
کابل اور بلخ کی طرف موجود ہیں مگر جنوب و مغرب افغانستان کی طرف جو
افغان قوم کا مرکز ہے وہاں کوئی نشانی بودھ یا آتش پرست مذہب کی نہیں
پائی جاتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانوں پر ان ہر دو مذہب کا کچھ اثر
نہیں ہوا یہود اس کے مدعی ہیں کہ ہم باختر اور ہیرود (ہرات) میں ۷۱۳ سنہ
قبل عیسوی میں آکر آباد ہوئے بادشاہ اسیریا نے کئی قومیں بنی اسرائیل کی

قبل تباہی و بربادی بیت المقدس کے وہان نکال دی تھین مابین یہود اور گبر کے آگ بجھانے پر جو لڑائی جھگڑے ہوا کرتے تھے یہ یہود وہی افغان ملک غور اور فیروز کوہ کے معلوم ہوتے ہین افغانون کے قبضے سے عبرانی زبان کی توریت اور موسائی مذہب کی ادعیہ کا ملنا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ اُن کے قدیم مذہب کی نشانیان ہین چنانچہ مصنف تاریخ نیرنگ افغان افغانون کے مذہب کی بابت بیان کرتا ہے کہ افغان جو اپنے بنی اسرائیل ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہین وہ ایک واقعہ کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ جب نادر شاہ بارادۂ تسخیر ہندوستان پشاور مین داخل ہوا تو اُس وقت یوسف زئی سردارون نے اُس کے حضور مین کتاب مقدس کا ایک نسخہ جو عبرانی زبان مین تھا تحفۃً پیش کیا علاوہ اِس کے اور بہت سے مکتوبات ادعیہ وغیرہ جنکو افغانون نے باعزت و احترام اُس وقت تک باقی رکھا تھا نذر کیئے پادری جو ہمرکاب تھے اُنھون نے اِس امر کو تسلیم کیا کہ یہ مکتوبات دین عیسوی کے مطابق ہین اگر اِس واقعہ کو سچ مان لیا جائے تو اِس کا اطلاق صرف یوسف زئی فرقے پر ہو سکتا ہے اِس مضمون کا تذکرہ رسالۂ ریویو آف ریلیجنز مطبوعۂ قادیان ۱۹۰۲ء مین ہے اِس رسالے مین ترجمہ اخبار سول ملیٹری گزٹ کا شائع کیا گیا ہے اُس مین یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جانسٹن افغانون کی مندرجۂ ذیل روایت بیان کرتا ہے کہ جب نادر شاہ پشاور مین پہونچا تو یوسف زئی قوم کے سردارون نے ایک بائبل اُس کے سامنے پیش کی جو عبرانی مین لکھی ہوئی تھی اور کئی اور چیزین بھی پیش کین

جو کہ وہ اپنی قدیمی عبادت میں استعمال کرتے تھے اور جس کو انھوں نے حفاظت رکھا تھا مورخوں یا سیاحوں نے جو اس ملک کی سیاحت کی ہے اُن کو یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ افغانوں میں بعض مراسم یہود کے جاری ہیں اور کسی مذہب کے مراسم کا وہ ذکر نہیں کرتے اور کتب ادعیہ موسویہ بھی اُن کے پاس تھیں حالانکہ وہ جاہل تھے تاہم احترام سے رکھا۔ یہ سب باتیں یکجا کر کے دیکھی جائیں تو موسوی مذہب قدیم افغانوں کا ثابت ہوتا ہے۔

روہیلہ اور روہیلکھنڈ کی وجہ تسمیہ

غور و غرئی کے پٹھانوں نے جبکہ کوہستان روہ میں سکونت اختیار کی تو اُن کو روہلہ یا روہیلہ کہنے لگے لفظ روہیلہ سے مراد ہے روہ کے ملک کے رہنے والے لوگ سعادت یار خاں بن حافظ رحمت خاں نے گل رحمت میں اور سید ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ روہ کوہستان کا وسیع سلسلہ ہے جس کی حد شرقی میں کشمیر کے پہاڑ ہیں اور حد غربی میں دریائے ہلمند جو ہرات کے متصل ہے اور حد شمالی میں کوہ کاشغر اور حد جنوبی میں بھکر اور بلوچستان ہے۔ کوہ سلیمان قندھار کابل پشاور بنیر باجوڑ حسن ابدال سب کا روہ میں شمار ہے۔ اس ملک کی زبان میں سنسکرت اور فارسی کے اکثر الفاظ ہیں۔ اور جام جہاں نما میں مولوی قدرت اللہ شوق نے ذکر کیا ہے کہ کوہستان شمالی کابل و پشاور کو روہ کہتے ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں

مذکور ہے کہ روہ کوہستان کے اُس سلسلے کو کہتے ہین جس کی ابتدا باعتبار طول کے سواد دیجور سے قصبہ سوی تک ہے جو بھکر کے مضافات سے ہے اور اس کا عرض حسن ابدال سے کابل تک ہے۔ حیات افغانی مین بیان کیا ہے کہ کوہستان حصۂ شرقی افغانستان کو روہ کہتے ہین۔ یہان کے پٹھان کئی قبیلے ہین یہان کے رہنے والون کو روہیلہ کہتے ہین۔ بعضون کا بیان یہ ہے کہ روہیلہ ایک قسم پٹھانون کی ہے بلوچون مین سے نکلی ہوئی۔ اِس لفظ کا ترجمہ اُس مُلک مین پہاڑی آدمی ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ملک روہیلکھنڈ اُن ہی لوگون سے منسوب ہے جب نواب سید علی محمد خان نے راجہ ہرنند کو شکست دیکر اُس کے ملک پر قبضہ کر لیا تو یہ ملک اُن روہیلون کی جمعیت کی وجہ سے روہیلکھنڈ کہلانے لگا کیونکہ یہ روہ کے رہنے والے تھے مگر ہندوستان مین اس قوم کا جانا نواب سید علی محمد خان سے بہت پیشتر کا ہے۔ شیرشاہ اور اُس کے جانشینون کے عہد سلطنت مین ہمایون اور اکبر کی فوج کے مقابلے کے لیئے اس بہادر قوم کو بہت عہدے ملے تھے اُس زمانے سے اس قوم کی جماعت ہندوستان مین بڑھتی رہی اور روہیلے مدت دراز سے اِس ملک مین آکر زمینداران دامن کوہ کی نوکری کرتے تھے۔ ان روہیلون کا بڑا حصہ یوسف زئی اور شمال مشرق کے پٹھانون سے مرکب تھا۔

سیر المتاخرین مین لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے جن کا عرف روہیلہ ہے اُن پٹھانون اور روہیلون کو جو قندھار اور اُس کے

اطراف سے نادر شاہ کی یورش کے سبب سے ہندوستان میں بھاگ کر آئے تھے اسی رفاقت میں جمع کرکے روہیلہ نام کے ساتھ شہرت پائی اور اُن کے اجتماع سے بڑا اقتدار پایا۔ اور ایک جگہ اسی کتاب میں مذکور ہے کہ نواح قندھار کے پٹھان افواج ایران کے صدمات سے اپنا ملک چھوڑ کر نواب سید علی محمد خان کی افغان دوستی کا شہرہ سُن کر اُن کے پاس جوق جوق جمع ہوگئے اور اُن کی نوکری اختیار کرلی اور نواب سید علی محمد خان روہیلے کے لقب سے عوام میں مشہور ہوگئے اور اسی کتاب میں نواب نجیب الدولہ کی وفات کے حالات میں لکھا ہے کہ پٹھانوں کی قوم میں روہیلے کم رتبہ ہوتے ہیں اور یہ سراسر غلطی ہے کیونکہ اس ہمارے عصر میں سندھ دریا سے مشرقی طرف کے لوگ اکثر ہندوستان آدمیوں کو جو افغانستان سے آتے ہیں روہیلا اور راتہ کہتے ہیں لفظ روہیلا سے مراد روہ کے ملک کے رہنے والے لوگ اور لفظ راتہ بعض افغانوں کی تواضع اور تکریم اور خوش آمد اور مدارات کا لفظ ہے جب ایک دوسرے کے مکان پر جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ راتہ یعنی آئے اور راسہ مخفف ہے ہر کلمہ راتہ کا تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ راتہ کوئی قوم ہے پٹھانوں سے کم رتبہ بلکہ حد سرحد افغانستان کے رہنے والوں کو روہیلہ یا روہیلہ ما راسہ کہتے ہیں اور ان میں ہر جل اور ہر ساخ کے لوگ ہوتے تھے جو کہ مؤلف سیر المتاخرین کا روہیلوں کے ساتھ حسد اور کینہ خاصہ ہوگیا

ملخص از کتب حیات افغانی ۱۲

اس لئے جہان بھی ان کا ذکر درمیان مین آتا ہے دھول اُڑ جاتا ہے۔
تذکرۂ حکومت المسلمین مین ذکر کیا ہے کہ روہیلکھنڈ کی جو افغانستان
مین شہرت ہوئی تو افغانان اباخیل اور بارخیل۔ نعمان خیل۔ خدوخیل۔
کمال زئی۔ مان زئی۔ غلزئی۔ یوسف زئی۔ اُکزئی۔ میران زئی۔ بامیان
تنول۔ خیبری۔ مہمندی۔ ہزارہ۔ دربندی۔ خٹک۔ بڑیچ۔ صادروال
بنیروال۔ جلال آبادی۔ غوری۔ غزنوی۔ قندھاری۔ کابلی۔ ابدالی۔
شروانی۔ لودھی۔ سوری وغیرہ افاغنہ کی ریاست کا حال سُنکر غول
کے غول افغانستان اور بلوچستان سے ہندوستان مین آتے تھے اکثر
آنولے مین اور کچھ نجیب آباد مین اور کچھ فرخ آباد اور مئومین اور کچھ بریلی و
پیلی بھیت مین آکر جمع ہوئے۔ نواب سید علی محمد خان کی جماعت کو اُسوقت
کے مورخون نے افاغنۂ علی محمد خانی لکھا ہے۔

اِن پٹھانون کی دو پارٹیان ہوگئین ایک خاندان روہیلون کا کٹھیر مین
قابض رہا دوسری قوم بنگش پٹھانون کی اضلاع فرخ آباد مین حکومت
کرتی رہی بنگشون کے مورث اعلےٰ نواب محمد خان سنہ ۱۷۱۳ء مین فرخ سیر
کے عہد سلطنت مین بھوج پور اور شمس آباد کے جاگیردار مقرر ہوے لیکن
آخر عہد سلطنت مین بادشاہ کو مجبوراً نواب محمد خان کے واسطے خودمختاری
کا فرمان دینا پڑا۔ نواب محمد خان نے اپنے بادشاہ کے نام پر فرخ آباد کو
آباد کرکے اپنا قیام گاہ مقرر کیا سنہ ۱۷۱۹ء مین فرخ سیر کے مرنے کے بعد نواب
محمد خان نے بدایون پر بھی قبضہ کرلیا۔ مگر اسی زمانے مین نواب سید علی محمد خان

روہیلوں کے سردار کا غلبہ اور فتوحات ممالک کٹھیر میں ہونا شروع ہوگئیں۔ نواب سید علی محمد خاں داؤد خاں کے متبنیٰ تھے۔

ملک کٹھیر کی قدیمی تاریخ کا تذکرہ اور اُسکے سلسلے کا روہیلوں کی تاریخ سے اتصال

کٹھیر کی حدود در دہلکھنڈ کی حدود موجودہ حال کو شامل تھیں بریلی۔ مراد آباد سنبھل۔ بدایوں کے اقطاع کو کٹھیر کہتے ہیں جسے کٹھریا نامی ایک قوم سورج بنسیوں میں سے جو قنوج سے نکالی گئی تھی ممالک متحدہ میں آکر آباد ہوئی یہ ملک کٹھیر کہلایا۔ صدر مقام لکھنؤر (ساد آباد) ضلع رام پور اور کابر علاقۂ آنولہ ضلع بریلی میں تھا اور جب سے مسلمانوں نے اس حصۂ ملک کو فتح کیا سنبھل اور بدایوں میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کیں۔ گزیٹیر ممالک متحدہ کی جلد ہم حصۂ سا چھا پور میں لکھا ہے کہ تمام مراد آباد کا ضلع موجودہ حالت میں کٹھیر ہے اسوقت مشرق میں رام گنگا کے گوشۂ شمال و مشرق میں جس میں کہ ٹھاکر دوارہ اور مراد آباد بھی شامل ہے کٹھیر مسلمان مورخوں نے لکھا ہے اور کٹھیر بھی سجالہ سلطنت کا ایک حصہ تھا جسکی حکومت کی نسبت مہا بھارت میں ذکر ہے کہ ہمالیہ سے دریائے چسل تک اُنکی حکومت تھی اور اُنکا دار السلطنت اہچ ہتر تھا جسکو کنگھم نے پرگنۂ سرولی ضلع بریلی میں رام نگر تحریر کیا ہے اور جو فی الحال مراد آباد کے ضلع کی حد سے حد میل کے فاصلہ پر ہے

سنہ ۶۳۴ء مین ہیون تسانگ چینی سیاح نے کٹھیر کا سفر کیا تو اُس نے اس ملک مین سیلادتیا کی سلطنت دیکھی یہ بُدھ مذہب رکھتا تھا جس کا اثر مشرقی و شمالی بنگال تک اور ہمالیہ سے دریاے نربدا تک تھا اور جس کو اشوک دوم کا لقب بوجہ بہادری اور اپنے مذہب کی اشاعت اور سخاوت کے دیا گیا تھا لیکن حقیقۃً اِس سے بھی پہلے سے یہان بودھون کی حکومت تھی مگر کوئی قدیمی عمارت اُن کی یہان ایسی نہین ملتی جس سے پورا پتہ چل سکے۔ البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرادآباد اور اُسکے حوالی مین بہت تہذیب یافتہ آرین سنہ ایک ہزار عیسوی سے پہلے موجود تھے۔ شمال مین ہم دیکھتے ہین جس زمانہ مین ہیون تسانگ ادھر سے گذرا کاشی پور جس کا قدیمی نام گووِشانہ ہے ایک معتبر جگہ تھی اور وہ اڑھائی میل مربع مین آباد تھا اور اُس کے گرد مندر اور تالاب اور پلاؤ مچھلیون کے تالاب تھے جنوب و شمال کے گوشے مین گنگا کے پار قدیمی شہر آہار تھا جس جگہ کہ اب کندیل پور ہے اور جو کرشن کے عہد مین بھشمک کے متعلق تھا اور جہان کرشن جی اپنی بی بی رُکمنی کو لے گئے تھے سات آٹھ میل کے فاصلے پر جنوب و شمال کے گوشے مین انوپ شہر سے اندرپور قدیمی شہر آباد تھا جس کے ویرانے کو کارلائل نے کھودا اور اُسمین سے قدیمی سکّے اور دوسری چیزین یونانی اور بودھون کے عہد کی ملین مسٹر الگزینڈر کا خیال ہے کہ پہلے راجپوت حملہ آورون مین سے [illegible]ء مین تُومر قوم نے حملہ کیا اور سنبھل کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اُن ہی شاخون

میں سے اہیر- بہار- خسرو ہیں ڈومر قوم قریب گیارہ سو پچاس عیسوی
تک رہی مگر اُن کی حکومت مستقل رہی- اہیر یا اہیروں نے قرب او
نواح میں وقت بکرماجیت سے کہ گویا تاریخ کا زمانہ شروع ہوتا ہے-
مسٹر اِلگر مڈر کہتے ہیں کہ چوہانوں نے ڈومر قوم کی جگہ لی اور اسی طرح
آپس کے جھگڑوں سے مسلمان حملہ آوروں کو موقع دیا۔ ۱۱۸۴ء میں
مشہور رہی راج جو یاں جو کہ ڈومری عورت سے پیدا ہوا اجاڈ لی کے تخت پر
تھا اور اُس نے غالباً مسلمانوں کے خوف سے سنبھل میں ایک مستحکم قلعہ
بنایا۔ جہاں پر اس وقت تحصیل ہے اور ایک قلعہ امروہہ میں بنایا
جس کی نسبت کہتے ہیں کہ اُس کی بہن رانی اما کے نام پر اُس کا نام رکھا گیا
تھا مگر تاریخوں سے اس قدر حال معلوم ہوتا ہے مگر یہ دونوں مقام
اِس سے بہت پہلے آباد ہوئے ہیں۔

مؤلف طبقات ناصری نے سب مؤرخوں سے پہلے کٹھیر کا تذکرہ کیا
ہے وہ لکھتا ہے کہ نصیر الدین محمود غلام شاہان دہلی کی فوج نے روز
شنبہ ۱۲ محرم ۶۵۲ھ ہجری کو میاپور (ضلع سہارنپور) کے قریب گنگا کو
عبور کیا اور اُس نے اپنے کوچ کو پہاڑ کی تلی میں رہٹ (غالباً رام گنگا سے
مراد ہے) کے کنارے تک جاری رکھا۔ اِن فسادات کے درمیان میں
عزالدین درمسی تنکلہ بانی میں (جسے تنکہ بانی بھی کہتے ہیں) یک شنبہ ۱۵ محرم
کو مارا گیا۔ اِس کی موت کے بدلے میں سلطان نے کٹھیر پر دوشنبہ ۱۶ صفر
کو ایسا سخت حملہ کیا کہ وہاں کے لوگ مدت العمر یاد رکھیں گے اسکے بعد وہ بدایوں کو آیا

ہمایون کی شکست کی بدنظمی کے وقت کٹھیریا قوم کا ایک آدمی راجہ مترسین سنبھل کا صوبہ دار ہوگیا تھا اکبر نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی مبارز خان کو سنبھل کا صوبہ دار مقرر کرکے روانہ کیا۔ مبارز خان نے کٹھیریون کو علاقۂ سنبھل سے نکالدیا اب یہ لوگ کچھ بریلی مین اور کچھ مقام چوپالہ مین جو پہلے مرادآباد کے مقابل مین آباد تھا مقیم ہوے۔ اکبر کے عہد سلطنت مین یہ لوگ کچھ سر نہ اُٹھا سکے مگر کچھ زمانے کے بعد ان لوگون نے پھر خودسری اختیار کی۔ سنہ ۱۶۲۵ء مین راجہ رام سکھ کٹھیریہ نے شاہ جہان کے نوکرون پر کچھ زیادتی کی اور کمایون کے راجہ نے بھی ان لوگون کی شکایت بادشاہ سے کی اُسپر شاہ جہان نے نواب رستم خان دکھنی کو اس مہم پر مامور کیا رستم خان نے حکمت عملی سے راجہ کو مار کر کٹھیریون پر تسلّط حاصل کرکے اپنے رہنے کے واسطے ایک قلعہ اور ایک مسجد چوپالہ کی آبادی کے مقابل رام گنگا کے کنارے سنہ ۱۶۲۹ء مطابق سنہ ۱۰۴۷ ہجری مین تعمیر کرائی اور اُس کا نام رستم آباد رکھا شاہ جہان نے رستم خان کو طلب کرکے راجہ رام سکھ کے مارے جانے اور اُس کی خانہ ویرانی کا حال استفسار کیا اِس کے بعد یہ سوال بھی ہوا کہ نئی آبادی کا نام تمنے کیا رکھا ہے۔ رستم خان نے بادشاہ کے خوف سے اُس کا نام بدل کر شہزادے مراد بخش کے نام سے مرادآباد ظاہر کیا اِس بیان سے بادشاہ کا غصّہ فرد ہوا اور رستم خان کو مرادآباد کا ناظم مقرر کرکے روانہ کیا۔ جہان پر رستم خان سنہ ۱۶۷۰ء تک اپنے عہدے پر قائم رہا اور عالمگیر کے عہد سلطنت مین ساموگڈھ کے ایک جھگڑے مین مارا گیا۔

اُس عہد کے سرکاری کاغذات اور خصوصًا عالمگیر کے ایک دستخطی و مُہری فرمان سے جو ماہ صفر ۱۰۹۸ھ جلوس عالمگیری کا لکھا ہوا ہے یہ معلوم ہوا کہ یہ بستی رستم آباد عرف مراد آباد چوپالہ کہلاتی تھی رفتہ رفتہ رستم آباد اور چوپالہ کا تلفظ موقوف ہو کر اب صرف مراد آباد کے نام سے مشہور ہے۔

۱۱۲۸ھ میں فرخ سیر کے عہد میں جبکہ قلیچ خاں نظام الملک دکن کی صوبہ داری سے قبل مراد آباد میں ایک ملوے کے فرو کرنے کو بھیجا گیا اور یہ علاقہ اُس کی جاگیر میں دیا گیا کچھ دنوں کے لئے دربار کی سازشوں سے نظام الملک کی جاگیر چھین کر رکن الدولہ اعتقاد خاں وزیر سلطنت کو عطا کی گئی اور اس علاقے کو ہدایت خود ایک صوبہ مقرر کر کے مراد آباد کا نام رکن آباد رکھا گیا۔ مگر رکن الدولہ دربار کو چھوڑ کر کبھی اس جاگیر کو دیکھنے نہ آیا۔

آخر شیخ عظمت اللہ خاں خلف الصدق مولوی عصمت اللہ خاں قدس سرہٗ مولانا عبد القادر فاروقی معروف بہ قاضی زادہ لکھنؤ مراد آباد کے حاکم مقرر ہو کر آئے۔ ان کی سرکار سے داؤد خاں اور اُن کے بیٹے نواب سید علی محمد خاں نے توسّل رکھا تھا۔ اور یہی دونوں اُولوالعزم روہیلوں کی حکومت کے بانی تھے۔

روہیلون کی تاریخ

داؤد خان کا حسب ونسب

داؤد خان جنھون نے نواب سید علی محمد خان کو متبنّٰے کیا تھا اور جن کے جانشینون کی یہ بارونق کارگاہ ابتک موجود ہے خود بھی شاہ عالم خان بن شہاب الدین خان کے متبنّٰے تھے۔ اِس لیئے داؤد خان کے ذکر سے قبل تھوڑا سا حال شاہ عالم خان کا بھی بیان کر دینا مناسب ہے۔

خلاصۃ الانساب مین حافظ رحمت خان لکھتے ہین کہ ہمارے مورث اعلےٰ کا نام **شہاب الدین خان** ہے لقب اِن کا شیخ کوٹہ تھا۔ کوٹہ کتّے کو کہتے ہین چونکہ وہ جناب رسالت مآب سے محبّت کاملہ رکھتے تھے، اِس لیئے غایت انکسار کی وجہ سے اپنے آپ کو کوٹہ مشہور کر دیا تھا جس کے معنی کتّے کے ہین یعنی پیغمبر خدا کا کتّا۔ اور یہ کُٹّے بابا کہلاتے ہین قندھار کے علاقے مین موضع پشین اور شوراوک بڑیچ کا مسکن تھا وہان سے شہاب الدین خان ترک وطن کر کے اٹک اور لنگر کوٹ کے ضلع مین آرہے پس شیخ مذکور کبھی ضلع ہزارہ مین رہتے تھے اور کبھی ملک چملہ مین اور کبھی ملک سُمّہ مین۔ کیونکہ ان کے ورود سے قبل قوم بڑیچ کے بہت سے خاندان ان مواضعات مین آکر سکونت پذیر ہو چکے تھے۔ شہاب الدین خانکو خاندان قادریہ مین بیعت تھی۔ ملک چچہ ہزارہ مین فوت ہو کر شاہی ویر کے متصل دفن ہوئے

یہ بہادت مشہور تھے ابتدائے عہد سے مست خاک کو بزرگوں کے
دامن میں باندھ دیا تھا برسوں خانقاہوں میں جھاڑو دی تھی اور جو دل
بہار زندگی کے پھول ہوتے ہیں انھیں بزرگوں کے روضوں پر چڑھا دیا
تھا جس کی برکت نے انھیں وہ مرتبہ بخشا کہ ہزارہا آدمی انکے معتقد ہوئے
زندگی میں ان سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں اور مرنے پر بھی اُن کی
کرامت کا یہ ظہور ہے کہ اُن کے مزار کے پاس جنڈ و ٹوس کے بہت سے
درخت ہیں جن کے باب میں مشہور ہے کہ جو کوئی اُن میں سے لکڑی کاٹتا
ہے اُس کا کچھ نہ کچھ نقصان ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ غلطی سے اُن کے مزار
کو شیخ شہاب الدین سہروردی کا مزار خیال کرتے ہیں۔ انہی شہاب الدین
کے لقب کی طرف منسوب کر کے ان کا خاندان کو شہ خیل کہلاتا ہے کو شہ خیل
دولت خیل کی ایک شاخ ہے اور دولت خیل کا نسب بدل کو پہونچتا ہے
بدل ترین کی ایک اولاد میں سے تھا۔ شیخ شہاب الدین کے تین بیٹے تھے
بائی۔ آدم۔ محمود۔ بائی علیحدہ ایک ماں سے تھا اُس کی اولاد اُسی کے
نام سے مشہور ہوئی اور آدم و محمود دونوں ایک ماں سے تھے محمود خان
کو موتی خان بھی کہتے تھے چنانچہ اِس کی اولاد موتی کے ساتھ اور آدم کی
اولاد آدم کے ساتھ مشہور ہوئی۔ بائی خان کے تین فرزند پیدا ہوئے
جو بار ایک ماں سے گدای خان اور میرک خان دونوں ایک ماں سے
جو بار خان کے دو بیٹے ہوئے حسن بیگ خان اور طاہر بیگ خان
گدای خان کے تین بیٹے تھے۔ سکے خان۔ سے خان اور الہ داد خان

میرک خان کے ایک بٹیا پائندہ خان نامی پیدا ہوا جس کے ایک بٹیا
بلند خان پیدا ہوا اور یہ بھی صاحب اولاد ہوا آدم خان کے تین
فرزند پیدا ہوئے دلاور خان سجاول خان اور پیر خان محمود خان
عرف موتی خان ترک سکونت کرکے تور شہامت مین آرہے اِن کے
پانچ بیٹے ہوئے آزاد خان۔ شہزاد[1] خان۔ یہ دونون ایک ماں سے
تھے۔ حکیم خان حسن خان اور شاہ عالم خان یہ تینون ایک ماں سے تھے
حکیم خان کے کوئی اولاد نہوئی تھی۔ آزاد خان کے چار بیٹے تھے۔
شاہ مراد خان۔ دارا[2] خان۔ دیندار خان۔ اکراز[3] خان اور شہزاد خان
کے دو بیٹے تھے شادی خان اور گوجر خان ان مین سے شادی خان
کے آٹھ بیٹے۔ مبارک خان۔ امیر خان۔ عارف خان عرف عرب خان
مکرم خان وغیرہ اور گوجر خان لاولد مرگیا۔ حسن خان کے سات فرزند ہوئے
بشارت خان۔ نعمت خان۔ خالد خان۔ عابد خان۔ صدر خان
دوندے خان اور صلابت خان۔ ہکو یہان صرف شاہ عالم خان
کی ذات اور اُن کے ذکر سے تعلق ہے۔

حافظ رحمت خان کہتے ہین کہ شاہ عالم خان شہید بن موتی خان
سے بجز میرے کوئی اور فرزند باقی نرہا اور یہ موضع تور شہامت مین
بستے تھے۔

شاہ جہان بادشاہ بن نورالدین جہانگیر کے عہد مین شاہ عالم خان

---

[1] شہداد خان [2] داد خان [3] اکر خان۔

اور حسن خاں دونوں بھائی کٹھر میں آئے اور یہاں نوکری کرکے بسر اوقات کرنے لگے افغان اس ملک میں پہلے سے رہتے تھے بعضے تجارت کرتے تھے بعضے کوئی پیشہ کرتے تھے بعضے حکام ضلع اور راجوں اور زمینداران وامیں کوہ کی نوکری کرتے تھے۔ لیکن اُن دونوں بھائیوں کو یہ ملک کچھ مفید اور موافق ہوا۔

شاہ عالم خاں کے چونکہ مدت تک کوئی لڑکا پیدا ہوا اِس لیئے انھوں نے ایک لڑکے کو جس کا نام داؤد خاں تھا متبنّےٰ کرلیا جس کو عرف میں لے پالک کہتے ہیں لے پالک اور متبنّےٰ کا لفظ بسبب عام خیالات اور رسوم کے ایسا لفظ ہے جس سے مسلمانان ہند قسم قسم کے خیالات پیدا کرتے ہیں جن کی صحت اور عدم صحت کا خدا ہی عالم ہے کیونکہ ابتدائی رنگ کی تحریرات سے سچا حال اخذ کرلینا نہایت دشوار ہے۔ غور کرو تو متبنّےٰ ہونا کچھ عیب کی بات نہیں۔ ہندوؤں میں گھرانہ اسی سے باقی رکھا جاتا ہے۔ دنیا کی امیری عرصی جاڑے اور گرمی کی طرح بدلتی رہتی ہے سابق امیرالامرا کو صرف چند پشت کے اندر دیکھو تو ممکن نہیں کہ ایک وقت اس کے گھر میں افلاس کا گذر ہوا ہو البتہ وہ نے استقلال قابل ملامت ہے کہ اُس عالم میں رحمت الٰہی کا انتظار کرسکے اور ایسے کام کر گذرے جو نام پر داغ دے جائیں۔ داؤد خاں کے اس معاملے کو حافظ رحمت خاں کی اولاد نے بدرنگ لباس میں دکھایا ہے اور اس کی تقلید جام جہاں نما اور تکملہ ذکر ملوک میں

کی ہے چنانچہ گل رحمت وغیرہ مین کہا ہے کہ داؤد خان غلام تھے جو میراث پدری مین شاہ عالم خان کو پہونچے تھے۔ شاہ عالم خان نے ان کو بطور فرزندون کے پرورش کیا کیونکہ اُس وقت تک اُن کے کوئی فرزند صلبی موجود نہ تھا شاہ عالم خان کی تجارت اور زراعت کا تمام کام داؤد خان کے سپرد تھا اعماد السعادت اور تاریخ فرخ آباد مولفہ سعید ولی اللہ اور تاریخ مالوہ مین داؤد خان کو شاہ عالم خان کے باپ شہاب الدین خان کا متبنّے لکھا ہے اور یہ دوسرا شبہہ ہے جو ان اہل تواریخ کو واقع ہوا ہے۔

چونکہ داؤد خان کا مفصل حال تاریخون مین کم پایا جاتا ہے اسواسطے اُن کی نسبت جو کچھ اقوال ملتے ہین اُن کی تصدیق یا تکذیب کے دونون پلّے برابر سے ہین ظاہرا اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حافظ رحمت خان کی اولاد نے اپنی تاریخون مین داؤد خان کو مملوک تحریر کیا ہے۔ پس جن مؤرخین کو ان کی نسبت یہ لفظ بُرا معلوم ہوا اُنھون نے مملوک کو متبنّے سے بدل دیا۔ بعض نے میدان تحقیق مین ذرا اور قدم بڑھایا اور شاہ عالم خان کا بیٹا بنا دیا۔ جیسا کہ فرح بخش مین ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ سارے پردے عبارات کے تنوع اور اغراض کے اختلاف نے ڈالے ہین بعض کا بیان ہے کہ اُن کے وطن مین یہ بات مشہور ہے کہ وہ الہ داد خان خلزئی کے بیٹے تھے الہ داد خان ایک مقتدر زمیندار تھے اکثر تجارت بھی کرتے تھے۔ اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایسا مقتدر زمیندار و تاجر اپنے لخت جگر کو

نے پالک سے کا داغ کیوں لگاتا۔ اس کی اُس کو کیا ضرورت تھی۔
حق تحقیق یہ ہے کہ داؤد خاں کی جو دوم ہی ترک تھی جامحہ سہر رام میں
ٹھروں کے تھوں سے آگے کو جو ٹولے ہیں مرسلے خاں نامی ایک شخص
رہا کرتے تھے وہ جاگیر دار رام پورہ کی طرف سے جو چاؤنی ہے کہ اس
ملک راھوتانہ میں واقع ہے مہاراجہ کوراؤ ٹکر کے دربار میں ممبر تھے وہ
راقم کے ماموں صاحب حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم سے بارہا کہا
کرتے تھے کہ داؤد خاں ہمارے خاندان میں سے تھے ان کے متبنے
کر لینے کے بعد شاہ عالم خاں کے کئی بیٹے پیدا ہوئے مگر کوئی نامی رہا
سوائے حافظ رحمت خاں کے ۔

داؤد خان کاٹھیر میں ورود

داؤد خاں نے جو کسی زمانے میں ملک روہیلکھنڈ کے فاتح ہونے
والے تھے نہایت عمدگی سے شاہ عالم خاں کے گھر پرورش پائی
داؤد خاں اگرچہ شاہ عالم خاں کے صلبی لڑکوں کے ساتھ نہایت
محبت کرتے تھے لیکن ایشیائی ملکوں میں جیسا کہ قاعدہ ہے شاہ عالم خاں
کی بی بی اور اُن کے خاندان کو یہ ناگوار تھا کہ شاہ عالم خاں داؤد خاں
کے ساتھ پدرانہ برتاؤ اور ہر قسم کی شفقت مرعی رکھتے ہیں حالانکہ اُن کے
فرزند صلبی موجود ہیں۔ اگرچہ شاہ عالم خاں کو یہ خیال نہیں تھا کہ اُن کی
جائداد موروثی کے داؤد خاں مالک ہوں گے لیکن شاہ عالم خاں کی

بی بی کو یہ یقین کامل تھا کہ جس قدر موروثی جائداد ہے اُس پر داؤد خان کو
قبضہ ملے گا کیونکہ داؤد خان اپنی تندہی اور دانائی سے بہت جلد
شاہ عالم خان کے حسب منشا اُن کے جملہ کاروبار مین دخیل ہو گئے تھے
آخر شاہ عالم خان کی بی بی وغیرہ اس بات پر آمادہ ہوگئین کہ داؤد خان
کو قتل کرا کے اس کانٹے ہی کو نکال ڈالا جائے۔ اِس سازش کی
خبر داؤد خان کو بھی ہو گئی اگرچہ اُنھون نے شاہ عالم خان سے اُن کی
بی بی اور خاندان کے فاسد ارادون کا کوئی ذکر نہین کیا لیکن ایسے
سخت دشمنون کے مجمع مین اپنا قیام اور فروغ ناممکن خیال کر کے یہ ضروری
سمجھا کہ جلاے وطن اختیار کر کے ہندوستان کی جانب نصیب آزمائی
کرنی چاہیئے۔ اُس زمانے مین ہندوستان کی قسمت بالکل طوائف الملوکی
کو مبدء فیاض کی طرف سے تفویض کر دی گئی تھی ہر طرف ہنگامہ برپا اور
تمام ملک مین شورش تھی چھوٹے چھوٹے زمیندارون کو بھی خودسری کا
خیال ہو گیا تھا آخر ایک خاص طور سے داؤد خان نے اِس خیال کو پورا
کیا اور شاہ عالم خان کی اجازت لے کر ہندوستان کی طرف روانہ
ہوے۔ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ وہ نوکری کے واسطے آئے تھے
لیکن بعض نے یون بتایا ہے کہ اُنھون نے کہا کہ اس زمانے مین
ہردوار کا میلہ نہایت فروغ سے ہوتا ہے اور گھوڑے عمدہ قسم کے
ملتے ہین اور فروخت بھی زیادہ قیمت سے ہوتے ہین اِس سے معلوم ہوا
کہ وہ بہت سا روپیہ لے کر چلے ہون گے جس کو ذہن سلیم قبول کر نہین

بس وہ بس کرتا ہے بہر صورت اگرچہ انھوں نے شاہ عالم خان سے
گھوڑوں کے خریدنے کا وعدہ کیا اور اسی پر اپنی واپسی منحصر رکھی تھی
لیکن وہ اپنے دل میں خوب جانتے تھے کہ یہاں اُن کا قیام خطرناک
ہے اور ہندوستان سے واپسی ناپسندیدہ ہے کیونکہ اُن کی مزاج جنگی
اس بات کو بہت چاہتی تھی کہ اسی حالت میں زندگی بسر ہو۔ گل رحمت
میں ذکر کیا ہے کہ داؤد خان طمع دنیا کی وجہ سے بغیر اجازت اپنے
مربی کے ملک کٹھیر میں چلے آئے۔

ان کے آنے کے بعد ۱۱۲۰ ہجری میں شاہ عالم خان کے
صلب سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام رحمت خان رکھا۔ امپیریل
گزیٹیر سے ۱۷۰۷ء مطابق ۱۱۱۹ ہجری میں داؤد خان کا کٹھیر میں آنا
ثابت ہوتا ہے۔ فروری ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے کہ لائق
اور تجربہ کار بادشاہ تھا انتقال کیا اس کا بڑا بیٹا محمد معظم بہادر شاہ اُس دن
کابل میں تھا اُس نے باپ کے مرض میں زیادتی سن کر کابل سے آگرہ کی
جانب کوچ کیا راستے میں وفات کی خبر سنی آگرہ پہنچ کر تخت سلطنت پر
جلوس کیا اعظم شاہ جو اس کا چھوٹا بھائی تھا اُس نے بڑے بھائی کا حق
دبانا چاہا لیکن اپنے ارادوں میں کامیاب ہوا اور فروری ۱۷۰۷ء
میں مارا گیا۔ بہادر شاہ نے پانچ برس سلطنت کر کے فروری ۱۷۱۲ء
میں وفات پائی اور اس نیک نہاد علم دوست بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا
معز الدین جہاندار شاہ تخت نشین ہوا اور ایک برس سلطنت کر کے

اپنے بھتیجے فرخ سیر ابن عظیم الشان کے ہاتھ سے فروری ۱۷۱۳ء
مین مارا گیا۔ فرخ سیر نے چچا کو قتل کر کے عنان سلطنت اپنے ہاتھ مین
لی اور تخت پر بیٹھ کر شراب عیش و عشرت سے ایسا مخمور اور ازخود رفتہ
ہوا کہ تاج شاہی نہ سنبھال سکا بلکہ وزیر و سپہ سالار جو اُسکے باعث
تقریب ہوے تھے اُنہی پر ہاتھ صاف کرنا چاہا۔ اِس بادشاہ کے
عہد مین انگریزی عملداری کے درخت اقبال نے ہندوستان کی
زمین مین جڑ پکڑی۔ آخر ہزار خرابی چھ برس کئی مہینے مدت سلطنت
کو پورا کر کے سید عبد اللہ خان اور سید حسین علی خان کے ہاتھ سے
جو اِس کے مقرب خاص تھے ۱۷۱۹ء مین قتل ہوا جب فرخ سیر سے
تخت خالی رہا۔ تو سیدون نے بادشاہی نسل کے ایک شہزادے کو
رفیع الدرجات کے خطاب سے فروری ۱۷۱۹ء مطابق ربیع الثانی
۱۱۳۱ہجری مین تخت نشین کیا۔ مگر یہ بادشاہ تین مہینے بعد سل کی
بیماری سے مر گیا اور بعد اُس کے ایک اور شہزادے کو رفیع الدولہ
کے خطاب سے مئی سنہ مذکور مطابق رجب سنہ مذکور مین تخت پر
بٹھلایا مگر اُس کی عمر نے بھی وفا نہ کی چنانچہ یہ بھی تین مہینے سے کم
عرصے مین جہان فانی سے گذرا بعد اس کے شاہزادہ روشن اختر کو
ماہ ستمبر ۱۷۱۹ء مطابق ذیقعدہ ۱۱۳۰ہجری مین محمد شاہ کے خطاب
سے تخت پر بٹھایا اِس بادشاہ کے وقت مین سلطنت بہت تباہ ہوئی
۱۷۳۹ء مین نادر شاہ نے دہلی کو لوٹا اور قتل عام کر کے بیس کروڑ روپیہ

بس وہیں کرتا مع تخت طاؤس جو شاہ جہاں نے سات کروڑ روپیہ کی
لاگت سے بنوایا تھا لے گیا۔ برہان الملک نے اودھ کا صوبہ دبا لیا
لکھنؤ میں اس کی اولاد میں واحد علی شاہ وغیرہ ۱۸۵۶ء تک حکومت
کرتے رہے حیدرآباد دکن کے علاقے پر نظام الملک نے خود مختار ریاست
قائم کی جہاں پر اس وقت تک اُس کی اولاد قابض چلی آتی ہے بنگال
بہار کٹھیر اور مدراس وغیرہ میں دوسرے کئی سردار جو دوسرے والی ملک
بن بیٹھے جو شروع انگریزی عہد میں لڑائیاں کرکے برباد ہو گئے
دکن گجرات اور مالوہ وغیرہ میں مرہٹوں نے بڑی قوت پیدا کرلی
جن کے ماتحتوں میں سے بڑودہ گوالیار اور اندور وغیرہ کئی ریاستیں
قائم رہ گئی ہیں آگرے کی طرف اکثر گانوں راجہ سے سگھ والی جیپور
اور بھرت پور والوں نے دبا کر اپنی ریاست میں شامل کر لیئے اور
گجرات کا بہت سا علاقہ مہاراجہ اجیت سنگھ نے مارواڑ میں داخل کیا
اس طرح ہندوستان کی شاہنشاہی محمد شاہ کے عہد میں ابتر ہوئی
غالباً ایسی حالت میں داؤد خاں کی مزاج جو صلگی تھی یہ ضروری
خیال کرتی ہوگی کہ میں بھی ہندوستان کے کسی حصہ پر قدم جما سکتا ہوں

داؤد خان کا کٹھیر مین تاخت و تاراج شروع کرنا اور مال کے لیئے بندگان خدا کے کلیجون مین ہاتھ گھنگولنا

سنہ ۱۱۔۔ء کے اواخر میں داؤد خاں ہندوستان میں آئے اور

پہلے میلہ ہردوار مین گھوڑون کو تلاش کیا جبکہ یہ خیال پورا کرنا تھا کہ ایسے شاداب اور زرخیز ملک مین اپنی حکومت کی بنیاد قائم کرنی چاہیے تو ملک کٹھیر کو اپنی ہر کارہمت کا مرکز قرار دیا اور یہان پہنچکر سب سے پہلے ملک گیری کے سامان جمع کرنے کی طرف توجہ کی جو چندر وہیلے رفیق طریق تھے اُن کے ذریعے سے تو اِس خیال کا پورا ہونا ناممکن تھا اور فوج کی فراہمی اور لشکر کی نگہداشت بہت سے روپئے پر موقوف تھی اِس لیے شاہ عالم خان کے دادا شہاب الدین خان سے گھوڑون کی تجارت کے حیلے سے روپیہ منگایا وہان سے ہزار روپئے آگے یہ واقعہ عماد السعادت مین اِس طرح نہین لکھا جس سے داؤد خان کے خیالات کٹھیر مین ورود کے وقت حکومت جانے کے پائے جاتے ہون اور واقع مین اول اول اُنکو ایسا خیال پیدا ہونے کا کوئی سان و گمان بھی نہ تھا انقلابِ زمانہ اور بخت و اتفاق نے معاملات کی صورت بدل دی تھی۔

عماد السعادت مین اس واقعہ کو یون ادا کیا ہے کہ داؤد خان اپنے مربی شہاب الدین خان کی اجازت سے نوکری کی تلاش مین ہندوستان مین آئے تھے اور جب یہان کوئی کوشش کارگر نہوئی تو اُنکو لکھا کہ یہان تو حصول مقصود کی صورت نظر نہین آتی اب دکن جانے کا قصد ہے شہاب الدین خان نے اُن کا خط دیکھ کر ہزار روپے کی ہنڈی اُن کو بھیجی اور لکھ بھیجا کہ ان مین سے دو سو روپے سے تو اپنا کام چلاوین

نانی روپوں کی ہردوار کے میلے سے گھوڑیاں خرید کے میرے پاس
بھیجدیں داؤد خاں ہردوار کے میلے کو گئے سات سو روپے کی گھوڑیاں
خرید کیں جن میں سے دو گھوڑیاں شہاب الدین خاں کے پاس بھیجدیں
اور باقی اپنے پاس رکھیں وہاں چند روہیلوں کو بھی نصیب کی گردش
کھینچ لائی تھی جو بباعث نانی کی مصیبت میں بھی گرفتار تھے انکو ساتھ شریک
کرکے گھوڑیاں اُن کے حوالے کیں انہی زمانے میں ایک ہندو گنگا کے
نہان کے لیئے ہردوار آیا ہوا تھا رتھ اُس کی سواری میں تھا اور چند سپاہی
بھی اُس کے ہمراہ تھے اُس کے دونوں کانوں میں مروارید کی بالیاں اور
گردن میں طلائی طوق تھا بازو پر طلائی بازو بند بندھے ہوئے تھے جس دن
یہ روہیلے ہردوار سے روانہ ہوئے وہ ہندو بھی بریلی کی طرف جو اُس کا
وطن تھا چلا یہ تو ایسے مواقع کی تاک ہی میں تھے خبر پاتے ہی اُس ہندو کی
حڑماکو کڑے کو روانہ ہوئے اُن کے پاس نو سوار تھے اُن سواروں کو
ساتھ لے کر اُس ہندو کی رتھ کے پیچھے پیچھے ہو لیئے تیسری منزل پر ایک
جنگل میں جہاں بانس کثرت سے تھی ہو لیئے اُس وقت اُس ہندو کے
ہمراہی اسباب کے چھکڑوں کے ساتھ پیچھے رہگئے تھے رتھ کے ساتھ
صرف چھ سات آدمی تھے داؤد خاں نے اُن سب کو گھیر کر تہ تیغ کرڈالا
اور تمام زیور اُس کا اُتار لیا ایک پٹاری اُس کے پاس رتھ میں رکھی ہوئی
تھی جس میں سونے اشرفیاں ایک تھیلی کے اندر موجود تھیں وہ بھی لے لی
اُس کے تمام کپڑے بھی اُتار لیئے اور رتھ کے بیل جو ناگوری تھے وہ ایک

روہیلے کے سپرد کر کے رتھ کو وہین چھوڑ کر شارع عام سے اُتر کر جنگل مین
گھس گئے اِس کے بعد کچھ حال معلوم نہین کہ وہ اسباب کہان بکا لیکن
اتنا ضرور محقق ہے کہ اُس روز سے سکونت دامن کوہ الموڑہ مین قرار پائی
اور یہی روز کا مشغلہ ٹھہرا رفتہ رفتہ اسّی سوار اور تین سو پیادے اُن کے
پاس جمع ہو گئے اور ایک کچی گڑھی اپنے رہنے کے لیئے اِس جنگل مین بنالی
سید ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد مین لکھا ہے کہ اِس گڑھی کا نام بن گڑھ
بفتح باے موحدہ وسکون نون وفتح کاف فارسی وسکون راے ثقیل مخلوط
بہ ہا رکھا تھا جسکو روہیلے باے موحدہ کے فتح نون کے سکون اور کاف
فارسی کے وقف اور راے ثقیل کے فتحہ اور ہا کے سکون سے بولا کرتے
تھے۔ واضح رہے کہ اگر یہ وہی بنگڑھ ہے جو نواب سید علی محمد خان کے
رہنے کی جگہ تھی تو وہ آنولے اور بدایون کے درمیان مین ہے اور
یوسف نگر کے نام سے مشہور ہے۔

ہندو کے قتل کی حکایت سواے عماد السعادت کے اور کسی کتاب
مین نظر نہین آتی ہمکو اِس سے بحث نہین کہ اس مورخ نے اُن کو لٹیرا
کیون قرار دیا مگر اس عزت خدا داد سے کون انکار کر سکتا ہے جو
اُن کو حاصل تھی۔ ابتدائی حالت اُن کی بُری سہی لیکن بڑا حصۂ زندگی
اُنکا کس شان وشوکت کے ساتھ بسر ہوا۔

ملک ہندوستان مین شاہی حکومت کے ضعیف ہو جانے کی وجہ سے
کٹھیر مین بھی ہر ایک زمیندار خود سری کا دم بھرنے لگا تھا اکثر افغانون کو

جو ملک روہ سے آئے ہ زمیندار نوکر رکھ کے باہم جنگ و فساد کرتے
ہر ایک اپنے آپ کو راجہ خیال کرتا تھا آپس کا لوکیا ذکر بادشاہی صوبو کی
پرواہی نہیں رکھتے تھے۔ عظمت اللہ خاں بادشاہ کی طرف سے مرادآباد
میں حاکم تھے۔ رنجیت سنگھ موضع بیلی میں (جو علاقہ سوار میں رام پور سے
اکیس میل کے فاصلے پر ندی ناہل کے قریب آباد ہے) اور کیرت سنگھ
موضع اکرآباد میں اور یحییٰ سنگھ راج پور میں اور کھیم کرن رتن گڑھ میں اور
مدار[1] شاہ اور لچھمن سنگھ مدکر رگہ ر سیر میں اور ارجن سنگھ آنولے میں
نقارۂ حکومت بجاتے تھے۔ جدا جانے یہ شاہی صوبے سے بھی کچھ تعلق
رکھتے تھے یا نہیں تھے اور راہی یہ لطف میں تھی کہ ایک زمیندار دوسرے
کو ہوئے کھاتا تھا۔ اور بیرون کے ملے سلے ڈالتا تھا جو لوگ اپنے موقع کی
آرزو میں گھڑیاں گنا کرتے تھے اُن کو توسے کی ہوس گوشے سے باہر
نکال لائی۔ داؤد خاں کا اُن لوگوں میں لمبر اول تھا اُنھوں نے
چند روز میں ایک جمعیت کثیر بہم پہنچا کر سارے ملک کٹھیر میں ہل چل
ڈال دی جب معرکہ آرائی کا وقت آتا تو گڑھی سے نکلکر جوہر شجاعت جلادت
دکھاتے جب فراغت پاتے تو پھر وہیں آکر پیادہ گزیں ہو جاتے۔ رفتہ رفتہ
ایسا نام چمکا کہ گرد و نواح کے زمیندار اور راجے مدد کے خواہاں ہونے
لگے ہم وطنوں سے بھی یہ خبریں پہنچیں اور روہیلوں کی کثرت نے ملک
کٹھیر کو روہیلکھنڈ بن جانے کی نیں گویا قائم کر دی اور اُس وقت میں

---

[1] ۔ نام کہیں مدار شاہ لکھا ہے کہیں مدار شاہ کہیں مدار اسہاے ۱۲ اور کہیں چند۔

اُن کی رفاقت مین بہت سے پٹھان رہتے تھے گل رحمت مین اِن کے
ہمراہیون کی تعداد دو سو پٹھان کم بتائی ہے یا یہ تعداد اِس حالت
سے بہت پہلے کی ہو گی۔

داؤد خان کا غیب سے جانشین پانا

داؤد خان نے مدار اسہاے اور لچھمن سنگھ زمینداران مدکر پرگنہ
برسیر سرکار بدایون کے پاس نوکری کر لی ایک بار کھیم کرن زمیندار
رتن گڑھ نے کنچن سنگھ زمیندار راجپور پرگنہ چوپلہ پر چڑھائی کی اور قصبے کو لوٹ لیا
کنچن سنگھ نے مدار اسہاے اور لچھمن سنگھ سے اِس ظلم کی شکایت بیان کر کے
انتقام کے لیئے مدد چاہی مدار اسہاے نے اپنے دو بیٹون چتر سنگھ اور
پربت سنگھ کے ساتھ بہت سے راجپوت اور پٹھان مقرر کیئے جن مین
داؤد خان بھی تھے کنچن سنگھ نے اس جمعیت کی اعانت سے حریف کے
خاص رہنے کی جگہ کابڑا اور رانکولی پر جو اب تحصیل بہیڑی ضلع بریلی سے
متعلق ہین حملہ کیا ایک سخت جنگ پیش آئی۔ سیکڑون آدمیونکا کھیت ہوا
کھیم کرن اور بہت سے اُس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے اہل لشکر
نے مقام صاف پا کر بستی کو لوٹا سپاہی بہت سے چوپاے اور آدمی گرفتار
کر لائے۔ مدار اسہاے نے اِن سب قیدیون کو چھوڑ دیا مگر ایک حسین لڑکا
جو موضع بانکولی مین داؤد خان کے ہاتھ لگا تھا اُس کا حال مدار اسہاے کو
نہ معلوم ہوا اِس لیئے رہا نہوا داؤد خان نے اِس لڑکے کو اپنی رحم دلی سے

بطور فرزندوں کے پرورش کرنا شروع کیا۔
یہ سال ایک اردو کی تاریخ کے مطابق ہے جو پرانے زمانے
کی تالیف ہے اور رامپور میں ملکیوں میں اس کا نسخہ تھا مصرع
اتنی بیں کا ہے سنہ بلیغ آباد سوں نوجاں ملاؤں یہ لڑکا نہایت
وجیہ اور ہوشیار تھا اور اس کی پیشانی ہی سے اقبال ہویدا تھا۔

ع

بالائے سرش زہوشمندی   مے تافت ستارہ بلندی

داؤد خاں کے لیے جس ساری شان وشوکت و دولت وحشمت
پر نعمت اولاد سے محرومی ایک سخت مصیبت تھی اس لئے اُس
نہال کو فرزندی میں لیکر اسے دل سے لاولدی کا داغ مٹایا یہ ہونہار
لڑکا داؤد خاں کے سایہ میں پرورش پانے لگا اور بڑا ہوکر ایسا نکلا
کہ مورخ اُسکی قابلیت کی گواہی دیتے ہیں۔ اس لڑکے کی عمر اُس وقت
کے برس کی تھی اس بات میں مورخوں کو اختلاف ہے۔ عماد السعادت اور
تاریخ فرخ آباد مولفہ سید ولی اللہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈیڑھ برس کی عمر تھی
اور گل رحمت وغیرہ میں سات آٹھ برس کی عمر سال کی ہے اخبار
یادگار اور تاج فرخی کے حاشیے میں لکھا ہے کہ ولادت نواب سید
علی محمد خاں کی گیارہ سو اٹھارہ ہجری میں وقوع میں آئی تھی ان کے
متبنٰے کرلینے کے بعد داؤد خاں کے ایک صلبی بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام
محمد خاں رکھا داؤد خاں ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ فرزند اول میرے

سید علی محمد خان ہین انہی کی برکت سے خدا نے مجھے یہ بیٹا محمد خان عنایت کیا ہے۔

داؤد خان کی کامیابیان۔ شاہ عالم خان کا داؤد خان کے پاس آنا اور واپسی مین بدایون کے قریب چند مفسدون کے ہاتھ سے مارا جانا

اخبار حسن مین لکھا ہے کہ زمیندار مدکر کو داؤد خان کی حمایت سے بڑا زور پیدا ہو گیا۔ داؤد خان اُس زمیندار کے آس پاس کے دشمنون کی خوب گوشمالی کرتے رہے۔ جب داؤد خان کی دلیری کا چرچا جا بجا مشہور ہوا تو اُن کے پاس بہت سے پٹھان جمع ہو گئے اور اُنھون نے اِس عرصے مین کئی بڑے بڑے جاگیر دارون کی نوکری کی راجاؤن اور زمیندارون سے جو اعانت کے عوض ایک کثیر رقم ملی اور جان نثارون نے وا وجان نثاری دی بے منت بہت سے علاقے پر قبضہ حاصل ہو گیا

گل رحمت اور تاریخ روہیلکھنڈ مین ذکر کیا ہے کہ اُنکی اِس کامیابی کی خبر سنکر شاہ عالم خان بھی وطن اقامت تورشہامت واقع روہ سے اِس حال کی تحقیق کے لیئے آئے داؤد خان نے اُنکی تعظیم و تکریم بہت کی تھوڑے دنون کے بعد شاہ عالم خان نے اُس چراغ دودمان جلا دتہ سے شمع دولت روشن کرکے اُس روشنی مین وطن کی طرف مراجعت کی داؤد خان نے

اُن کو دو ہزار روپیے دئے تھے۔ داؤد خاں کی روز افزوں ترقی کی
خبر سن کر وطن میں ہوکس توصد ہا افغان اُن کے پاس آگئے چنانچہ پانچ سو
آدمیوں کی جمیعت اُن کے پاس ہوگئی اور ملک شادی خاں بایزید خاں
وو ندے خاں۔ سردار خاں۔ اور صدر خاں کمالزئی وغیرہ ناموراقعہ
اُس ودیم ہوسے داؤد خاں نے اکثر دیہات اور پرگنے مثل ماسوٹی[1] پرگنہ
سناسی ضلع بدایوں کے دبالئے اور میاسولی میں رہنے لگے۔ آگے چلکر یہ
معلوم ہوگا کہ پرگنہ سناسی وغیرہ ایک کارگزاری کے صلے میں بادشاہ
کے یہاں سے اُن کو ملا تھا۔ کئی سال کے بعد شاہ عالم خاں دوبارہ
وطن سے اِن کے پاس آئے اُنھوں نے نہایت عزت کے ساتھ
تھوڑے دنوں اپنے پاس رکھا۔ شاہ عالم خاں نے اس مرتبہ یہ اصرار
کیا کہ داؤد خاں بھی روہ یعنی تورسہامت کو چلیں مگر اُنھوں نے نامنظور
کیا اور اس خیال سے کہ شاہ عالم خاں کو کٹھیڑ میں آنے کی ضرورت نہ ہے
دو ہزار روپیے سالانہ اُن کے مصارف کے لئے وطن میں بھیجے رہنے
کا وعدہ کرکے رخصت کر دیا اور اُن سے یہ عہد بحیثیت طور پر کرلیا کہ سال
بہ سال آپ کے پاس یہ روپیہ پہونچتا رہے گا اور ہزاروں روپیے
بھی لعد دیئے۔ جب شاہ عالم خاں روانہ ہوکر دہلی پہونچے تو وہاں کئی
سوداگروں نے اُن کو روک کر کہا کہ تمہارے لے پالک داؤد خاں نے
ہم سے گھوڑے خرید کئے تھے مگر آجتک قیمت مدی حتک وہ قیمت وصول

[1] کہیں سولی لکھا ہے کہیں ماسولی ۱۲

نہو جائے گی ہم آپ کو یہان سے آگے کو روانہ نہ ہونے دین گے۔
شاہ عالم خان کچھ دنون اِسی جھگڑے مین رہے مجبور ہوکر تمام مال واسباب
اپنا اُن کے پاس چھوڑ کر تنہا داؤ دخان کے پاس پلٹ آئے اور
داؤ دخان کو قیمت ادا کرنے پر لعنت ملامت کی اور اُن سے روپیہ
وصول کرکے ہُنڈی اُن سوداگرون کے پاس بھیجدی اور آپ
داؤ دخان کے پاس ٹھہر گئے اور یہ کہنے لگے کہ تم بھی ہمارے ساتھ
وطن کو چلو تمھارے یہانپر رہنے سے بندگان خدا پر بہت ظلم وجبر
ہوتا ہے اور ہمارے گھر کا کام بھی ابتر ہے داؤ دخان نے اُسوقت
بڑی ثروت پیدا کرلی تھی اُن کے پاس شاہ عالم خان کے کچھ عزیز و
اقارب بھی جمع ہوگئے تھے اِس لیئے اِس اصرار سے بہت مکدّر ہوے
اور خفیہ اُن کے قتل کا انتظام کیا اور چار آدمی اِس کام کے لیئے مقرر کیئے
اِسی زمانے مین بدایون کے عامل سے جو نواب محمد خان بنگش والی
فرخ آباد کی طرف سے وہان رہتا تھا اور چند زمینداروں سے بدایون مین
لڑائی ہوئی عامل مذکور نے داؤ دخان کو اُن کی تمام جمعیت کے ساتھ
مدد کو بلایا اور مدد خرچ دینے کا وعدہ کیا۔ داؤ دخان بدایون کو
روانہ ہوے شاہ عالم خان ہمراہ تھے اور وہ چارون آدمی بھی گھات
مین لگے چلے آتے تھے کہ شب جمعہ نوین ذالحجہ گیارہ سو تیئیس ۱۱۲۳ یا چوبیس ہجری
مین موقع پاکر شاہ عالم خان پر دزدانہ حملہ کیا اور سر کاٹ کر جنگل کیطرف
بھاگ گئے شاہ عالم خان کا دھڑ چند قدم قاتلون کے پیچھے دوڑا مگر گھوڑونکی

رسیوں میں اُلجھ کر گر پڑا اور دم دیدیا۔ جب صبح کو داؤد خاں کو اس واقعہ
کی خبر ہوئی تو خود نامی آنکی سوداگروں کے پانی سے یہ دھوئی جائے گی
اُس کے دھونے کو بظاہر بہت خرچ و فرح کی اور اُنکو دفن کرایا یہ حادثہ
آخر عہد فرخ سیر میں واقع ہوا تھا (اس میں غلط ہے کیونکہ اِکے بارے
جانے کا وقت فرخ سیر کا آخر عہد نہیں ہوسکتا بعض نے مطلقاً عہد
فرخ سیر لکھا ہے) جس وقت حافظ رحمت خاں کی عمر چار سال کی تھی بعد
اِس کے داؤد خاں نے دلّی کے سوداگروں سے شاہ عالم خاں کا مال
و اسباب اور روپیہ مانگا اُنھوں نے اُس کے ہونے سے انکار کر دیا پھر
تمام مال و اسباب اور تہامت کو شاہ عالم خاں کے وارثوں کے اس
ھمد ا شاہ عالم خاں کے غلاموں کا یہ حال ہوا کہ بیس شخص تو اُسی دن تنکو
زمینداران بدایوں کے مقابلے میں کام آئے ایک باقی رہا تھا وہ سرحیں
ہوگیا اُسی نے یہ راز کھولا۔ اس کی مثالیں ریاست و دولت کی وجہ سے
دنیا میں بہت ملیں گی لیکن ایسے واقعات کا ثبوت سوائے قیاسات و قرائن کے
بہت کم ملا کرتا ہے۔ داؤد خاں کے لیے کو شاہ عالم خاں کا آنا یا سوداگروں کے معاملے
کی وجہ سے واپسی کے لیے اصرار کرنا قیاس نہیں قبول کرتا اُسکا ملک کٹھیڑ میں اقتدار
شاہ عالم خاں کو بھی مفید تھا اور یہ مصلحت فوت ہوتی تھی داؤد خاں کی طرف سے قتل
کی تحریک بھی مخالف عقل ہے کیونکہ داؤد خاں کو حقوق تربیت کا بہت خیال تھا
جو شاہ عالم خاں کی آؤ بھگت اور تقرر سالانہ کا باعث ہوا۔
اخبار حسن کے مؤلف کا بیان اِس بات سے کہ شاہ عالم خاں کا

قتل داؤدخان کے اشارے سے واقع ہوا ا کرتا ہے کیونکہ اُس کا قول ہے کہ جب شاہ عالم خان داؤدخان سے رخصت ہوکر شہر بدایون کے قریب پہونچے تو قزاقون نے لوٹ لیا اور دونین ہمراہون سمیت قتل کرڈالا داؤدخان یہ خبر سنکر موقع قتل پر گئے اور بکمال سرگرمی کے ساتھ تحقیقات کی لیکن قاتلون کا کچھ پتا نہ لگا ناچار جس مقام پر شہید ہوئے تھے وہین دفن کر دیے گئے حافظ رحمت خان نے اپنے عہد حکومت مین مقبرہ تعمیر کرایا جو ابتک بیرون شہر بدایون موجود ہے

داؤدخان کے بعض اسباب ترقی کا بیان

بعد اس کے داؤدخان نواب عظمت اللہ خان کے پاس جو مراد آباد اور سنبھل کے حاکم تھے چلے گئے عظمت اللہ خان انکے فرزند لطفی سید علی محمد خان کے چہرے سے آثار اقبالمندی اور تہورو شجاعت دیکھ کر ہمیشہ تعریف کرتے اگرچہ نواب عظمت اللہ خان اور داؤدخان مین غایت درجے کا ارتباط اور اتحاد بڑھ گیا تھا اور اُن کے ذریعہ سے بہت سا علاقہ بادشاہی مالگذاری مین انکو مل گیا تھا جس سے رئیسانہ بسر ہونے لگی تھی مگر ہمت عالی کا عقاب ہمیشہ اپنے پرون کو دیکھتا رہتا تھا۔ ان کی بھی نوکری چھوڑ دی۔

روہیلکھنڈ گزیٹیر مین لکھا ہے کہ داؤدخان نے آخر کار رمٹھو کی لڑائی مین بہت سے کارنمایان کیے جس کے صلے مین بادشاہ کے

یہاں سے ضلع بریلی میں مقام شاہی اور بدایوں میں مقام سماسی جاگیر میں عطا ہوا۔

داؤد خان کا راجہ کمایون کی نوکری کرلینا اور ایک غداری کی پاداش میں اُس کے حکم سے مقتول ہونا

۱۰۵۸ھ ہجری مطابق ۱۶۴۸ء میں ایک شخص صابر شاہ نے جو اپنے کو تیمور یہ شاہزادہ ظاہر کرتا تھا ابتدائً دامن کوہ کمایوں اضلاع اودھ وغیرہ کی خاص طور سے کثیر فوج سپاہ کی نگہداشت شروع کی اور تھوڑے زمانے میں چالیس ہزار پٹھانوں کی جمعیت سے صوبہ روہیلکھنڈ پر حملہ کیا لیکن نواب عظمت اللہ خاں فاروقی ناظم ملک روہیلکھنڈ نے نہایت جلد اس ناتربیت یافتہ فوج کو کامل شکست دیکر منتشر کر دیا بہت سے پٹھان مارے گئے اور آخر صابر شاہ وہاں سے بھاگ کر سیدھا راجہ دیبی چند والی کوہ کمایوں کے یہاں پناہ گیر ہوا یہ راجہ نہایت کم ہمت اور غیر مستقل اور کاہل حکمران تھا چنانچہ خاندان چند کے زوال سلطنت کا زمانہ اس کے عہد حکومت سے شروع ہوا صابر شاہ نے راجہ سے کہا کہ میں دہلی کا رہنے والا خاندان شہنشاہ تیمور سے ہوں اور سلطنت ہندوستان کا مستحق ہوں اگر آپ میری اعانت کریں اور آپ کی فوج کے زور سے تخت ہندوستان مجھے مل جائے تو میں نصف سلطنت آپ کو دیدوں گا۔ اگرچہ دیبی چند کے مشیروں کی رائے پہلے سے

اِس بات پر آمادہ تھی کہ مسلمانون کی کل عملداری ہندیا کم سے کم اُس حصہ ملک پر ضرور قبضہ کر لیا جائے جو روہیلکھنڈ کے نام سے مشہور ہے لیکن اِس نئے دعویدار سلطنت کے ملجانے سے اُن کی اُمیدون مین بہت قوت آئی اور اُنھین یہ قطعی یقین ہو گیا کہ اِس شخص (صابر شاہ) کی اعانت کے پردے مین ہندوستان کے بڑے بڑے نامور سردار ہمارے شریک ہو جائین گے ایسی حالت مین ایک نوجوان اور بہادر پٹھان داؤد خان کی ہمراہی کی بھی ضرورت ہوئی کیونکہ اُسکے کانون تک بھی اِن کے اقتدار کی بھنک پہونچ گئی تھی اُس نے ایک ادھکاری کی معرفت جو کاشی پور کا حاکم تھا اُن کو اور اُن کے پانچسو آدمیون کے لشکر کو ایک بیش قرار مشاہرے پر نوکر رکھ لیا مگر یہ شرط ہو گئی کہ قیام اپنے ہی مقام مین رہے گا۔

راجہ دیبی چند نے صابر شاہ کی مدد کے لیئے داؤد خان کو معیّن کیا اور رُدّر پور وغیرہ پر قبضہ کر لینے کو حکم دیا اکثر پرگنات اور دیہات داؤد خان کی شجاعت اور دلیری سے صابر شاہ کے تصرف مین آئے اور اُنہی کی مدد سے رُدّر پور وغیرہ پر قبضہ ہو گیا لبعض بیانون سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۲۲ء مین نواب عظمت اللہ خان نے بحکم شاہی کاشی پور اور رُدّر پور کو مراد آباد کی حکومت مین ملانے کے لیے اِن مقامات پر پندرہ ہزار سوار اور بارہ ہاتھی لیکر حملہ کرنا چاہا دیبی چند راجہ کمایون نے حاکم کاشی پور کو عظمت اللہ خان سے جنگ کرنے کے لیئے حکم دیا

اور چالیس ہزار آدمیوں کو شاہی فوج کے مقابلے کے لیے جمع کیا
حاکم کاسی پور نے داؤد خاں کو اپنے لشکر کا ہراول مقرر کیا دونوں لشکر
میدان کاشی پور میں مقابل ہوئے۔ عظمت اللہ خاں نے داؤد خاں کو
مخفی طور پر لکھا کہ آپ میرے قدیم رفیق ہیں حق نمک اور حق شرکت
کلمہ محمدی کی رعایت کر کے میرے ساتھ جنگ کرنا چاہیئے داؤد خاں
نے جواب دیا کہ میں نوکری کی وجہ سے مجبور ہوں اتنا کروں گا کہ فوجوں
کو خالی سر کراؤں گا جب کاسی پور کے قریب لڑائی ہوئی تو داؤد خاں
نے دستاویز کیا ادھکاری کو شکست ہوئی اور ایک ہی حملے میں اُس کا
جم غفیر منتشر ہو گیا وہ دیبی چند کے پاس گیا اور داؤد خاں کی غداری کا
حال بیان کیا۔ راجہ نے داؤد خاں رحمکی مطلقاً ظاہر نہ کی بلکہ زیادہ مہربانی
کرنے لگا اور تنخواہ دینے کے بہانے سے پہاڑ پر بلایا اور ایک دن موقع
پاکر اُس کو قید کر لیا اور اُس کے دونوں پاؤں کٹوا دیئے یا پہلے کونچیں
کٹوائیں اور پھر گردن کی رگیں کھچوا کر اُس کا کام تمام کیا اس کے بعد
راجہ کے ملازموں نے لاش کو ساول ندی کے کنارے دفن کر دیا
داؤد خاں کے عروج کو سمجھیا تیرا چودہ برس گذرے تھے ؎

آغاز کو کون پوچھتا ہے انجام اچھا ہو آدمی کا

اُسکے قتل کے بعد نواب سید علی محمد خاں پر چودہ برس کی عمر میں گر پتیی نے سایہ
ڈالا جیسا کہ تاریخ فرخ آباد مولفہ سید ولی اللہ اور عماد السعادت سے ثابت ہے اور
یہ تحقیق کے خلاف ہے کیونکہ وہ ۱۱۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۳۴ میں

داؤد خان مارے گئے تو اِس حساب سے نواب سید علی محمد خان کی عمر بیس سال سے کچھ زیادہ کی ہونی چاہیئے۔

داؤد خان کے مشیرون اور کارپردازونکے نام

داؤد خان کے مشیر اور کارپرداز یہ لوگ تھے (۱) پایندہ خان ابن میرک خان ابن بائی خان ابن شیخ شہاب الدین عرف گٹے بابا (۲) ملک شادی خان بن شہزادخان بن محمود خان عرف موتی خان ابن شیخ شہاب الدین (۳) دوندے خان بن حسن خان برادر کلان شاہ عالم خان (۴) سردار خان (۵) فتح خان (۶) صدر خان کمالزئی جو عبدالستار خان کے باپ تھے (۷) کبیر خان۔ یہ نامور لوگ داؤد خان کی ترقیات روز افزون کا شہرہ سنکر ہندوستان مین آئے اور مورد مراحم ہوے البتہ فتح خان اُن کے چیلے تھے اِس لیئے کہ ایک برہمن کے بیٹے تھے بحالت خردسالی مسلمان ہوے تھے۔

نواب سید علی محمد خان جانشین داؤد خان کے حسب و نسب کی تحقیق

جو حالت نواب سید علی محمد خان کے متبنّٰے ہونے سے پہلے تھی وہ ہرگز اِس کی مقتضی نہ تھی جس سے اِن کی تاریخ ولادت کا علم کوئی مہتم بالشان کام سمجھا جاتا۔ لیکن آپ کے لائق جانشینون نے اِس بات

کا پتہ لگایا کہ آپ نے عالم نیستاں عدم سے اقلیم وجود میں ۱۱۱۸ھ ہجری مطابق ۱۷۰۶ء میں قدم رکھا تھا۔

ان کی قوم کی تحقیق کے بارے مورخین کو بڑا اختلاف ہے اور اس محل پر اکثر مورخوں کا قدم ساد راہ تحقیق سے لغزش کھا گیا ہے اسکی کچھ بحث میں اسی کتاب کے اگلے ایڈیشن میں لکھ چکا ہوں جو نسب نامہ صاحبزادہ سید منصور علی خاں ان صاحبزادہ سید قاسم علی خاں خلف نواب سید فیض اللہ خاں نے سادات بارہ سے بڑی جستجو کے بعد معلوم کیا تھا اس میں نواب سید علی محمد خاں کے باپ سید دلاور علی کے پردادا سید یونس کے آگے غلطی واقع ہوگئی تھی جس کی وجہ سے بحث میں آئی تھی۔ اصل یہ ہے کہ ریاست کے ٹوٹتے جانے میں ایک مرتبہ آگ لگ گئی تھی اور بہت سا نقصان ہوگیا تھا اسی میں وہ اصل نسب نامہ بھی ضائع ہوا جو تمام ساداتِ سنبھل ہیڑا ضلع مظفرنگر کو شامل تھا پھر پرانے لوگوں کی یادداشت سے اسکو لکھا گیا۔ اس میں حافظے کی غلطی سے ایک دوسری شاخ سادات میں نسب جا پہونچا سید مظفر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ ضلع مظفرنگر نے وقت تالیف تاریخ سادات بارہ کے جو شجرہ مرتب کیا ہے اور جو تقریباً اسی اور اصلیت سے مرتبط معلوم ہوتا ہے اس سے اس غلطی کی اصلاح ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) نواب سید علی محمد خاں (۲) سید دلاور علی (۳) سید لطیف علی (۴) سید دلدار علی (۵) سید یونس (۶) سید ابراہیم (۷) سید فتح محمد

(۸) سید احمد (۹) سید حمزہ (۱۰) سید یوسف عرف سید گدّن
(۱۱) سید ابی طالب (۱۲) سید تاج الدین (۱۳) سید حسین عرف
سید حُسَیٔ (۱۴) سید علی (۱۵) سید ہادی عرف سید ہدیا (۱۶) سید
فخر الدین (۱۷) سید محمد (۱۸) سید علاؤل (۱۹) سید ابو الحسن
(۲۰) سید ابو الفتح (۲۱) سید ابو الفضل (۲۲) سید ابو الفرح واسطی
(۲۳) سید داؤد (۲۴) سید حسین (۲۵) سید یحیٰے (۲۶) سید
زید ثالث (۲۷) سید عمر (۲۸) سید زید ثانی (۲۹) سید علی
(۳۰) سید حسن (۳۱) سید علی عراقی (۳۲) سید حسین (۳۳) سید علی
(۳۴) سید محمد (۳۵) سید عیسٰے موتم الاشبال[۱] (۳۶) زید شہید ابن
امام زین العابدین علیہ السلام (۳۷) جناب امام زین العابدین علیہ السلام
(۳۸) جناب امام حسین شہید کربلا علیہ السلام (۳۹) جناب امیر المومنین علی علیہ السلام۔
آئینہ اودھ مطبوعہ مطبع نظامی کے صفحہ ۱۰۸ میں سید ابو الفرح واسطی کا نسب جو
یون لکھا ہے ابو الفرح واسطی بن سید محمد اصغر بن سید یحیٰے بن حسین ذی الدمعہ بن زید شہید یہ
غلطی ہے کیونکہ سید محمد اصغر کے کسی بیٹے کا نام ابو الفرح واسطی نہین اُنکے تین بیٹون سے
اولاد رہی تھی (۱) محمد (۲) علی زاہد (۳) احمد موضح۔
عیسیٰ موتم الاشبال و حسین ذی الدمعہ دونون بھائی ہین اور زید شہید کے بیٹے ہین
انہین سے سید عیسٰے موتم الاشبال کی اولاد مین سے سید ابو الفرح واسطی ہین۔
سید مظفر علی خان صاحب کو سید دلاور علی کے مقتول ہونے کے

[۱] یتیم کرنے والا شیر کے بچون کا ۱۲ سلہ آنسو ڈالنے والا کیونکہ بہت عابد تھے ۱۲

معلوم کا تھا بس معلوم ہو سکا انہوں نے اسی قدر عبارت پر اقتصار کیا ہے
کہ وہ مع اہل و عیال و برادر برادرگان سلسلہ پیڑہ سے جانب بریلی
چلے گئے اور معاملۂ افغانان روہیلہ مقبول ہوئے۔ میں اسکی صراحت
کئے دیتا ہوں کہ سید دلاور علی بانکولی پرگنہ کانٹھ ضلع سنبھل میں تھے۔
جب موضع بانکولی پر داؤد خاں نے دھاوا کر کے قتل و غارت کا بازار
گرم کیا تو سید دلاور علی مارے گئے نواب سید علی محمد خاں کہ نہایت حسین
تھے داؤد خاں کے ہاتھ آ گئے داؤد خاں لاولد تھے اِس واسطے اُن کو
بجائے اولاد کے پرورش کیا یاد رکھو کہ موضع بانکولی اُس وقت میں کانٹھ
کے پرگنے سے لگا تھا اور کانٹھ کا تعلق سنبھل سے تھا عموماً کتب تواریخ سے یہی
بات ہے اور اب بانکولی تحصیل بہیڑی ضلع بریلی سے متعلق ہے لیکن
جام جہان نما تاریخ فارسی میں مذکور ہے کہ داؤد خاں نے جہاں نواب سید علی محمد
خاں کو پایا وہ بانکولی پرگنہ سوتی ضلع بدایوں میں واقع ہے اس صورت
میں۔ وہ بانکولی ہیں جس کا تعلق کانٹھ سے تھا اور اب بہیڑی سے ہے
شاہ آل احمد عرف اچھے صاحب المتوفی ۱۲۳۵ھ ہجری سجادہ نشین مارہرہ
اِن شاہ حمزہ صاحب کی تالیفات سے رسالہ فارسی میں ایک کرم خوردہ
ذخیرہ جو بطور جُنگ یا کشکول کے ہے اور نام اُس کا آئینۂ محمدی ہے
میری نظر سے گذرا ہے اس میں تاریخی واقعات کے ضمن میں جہاں
نواب سید علی محمد خاں کا حالت طفلی میں داؤد خاں کے ہاتھ آنا ذکر کیا ہے
وہاں بیان کیا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں سادات بارہہ سے تھے جو

زیدی ہین۔
یہ امر مختلف فیہ ہے کہ نواب سید علی محمد خان کو جب داؤد خان نے پایا تو آپ کا سن اُسوقت کیا تھا صاحب تاریخ عماد السعادت نے ڈیڑھ برس کی روایت کی ہے بعض مورخین چھ برس کے کہتے ہین صاحب تاریخ روہیلکھنڈ کے نزدیک سات یا آٹھ برس ثابت ہین۔ بہرکیف ایسے وقت کی روایت ہے جس کا صحیح اندازہ کرنے کی کوئی راہ نہین۔ اُنکے ملنے کی ایک حکایت ایسی دلچسپ ہے جس کو وقائع نگار کا قلم کسی طرح نہین چھوڑ سکتا۔ بعض صاحبون کا بیان ہے کہ موضع بانکولی کی معرکہ آرائی مین کچھ لوگ مارے گئے کچھ بھاگ گئے اُس اثنا مین نواب سید علی محمد خان کی والدہ چند روز سے مبتلاے تپ تھین اُسپر طرہ یہ کہ دوا غذا سب کچھ ندارد۔ بیماری کی وجہ سے تمام تر سامان آسایش سے محروم یہ اِس معرکہ مین بیتاب ہوئین تو ہونہار فرزند کو گود مین لیکر کسی دوسرے گانون کا رخ کیا اور آدھی رات تک لشتم پشتم چلی گئین لیکن پھر قدم آگے نہ بڑھ سکا اور بیٹھ گئین بیٹھنا تھا کہ غش آگیا اور وہ بھی گھڑی دو گھڑی پہر دو پہر کے واسطے نہین بلکہ قیامت تک کے لیئے ایسی حالت مین ماں بیٹے کی مفارقت ایک ضروری اور معمولی بات تھی جو وقوع مین آئی چاندنی رات تھی داؤد خان بھی چند پیادہ و سوار ساتھ لیئے وہان پہونچے نواب سید علی محمد خان اُس صحرا مین ایک جگہ اُس آزادی کے ساتھ جو معصوم بچونکو خداداد حاصل ہوتی ہے بیٹھے ہوئے کھیل رہے تھے

اور گرد سات ھیریوں کا ایک حلقہ تھا داؤد خاں کو دیکھ کر بھیڑیئے تو چلدیے لیکن خاں موصوف سے کسی طرح نہ رہا گیا اور فوراً گھوڑے سے اُتر کر اُنکو گود میں اُٹھا لیا اور بہت پیار کیا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ لڑکا بڑا صاحب اقبال ہوگا اور جوان ہوکر ضرور کسی ملک پر حکومت حاصل کرے گا کیونکہ جنگل میں خدائے تعالیٰ نے اُس کی حفاظت کے لیئے سات بھیڑیئے بھیجدیے حالانکہ ایک بھیڑیا بھی میدان میں بچے کو جیتا نہیں چھوڑتا جو کچھ ہو لا ولد ہوں اللہ تعالیٰ نے غیب سے یہ متاع عنایت کیا ہے اُن لوگوں نے جواب دیا کہ آپ نے ٹھیک ارشاد کیا ہے صحیح ہے پھر داؤد خاں اپنے ساتھ لے آئے اور فرزندوں کی طرح پرورش کرنے لگے۔ عماد السعادت میں بھی یہ حکایت ابتدائے بیان میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ مذکور ہے بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ داؤد خاں نے جسوقت آپکو پایا تو آپ کا نام پوچھا آپ نے سید محمد علی بتایا خاں موصوف نے کہا کہ آج سے تمہارے باپ ہم ہیں اور تم ہمارے بیٹے ہو اور اُس مرحومہ کے دفن سے فارغ ہوکر اپنے گھر کی راہ لی اس بیان سے یہ بات صاف ہوگئی کہ آپ کا سن اُس وقت ڈیڑھ برس سے زیادہ کا تھا ڈیڑھ برس کا بچہ بات کا جواب کیسے دے سکتا اور بھیڑیوں کا نواب سید علی محمد خاں پر حملہ نہ کرنا کچھ بڑی بات نہیں جب اقبال زیں حال ہوتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے اور مجھے سردار عرب و عجم کا یہ قول نہیں بھولتا اجلک حافظک یعنی تیری اجل ہی محافظ ہے جب تک اُس کا وقت نہیں آیا ہے تب تک کسی حربۂ ہلاکت کا

تجھیر اثر نہ کرنے دے گی موت خود اسے روکے گی اور کہے گی کہ تو
ابھی سے اسے کیونکر ہلاک کرتا ہے یہ تو فلان وقت پر میرے حصے
مین آنے والا ہے لیکن جو بات گھر والے کو معلوم ہوتی ہے اُس کو
ایک غیر آدمی نہین پا سکتا نواب سید کلب علی خان صاحب ملقب بہ
خلد آشیان نواب سید علی محمد خان کے پوتے ہین اور پھر علمی دنیا
مین نہایت قدر دان اور ماہر مانے جاتے ہین اُنھون نے تحقیق
کر کے انتخاب یادگار مین لکھوایا ہے کہ داؤد خان نے نواب سید
علی محمد خان کو موضع بانکولی کے ایک مکان مین پایا تھا اس سے
معلوم ہوا کہ اُنکی والدہ کے موضع سے نکلنے اور راہ مین رہرو ہلاک
عدم ہونے کی روایت اور اُن کو بھیڑیون کے حلقے مین پانے کا
قصہ بے سروپا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہین کہ عماد السعادت باوجودیکہ نواب
سعادت علی خان والی اودھ کے عہد مین خاص اُنکے دار السلطنت
لکھنؤ مین تالیف ہوئی اور اُسی ملک کی تاریخ ہے اور پھر بھی اُس کی اکثر
باتین امیر حمزہ کی داستان سے زیادہ وقعت نہین رکھتین چنانچہ
ہماری تاریخ اودھ کے دیکھنے سے ماہرین فن اس کا اندازہ بخوبی
کر سکتے ہین تو ایسی حالت مین انتخاب یادگار کی روایت کے سامنے
عماد السعادت کا بیان کسی طرح اہمیت دینے کے قابل نہین ہو سکتا
اب یہان ایک دوسری بحث یہ بھی پیش آتی ہے کہ انتخاب یادگار اور
گلشن فتوت وغیرہ مین نواب سید علی محمد خان کے نسب نامے کو

دوسرے طریق سے بیان کرتا ہے جیسا کہ اگلے اڈیشن میں لکھ چکا ہوں اور
اُس میں بعض کمزوریاں ثابت کر چکا ہوں اب تفحص سے معلوم ہوا کہ صاحبزادہ
منصور علی خاں سے سید یونس کے آگے ناموں میں غلطی واقع ہوگئی تھی
موٹی سی بات ہے کہ سادات بارہ کے زیدی ہونے میں کلام نہیں مگر
تسامح اور تساہل کی وجہ سے اُنکو موسوی لکھدیا۔ اور ایسا اکثر بڑی بڑی
کتب میں بھی واقع ہوگیا ہے چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے حضرت
عیسے سے چار سو چھیس برس پہلے سفر حقیقت و سفر حجر۔ جو بقول اہل
کتاب یحیی اور زکریا علیہما السلام کی مدد سے لکھا تھا اُس میں اولاد بنیامین
کے بیان میں توریت کا خلاف کیا ہے توریت میں جو حضرت عزیر وس
لکھ گئے ہیں انکو بیٹوں میں اور کبھی ناتی ملایا ہے اور بیٹی سے جو جاری ہے
حضرت بیٹے کا نسب نامہ لکھا ہے اُس میں کئی نام بھول گیا ہے جس کی
تاویل میں مفسرین بہت تکلفات کرتے ہیں۔

نواب سید علی محمد خاں کی سیادت کا ثبوت ان بیانات کے علاوہ اور
تواریخ سے بھی ملتا ہے چنانچہ منشی کریم علی مؤلف تاریخ مالوہ اور صاحب [illegible] السعادت
نے انکے باپ کو بارہ کا ایک سید بتایا ہے اور اُن کا یہ کہنا کہ اُس سید نے
ایک برہمنی کو مسلمان کرکے گھر میں ڈال لیا تھا اُس کے بطن سے نواب سید
علی محمد خاں ہیں اُن نوشتوں کے سامنے قابل اعتماد نہیں جو سادات بارہہ
سید دلاور علی کے نسب کے متعلق ثبوت کو پہونچے ہیں اور بفرض محال
تھوڑی دیر کو یہ مان بھی لیا جائے کہ نواب سید علی محمد خاں ایک مسلمان

برہمنی کے بطن سے ہین تو اس مین بھی کچھ مضائقہ نہین اول تو برہمن تمام
ہندو اقوام مین اعلےٰ و اشرف ذات ہے دوسرے یہ کہ سیادت کا
اعتبار باپ کی طرف سے ہے نہ ماں کی کنیزدن کے بطن سے کیسے کیسے
اکابر گذرے ہین تہ کی بات یہ ہے کہ سیر المتاخرین کے مؤلف کو نواب
موصوف سے مذہبی مخالفت کے سوا دو خاص وجہون سے خصومت
ہے (۱) سادات بارہ کی لڑائی مین نواب سید علی محمد خان کی شرکت کا
اُس کے دل پر سخت داغ ہے (۲) اُس کا باپ ہدایت علی خان بریلی اور
اُس کے ۱۷ محال کا فوجدار تھا اُس نے سرہند کی مہم سے نواب کی واپسی
کے بعد ان کی سپاہ کے ہاتھ سے بڑی ذلت اُٹھائی تھی سید ہدایت علی
خان کے ساتھ اُسکا بیٹا یعنی مؤلف سیر المتاخرین بھی تھا اس زک پانے کی وجہ
سے عمر بھر وہ عموماً روہیلون اور خصوصاً نواب سید علی محمد خان کا دشمن جانی
رہا اور نواب کے ساتھ حسد و کینہ اس کا خاصہ ہوگیا اسی سیلئے اپنی
کتاب مین نواب صاحب کو کہین کچھ کہین کچھ لکھدیا یہ مرد بوالعجب اتنا نہ سمجھا
کہ آدمی کی جو قوم بھی ہوگی وہ ایک ہی ہوگی ایک ہی شخص کی دو قومین
تو ہو نہین سکتین ہر جگہ نواب ممدوح کی فوج کو افاغنہ ملاعنہ اور
افواج شام اور افاغنہ عفریت نژاد اور دون زادان کے
کریہہ الفاظ سے یاد کیا ہے اِس کے بعد جن مؤرخون نے روہیلون کے
حالات مین کوئی کتاب لکھی اُنھون نے اِسی کا اتباع کیا چنانچہ جام جہان نما
۔ تاریخ راجگان پنجاب ۔ تاریخ ہندوستان مؤلفہ الفنسٹن صاحب تاریخ مالوہ

اور جلد دوم تنقیح الاخبار وغیرہ میں اُسی کے مطابق لکھا ہے۔ یہیں سے تمام
اقوال کو جو کورانہ تقلید رمی سے نکلے یہاں درج نہیں کیا۔
نواب سید علی محمد خاں بہادر کو خود روہیلہ کے لفظ سے یاد کیا ہے یہ
تغلیب کے قاعدے رمی ہے حالانکہ افغانستان میں سوائے پٹھانوں کے
اور قومیں بھی آباد ہیں مگر تغلیبا سارے ملک کو افغانستان کہتے ہیں اور
وہاں کے باشندوں پر عموماً افاغنہ کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی وجہ سے
حافظ رحمت خاں رادے کاظم خاں شیدا نے اُن کے انتقال کی تاریخ مادہ ہائے
افغاں سے نکالی ہے اور اسی وجہ سے زمان شاہ نے اپنے فرمان
میں جو آصف الدولہ کے نام پر ہے لکھا ہے سوں علی محمد خاں وحمت اللہ خاں
ازطائفہ افغاں وسلیں ایے آخر ہٰ اور نواب موصوف سے جو بہت پٹھانوں
کے خاندانوں میں قرابت کی تواں کی وجہ سے کہ اُس وقت میں آپ کی
ایسی حالت اور طرز معاشرت تھی کہ اُس کی وجہ سے پٹھانوں ہی کے
خاندانوں میں رشتہ داری کی بنا پڑ گئی اور زیادہ تر باعث اس کا
ایک پٹھان کی تبنیت تھی اور جہاں ایک جگہ رشتہ قائم ہو گیا پھر کیا تھا
گویا رحسرو سدی ہوگئی اور سید کا پٹھاں کی مٹی سے لیا یا اُسکو اسی مٹی
دیدینا نہ عقلاً ممنوع ہے اور نہ شرعاً بلکہ عرفاً بھی قباحت نہیں ہمیشہ ایسا
ہوا کیا ہے اور پٹھان بھی تو مسلمانوں میں ایک شریف قوم ہے سرپال الملک
نواب سعادت علی خاں بانی ریاست اور دیگر سید مودودی ملی ان کی بہن ایک
ترکماں سے جو کہ سہ سارہ تھا بیاہی گئی تھی جس کے بطن سے ابوالمنصور خاں

صفدر جنگ والی اودھ ہوے اور اُنکو برہان الملک کی بیٹی بیاہی گئی جس سے شجاع الدولہ پیدا ہوے۔ بہرصورت اگر نواب سید علی محمد خان دودمان شرافت و نجابت سے نہوتے تو پٹھانون کا ایک سربرآوردہ اور شریف گروہ جنکو ذاتی غیرت اپنے ہم چشمون کی اطاعت پر بھی مائل نہین ہونے دیتی داؤد خان کے صلبی فرزند کے موجود ہوتے آپ کو حکومت کے لیے ہرگز انتخاب نکرتا۔ دیکھو لو فتح خان ایک برہمن کے لڑکے تھے داؤد خان نے اُنکو مسلمان کرکے بڑی عزت دی مگر کہلائے چیلے ہی سرداران افاغنہ کے ساتھ برابری قومی حاصل نہ کرسکے نہ باہم رشتہ داری کا مرتبہ اُنکو دیا اُسوقت تک افاغنہ کو اپنا حفظ نسب بہت ملحوظ تھا اور احتیاط زیادہ مرعی تھی اور آج کل جو پٹھانون مین نسب بگڑتا جاتا ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ اُن کے بڑون مین جو پہلے جوہر شرافت تھے وہ اب اُن مین نہین ہے کیونکہ کسی کی ماں ڈومنی ہے کسی کے دادا نے کوئی ذلیل قوم کی عورت گھر مین ڈال لی ہے وضیلے آدمی سے شرافت کے کام صاف نہین ہوتے "ان ٹینی باپ کلنگ بچے دیکھو رنگ برنگ"۔

خلاصۂ تحقیق یہ ہے کہ یہ نہایت بے سروپا بات ہے کہ بے خبر مورخ نواب سید علی محمد خان کو خارج از سادات سمجھتے ہین یہ غلطی اس لیے بھی واقع ہوئی ہے کہ مورخین نے اُن روایات کو معتبر سمجھ لیا ہے جو یقیناً کمزور نوّابان اودھ کی خاطر جو نواب سید علی محمد خان کی تلوار سے عاجز تھے ایک قومی دشمن پر ہنسنے اور اُسکی دل آزاری کے لیئے تراشی گئین

اور اس میں سالماء ہی تعصب کو بھی دخل تھا۔ حافظ رحمت خاں کی اولاد جو بریلی کی ریاست برباد ہونے کی وجہ سے بہت بے کسی کی حالت میں مبتلی ہوئی نواب سید فیض اللہ خاں کی دولت و شوکت کو دیکھ دیکھ کر رنج وغم سے گھلتی تھی ایسے قصّوں کے تراشنے میں پوری پوری مدد دیتی رہتی تھی مؤرخین نے اُن روایات پر غور نہیں کیا جو نواب سید علی محمد خاں کے صحیح النسب ہونے پر پرزور شہادت دے رہی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اُس وقت کے صاحب جلال بادشاہ عالمگیر اعظم حکومت ہندوستان سے نکلے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کیسے نواب سید علی محمد خاں اور انکی اولاد کو اپنی بیٹیاں دیتے اگر یہ لوگ ذرا بھی اُن کے نسب میں شبہ پاتے تو اسے کہ جو سرائی حکومت کا جوا ابتدا ہی سے سر سے پھینکتے اور اُن کی نصرت و حمایت کے لیئے اپنی جانوں کو اس طرح نہ لڑاتے۔ میں نے اس بحث کو اس لیئے طول دیا ہے کہ اس بارے میں شک و شبہ کا کلیۃً سدباب ہو جائے اور اُن بادان رام پور والوں کی زبان بند ہو جائے جن سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ وہ نواب سید علی محمد خاں کے نسب پر افترا و بہتان سے طعن و قدح کرتے تھے اور یہ کچھ ان کے افلاس کے سبب سے اور کچھ جہالت سے اُن کی طبیعت میں پڑا ہوا ہے اور یہی حال اسکے عوام کا ہوگا۔ تعجب دیا ہے اور تعجب اہل دیا گر کیا کیجیے یہاں کبھی ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ انسان کی عقل گم ہو جاتی ہے نواب سید علی محمد خاں کے نسب میں قدح اور نکتہ چینی کرتے ہیں

اہل رام پور کی وہ سب بے چین اور مغرور طبیعتین بھی شامل ہین جو ریاست
کے سایۂ حمایت مین رہکر سونے روپے کے بادل اُڑاتے ہین موتی
رولتے ہین زرق برق پڑے پھرتے ہین اور اپنی شرافت خاندانی
کے مدعی ہین چونکہ نسب سادات کا اِدّعا تمام اقوام و قبائل پر شرافت
کا دعوے ہے اس لیئے اس مین تہمت کا بھی سامنا ہوتا ہے مگر سید
دلاور علی کی سیادت کا ثبوت اُنکے وطن بارہ مین وضاحت کے اُس
درجے کو پہونچ گیا کہ اُس مین ذرا شک و شبہ کو گنجایش نہین رہتی کیونکہ
سید مظفر علی خان صاحب نے نسب نامے کو گردہا گردہ سادات بارہ
سے نقل کرکے مرتّب کیا ہے سید دلاور علی کے باپ سنبھل ہیڑے مین
رہتے تھے اور اُن کا گھر وہان سیّدون کے گھرون مین تھا اور اُن کے
کثیر رشتہ دار ابتک موجود ہین پس اُنکی سیادت کا ثبوت حد تواتر سے بھی گذر کر
چشم دید کے برابر ہوگیا ہے جب حافظ رحمت خان کے خاندان نے نواب
سید علی محمد خان کی اولاد کی عظمت اور شرافت سیادت کے ساتھ اُنکے اُس
ریاستی جاہ و حشم کو دیکھا جو کبھی حافظ رحمت خان کو بریلی مین حاصل تھا
اور اپنے لیئے یہ عزت و توقیر نہ پائی تو پیچ و تاب کھانے لگے اور جب
ان مدعیان نسب ٹمر یچ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ نواب سید علی محمد خان
کا خاندان نسب اور ریاست دونون مین ان سے گوے سبقت لے گیا
ہے اور انکو یہ مرتبہ اب نہین مل سکتا تو دل مین کٹے اور حسد و رشک
سے آرزو مندی کرنے لگے کہ علی محمد خانیون کو اُن کی شرافت اور عظمت

سے گرا کر شہ لگا ویں انکی ماں کس سے بیاہی ہیں کیا کیا موتی پروتے ہوں گے
دشمنی پر آ کر سیر المتاخرین کے مؤلف سے ان کے نسب میں طعن لکھوا کے
دل کا بخار نکالنے لگے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ سیر المتاخرین کا مؤلف
ایک مقام پر لکھتا ہے فقرا کہ بعد از اولاد حافظ رحمت خاں دو دو مدے حال ایشاں
در لکھنؤ بعد مردن شجاع الدولہ در زمان شروع امارت نواب آصف الدولہ
دیدہ و احوال آنہا مشاہدہ و از سماع از معتمدین ادراک نمودہ است وصل
جماعت مذکورہ محبت خاں پسر حافظ رحمت خاں برادر صغیر عنایت خاں -
کہ با شجاع الدولہ مخلص و در جنگ عظیم آباد کہ با انگلشیہ روئے داد ہمراہ
معین شجاع الدولہ بود شاہد گشت بحسب صورت و سیرت لیاقت
سروری و بلندی داشت لیکن دریں زمان کہ واتر و بی فلک سفلہ نواز
بمرتبہ کمال رسیدہ برائے او وجہے کہ بہایت دوں مرتبہ او بود مقرر داشتہ
و فیض اللہ خاں پسر علی محمد خاں را کہ حاصل او کم از بیست لک روپیہ
نخواہد بود عاقبت نمودند حالانکہ او در زمان اقوام خود زیادہ بر یک
تا پنج لک روپیہ ورید بصرف نداشت ناقدردانی و سفلہ پروری این روزگار
زیادہ براں است کہ برین عمل تحریر و انسپ کردہ از جملہ دون پروری ہا
ثمرہ آید۔ حافظ رحمت خاں کی اولاد نے خود جو روہیلوں کے حالات
میں تاریخیں لکھی ہیں جہاں بھی انھوں نے نواب سید علی محمد خاں اور انکی
اولاد کا کوئی واقعہ لکھا ہے لفظ لفظ سے ناراضی ٹپکتی ہے اور ہر جگہ خاک
اڑائی ہے اور حسد کے نشتر مارے ہیں۔

لیکن نواب سید علی محمد خان کا مرتبہ اُنکے مراتب سے بالاتر ہے اور اُنکی بدگمانی سے بالکل بری سوچو تو وہ کیسا شخص ہوگا جس نے سلطنت دہلی وریاست لکھنؤ کو مغلوب کر دیا اور روہیلکھنڈ سے اُن کے تعلقات کو جڑ سے اُکھیڑ کر پھینکدیا اور اُن کی عظمت کا نام ونشان یہان سے مٹا دیا اس جنگ وجدل مین تمام غیور پٹھان اُنکے محکوم تھے وہ لڑے اور مرے اور اپنے آپ کو نواب پر قربان کرکے اُنکو بچایا اور اُن کی ریاست کو جمانے کے کام مین اپنی جانین گنوادین اور یہ امر مسلم ہے کہ شریف اپنے اختیار سے اپنے اوپر غیر شریف کی حکومت گوارا نہین کر سکتا۔

نواب سید علی محمد خان کی سیادت پر تو مذکورہ بالا دلائل موجود ہین لیکن اُن لوگون کے پاس کوئی حجت بجز چند سُنی سنائی بے سروپا باتون کے اِن دلائل کے خلاف نہین۔ آدمی پر کبھی کبھی ایسی حالت گمنامی کی طاری ہوجاتی ہے کہ ذہنون سے اُس کے نسب کی شہرت دور ہوجاتی ہے اور وہ دوسری قومیت کا وہ لباس پہن لیتا ہے جس مین وہ رہتا ہے پھر اگر وہ اپنے پچھلے نسب کا دعوے جو ملک اور قوم کے نزدیک مجہول ہو کرے تو کیا گناہ ہے۔ ایسے واقعات ان حالتون مین اکثر پیش آتے رہتے ہین جبکہ پہلا نسب ذہنون سے اتر چکا ہو جیساکہ سید دلاور علی کی اولاد پر بانگولی مین گذرا۔

اہل سیف و دولت پر اہل قلم نے جو کمتر عیوب ناواقفیت سے چپکائے ہین تو زیادہ تر کسی خاص تعصب اور ذاتی عناد سے اُنھین مطعون کیا ہے۔

کم علم یا بے علم لوگ مراتب عالی پر پہونچکر مختلف حکومتوں کی شہری مسندوں پر
بیٹھ کر صاحب جاہ وجلال ہو جاتے ہیں اس لیئے اہل علم کا ادب پیش نگاہ
نہیں رکھتے اور ایسے کم ظرف ہوتے ہیں کہ جب کسی درجے پر پہونچے ہیں
تو اپنا سلام علما کے ذمے فرض سمجھتے ہیں بلکہ اسپر قناعت نکرکے چاہتے ہیں
کہ ہماری خوشامد کریں اور کبھی اُن کے کاموں میں خلل ڈالتے ہیں کبھی اُنکی
تصانیف پر جنکی عبارت بھی نہیں پڑھ سکتے ناک بھوں چڑھا دیتے ہیں کبھی
نالائق لوگوں کو لاکر اُن سے بھڑا دیتے ہیں بلکہ اُنھیں آگے بڑھا لیجاتے ہیں
اور جب کبھی اُن کا مقدمہ پیش پاتے ہیں تو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جرات کرتے
ہیں غرض اہل علم سے اور کچھ نہیں ہوسکتا یہی جہاں موقع پاتے ہیں ایسے
گھسے ہوئے قلم سے وہ زخم دیتے ہیں کہ قیامت تک نہیں بھرتے میں نے
اس غلطی کے صاف کرنے میں بہت طول کیا ہے اب میں مختصر طور پر یہ عرض
کرتا ہوں کہ سیر المتاخرین کے مؤلف کا قول اس بارے میں بوجہ ایک
خاص عداوت اور مذہبی تعصب اور حافظ رحمت خاں کی اولاد کی
اغراض وارادہ حسد وشرارت کے راہ راست سے دور جا پڑا پھر اس سے
بہت سے بعض العلما اور درایت سے بے خبر مورخوں نے نقل کیا
اور اصل بعد کے معلوم ہونے کی وجہ سے شبہہ اُن سے صاف نہ ہو سکا
بلکہ ذہنوں میں جگہ کر گیا اس معاملے میں جو غلطی واقع ہوئی ہے اُس کا
نہایت حقیقی سبب یہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا۔

نواب علی محمد خان کی تربیت

سردار داؤد خان نے اس ہونہار جانشین کی تربیت کی بنیاد عمدہ طریق پر ڈالی بچپن ہی سے جودت طبع اور تیزی فہم رکھتے تھے نور آگاہی اور دانش الٰہی نے مدد کرکے اُن کو اُن لوگون کے کمالات کا وارث کردیا جن کے ہاتھ بہ نسبت دماغ کے بہت خوب لڑتے ہین اگرچہ وہ انشاپردازی مین بہت بڑے ماہر نہوسے تاہم اچھی تعلیم کی بدولت علوم رسمی اور کمالات انسانی مین صاحب کمال ہوگئے لڑکپن سے سپاہگری کے تمام ہنر سیکھ لیے تھے۔ نیزہ بازی، شہسواری پٹے اور گتکے مین طاق ہوگئے تھے آپ کو تیراندازی کا بڑا شوق تھا اور اس فن کو آپ نے نواب ہادی یار خان سے حاصل کیا تھا۔ نواب ہادی یار خان سادات بخارا سے تھے اور اُس زمانے مین بدایون مین سکونت رکھتے تھے اور فضیلت سادات اور کمال تیراندازی کے علاوہ اُن کے خاندان کو سلطنت کی طرف سے بہت کچھ اعزاز اور امتیاز حاصل تھا۔ نواب سید علی محمد خان فن تیراندازی کے کسب کے شوق مین خود بدایون گئے اور اُس بے نظیر باکمال سے اِس فن کی تکمیل کی۔ اُن کے دماغ مین بچپن سے سرداری کی بوبسی ہوئی تھی اور داؤد خان کی صحبت مین سپہ گری اور ملکی سازشون کی ایسی تعلیم پائی تھی کہ بجائے خود ایک کارآزمودہ سردار خیال کیے جاسکتے تھے۔

نواب سید علی محمد خان کے مرقع مین داؤد خان کی تصویر سونے کے

پالی سے کھینچی جانئے کیونکہ سب سے پہلے اُن کی رفاقت نواب سید علی محمد خاں
کی ہمدم اور رفیق حال ہوئی اور اُس کو کمالات انسانی کے اعلیٰ درجہ پر
چڑھنے کے قابل بنا دیا۔

ذکر جانشینی نواب سید علی محمد خان

اخبار حسن وغیرہ میں مذکور ہے کہ جبکہ داؤد خاں راجہ دیبی چند
والی کماؤں کی قید میں مرگئے تو ملک شادی خاں۔ دوندے خاں۔
صدر خاں۔ ماہدہ خاں۔ سردار خاں۔ کبیر خاں اور فتح خاں وغیرہ
نے بسبب صغرسنی و ناتجربہ کاری محمد خاں کے نواب سید علی محمد خاں کو
داؤد خاں کا جانشین کیا انھوں نے ایک دم سے روہیلو پر حکومت کرنا
شروع کر دی جن کی تعداد کل رحمت میں چار پانسو آدمی کے قریب بتائی
ہے داؤد خاں کے وہ چند وفادار جاں نثار ساتھ تھے جو محبت کی زنجیر
سے جکڑے ہوئے تھے اور اپنی قسمتوں کو اس ہونہار اقبال کے
ہاتھ بیچے ہوئے تھے ان لوگوں کو راجہ دیبی چند کی طرف سے بےاطمینانی
تھی اور زمانے کے پُرآشوب ہونے کے باعث ایک سرپرست اور
مربی کی ضرورت تھی۔ وہ سردار نواب سید علی محمد خاں اور تمام
ساتھیوں کو اُٹھا کر پہاڑ سے چلے آئے اور مراد آباد دیکھ کر تمام ماجرا
کا حال نواب عظمت اللہ خاں سے بیان کیا۔ نواب موصوف نے
اُن کی بہت خاطر کی اور داؤد خاں کی خیر خواہی کے صلے میں اپنے یہاں

رسالہ دار کر دیا اور چند پرگنہ رسالہ وغیرہ کی تنخواہ مین بطور جاگیر کے دیدیے۔
فرح بخش مین لکھا ہے کہ سوا اس جائداد کے نواب علی محمد خان نے اور بھی کئی
پرگنے اجارے مین لیلئے تھے اور قصبہ بیولی مین مسکن مقرر کیا۔ مؤلف
جامِ جہان نما کہتا ہے کہ عظمت اللہ خان نے اُنکو اپنی فرزندی مین جگہ دی اور
روز بروز اُنپر عنایت زیادہ کرنے لگے جسقدر اُنکے رفیق اور ہمراہی پٹھان متفرق
ہوگئے تھے وہ بھی سب اُنکے پاس جمع ہوگئے اور تھوڑے سے زمانے مین امارت کے
اسباب اور کارخانجات اُنکے پاس فراہم ہوگئے مگر جسقدر جائداد عظمت اللہ خان نے
نواب موصوف کے لیے مقرر کی تھی وہ اُنکے مصارف کو کافی نہ تھی۔ اس لیے
نواب سید علی محمد خان نے عظمت اللہ خان سے کہا کہ میرے لیے جسقدر آپکے
یہان سے مقرر ہے اُسمین بسر نہین ہوسکتی تو اُنھون نے جواب دیا کہ مجھسے جسقدر
ہوسکا وہ موجود ہے اسمین اگر آپکی بسر نہ ہوسکے تو جس بات مین آپکو بہتری معلوم ہو
وہ کام کیجیے نواب سید علی محمد خان عظمت اللہ خان سے علحدہ ہوکر اپنے رفقا کے
ساتھ مدکر والے راجہ کے پاس چلے گئے اُسنے نوکر رکھ لیا اور اُنکے خرچ کے لیے
کچھ گانوٗن مقرر کردیے۔ مدکر کو بریسر کے پرگنے مین مؤرخون نے بتایا ہے ریاستِ
رامپور کی تحصیل شاہ آباد کے علاقے مین مدکر ایک موضع کا نام ہے جو رامپور سے
۱۲ میل کے فاصلے پر ہے یہان پر پُرانے مدکر کے راجہ کا خاندان ہے یہ راجہ
کسی زمانے مین اس ملک کا معزز سردار مانا جاتا تھا۔
آپ نے چند روز کے بعد اس سلسلے کو بھی قطع کرکے موضع بنیا بیولی وغیرہ

---

[۱] بیان ذیل منتخب العلوم وغیرہ مین دیکھو ۱۲

برکات مقبوضہ داؤد خاں پر قبضہ کرلیا جو کہ اس کی مداخل کی کمی اور مخارج کی زیادتی
سے تکلیف رہتی تھی اسلیے نواب موصوف نے داؤد خاں کی تتبع اختیار کی اکثر قرب
وجوار کے مواضعات کو تاخت و تاراج کرنے لگے ملک کٹھیر کو نمونہ عرصات قیامت بنا دیا
ان ہی دنوں موضع اونٹہ کوٹھ کو لوٹ کر ویران کردیا اس وقت اُن کے پاس چار
پانچ سو آدمی جمع ہو گئے تھے اور وہ لوٹ پر گذارہ کرتے تھے تمام علاقے تباہ کردیے
اُنکی تُرک تازوں میں اتنا فائدہ ہوا کہ تمام زمیندار دبنے لگے۔
اُنکی مزاج و صلگی یہ ضروری خیال کرتی تھی کہ میں ملک روہیلکھنڈ کو مسخر کرسکتا
ہوں کیونکہ دنیا میں ہر قطعہ زمین اسا خاص اثر رکھتی ہے اُسکے موافق وہاں آدمی
اور نباتات اور جمادات پیدا ہوتے ہیں ان آدمیوں کے اوضاع اور رسوم اور
معاملات اور ضوابط و قواعد نظم و نسق اور ملکوں سے جدا ہوتے ہیں ہندوستان کا
یہی حال ہے یہاں کے آدمی اور ملک کے لشکروں سے معلوم ہو جاتے ہیں۔
بہت سے اولوالعزم عالی ہمت یہاں آئے جنھوں نے ہندوستانیوں کو مارا پیٹا
لوٹا کھسوٹا اسباب لشکرداری سے کچھ کام نہ رکھا بس عالی ہمت یہاں ایسے
آئے کہ اُنھوں نے حرب و قتل اور جنگ و جدال کے وقت تو تہور و بسالت اسا
ظاہر کیا مگر جب تلوار کو نیام میں کیا تو یہاں کے آدمیوں کو اپنا بھائی سمجھا
اور اُنکی عزت اور جان و آبرو کا خیال ایسا ہی کیا جیسا کہ اپنا کیا اور اُن کی
آپس میں اُلفت ایسی ہوگئی کہ ایک دوسرے کے کام کے انصرام میں دل و
جان کوشش کرنے لگے شیر و شکر کی طرح مل گئے تیل اور پانی کی طرح جدا جدا
نہ رہے غرض یہ بد مہربان کی طرح امیر نشست کرتے اور وہ اولاد رشید کی طرح

انکی متابعت کرتے تھے یہ حال اہل اسلام اور ہندوون کا شاہجہان کے زمانے تک رہا عالمگیر کے زمانے کے بعد تمام انتظام مین خلل واقع ہوا۔ بادشاہ شب و روز عیش و عشرت مین مشغول ہوے امراے کبار اور اہلکار تعصب اور رشوت ستانی مین مصروف ہوے رعایا افلاس اور مصائب کا شکار ہوئی اس حال پُراختلال مین نواب سید علی محمد خان نے تمام ملک کٹھیر کی تسخیر کا آہنگ کیا

نواب سید علی محمد خان کا آنولے کے زمیندار کو مقتول کراکے اُسپر قبضہ کر لینا

دُرجن[1] سنگھ راجپوت آنولے کا زمیندار تھا اور یہ شخص نہایت قوی بہادر زبردست تھا اور غرور کی شراب مین بدمست تھا۔ اپنی شجاعت اور قوت کے سامنے کسی کو خیال مین نہین لاتا تھا نواب سید علی محمد خان سے بھی ہمیشہ چھیڑ چھاڑ کیا کرتا تھا اور اُنکا مطلقاً دباؤ نہین مانتا تھا یہ بھی اُسکی تخریب کی فکر مین تھے کیونکہ اُنکے کام کو اُسکی وجہ سے ترقی نہین ہوسکتی تھی اور اُسپر علانیہ چڑھائی کرنا نواب کی مصلحت کے خلاف تھا کیونکہ برسر مقابلہ اُسپر قابو نہین پا سکتے تھے نواب نے دُرجن سنگھ کے ایک نوکر کو دو سو روپیہ کا لالچ دےکر اُسکے قتل پر آمادہ کیا یہ شخص اُسکی ٹوہ مین رہنے لگا ایک دن دُرجن سنگھ جنگل مین نشیبی مقام پر قضاے حاجت کے لیے بیٹھا تھا اُس شخص نے جو ایسے موقع کا منتظر تھا دُرجن سنگھ کا کام تمام کر دیا اور سر کاٹ کر نواب سید علی محمد خان کے پاس

[1] یہ نام منتخب العلوم مین ہے اور روہیلکھنڈ گزیٹیر مین دجا علی اور گل رحمت مین صرف دبا آیا ہے"

لے آیا نواب نے حسب وعدہ دو سو روپیہ دیا چاہے تھے مگر اُسے نہ لیے۔ پُرانے زمانے کی اُردو کی قلمی تاریخ میں جو ملکیوں کے خاندان سے ملی تھی اسی طرح ہے گل رحمت میں لکھا ہو کہ یہ شخص قاتل قوم کا چمار تھا نواب نے اُسکو زرکثیر اور جاگیر کی طمع دیکر آمادہ کیا تھا بعض کتابوں میں لکھا ہو کہ دُرجن سنگھ کے قتل کرنے کے لیے ایک رفیق کو شام کے وقت کمیں گاہ میں بٹھا دیا تھا جسنے دُرجن سنگھ کو قتل کر ڈالا۔ دُرجن سنگھ جیسے مقتدر رئیس کا قضائے حاجت کے لیے جنگل میں یوں جانا یا ایک ذلیل چمار کا اُسکے قتل کی ہمت کرنا دونوں باتیں عقلِ سلیم قبول نہیں کرتی پچھلی روایت صداقت کی جو شعور رکھتی ہے۔

دُرجن سنگھ کی تجہیز و تکفین کے ساماں میں اُسکے ورثہ مصروف تھے کہ نواب صاحب نے اُسکی حویلی پر حملہ کر دیا اکثر راجپوت مارے گئے اور جو کچھ بچے وہ بھاگ گئے سیکڑوں بھیڑیے تھے کہ جند کریوں پر آن پڑے اور دم کے دم میں چیر پھاڑ کر پھینکدیا۔ دوسرے دن اُسکی حویلی کو تڑوا کر نئی عمارتیں بنوانا شروع کیں اور آنولے کے تمام گاؤں کو دبالیا۔ نواب عظمت اللہ خان نے بھی اُسے کوئی تعرض نہیں کیا

نواب سیّد علی محمد خان کے کام مین ترقی شروع ہونا وزیر اعظم ہندوستان کے ساتھ توسل پیدا ہو جانا

اگرچہ داؤد خان اور عظمت اللہ خان میں بھی ارتباط تھا مگر اب اُس کا اور رنگ بڑھا اور روز بروز ترقی پاتا گیا بلکہ نواب سیّد علی محمد خان نے عظمت اللہ خان کے بیٹے معین الدین خان گورنر بریلی سے بھی رابطہ پیدا کر لیا اور اُن کے پاس

آنا جانا رکھا اور ان لوگون کے بھروسے پر اپنے ملک اور قوت کو بڑھانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ محالات جاگیر زمرۂ منصب داران پر کہ آنولے کے اطراف و جوانب مین تھے قبض و تصرف کر لیا اور آنولے کو اپنا دار الحکومت قرار دیا اور اپنے طور پر روپیہ جاگیرداروں کو دیا کرتے تھے اس عرصے مین کوئی زمیندار اطراف کا ایسا نہ تھا جو نواب کی برابری کا دم بھرتا۔ کسی قسم کی سرکشی کرتا۔ ہر ایک نواب سید علی محمد خان کی شجاعت کے حالات سنکر اُنسے مدد کا خواہشمند رہتا تھا نواب عظمت اللہ خان کے مربیانہ سلوک اور نواب سید علی محمد خان کی مدبرانہ کارروائیون نے آپکی ساکھ تمام کٹھیر مین باندھ دی اور نواب عظمت اللہ خان کے توسط سے قمرالدین خان وزیر اعظم سے بھی تعارف حاصل ہو گیا چنانچہ نواب صاحب نے ایک دانشور ذی شعور آدمی کو اپنا وکیل بنا کر وزیر کے دربار مین بھیجا اُسکی کوشش نے یہ اثر کیا کہ بہت سا خالصے کا علاقہ اور امرا وغیرہ کی جاگیر نواب سید علی محمد خان کو ٹھیکے مین حاصل ہوئی نواب موصوف نے اسکے بعد قرب و جوار کے زمینداران سرکش سے جنکا علاقہ بطور اجارہ حاصل ہوا تھا بہت کچھ روپیہ وصول کیا کئی برس کی دستبرد نے اُنکو ایک مستقل رئیس خود مختار بنا دیا۔

ایک پرانی اور قلمی زبان فارسی کی تاریخ مین بعض اُن خطوں کا اقتباس کیا ہے جو نواب سید علی محمد خان کو وزیر نے لکھے ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب وزیر نواب سید علی محمد خان کو رفعت و عوالی پناہ کے الفاظ سے مخاطب کیا کرتے تھے۔

سیرالمتاخرین میں جو لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان فرید الدین خان عرف عظمت اللہ خان کے پاس بھی نوکر رہے تھے یہ غلطی ہے۔

محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان کا پہار سنگھ کھتری ناظم بریلی کو نواب سید علی محمد خان کی گرفتاری کے لیے حکم دینا اور نواب صاحب کا اُسکے پھندے سے بال بال بچ جانا

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے ایسی تاخت و تاراج سے تمام ملک کٹھیر میں ہل چل ڈالدی بعض شہروں کو بھی لوٹ لیا رفتہ رفتہ یہ خبر محمد شاہ کو ہو گئی تو وہاں سے پہار سنگھ کھتری کے نام جو آخر میں حافظ رحمت خان کا دیوان ہو گیا تھا اور اُس وقت میں بریلی کا صوبہ دار تھا حکم ہوا کہ کسی تدبیر سے نواب سید علی محمد خان کو گرفتار کر کے دلی کو بھیجدے۔ پہار سنگھ نے نواب موصوف کو دام تزویر میں پھسلانے کے لیے یہ داؤ ڈالا کہ اُن کو لکھا آپ باوجود اس شوکت و شجاعت اور لیاقت کے جنگلوں میں لوٹ مار کر کے کیوں ایسی اوقات بسر کرتے ہیں میرے پاس چلے آئیے میں آپکو اپنے یہاں عمدہ نوکری دونگا نواب سید علی محمد خان نے یہ بات قبول کی اور ایک دن مقرر کر کے راؤ پہار سنگھ کی ملاقات کو گئے راؤ مذکور نے اُنکے پہونچنے سے پیشتر تین سو زرہ پوش جوانوں کو پردوں کی آڑ میں ایک دالان میں بٹھا دیا تھا۔

جب نواب سید علی محمد خان پہونچے تو پہاڑ سنگھ اُٹھ کر بڑے تپاک سے ملا اور اپنے پاس بٹھایا اور گھڑی دو گھڑی اِدھر اُدھر کی باتین کر کے رفع حاجت کے بہانے سے اُٹھا نواب سید علی محمد خان نے سمجھ لیا کہ یہان کچھ گُل کھِلنے والا ہے پہاڑ سنگھ کا دامن پکڑ کے کہا کہ ہمین رخصت کر کے جانا چاہیے۔ پہاڑ سنگھ نے کہا کہ آپکو تائید آسمانی ہے آپکے آثار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے عرصے مین آپ اِس مُلک کے مالک ہو جائینگے خدا کی قسم مین نے بادشاہ کے حکم سے آپکو قید کرنے کے لیے بُلوایا تھا اور مین نے اسوقت اُٹھنے کے لیے صرف یہ بہانہ کیا تھا۔ مین نے پردون کے پیچھے دالان مین تین سو زرہ پوش آپکی گرفتاری کے واسطے بٹھا دیے تھے یہ کہکر فراشون کو حکم دیا کہ پردے اُٹھا دو اُنھون نے پردے اُٹھا دیے نواب سیّد علی محمد خان نے اُن آدمیون کو دیکھکر فرمایا کہ جب خدا نہ چاہے تو کوئی کچھ نہین کر سکتا۔ پھر راؤ پہاڑ سنگھ نے نواب سے التماس کیا کہ مین یہ چاہتا ہون کہ اپنی دستار سربستہ آپکے سر پر اور آپکی دستار سربستہ اپنے سر پر رکھون اور باہم بھائی ہو جائین اور آپ مجھ سے عہد کر لین کہ جب آپ والی مُلک ہو جائین تو مجھے نہ بھولین نواب صاحب نے اُس سے بھائی چارہ کر لیا اور قسم کھا کر کہا کہ جب ترقی کے وقت مین تم میرے پاس آؤ گے تو برادرانہ سلوک کرونگا اور رخصت ہو کر اپنے قیامگاہ کو چلے آئے۔

جلد دوم تنقیح الاخبار مین بیان کیا ہو کہ نواب صاحب نے بہت سے پرگنے اجارہ مین لے لیے اور زرِ مستاجری کو ایسی خوش وبندی سے ادا کیا کہ بہت سے پرگنے اُنکے اجارے مین آ گئے اور نواب صاحب نے اِمارت کا

ساماں جمع کرلیا اور بادشاہی امراسے خط و کتابت کرکے تحفے تحائف کھیج کے اپنی طرف متوجہ کرلیا یہاں تک کہ عمدۃ الملک امیر خاں سے تعلق پیدا ہوگیا۔ اس امیر خاں کے ساتھی زنانہ اطوار تھے کہ وہ آنکھوں میں کاجل لگاتے تھے دانتوں پر مسی ملتے تھے ہاتھ پیروں میں مہندی لگاتے تھے انگوٹھی چھلّے اور چاندی کے تعویذ اور کانوں میں بالے پہنتے تھے اور خود عمدۃ الملک امیر خاں کی بھی یہی وضع تھی

محمد صالح نامی ایک خواجہ سرا کا مقام منونہ کی خدمت پر آنا۔ نواب سید علی محمد خان سے واگذاشت علاقے کی درخواست کرنا یا خراج طلب کرنا اور نواب صاحب کے ہاتھ سے خواجے کا تباہ ہوجانا نواب صاحب کا اپنے لیے نوابی کا خطاب تجویز کرکے نوابی کا سامان درست کرنا

چند سال کے بعد محمد صالح نام خواجہ سرا عمدۃ الملک امیر خاں کی طرف سے معظم نگر عرف شاہی کا جسے سونہ بھی کہتے ہیں اور آنولے سے دو کوس بانسے بریلی کی طرف ہے منتظم ہوکر آیا اور آنولہ بھی عمدۃ الملک امیر خاں کی جاگیر میں تھا عموماً کتب تواریخ میں اس خواجہ سرا کا یہی نام لکھا ہے۔ مگر منتخب العلوم میں اس کا نام نواب بہادر بیان کیا ہے اور تاریخ فرخ آباد مولفہ آرول صاحب میں جو خواجہ اصلی نام بتایا ہے یہ محمد صالح کی تحریف ہے۔ اس خواجہ سرا نے سرایک

زمیندار کو دبا کر اُس سے خاطر خواہ روپیہ وصول کیا قصبۂ بیولی چونکہ آنولے کی
تحصیل مین تھا اسلیے اُس تعلقے کو نواب سید علی محمد خان سے نکالنا چاہا بعضے
کہتے ہین کہ نواب صاحب سے خراج طلب کیا نواب صاحب نے جواب دیا کہ
ہمارے پاس روپیہ کہان ہی جو کچھ دیہات کی آمدنی وصول ہوتی ہے ان بندگان خدا
کی بسر اوقات اُس سے ہو جاتی ہے خواجہ سرا مذکور نے کہا کہ مال واجب سرکاری
کا ادا کرنا ضروری ہے فکر معقول کر کے جواب دینا چاہیے۔ نواب صاحب نے
اُس سے بہت منت وسماجت کی مگر وہ اجل گرفتہ نہ مانا۔ اخبار حسن مین لکھا ہے
کہ نواب سید علی محمد خان عظمت اللہ خان کے پاس مرادآباد کو گئے اور اُنسے
خواجہ سرا کی تعدی کا تمام حال بیان کیا عظمت اللہ خان نے بظاہر نواب سید
علی محمد خان کو محمد صالح کے ساتھ مقابلہ کرنے سے منع کیا مگر در پردہ اُنکی مرضی یہ تھی
کہ نواب سید علی محمد خان اُسکو تباہ کر دین۔ نواب صاحب اپنے مصاحبون کو
لیکر بیٹھے اور مشورے کی انجمن جمائی سب کی راے یہ قرار پائی کہ جنگ کرنا چاہیے
مگر دن مین مناسب نہین بہتر یہ ہے کہ رات کی تاریکی کے ہجوم مین تلوار سے روشنی
کیجیے۔ نواب سید علی محمد خان نے تین ہزار روہیلے اور افاغنۂ ہندوستانی جمع کر کے
شب خون مارا۔ اُسکی فوج مین کھلبلی پڑ گئی سردار بھاگ بھاگ کر جان بچانے
لگے جمعیت تباہ ہو گئی خود خواجہ سرا مارا گیا اُس کا تمام مال واسباب اُنکے ہاتھ
لگا اور اُسکی زمین اپنے علاقے مین شامل کر لی۔

عماد السعادت مین آیا ہے کہ محمد صالح خواجہ سرا کے جسقدر ہمراہی زندہ بچے

سلہ دیکھو منتخب العلوم ۱۲

اُنکا اسباب بھی روہیلوں نے لوٹ لیا اور جس قدر دو کا مدار عوض کے ہمراہ
تھے وہ بھی لوٹ لیے گئے اور نواب سید علی محمد خاں نے یہ سارا اسباب اپنی
سپاہ کو معاف کر دیا جسقدر جیسے گھوڑے ہاتھی اونٹ نقارہ خانہ روپیوں اشرفیوں
کے صندوق اور جواہرات کے ڈبے تھے وہ نواب سید علی محمد خاں کی سرکار
میں داخل ہوئے اور نواب صاحب نے اس فتح کے بعد حکم دیا کہ سب آدمی
ہمیں آج سے نواب کہا کریں بعض ہوا خواہوں نے عرض کیا کہ ہندوستان میں
یہ قاعدہ ہے کہ جب تک بادشاہ کے دربار سے خطاب نوابی کا نہ ملے نواب نہیں
کہلا سکتے اور نہ نوبت کسی کے دروازے پر بغیر حکم بادشاہی بج سکتی ہے نواب
صاحب نے فرمایا کہ یہ سب باتیں بے برتت نوکری پیشہ لوگوں کے واسطے ہیں اور
جو کوئی اپنی تلوار کے زور سے ترقی کرتے ہیں وہ خود بادشاہ ہیں کسی کے حکم کے
محتاج نہیں بلکہ خود صاحب حکم ہیں نوبت بھی بجانا چاہیے اور نواب بھی کہنا چاہیے
سرداروں نے اِس حکم کو قبول کیا اور سپاہ کو حکم دیدیا گیا کہ اب کوئی شخص بغیر لفظ
نواب کے خالی علی محمد خاں نہ کہا کرے ورنہ اُسکی زبان کاٹ لی جائیگی سب نے
اس حکم کی تعمیل کی۔ محمد صالح کی سپاہ نے بھی نواب سید علی محمد خاں کے بعض
سرداروں کے ذریعے سے اطاعت کر لی اور اس ملک کے سرداران رہنے
والے نواب سید علی محمد خاں کی ترقی اور دولت کے آثار دیکھکر تنخواہ اور انعام
کی امید پر اُنکے پاس جمع ہوگئے نواب سید علی محمد خاں نے اس فتحیابی کے
بعد مُلا سردار خاں کمالزئی کو اپنی فوج کا بخشی اور فتح خاں کو اپنی سرکار کا
خانساماں اور حافظ رحمت خاں کو دیوان کل اور راجہ ماں رائے کا بیٹا کو

دیوان مذکور کا پیشکار کیا۔ نواب صاحب کے ہاتھ اس فتح سے بہت سی دولت لگی اور اکثر ضلع اُنکے قبضے مین آئے اور اطراف ملک مین اُنکا دبدبہ پھیل گیا۔
بعض کتابون مین لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے خواجہ محمد صالح کو شکست دینے کے بعد آنولے کے پرگنے پر قبضہ کیا تھا اور جام جہان نما مین مذکور ہے کہ عظمت اللہ خان نے نواب سید علی محمد خان کو پرگنۂ آنولہ کے کام پر مقرر کیا تھا اور اُنکی وفات کے بعد جب مراد آباد کا حاکم میر احمد مقرر ہوا تو اُس نے بھی نواب سید علی محمد خان کو آنولے کی حکومت سے معزول نہ کیا۔
بہرصورت نواب سید علی محمد خان نے خواجہ سرا کو تباہ کر دینے اور اُسکا خزانہ اور سامان سمیٹنے کے بعد عُمدۃ الملک امیر خان سے قطع تعلق کر کے نواب قمر الدین خان وزیر اعظم محمد شاہ سے توسّل پیدا کر لیا جیسا کہ جلد دوم تنقیح الاخبار سے ثابت ہے دوسری کتابون سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیر اعظم سے اس سے قبل سے توسّل پیدا ہو چکا تھا اس واقعہ کی شکایت دربار مین پہونچی کیونکہ آنولے اور منونے کا علاقہ عُمدۃ الملک امیر خان سے نامزد تھا مگر چونکہ وزیر اعظم قمر الدین خان کو عُمدۃ الملک کے ساتھ رنج تھا اسلیے نواب سید علی محمد خان کو اس موقع پر عُمدۃ الملک کی خفگی کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہونچا بعضے کہتے ہین کہ نواب سید علی محمد خان نے وزیر اعظم کو رشوت دیکر اس معاملے کی اصلاح کر لی اور اجارۂ خالصہ اور ٹھیکہ جاگیر امرا وغیرہ کا پیشگاہ وزیر سے حاصل کیا اور اس علاقے پر زیادہ تر اہتمام قبضے کا کر کے اپنے نام کا جھنڈا لگا دیا اور آبادی اور جمع بڑھانے مین کوشش کی اور اب نواب سید علی محمد خان کا کوکب اقبال نمایان طور پر

ترقی کرنے لگا اور نواب نے ملاتے کا وہ انتظام کیا کہ بایدوشاید ویران اور اُجڑے ہوئے دیہات کو آباد کیا آمدنی کے وسائل پیدا کرکے روپیہ بڑھایا۔

نواب محمد خان والی فرخ آباد کی مدد کو سپاہ کا بھیجا جانا

سنہ ۱۱۶۱ ہجری میں اُس سے کچھ دنوں پہلے نواب سید علی محمد خان کو نواب محمد خان بنگش والی فرخ آباد کی مدد کے لیے فوج روانہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک بار نواب محمد خان بندیلکھنڈ کی مہم میں تھا بندیلوں نے اپنی مدد کے لیے افواج مرہٹہ کو جنھوں نے گردھر بہادر ناظم مالوہ کو شکست دے کر قتل کیا تھا طلب کیا فوج مرہٹہ زیر حکم باجی راؤ دیوان راجہ ساہو و پیلیا جادون و دیگر سرداروں کے جو کلہم بارہ سردار تھے نواب محمد خان کے مقابلے کو پہونچی اور مرہٹوں نے بتدریج چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا اُس وقت نواب محمد خان کا بیٹا قائم خان دور تر مواں کے قریب تھا نواب محمد خان کے حسب الطلب وہ اعانت کو روانہ ہوا اور بارہ سو پٹھان جو ابوالمنصور خان کے نوکر تھے قائم خان کے ساتھ ہو لیے قائم خان نے شاہجہان پور کی راہ لی وہاں اور لوگ بھی اُسکے ہمراہ ہو گئے پھر وہاں سے مقام بنگڑھ میں جو نواب سید علی محمد خان کا صدر تھا پہونچا نواب موصوف نے کمک کے لیے قائم خان کے ہمراہ بہت سی فوج کر دی جب بندیلوں نے سُنا کہ قائم خان فوج عظیم لیکر آتا ہے تو نواب محمد خان سے جلد صلح کرلی اور نواب سید علی محمد خان کی سپاہ راستے میں سے واپس آئی۔

سادات بارہ پر فوج کشی مین بادشاہی سپاہ کی مدد کے لیے نواب سید علی محمد خان کا بھیجا جانا اور فتحیابی سے قبل یا بعد نوابی کا خطاب اور منصب وغیرہ سلطنت کی طرف سے پانا

جب کہ سیف الدین علی خان رئیس جانسٹھ برادر امیر الامرا حسین علی خان قاتل فرخ سیر نے سرکشی کر کے حشمت خان فوجدار سہارنپور کو مار ڈالا تو اعتماد الدولہ قمر الدین خان نے ۱۱۵۰ھ؁ ہجری مین سادات بارہ کے استیصال کے لیے عظیم اللہ خان اپنے بھائی کی ماتحتی مین بادشاہی فوج روانہ کی اور عظمت اللہ خان و فرید الدین خان کو اُنکی مدد کے لیے جو مرادآباد مین قمر الدین خان کی طرف سے فوجدار تھے جانسٹھ جانے کا حکم ملا اور نواب سید علی محمد خان کو بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اُنکی رفاقت مین جانے کا حکم ہوا۔

منتخب العلوم مین لکھا ہو کہ وزیر نے منصب دو ہزاری اور چار ہزار سوار اور علم اور نقارہ بادشاہ کے حضور سے اُسکے لیے بھیجا۔ نواب سید علی محمد خان نے فرمان کے پہونچتے ہی بارہ کی طرف کوچ کیا اور لڑائی ہوئی وہ دھوان دھار معرکہ ہوا کہ نظر کام نہ کرتی تھی۔ سیف الدین علی خان نہایت دلیر تھے اُنھون نے میدان جنگ مین عظیم اللہ خان کی فوج کا مُنھ پھیر دیا مگر خاص پٹھانون کی فوج نے (جسکو سیر المتاخرین کا مؤلف اس طرح تعبیر کرتا ہے "فوج شام کہ عبارت

سلہ دیکھو تنقیح الاخبار ۱۲

از حملۂ علی محمد خان روہیلہ باشد۔ افاغۂ ملاعنہ کہ عبارت از روہیلہ باشد) ایک طرف سے سادات پر ایسا حملہ کیا اور بندوق وہاں کے اتنے تیر کیے کہ سیف الدین علی خان اور اُنکے تمام ہمراہی مارے گئے اور جانسٹھ کی تمام آبادی لوٹ لی گئی۔

نواب سید علی محمد خان کی جلادت کی شہرت ہوگئی نواب موصوف نے اس مہم کے سر کرلینے کے بعد وزیر اعظم کو ایک عرضی لکھی کہ اب مجھکو کیا حکم ہے وزیر نے حکم لکھا کہ "ملازمت حضور اقدس کی حاصل کرکے وطن کو لوٹنا چاہیئے" نواب صاحب نے مشیروں کو جمع کرکے صلاح لی تو سب نے یہ کہا کہ آپ کا دہلی جانا مناسب نہیں اپنی طرف سے دوندے خان کو بھیجدینا چاہیے دوندے خاں دہلی کو نواب سید علی محمد خاں کے حکم سے گئے اور عرض کرایا بندہ حاضر ہے کوئی خواب سر لا چار مہینے وہاں مقیم رہے بعد اس مدت کے عرضی پر یہ حکم ہوا کہ "نعمت دعوالی پناہ علی محمد خاں اگر خود حاضر ہوتے تو اُنپر اور بھی عنایات حضور سے ہوتیں مگر وہ رخصت وطن کو چلے گئے تم بھی چلے جاؤ منصب اور علم اور نقارہ بارہ کی مہم سے پیشتر اُنکو عنایت ہوگیا ہے اللہ کا شکر بجالا کر کار و خدمات مرجوعہ میں ساعی اور سرگرم رہیں انتہی" دوندے خاں آنولے کو لوٹ آئے اور نواب صاحب پر تمام حال ظاہر کیا نواب صاحب نے اُسی وقت سونے کے کنگرے اپنے در ارے پر نصب کرائے اور نوبت بجوائی۔

اخبار حسن میں لکھا ہے کہ سیف الدین علی خان کی شکست کے بعد نواب سید علی محمد خان کو نوابی کا خطاب مع خلعت دربار سے مرحمت ہوا اور

سیر المتاخرین سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نواب سید علی محمد خان اس مہم کے بعد وزیر کے روشناس اور صاحب منصب و جاگیر اور بعض پرگنات کٹھیر کے حاکم ہو گئے اور فرح بخش مین بھی اسی کے مطابق بیان کیا ہے چنانچہ اسکا مؤلف کہتا ہو کہ "سیف الدین علی خان کی لڑائی کے بعد محمد شاہ کے حضور سے خطاب نوابی اور نقارہ اور طوع و علم و ماہی مراتب اور منصب پنجہزاری ذات و پنجہزار سوار نواب سید علی محمد خان صاحب کو ملا" اور اسی کے مطابق تنقیح الاخبار کی دوسری جلد کی روایت ہے اور اس مین کہا ہے کہ "سادات بارہ کی لڑائی مین نواب سید علی محمد خان نے جو جلادت و جانفشانی دکھائی اُسکے صلے مین وزیر اعظم نے پنجہزاری منصب و پنجہزار سوار اور خانی کا خطاب اور طوع و علم اُنکو دیا" عبد النبی بلگرامی بھی ہفت اقلیم مین کہتا ہے کہ "نواب سید علی محمد خان کا منصب پنجہزاری تھا" لیکن قمر الدین خان وزیر کے پروانے سے جو نواب سید علی محمد خان کے نام ہو اور عزیز القدر کرکے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ دو ہزاری منصب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبار منصب دیا گیا تھا۔ گل رحمت اور روہیلکھنڈ گزیٹیر مین بیان کیا ہے کہ جانسٹھ کے سیدون کی مہم فتح کرنے کے صلے مین محمد شاہ کی جانب سے نواب سید علی محمد خان بہادر کو نوابی کا خطاب اور نوبت اور علم ملا اور اُن کے پاس جسقدر خالصے کے پرگنے تھے اُنکی جمع مقرری مین سے کچھ گھٹا دیا گیا۔

اس زمانے کے بعد عظمت اللہ خان حاکم مراد آباد نے وفات پائی میر احمد اس خدمت پر مامور ہوا مگر اُسنے بخیال عنایت وزیر الممالک نواب سید

علی محمد خاں سے کچھ مزاحمت نہ کی۔
سیر المتاخرین کے مؤلف نے باوجودیکہ نواب سید علی محمد خاں کے ہر کام کو عتنے کا جامہ پہنا کر دکھایا ہی لکھا ہو کہ نواب علی محمد خاں چونکہ صاحب عزم وارادہ تھے ہر ایک تقریب اور تدبیر کے ساتھ محالات قرب و جوار کو مسخر کرنے لگے۔ آرام طلب جاگیرداروں اور وزیر سے جھگڑکے میں علاقہ لے لیا عظمت اللہ خاں اور فرید الدین خاں مر چکے تھے۔ ہزاروں پٹھان اطراف قندھار کے افواج ایرانی کی یورش کی وجہ سے اپنے ملک سے نکل آئے تھے نواب ممدوح کے پاس آکر جمع ہوگئے کیونکہ اُنکی تہور اور اعانت دوستی کا حال دور دور مشہور ہوگیا تھا۔ اور نواب سید علی محمد خاں کی جمعیت روہیلوں کے نام سے مشہور ہوئی۔ نواب سید علی محمد خاں کو اعلیٰ درجہ کا اقتدار حاصل ہوگیا سلطنت میں سستی تھی اُمرا میں باہم نفاق تھا وزیر شراب اور کباب اور عیاشی میں مستغرق تھا غروب اقبال کا عالم تھا اسلیے نواب سید علی محمد خاں نے وزیر کو مالگذاری کی جمع دینا بھی بند کر دی۔

منصب اور ماہی مراتب

نواب سید علی محمد خاں کے حال میں منصب اور ماہی مراتب کا ذکر آیا ہے اسلیے لکھا جاتا ہے کہ منصب ایک ملکی اور فوجی درجہ ہے جسکو اکبر بادشاہ نے سلسلہ وار ایجاد کیا اگلے بادشاہ صرف دو قسم یعنی سو اور ہزار کے سردار رکھتے تھے لیکن اکبر نے اُسکو قاعدے کے ساتھ جاری کیا منصب بیس درجے

ایک ذات اور دوسرا سوار ہوتے ہین ذات سے عہدہ دار کی ماہانہ تنخواہ اور سوار سے اُسکی فوجی جمیعت ظاہر ہوتی ہے اکبر کے وقت مین اور عالمگیر کے ختم عہد تک اوّل درجے کے سردارون کو پانچ ہزار منصب دیاجاتا تھا۔ سات ہزاری وزیر یا کسی ایک دو خاص مصاحب کو ملتا تھا عالمگیر کے بعد پچھلے زمانے مین پانچہزاری منصب تک کئی رئیس پہونچے تھے چنانچہ اول نواب علی محمد خان کو دو ہزاری منصب ملا بعد اُسکے پنجہزاری بنائے گئے اور ایسی ابتر حالت مین اُنکو کوئی تنخواہ یا جاگیر نہ ملی اُنھون نے خود ہی ایک زرخیز خطے پر قبضہ کرلیا تھا جو منصبی جاگیر کے بجاے سمجھا گیا ہر ایک منصب والے کے لیے گھوڑے ہاتھی اور باربرداری خصوصیت کے ساتھ مقرر تھی لیکن نواب کے لیے یہ سلسلہ یون نہین قائم ہوا کہ اُنھون نے کبھی دہلی جاکر بادشاہی سلام کو سر نہین جھکایا۔ وزیر و بادشاہ کے دل کا حال توکسے معلوم نواب کو بظاہر یہی معلوم تھا کہ وہ میری طرف سے صاف نہین لیکن آرون صاحب کی تاریخ فرخ آباد سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سیّد علی محمد خان ہر سال بادشاہ دہلی کے دربار مین حاضر ہوتے تھے۔

دوہزاری منصب گھوڑون مین عراقی ۱۵ مجنس ۱۵ ترکی ۳۰ یابو ۳۰ تازی ۳۰ جنگلہ ۳۰ ہاتھیون مین شیرگیر ۱۰ سادہ ۱۲ منجھولہ ۹ کرہہ ۷ پھندرکیہ ۵ باربرداری مین شتر ۳۰ خچر ۷ گاڑی اور چھکڑے ۶۰ تنخواہ ماہانہ درجۂ اول بارہ ہزار روپیہ درجۂ دوم گیارہ ہزار نو سو روپیہ درجۂ سوم گیارہ ہزار آٹھ سو روپیہ۔

یکہزاری اسپ عراقی ۴۴ مجنس ۴۴ ترکی ۶۸ یابو ۶۸ تازی ۶۷
جنگلہ ۶۶ ہاتھی شیرگیر ۲ سادہ ۳ مجولہ ۲ کرہہ ۲ پھندرکیہ ۱-
اونٹ ۸ خچر ۲ چھکڑے اور گاڑی ۱۶ تنخواہ درجۂ اول تیس ہزار روپیہ
درجۂ دوم اُنتیس ہزار روپیہ درجۂ سوم اٹھائیس ہزار[1] روپیہ۔

ماہی کے معنی مچھلی اور چاندوالی چیز کے ہیں اور مراتب جواہ مرتبہ درجہ کو کہتے ہیں اس کا قصہ یہ ہے کہ ایران کے بادشاہ نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز ملکی فسادمیں اپنی سلطنت سے خارج ہوکر ملک روم میں چلا گیا جہاں کے بادشاہ نے اُسکو اپنی بیٹی بیاہی وہ وہاں سے فوجی مدد لیکر واپس آیا اور اپنی قدیمی سلطنت پر نئے سرے قابض ہوا اُس کے فتح پانے کے وقت نجوم کے حساب سے ماہ یعنی چاند بُرج حوت (ماہی یعنی مچھلی) میں تھا اُسے اِس موقع کو نیک شگون سمجھ کر اپنے خاص عزت دار مددگار سرداروں کو کسی قدر جھنڈے عنایت کیے جن میں چاندی اور سونے کے چاند اور مچھلی کی صورتیں بنی ہوئی تھیں اسی چیز کا نام ماہی مراتب ہوگیا مغل جو ایران والوں کے پڑوسی ہونے کے سبب اکثر باتوں میں اُنکی نقل کرتے تھے اُنھوں نے بھی ہندوستان میں سلطنت پاکر اس رسم کو یہاں رواج دیا اور اُن کے ماتحتوں نے اِسے عزت کی نشانی سمجھا جسکا ملنا پانچ یا چھ ہزاری سے کم منصب والوں کو جائز نہ تھا

بعض غلط بیانوں کی تردید

روہیلکھنڈ گزیٹیر میں بیان کیا ہو کہ حسب نواب سید علی محمد خاں کا اقتدار

[1] دیکھو آئین اکبری ۱۲

روز بروز بڑھنے لگا تو حافظ رحمت خان شاہ عالم خان کے بیٹے جو اپنے باپ کے خون کے باعث اُنکے دشمن تھے بضرورت اُنکے پاس آکر اُنکی جماعت مین شریک ہوے نواب سید علی محمد خان کو روہیلون پر اپنا رعب قائم کرنیکے لیے ایسے سردارون کی ضرورت تھی اس واسطے اُنھون نے حافظ رحمت خان کی بڑی عزت کی اور ملاقات کے وقت اپنی تلوار حافظ رحمت خان کے قدمون مین ڈال کر کہنے لگے کہ اگر اپنے باپ کے خون کا بدلہ منظور ہے تو مین حاضر ہون حافظ رحمت خان طالب زر تھے اُنھون نے نواب سید علی محمد خان کو گلے سے لگا لیا اور گذشتہ کدورتون کا خیال نہ کیا۔ نواب سید علی محمد خان نے حافظ رحمت خان کے واسطے روہیلکھنڈ کا ایک علاقہ جس مین بارہ گانوٗن شامل تھے تجویز فرمایا حافظ رحمت خان نے اس عنایت کو بخوشی خاطر منظور کر لیا اور دونون سردار متفق ہو کر رہنے لگے۔ حافظ رحمت خان کی پیدائش ۱۱۲۰ھ مین ہوئی اور چوتھے برس کے سن مین اُنکو تپ نے آگھیرا جب سن تمیز کو پہونچے تو اپنی ہوشیاری اور حوصلہ مندی کے باعث دہلی اور لاہور کے درمیان مین خوردہ فروشون کی طرح تجارت کرنے لگے۔ جب نواب سید علی محمد خان کی کامیابی کا شہرہ سنا تو حرص دنیا نے اُنکی خدمت مین آنے پر مجبور کیا یہان آکر اپنے باپ کی موت کو بالکل بھول گئے اور بارہ گانوٗن کے مالک بن کر بخوشی و خرّمی اوقات بسر کرنے لگے" (انتہیٰ کلامہ)

اُردو اور فارسی کی تاریخون سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خان اس سے پیشتر نواب سیّد علی محمد خان کے پاس آگئے تھے کیونکہ بقول عماد السعادت

خواجہ محمد صالح پر کامیابی کے بعد نواب سید علی محمد خاں نے انکو مدارالمہام مقرر کیا تھا اور سادات بارہ کی مہم اسکے بعد وقوع میں آئی تھی اور سادات بارہ کی مہم کے بعد حافظ رحمت خاں کا نواب سید علی محمد خاں کی خدمت میں آنا درج ہے ملکھنڈ گزیٹیر میں بیان کیا ہے اور صریح غلطی یہ معلوم ہوتی ہے کہ نواب سید علی محمد خاں بہادر کی وجہ سے شاہ عالم خاں کا مقتول ہونا قرار دیکر حافظ رحمت خاں کو اپنے باپ کے خون کی وجہ سے انکا دشمن ثابت کیا۔

غلطی کا ثبوت یہ ہے کہ حافظ رحمت خاں کی اولاد نے اپنی تاریخوں میں لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں کی ولادت سے چار سال کے بعد شاہ عالم خاں مارے گئے ہیں حافظ صاحب ۱۱۲۲ھ ہجری مطابق ۱۷۱۰ء میں پیدا ہوئے ہیں اور داؤد خاں ۱۱۳۹ھ ہجری مطابق ۱۷۲۶ء میں مقتول ہوے اور شاہ عالم خاں نویں دیچہ گیارہ سو تیئیس یا چوبیس کو مارے گئے تھے تو یہ زمانہ داؤد خاں کا تھا نواب سید علی محمد خان تو داؤد خاں کے بعد اکیس یا بائیس سال کی عمر میں اُنکے قائم مقام بنائے گئے تھے شاہ عالم خاں جب مارے گئے ہیں تو نواب سید علی محمد خاں پانچ چھ برس کے ہونگے کیونکہ وہ ۱۱۱۸ھ ہجری میں پیدا ہوے تھے۔ پھر کیسے شاہ عالم خاں کا قتل انکی وجہ سے واقع ہونا مانا جائیگا بلکہ گل رحمت وغیرہ کے دیکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں کو ابھی داؤد خاں نے پایا بھی نہو گا کیونکہ جب انکو پایا تھا تو سات آٹھ برس کی عمر تھی۔

سب کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شاہ عالم خان داؤد خاں کے پاس ملنے کے لیے آئے تھے اور مارے گئے مگر عماد السعادت میں لکھا ہے

کہ داؤد خان کے مرنے سے پانچ سال کے بعد شاہ عالم خان اُنکے متروکات کا مطالبہ کرنے کے لیے نواب سید علی محمد خان کے پاس آئے نواب موصوف اُنکے آنے سے بہت مسرور ہوے اور تعظیم و تکریم کی شاہ عالم خان نے تین روز کے بعد کہا کہ "داؤد خان میرے باپ کا غلام تھا اور تم اُسکے غلام ہو پس داؤد خان کا سارا مال مجھے دیدو اور تم مثل امتیازی غلامون کے روٹی کھاؤ اور کپڑا پہنے جاؤ اُنکے متروکات سے تم کس وجہ سے مالک ہوے مجھے دینا چاہیے وہ میرا حق ہے" نواب سیّد علی محمد خان نے کہا کہ جو کچھ میرے باپ کا مال ہے وہ آپ ہی کا ہے مگر اس قدر غصہ اور بے عزتی مناسب نہین نواب موصوف عند الذکر شہاب الدین خان کو دادا میان حسن خان اور شاہ عالم خان کو چچا میان بولتے تھے مگر اُدھر سے سخت گیری کا جواب تھا۔ شاہ عالم خان نے کہا کہ تمھاری کیا عزت ہے جو میری بات سے کٹے جاتے ہو تمھارا آقا بھی خائن اور بے حیا تھا کہ میرے باپ کا ہزار روپیہ مار لیا اور صرف دو گھوڑیان بھیجین نواب سیّد علی محمد خان نے بار بار خوشامد کی مگر شاہ عالم خان نے نہ مانا نواب نے جب دیکھا کہ یہ نہین مانتے تو اپنی سپاہ کو جو سات سو کے قریب پیادہ و سوار تھے حکم دیا۔ انھون نے شاہ عالم خان کو مار ڈالا گز ٹیر مین اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ حافظ رحمت خان طالب زر تھے انھون نے نواب سید علی محمد خان کو گلے سے لگا لیا اور گذشتہ کدورتون کا خیال نہ کیا۔

پھر نواب سیّد علی محمد خان کی طرف سے اپنے وسیل طور پر معافی کا خواستگار ہونا ایک جھوٹی ہوائی ہے اسمین شبہ نہین کہ نواب سید علی محمد خان وقت پر

لگاوٹ بھی ایسی کرتے تھے کہ بلی کو مات کردیتے تھے مگر پھر بھی صاحب عزم اور اولوالعزم تھے اُنکی تلوار ایسی یہ تھی کہ حافظ صاحب کی قدمبوسی کرتی ہاں وہ یہ ضرور دل میں سمجھتے تھے کہ حافظ رحمت خاں صاحب جوہر ہیں اور کام کے آدمی ہیں ایسے آدمیوں کی یہ بہت دلجوئی کرتے تھے اور کام لیتے تھے اور جس چشمے سے نواب سید علی محمد خاں نے سیرابی پائی تھی وہ اُس چشمے کے منبع کی ایک نہر سے اقبال نے اُنکو نواب سید علی محمد خاں کی طرف جذب مقناطیس کے زور سے کھینچا اور اُس کا نام نواب سید علی محمد خاں کے نام کے ساتھ اس طرح آتا ہے جیسے کیکاؤس کے ساتھ رستم کا نام۔

حکم حافظ رحمت خاں کی اولاد کا بیان ہے کہ شاہ عالم خاں داؤد خاں کے عہد میں مارے گئے، نواب سید علی محمد خاں کے اشارے سے تو غیروں کے قول کا کیا اعتبار ہے شاہ عالم خاں کے اعزا نواب سید علی محمد خاں کا ساتھ اخیر دم تک دیتے رہے اگر وہ اُنکے اشارے سے قتل ہوتے تو یہ لوگ کبھی اُنکی رفاقت نکرتے اُکھڑے دل کا جوڑنا آسان نہیں اور جو تقریر شاہ عالم خاں کی لکھی گئی ہے یہ بھی بعید ہے نواب سید علی محمد خاں کے منھ پر ایسے ناشائستہ الفاظ زباں سے نکالنا عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ اگر وہ ایسا کہتے تو مکافات کے فرشتے دوڑتے اور فوراً ملک الموت کے پاس پہونچا دیتے اور یہ کتنی صداقت سے گری ہوئی بات ہے کہ قبل اس سے تو داؤد خاں کو شاہ عالم خاں کے باپ شہاب الدین خاں کا متبنّیٰ بیان کیا تھا اور یہاں غلام بتادیا اور خاص کر نواب سید علی محمد خاں کی نسبت غلامی کا لفظ اتنا ے مکالمہ میں

شاہ عالم خان کی زبان سے نکالنا یہ مؤلف عماد السعادت کی شکم زاد بات ہے اور اس کتاب کے اغلاط پر نظر کرتے ہوئے ایسی بات اس مؤلف کے قلم سے نکل جانا تعجب کا مقام نہین یہ کتاب نواب سعادت علی خان والی اودھ کے نام پر سید غلام علی رضوی نقوی نے لکھی ہے اس سے زیادہ طرفگی منشی کریم علی نے تاریخ مالوہ مین کی ہے جو لکھا ہے کہ شہاب الدین خان مع ہر دو پسر خود حسن خان و شاہ عالم خان نواب سید علی محمد خان کے پاس آئے چندے باتفاق رہے ایک دن شہاب الدین خان نے داؤد خان کا مال نواب سید علی محمد خان سے طلب کیا آپس مین تکرار ہوئی شہاب الدین خان نواب سید علی محمد خان کے ہاتھ سے مارے گئے اُسوقت نواب سید علی محمد خان تین ہزار آدمیون کے سردار تھے یہ محض غلط ہے کیونکہ حافظ رحمت خان خلاصۃ الانساب مین لکھتے ہین کہ میرے پردادا شہاب الدین خان کا انتقال حجہ ہزارہ مین ہوا ہے اور موضع شاہی دیر مین دفن ہوئے۔"

بظاہر حافظ صاحب کا داؤد خان کے پاس آنا نہوا ہوگا کیونکہ جس پہرے مین اُنکے باپ موضع بینا بیولی مین بدایون کے قریب ڈاکوؤن کے ہاتھ سے مارے گئے تو اُس وقت مین حافظ صاحب کی عمر چار سال کی تھی پہلا سفر جو اُنھون نے کیا ہے تو ابھی حافظ صاحب پیدا بھی نہوئے ہونگے کیونکہ بعض جگہ لکھا ہے کہ پہلے سفر مین شاہ عالم خان کو داؤد خان نے تھوڑے دنون رکھنے کے بعد دو ہزار روپے دیکر رخصت کر دیا وہ وطن کو لوٹ گئے سنہ ۱۱۲۰ھ ہجری مین

ـــــــــ
[۱] دیکھو اخبار حسن ۱۲

اُسکے صلب سے ایک بیٹا پیدا ہوا مگر یہ بات قابل غور ہے کہ ۱۱۱۹ ہجری میں داؤد خاں کٹھیر میں آئے تھے پھر اتنی جلدی اُنکی حالت کیسے ترقی کر گئی اور دو ہزار روپیے دینے کے قابل ہو گئے۔

روہیلکھنڈ کی ایک تاریخ میں حافظ رحمت خاں کے کٹھیر میں آنے کے حال کو اس طرح قلمبند کیا ہے کہ جب نواب سید علی محمد خاں جانسٹھ کے سیدوں کی لڑائی سے واپس آئے تو اُنھوں نے یہ دیکھا کہ اکثر روہیلے کم سنی اور سیر چشمی ہوسکی وجہ سے میری اطاعت میں دریغ کرتے ہیں اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو یہ رائے قرار پائی کہ حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں کو روہ سے بلا لینا چاہیے اُنکی فرمانبرداری سے روہیلے کبھی سر نہ پھیر سکینگے نواب سید علی محمد خاں نے متواتر خط بھیجکر حافظ صاحب کو بلایا وہ یہ اصرار اور اشتیاق دیکھکر کٹھیر میں نواب صاحب کے پاس آ گئے نواب صاحب نے اُنکی بہت خاطر کی اور مصارف کے لیے کچھ گاؤں اُنکی جاگیر میں دیدیے اور آیندہ کے لیے یہ وعدہ فرمایا کہ جو دیہات قبضے میں آئینگے اُنمیں سے دو گاؤں حافظ صاحب کو اور دیدیے جائینگے حافظ صاحب نے نواب ممدوح سے خوش ہو کر وطن سے اپنے متعلقین کو بلا لیا اور نواب صاحب کی رفاقت میں رہنے لگے اُنکو آئے ہوئے تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ہرسد کھتری مراد آباد کی حکومت پر مقرر ہو کر آیا۔

اس بیان میں کئی باتیں قابل غور ہیں

(۱) نواب سید علی محمد خاں حافظ رحمت خاں سے عمر میں دو برس بڑے تھے

کیونکہ وہ ۱۱۱۰ ہجری مین پیدا ہوے تھے جیساکہ انتخاب یادگار اور تاج فرخی کے خاتمے مین لکھا ہے اور حافظ رحمت خان ۱۱۲۰ ہجری مین پیدا ہوے تھے جیساکہ اخبار حسن وغیرہ مین مذکور ہے پھر نواب صاحب کی کم سنی کا تدارک حافظ صاحب کے وجود سے کیا ہو سکتا تھا نواب صاحب کوہ دانش و دریاے تدابیر تھے اور حافظ صاحب اُنکے آگے طفل مکتب نواب آفت کے ٹکڑے تھے اُن کی نوجوانی کے نکتے اور چھوٹی چھوٹی چالین ایسی ہوتی تھین کہ دوسرون کی عقل سوچتی رہ جاتی تھی۔

(۲) بڑے بڑے روہیلون نے نواب سید علی محمد خان صاحب کو اپنا رئیس تسلیم کر لیا تھا پھر اطاعت مین دریغ کرنے کے کیا معنی نواب کے ساتھ رہکر اُنکے ہاتھ گھی مین تر تھے اور اُنگلیان رزق کی کنجیان تھین دونون وقت قورمے اور پلاؤ اُڑاتے تھے۔

(۳) جالنتھ کی مہم کے بعد نواب سید علی محمد خان نوابی کے مرتبے کو پہونچ گئے تھے اب وہ زمانہ باقی نہین رہا تھا کہ روہیلے اُنکی اطاعت مین چون و چرا کرتے وہ بڑے جوانمرد اور بارعب تھے۔ جوانمردون کو مردانگی کا سبق پڑھاتے تھے تمام روہیلے اُنکے سامنے مرقع تصویر کی طرح خاموش رہتے تھے کوئی دم نہین مار سکتا تھا۔

(۴) حافظ صاحب کا اس سے بہت بیشتر آنا متعدد تاریخون سے ثابت ہے چنانچہ بعض تواریخ مین مذکور ہے کہ اٹھارہ برس تک حافظ صاحب نے نواب صاحب کے ہمراہ جانفشانیان کین اور نواب ممدوح کا انتقال ۱۱۶۲ ہجری مین ہوا ہے گیارہ سو ساٹھ

سے اٹھارہ ساقط کردیے جائیں تو گیارہ سو چالیس ہجری حافظ صاحب کے آنے کا سال ہوتا ہے۔

اخبار حسن میں مذکور ہے کہ حافظ رحمت خاں نواب سید علی محمد خاں کی خدمت میں دو بار آئے تھے ایک بار نواب موصوف نے اُن کو اپنے پاس بُلایا اور بہایت خاطر سے اپنے پاس رکھا حافظ رحمت خاں کچھ دنوں نواب موصوف کے پاس رہ کر شادی کرنے کے لیے تور تہامت کو لوٹ گئے کئی برس کے بعد پھر ہندوستان کو آئے اور آنولے میں نواب صاحب سے ملے اور اُن کے پاس رہ گئے[1] تاریخ مظفری کے ایک مقام سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں صفدر جنگ کی بھی نوکری کر چکے ہیں۔ حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ "جب میرے والد اور چچوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی تو اُن کے پیچھے میں بھی چلا آیا۔ اور یہیں رہنے لگا"

اس میں کسی کو انکار نہیں کہ نواب سید علی محمد خاں کی میاد ریاست کی ایک اینٹ حافظ رحمت خاں بھی ہیں گو بعد میں اُنکی نیت نے پلٹا کھایا اور نواب کی اولاد کو محروم کر دیا مگر اُنکی جانفشاں خدمتیں اور سچا تدبیریں سفارش کرتی ہیں اور شیرانہ حملے اور رستمانہ کارنامے زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ روہیلوں کی تاریخ میں اُن کا حال سنہرے حروں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

---

[1] دیکھو اخبار حسن ۱۲

قمرالدّین خان وزیر اعظم کا نواب سیّد علی محمد خان کو دہلی طلب کرنا نواب صاحب کا اپنی طرف سے جے سکھ رائے کو بھیجدینا راجہ ہرنند سے جنگ و عداوت کے اسباب پیدا ہوجانا

سنہ ۱۷۳۵ع مین روہیلون کی قوت بہت زیادہ ہوگئی کیونکہ سلطنت کی حکومت ومبدم انحطاط پر تھی جو مجرم سلطنت کے خوف سے بھاگتا تھا وہ روہیلون مین آکر پناہ گزین ہوتا تھا۔ فروری سنہ ۱۷۳۹ع مطابق سنہ ۱۱۵۱ ہجری مین نادر شاہ کی چڑھائی کے وقت دہلی لُٹ لُٹا کر سلطنت کی حالت بہت ضعیف ہوگئی۔ ایسے ابتری کے وقت مین نواب سید علی محمد خان کو اپنے مُلک کی ترقی اور اپنی قوت کی درستی کا بڑا موقع مِلا۔ اس بدنظمی سلطنت کے باعث بہت سے پٹھان دہلی سے بھاگ کر نواب سید علی محمد خان کی فوج مین شامل ہونے لگے اُنھون نے پرگنہ رچھا متعلق تحصیل بھیڑی اور اُسکے حوالی کے پرگنون پر قریب بریلی کے بخوبی قبضہ کرلیا اور بہت سے جاگیر دارون کا علاقہ جو اُنکے مقابلے کو کھڑے ہوتے چھین چھین کر اپنے مُلک مین شامل کرنے لگے۔ جاگیر دارون نے اِس دست درازی کی شکایت قمرالدین خان وزیر محمد شاہ کے پاس پہونچائی۔ نواب وزیر نے رام کرنے کی غرض سے یہ تدبیر کی کہ سنہ ۲۳[1] جلوس محمد شاہ مین نواب

[1] یہ بیان ایک شخص نے زبان فارسی مین ۲۸ رشوال سنہ ۲۶ جلوس محمد شاہ مین یکشنبہ کو قصبۂ آنولہ مین لکھ کر یادگار کے لیے رکھ لیا تھا کتب خانۂ ریاست مین موجود ہے ۱۲

سید علی محمد خاں کو دہلی بلایا اور لکھا کہ چونکہ بادشاہ کی مہربانی تم پر ہے اور کئی
باتیں ایسی ہیں کہ انکا مشورہ کرلینا ضرور ہے اسلیے یہاں آجاؤ تمہارے دارالخلافہ
میں آنے سے بادشاہ بھی رضامند ہوگئے اور تمکو بھی مزاج شاہی میں رسوخ حاصل
کرنے کا عمدہ موقع ہاتھ لگیگا۔ اِس پروانے کے پہونچنے کے بعد نواب صاحب
نے اپنے معتمدوں سے مشورہ کیا تو سب نے یہ صلاح دی کہ آنولے کو
چھوڑنا آپکے لیے بہتر نہیں یہ مناسب ہے کہ سُکھدراے متصدی کو وہاں بطور
سفارت کے بھیجدیا جائے چنانچہ نواب صاحب نے دیوان مذکور کو ایک ہزار سپاہ
کی جمعیت کے ساتھ دہلی کو روانہ کردیا اور ضروری سامان امارت بھی ساتھ کردیا
او جودہ گئے تالے مانے شادیے دوسری رمضان سنہ ۲۳ جلوس روز جمعہ
(مطابق سنہ ۱۱۵۳ ہجری) کو دیوان مرادآباد سے روانہ ہوا۔ ۱۲ رمضان سنہ ۲۳ کو
شاہ گنج پہونچا نواب وزیر نے استقبال کے لیے اُسکے پاس چند معززین کو
بھیجا۔ ۱۷ کو دیوان شاہ گنج سے سوار ہوا شام کے وقت وزیر کی حویلی پر پہونچا
وزیر اسکی لیاقت اور گفتگو سے بہت مسرور ہوئے پھر مسلمان جماعداروں کو
وزیر کی طرف سے کھانا دیا گیا اور وزیر نے دیوان کو میوہ اور خلعت دلوا کر
رخصت کردیا اور ایک جگہ اُسکے ٹھہرنے کو شادی دیوان ہر روز وزیر کے
سلام کو جایا کرتا اور نواب اُسپر عنایت کرتے۔ راجہ ہرنند کہ قوم اروڑا سے تھا
اُن ہی دنوں یعنی سنہ ۱۱۵۳ ہجری میں وزیر کی طرف سے مرادآباد اور سنبھل کا حاکم
مقرر ہوا تھا اور بعض نے اُسکے تقرر کی تاریخ ۱۸ مارچ سنہ ۱۷۴۱ء مطابق ۲۷
ذیحجہ سنہ ۱۱۵۲ ہجری لکھی ہے اُسنے یار بیگ خاں مغل کو اپنی طرف سے ان

اضلاع پر انتظام کے لیے بھیجا تھا۔ دیوان مذکور کا یہ رسوخ دیکھکر راجہ ہرنند آتش حسد مین جل گیا اور اُسنے ایک حیلہ بگاڑ کا کھڑا کیا وہ یہ کہ دیوان سے کہا کہ نواب سید علی محمد خان کے محالات کی آمدنی کا معاملہ وزیر کے روبرو طے ہو جانا چاہیے اور زر نقد بطور پیش کش کے بھی دینا چاہیے دیوان نے یہ سارا حال نواب سید علی محمد خان کو لکھ کر بھیجا نواب صاحب نے دیوان کو جواب بھیجا کہ راجہ کو جواب دینا چاہیے کہ وہان ایسے معاملات کا طے پانا مناسب نہین ہے یہان تصفیہ ہو جائیگا دیوان نے راجہ کو یہی جواب دیدیا۔ راجہ نے نواب وزیر سے شکایت کی کہ نواب سید علی محمد خان کے محالات کی آمدنی کا معاملہ اُنکا دیوان طے نہین کرتا نواب وزیر نے دیوان سے فرمایا کہ معاملے کا تصفیہ کیون نہین کرتے دیوان نے عرض کیا کہ حضور نے مجھے یہان اس لیے طلب نہین کیا ہے اگر حضور کا معاملہ یہان طے کیا جائیگا تو حضور کے جتنے جاگیر دارون کو نواب سید علی محمد خان دیا کرتے ہین اُنکو بھی یہان روپیہ نہ پہونچا تو اُنکو شکایت کا موقع ملیگا کہ نواب وزیر نے اپنا معاملہ تو اپنے سامنے فیصل کرالیا اور ہمارے معاملے پر توجہ نہ کی آنولے پہونچکر حضور کے ارشاد کے بموجب راجہ ہرنند کے معاملے کا تصفیہ کرا دیا جائیگا۔ نواب وزیر نے یہ بات قبول کر لی۔ راجہ کو اس ناکامیابی سے بہت غیرت آئی۔ اور دیوان کی ذلت کے لیے دوسری تدبیر نکالی کہ جب دیوان اپنے وطن کو رخصت ہو تو اُسکو راستے مین تباہ کر دیا جائے اور اس ارادے کے پورا کرنے کے لیے اپنی بہت سی سپاہ سنو کھ رائے بقال کی ماتحتی مین جو اُسکا کارندہ تھا ڈاسنہ اور ہاپڑ کے مقامات پر تعینات کر دی

اور گنگا کے گھاٹ گڑھ مکتیسر سے کول سکندرہ تک روک لیے جب دیوان کچھ دنوں کے بعد وزیر سے اجازت لیکر آنولے کو روانہ ہوا اور راج گھاٹ میں پودرہ بادشاہی کو عبور کرکے شاہ گنج پہونچا اور بعض دوستوں نے راجہ ہرسد کے ارادے سے مطلع کیا تو دیوان نے یہ سمجھ کر کہ اس وقت تمام گھاٹ دشمن کے ہاتھ میں ہیں اگر اُسکے آدمیوں سے لڑائی ہوئی تو نواب وزیر تک شکایت ہوگی اسلیے ڈاسہ اور ہاپڑ اور گڑھ کا راستہ چھوڑ کر شاہ گنج سے میرٹھ کی طرف کوچ کیا جب سوکھ رائے کو یہ معلوم ہوا کہ نواب سید علی محمد خان کا دیوان یہ راستہ کاٹ کر میرٹھ کی طرف جاتا ہے تو وہ پانچ چھ ہزار آدمی لیکر قبل سے میرٹھ پہونچ گیا۔ دیوان کا پڑاؤ مقام لاوڑ میں ہوا تو مخالف کے اس بندوبست کا حال معلوم ہوا اب دیوان بھی لڑائی پر تل گیا اور سوکھ رائے کو کہلا بھیجا کہ جب تمہارا یہی ارادہ ہے کہ ہمسے مزاحمت کی جائے تو پانچ چھ کوس پر ہماری جمعیت سے دور رہنا آئین سپاہ گری سے بعید ہے اب تم تیار رہو میں خود تمہارے پاس پہونچتا ہوں صاحب رائے کا بیٹا ان دنوں خواجہ جاوید خان کی طرف سے میرٹھ کا حاکم تھا اُسنے یہ خبر سنکر نواب سید علی محمد خان کے دیوان کو سمجھا دیا اور سوکھ رائے بھی پشیمان ہوکر یہاں سے ہٹ گیا۔ دیوان لاوڑ سے کوچ کرکے موضع پھوکر ہیری میں جہاں جتا گوجر رہتا تھا پہونچا اور یہاں سے گنگا کو عبور کرکے مرادآباد کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں بیار بیگ خان راجہ ہرسد کی طرف سے حاکم تھا دیوان مرادآباد میں داخل ہوا یار بیگ خان اسکے اتنی جمعیت کے ساتھ آنے سے متردد ہوا۔ دیوان نے نواب وزیر کے

حکم کے بموجب نیاز بیگ خان سے محالات متعلقہ چکلۂ مراد آباد کا فصل خریف و ربیع کا معاملہ مرزا لطیف بیگ کے استصواب سے طے کرکے پٹہ اور فارخطی لیلی۔ مگر یہان کے عامل کی ناموافقت کی وجہ سے اپنے اہل و عیال کو یہان رکھنا مناسب نہ سمجھا اسلیے ۱۲ ذیقعدہ سنہ مذکور کو مراد آباد سے کوچ کرکے ۱۴ ذیقعدہ کو آنولے مین داخل ہوا۔ نواب سید علی محمد خان اُسکے صحیح و سالم پہونچ جانے سے بیحد خوش ہوے مگر راجہ ہرنند کے دل پر قلق رہا اور نواب سید علی محمد خان کی تباہی کی یہ فکر کی کہ وزیر سے گنگا کے اشنان کے لیے رخصت لیکر مراد آباد پہونچا اور یہان فوج جمع کرنا شروع کی اور نواب وزیرالممالک کو نواب سید علی محمد خان کی طرف سے شکایات کی عرضیان بھیجنے لگا اور وزیر کے مزاج کو نواب کی طرف سے اتنا مکدر کردیا کہ اُنھون نے بھی لڑائی کی اجازت دیدی اور اس طرح اس ناتجربہ کار ہرنند نے وزیر جیسے نیکی کے پتلے کو اُنکے نیک ارادے کے راستے سے ہٹا دیا۔

راجہ ہرنند اور نواب سید علی محمد خان مین جنگ ہونا نواب صاحب کا فتحیاب ہوکر مراد آباد۔ سنبھل امروہہ۔ بریلی اور شاہجہانپور وغیرہ تمام ملک کٹھیر پر قبضہ کرلینا

بعض تاریخون مین یہ لکھاہے کہ قرب و جوار کے کمزور جاگیردارون کے

معاملات میں مداخلت کرنے کی وجہ سے نواب قمرالدین خاں سے جاگیرداروں نے شکایت کی اور بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسے راجہ ہرسدگور نرمرادآباد کے نام روہیلوں کو کٹھیر سے نکالدینے کے واسطے حکم جاری کیا اور بعضے کہتے ہیں کہ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ والی اودھ کو افغانوں سے دلی عداوت تھی۔ یہ ابوالمنصور خاں برہان الملک نواب سعادت خاں والی اودھ کا داماد ہونے کی وجہ سے اودھ کی ریاست کا مستحق مانا گیا تھا اسکا باپ کا سہ سار تھا۔ چنانچہ فراست نامہ کے صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے کہ پدر منصور علی خاں کاسہ سار بود" منصور علی خاں سے مراد یہی ابوالمنصور خاں ہے اُسے نواب سید علی محمد خاں کی شکایات محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان کے حضور میں کیں بادشاہ نے قمرالدین خاں وزیر اعظم سے فرمایا کہ روہیلوں کی تدبیر کرنی چاہیے اور قمرالدین خاں نے اس مہم پر راجہ ہرسد نامی کھتری کو مامور کیا اور اُسکو حکم دیا گیا کہ نواب سید علی محمد خاں روہیلے کو نکالدے اور اسباب جنگ جیسے توپخانہ اور بانوں کا ذخیرہ اور دوسرا سامان اپنی سرکار سے دیکر حکم دیا کہ جتنی فوج کی ضرورت سمجھے اور انتظام صوبہ مذکور کے لیے ضروری ہو اور روہیلوں کی تنبیہ و تادیب کے لیے درکار ہو نوکر رکھ لے نواب محمد خاں بنگش والی فرخ آباد اور نواب سید علی محمد خاں میں رابطۂ اتحاد تھا سنہ ۱۱۲۹ھ مطابق سنہ ۱۷۱۶ ہجری میں جب نواب محمد خاں کو ملک بندیلکھنڈ میں بندیلوں نے قلعہ جیت پور میں گھیر لیا تھا تو محمد خاں کا بیٹا قائم خاں شاہجہاں پور کے پٹھانوں میں سے رنگروٹ بھرتی کرتا ہوا نواب سید علی محمد خاں کے پاس سنگر میں بھی آیا تھا

اور یہان سے کمک حاصل کی تھی۔ اس مصیبت کے وقت مین نواب سید علی محمد
خان نے نواب محمد خان بنگش والی فرخ آباد سے مدد چاہی اور اس امر کی
درخواست کی کہ آپ ہمارے اور راجہ ہرنند کے درمیان مین پڑ کر تصفیہ
کرادین کیونکہ اگرچہ ہرنند نے خریف تک کی فارغخطی نواب سید علی محمد خان
کو دیدی تھی لیکن تاہم انداز دشمنی کے نمایان تھے نواب محمد خان نے قمر الدین
خان وزیر کو نواب سید علی محمد خان کی سفارش مین خط لکھا اور یہ درخواست
کی کہ آپ اپنے بیٹے معین الدین خان کو راجہ ہرنند کی مدد کے لیے نہ بھیجین
اور یہ بھی لکھا کہ نواب سید علی محمد خان بادشاہ کے مطیع فرمان ہین اور ہر سال
دربار مین حاضر ہوتے ہین اور ۱۷۳۹ء مین جب عظیم اللہ خان ظہیر الدولہ
آپکے بھائی نے سادات بارہ پر چڑھائی کی تھی تو اُسوقت مین نواب سید علی محمد
خان مع اپنی فوج کے شریک ہوے تھے اور خدمت نمایان اُن سے ظاہر
ہوئی تھی جس شخص کی جانب سے ایسی خدمات ظہور مین آئین وہ تھوڑے
سے قصور پر تباہ کیا جانا نہ چاہیے۔ خاصکر ایسے وقت مین کہ باغی لوگ یعنی
مرہٹے نہایت زور پر ہین اگر بالفرض نواب سید علی محمد خان سے کوئی قصور بھی
سرزد ہوا ہے تو معاف کیا جانا چاہیے۔ نواب محمد خان نے ایک خط اپنے
بیٹے قائم خان کو بھی بھیجا اور اُسکو لکھا کہ زبانی بھی وزیر سے اس بارے مین
عرض کرنا۔ لیکن ۴ محرم ۱۱۵۴ ہجری مطابق ۱۱ مارچ ۱۷۴۱ء کو قائم خان کے
خطوط اس مضمون کے اُس کے باپ نواب محمد خان کو پہونچے کہ وزیر کو
اصرار ہے کہ مین اپنے بیٹے میر معین الدین خان کو بادشاہ کے حضور مین اس

انتخاب پیش کرونگا کہ وہ راجہ ہرسند کی کمک کے لیے مقرر ہوکر بھیجا جائے۔ وزیر نے تو بجائے بادشاہی راجہ کی مدد کے لیے بھیجا اور اپنے بیٹے میر معین الدین خاں کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ راجہ کی کمک کو روانہ کیا۔

ہرسند سنگھ نے اطراف وجوانب کے راجوں کو بھی کمک کے لیے بلالیا چنانچہ پرت سنگھ زمیندار پیلی اور راجہ کھیم کرن زمیندار رتن گڑھ اور سادات سرسی وغیرہ جمع ہوگئے۔ عبدالنبی خاں ملیح آبادی حاکم بریلی کو بھی اپنا شریک کیا روہیلکھنڈ گزیٹیر میں عبدالنبی خاں کو بریلی کا گورنر لکھا ہے جام جہاں اور اخبار حسن میں شاہ آباد کلاں ضلع ہردوئی کا حاکم بتایا ہے اور تاریخ روہیلکھنڈ میں شاہ آباد کا اجارہ دار تحریر کیا ہے۔ عبدالنبی خاں نے اس معاملے میں دوربینی کا مشورہ دیا مگر ہرسند کوتاہ اندیش تھا اُسکے مشورے کے موافق کاروائی نہ کی اور نواب سید علی محمد خاں کو پیام دیا کہ ایک کروڑ روپیہ اور تمام ہاتھی اور درباری کے سونے کے کلس یہ تمام چیزیں بادشاہ کے پاس بھیجدو ورنہ اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے جاؤ۔ نواب سید علی محمد خاں نے بہت نرمی کے ساتھ جواب دیے اور عذر روپیہ نہ ہوسکنے کا کیا اور معاملے میں تخفیف چاہی اور مرزا لطیف بیگ مرادآبادی کی معرفت بہت کچھ صلح کے پیام بیلے اور کہلا بھیجا کہ اپنی دانست میں کوئی برائی خیال میں نہیں آتی کہ مجھ سے ظہور میں آئی ہو پھر اس قدر برہمی کا کیا سبب ہے اگر اس خیر اندیش کی طرف سے کوئی بات خلاف واقع ہوگئی ہے تو ارشاد ہو کہ دوستدار اسکا عذر کرے مگر ہرسند کو اپنی فوج خدم وحشم اور سامان حرب پر اتنا گھمنڈ تھا

کہ کسی طرح صلح کی بات پر کان نہ لگایا۔ نواب محمد خان بنگش نے بھی رحمت خان اور شاہ اختیار کو راجہ ہرنند کے پاس سفارش کرنے کی غرض سے بھیجا۔ رحمت خان نے اثنائے راہ مین شاہ اختیار کو یہ پیام دے کر واپس بھیجا کہ دو شخص قابل اطمینان اور مطلوب ہین چنانچہ مقیم خان اور عبداللہ خان اسکے ہمراہ بھیجے گئے اور یہ لوگ وزیر کا خط بھی اصل لیتے گئے وہ بدایون پہونچے اس عرصے مین رحمت خان راجہ کے پاس پہونچ گیا تھا اور چھ روز سے اُسکے لشکر مین مقیم تھا۔ وہ رخصت ہوا اور راجہ نے اپنے تمام لشکر اور توپخانے کے ساتھ تین یا چار دن مین تین تین چار چار کوس کی منزلین کرکے اصالت پور جاری پرگنۂ بلاری کے قریب ندی اَرِل (آری بھی کہتے ہین) کے کنارے مقام کیا۔ نواب سید علی محمد خان بھی آنولے سے روانہ ہو کر موضع فتح پور ڈال کے قریب اصالت پور سے دو میل کے فاصلے پر آکر ٹھہرے اور معین الدین خان امدادی فوج کے ساتھ دہلی سے چل کر گڑھ مکٹیسر پر دریاے گنگا کے کنارے مقیم تھا اس درمیان مین نواب محمد خان نے نواب سید علی محمد خان کو یہ لکھا کہ اس وقت روپیہ کا خیال نہ کرنا چاہیے بلکہ معاملات کو طے کر دینا چاہیے مین نے آپکی فوج کو کبھی نہین دیکھا ہے یقیناً وہ اچھی ہو گی لیکن وہ دوستون کی امداد سے بوجہ احسن انجام پا سکتی ہے آپ کو چاہیے کہ اپنے مقامات کا استحکام کرین اور آدمی اور روپیہ کی فراہمی کا انتظام کرنا چاہیے۔ اپنے سب آدمیون کو سب جگہ سے بُلا کر ایک ناکہ پر تعینات کرنا چاہیے کوئی غنیم یا مخالف زمین کو اُٹھا نہین لیجا سکتا اور جب دشمن پسپا ہو جائے

توتجارات پھر دستور قائم ہو سکتے ہیں اگر فوج حاسحا مستقر رہیگی تو ایک دوسرے کی، دنہیں کرسکتا اگر ایک گروہ کو فوج کے شکست ہوگئی تو باقی سب بیدل ہو جائینگے میں نے ان سب امور کا تحریہ کر لیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو رمی کے ساتھ گفتگو کرنا چاہیے اور اس آفت سے نجات پانے کے لیے روپیہ خرچ کرنا چاہیے اگر کسی طرح معاملہ طے ہو اور ایک سال کی آمدنی خرچ کرنے پر بھی کام نہ نکلے تو مضبوطی کے ساتھ تعرض کرنا چاہیے۔

مدہ لوگ اکثر تاریخ کی بُرائی بھلائی کے زیادہ پابند ہوتے ہیں احرام علوی کی تاثیرات کو دنیا ہی میں بلکہ نجات آخرت میں بھی خالق کائنات کی برابر مانتے ہیں ہرسد بھی احکام نجوم کا بڑا معتقد تھا منجم برہمنوں نے حکم لگا دیا تھا کہ لڑائی کا دن ابھی دور ہے ملاں تاریخ پر جنگ کرنی چاہیے۔ اسلیے ہرسد نے لڑائی کے کام کو تعویق میں ڈال دیا۔ لطائف الحیل اور سفیروں کی آمدورفت میں برصہ گذارنے لگا۔ نواب سید علی محمد خاں نے اس بات سے آگاہ ہوکر یہ ترکیب نکالی کہ ایک رات[1] میں مشہور کر دیا کہ ہم صبح کو راجہ ہرسد کی ملاقات کو جائینگے اور تمام رات لشکر کی تیاری کر کے ابھی بور کا تڑکا تھا کہ ایسی فوج کا اسطرح انتظام کیا۔ کہ پہلے[2] حافظ رحمت خاں کو چار ہزار آدمیوں کے ہمراہ دشمن کے قیام گاہ کی جانب روانہ کیا اور باقی مادہ سپاہ اپنے ساتھ لے کر اُنکے پیچھے روانہ ہوئے۔ اس جماعت کے داہنے بازو پر دوندے خاں اور پایندہ خاں کو اور بائیں پر صدر خاں کو اور ساقہ لشکر پر بنڈو خاں اور تہماس خان کو

---

[1] دیکھو سیر المتاخرین ۱۲ [2] دیکھو گل رحمت ۱۲

رکھا اور بشارت خان اور راجہ بسولی اور راجہ مدکر کو ہر طرف کی خبر گیری کے
لیے مقرر کیا اور خود ہاتھی پر سوار ہو کر قلب لشکر مین رہے۔
منتخب العلوم سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے ساتھ بیس ہزار
سپاہ تھی اور روہیلکھنڈ گزیٹیر مین اُنکی سپاہ کی تعداد دس ہزار بتائی ہے
اور ہر نند کا لشکر تیس ہزار سے زیادہ اور پچاس ہزار تک بتاتے ہین
منتخب العلوم مین لکھا ہے کہ صبح صادق کے وقت پایندہ خان اپنی فوج
کو ہر نند کے لشکر کے قریب بڑھا لیگئے اور سورج کے نکاس پر اُسکے لشکر پر
جو غفلت کی حالت مین تھا حملہ شروع ہو گیا راجہ کو اُسکے جاسوسون نے خبر دی
کہ نواب سید علی محمد خان کا لشکر موضع چون کے قریب آپہونچا ہے وہ پوجا مین
بیٹھا ہوا تھا جواب دیتا رہا کہ آج تاریخ ہماری لڑائی اور سواری کی نہین
یہانتک کہ روہیلون نے اُسکے لشکر مین گھس کر قتل شروع کر دیا روہیلون
کی شمشیر کی چمک راجہ کی سہمی ہوئی فوج آنکھون سے دیکھ رہی تھی جب
کشت و خون اور بندوق و بان کی آوازون کا شور حد سے بڑھ گیا تو
راجہ پوجا سے اُٹھ کر ہاتھی پر سوار ہوا پایندہ خان کے غول مین سے ایک بان
ہر نند کے ہاتھی پر پہونچا اور اُسکے لگا جس سے وہ مر گیا اُسکا بیٹا موتی لال
بھی جس کے حسن و جمال کی بڑی شہرت تھی مارا گیا سنوکھ راے اور
نیاز بیگ خان بھاگ نکلے اور فوج نے بھی بے ترتیبی کی حالت مین بھاگنا
شروع کیا سید داؤد زمیندار محمود نگر بھی کام آیا اور عبد النبی خان عامل بریلی
بھی مارا گیا منتخب العلوم مین یون لکھا ہے کہ دلیر خان عرف دلو خان

جو ہر سنگھ کی فوج کا رکن اعظم تھا تھوڑی دیر میدان جنگ میں جم کر لڑا اور مارا
گیا۔ اُن قلمی اجزا میں جو ملکیوں کے خاندان سے دستیاب ہوئے مرقوم ہے
کہ لڑائی سے چند روز قبل راجہ ہر سنگھ نے دلیر خاں کے بھائی عبدالنبی خاں
ملیح آبادی پسر نواب شیر خاں[۱] کو بھی جو اس زمانے میں بریلی کا فوجدار تھا
شاہ آباد کلاں ضلع ہردوئی سے اپنی کمک کو بلایا تھا چنانچہ یہ بھی کچھ فوج
لے کر راجہ کی کمک کو روانہ ہوا تھا اور اُسکا یہ ارادہ تھا کہ موقع پر پہونچکر
طرفین میں صلح کرا دونگا وہ ابھی پہونچنے نہیں پایا تھا کہ ہر سنگھ کی شکست کی
خبر معلوم ہوئی اور یہ بھی سنا کہ میرا بھائی دلیر خاں مارا گیا ہے تو اپنی جمعیت کے
ساتھ لڑنے کے لیے آمادہ ہوا ہمراہیوں نے سمجھایا کہ آپ نواب سید علی محمد خاں
کے مقابلے کے لائق نہیں اس خیال سے درگذر کیجیے اُسنے نہ مانا اور گھوڑے
سے اُتر کر میدان جنگ میں لڑائی کے لیے آیا۔ نواب سید علی محمد خاں نے
عبدالنبی خاں کے پاس آدمی بھیج کر بہت کچھ معذرت کی مگر اُسنے منظور نہ کیا
پھر لڑائی کا ہنگامہ گرم ہوا۔ عبدالنبی خاں نے تین بار نواب سید علی محمد خاں
پر بندوق سر کی مگر نشانہ خطا گیا بندوق ہاتھ سے ڈالدی اور کہا کہ فتح
ہمارے نصیب میں نہیں ہے آخر کار وہ اور اُسکے تمام ساتھی مارے گئے
نواب سید علی محمد خاں نے عبدالنبی خان اور دلیر خاں کی لاشیں پالکی میں
ڈلوا کر آنولے کو پہونچوا دیں اور تجہیز و تکفین کرائی نے تمام مال غنیمت اور

۱؎ جام جہاں نما میں عبدالنبی خاں کے باپ کا نام شیر خاں لکھا ہے اور منتخب العلوم
میں عبدالنبی خاں کا عرف شیر خاں بتایا ہے ۱۲

توپخانہ۔ ہاتھی گھوڑے نواب صاحب کے ہاتھ لگے۔

سیر المتاخرین مین لکھا ہے کہ ہرنند کا واقعہ ۱۱۵۵ ہجری کا ہے اور یہ صحیح نہین معلوم ہوتا اُن اجزا مین جو ایک شخص نے ۲۶ سنہ جلوس محمد شاہ مین آنولے مین بطور یادگار لکھ رکھے تھے مندرج ہے کہ ۱۹ محرم ۲۴ سنہ جلوس محمد شاہ مین جمعرات کے دن نواب سید علی محمد خان نے راجہ ہرنند پر حملہ کیا تھا اس حساب سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ۱۱۵۴ ہجری (۱۷۴۲ء) کا ہے۔

نواب سید علی محمد خان نے اپنے ترحم ذاتی سے غنیم کے مقتولون کی لاشون کو دفن کرا دیا اور زخمیون کی مرہم پٹی کرائی۔ ۲۴ محرم سنہ مذکور کو سہ شنبہ کے دن دوپہر کے وقت نواب صاحب واپس آنولے مین داخل ہوے اس فتح کے بعد اُنھون نے سنبھل۔ امروہہ۔ مراد آباد۔ بریلی شاہجہانپور اور شاہ آباد کلان پر قبضہ کر لیا اور ان مقامات مین اپنی طرف سے ناظم مقرر کر دیے مگر محال جاگیر نواب وزیر الممالک سے تعرض نہ کیا جب سے یہ ملک کٹھیر روہیلکھنڈ کے نام سے مشہور ہو گیا گزیٹیر کے اُس حصے مین جس مین ضلع شاہجہان پور کا ذکر ہے بیان کیا ہے کہ یہ علاقہ نواب سید علی محمد خان کے قبضے سے قبل بدایون کے مسلمان حکمرانون کے تحت حکومت مین جب سے آباد ہوا تھا چلا آتا تھا اسکو دلیر خان اور بہادر خان قنوج اور کالپی کے جاگیردار پٹھانون نے ۱۶۴۷ء مین شاہجہان سے اجازت لے کر اُسکے نام پر آباد کیا تھا۔

---

[۱] دیکھو مراد آباد گزیٹیر ۱۲

نواب سید علی محمد خان سے قمر الدین وزیر اعظم کا صفائی کر لینا۔ وزیر کے بیٹے معین الدین خان عرف میر منو کا گنگا پر آنا اور نواب کا اُس سے ملاقات کر کے اپنی ایک بیٹی کو صدر الدین خان پسر وزیر کے ساتھ منسوب کرنا

نواب سید علی محمد خان نے اپنی بے قصوری کی عرضی اعتماد الدولہ قمر الدین وزیر اعظم کی خدمت میں کمال عجز و انکسار کے ساتھ لکھی اول تو نواب وزیر بہت خفا ہوئے مگر سید مبارک کے توسط سے بالآخر وہ غصہ دھیما ہو گیا اور فرمایا کہ معین الدین خان سے نواب سید علی محمد خان ملاقات کریں تو یہ گناہ معاف سمجھا جائیگا نواب محمد خان بنگش نے بھی وزیر سے تا امکان ایسے نواب سید علی محمد خان کی سفارش کی اور یہ کہا کہ نواب سید علی محمد خان کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا اور یہ مصیبت جو پیش آئی اس میں اُنکا کوئی قصور نہ تھا اور اب بھی وہ اطاعت کے لیے موجود ہیں۔ نواب وزیر کی طرف سے اُنکا دیوان راجہ روشن رائے معین الدین خان کے لشکر میں آیا۔ اور وزیر کا پیام پہونچایا کہ نواب سید علی محمد خان سے ملاقات کریں اور سید شاہ مبارک نواب سید علی محمد خان کے پاس وزیر کا حکم لے کر آنولے کو آئے اور تمام حال بیان کیا نواب سید علی محمد خان ایک مضبوط لشکر کے ساتھ آنولے سے کوچ کر کے گنگا کے گھاٹ پوٹھ پر پہونچکر مقیم ہوئے۔

سلہ دیکھو وہ احرا ۱۲

گزشتہ میں ذکر کیا ہے کہ میر متو جس وقت گنگا کے کنارے دارانگر کے پاس پہونچا تو نواب سید علی محمد خان اُس وقت چاند پور نگینہ وغیرہ مقامات ضلع بجنور کے بندوبست اور قبضہ کرنے مین مصروف تھے میر متو کی خبر سنکر اُس سے ملنے کو روانہ ہوے اور معبر دارانگر کے اِس پار قیام کیا اور میر متو اُس پار مقیم تھا مگر دونون مین سے کوئی دریا کے پار اُترنے کی جرأت نہ کرتا تھا بہت سی گفتگو کے بعد یہ قرار پایا کہ نواب سید علی محمد خان دریاے گنگا کے بیچ مین معین الدین خان سے ملاقات کرین چنانچہ ۱۲ رجمادی الاولی سنہ جلوس محمد شاہ یوم پنجشنبہ کو اُمرا اور معززین معین الدین خان کے لشکر سے کوچ کر کے نواب سید علی محمد خان کو لینے کے لیے آئے۔ نواب صاحب کو اُنکے سردارون نے صلاح دی کہ آپ اول فوج کو دریاے اُتار دیجیے اُسکے بعد کشتی مین سوار ہوکر جائیے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا دریا مین ایک چبوترہ تیار کرایا گیا تھا اور اُسکو ملاقات کے لیے خوب آراستہ کیا گیا تھا۔ نواب سید علی محمد خان کشتی مین سوار ہوکر اول اُس چبوترے پر پہونچے پھر معین الدین خان ہاتھی پر سوار ہوکر گنگا کے کنارے پر آئے اور کشتی مین سوار ہوکر اُس چبوترے پر آئے اور یہان دونون بغلگیر ہوے ملاقات مین معین الدین خان نے نواب کی بڑی تعریف کی اور ایک ہاتھی گھوڑا خلعت مع سرپیچ مرصع دیا۔ یہ رسم ادا ہوکر معین الدین خان تو اپنے لشکر مین لوٹ گئے مگر نواب سید علی محمد خان اُسی مقام پر مقیم رہے اس لیے کہ بارش کی شدت کی وجہ سے دریا طغیانی پر تھا کشتی نہ لگ سکتی تھی اور دوسرے دن یہ بھی

اپنے لشکر میں بھیج گئے[۱]

یہاں پر یہ بات بھی ذکر کردینے کے قابل ہے کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کشتی میں معین الدین خاں اور نواب سید علی محمد خاں کی ملاقات ہوئی تھی اور نواب صاحب نے اپنی ایک بیٹی جو منڈو خاں کی بیٹی کے بطن سے تھی میر منو کے ساتھ منسوب کردی۔

سیر المتاخرین سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے اسکے مؤلف کا بیان ہے کہ قمر الدین خاں وزیر نے ہر سند کی شکست کا تو کوئی تدارک نہ ہو سکا اپنی زوجہ تولاپوری کو اُسکے چھوٹے بیٹے معین الملک کے ساتھ بھیجا۔ نواب سید علی محمد خاں نے دریا میں کہ تولاپوری بجرے میں سوار تھی اپنے تھوڑے سے سرداروں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوکر بیگم اور اُسکے بیٹے سے ملاقات کی مالگذاری اور معاملہ کا تصفیہ ہوگیا اور نواب کی بیٹی کے ساتھ معین الملک کی نسبت بھی ہوگئی۔ مورخین نے اس میں اختلاف کیا ہے، یہ نسبت معین الدین خاں عرف میر منو کے ساتھ ہوئی تھی یا میر منو کے بھائی میر صدر الدین خاں کے ساتھ منتخب العلوم اور سیر المتاخرین سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر منو کے ساتھ نسبت ہوئی تھی۔ مگر گل رحمت میں بیان کیا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں نے اس خیال سے کہ مغلوں سے یگانگی اور یک جہتی ہو جائے اپنی ایک بیٹی میر صدر الدین خاں خلف اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کے ساتھ منسوب کردی اور دستور کے موافق اُسکی منگنی بھی ہوگئی۔

---

[۱] دیکھو دہ احمرا ۱۲ سے ۵۲ منتخب العلوم ۱۲

جلد دوم تنقیح الاخبار مین بھی صدرالدین خان کے ساتھ منعقد ہونا لکھا ہے مگر تھوڑے دنون کے بعد وہ لڑکی مرگئی جیسا کہ فرح بخش سے ثابت ہے گلشن فتوت مین جس کو نواب سید کلب علی خان نے ۱۲۸۶ ہجری مین تیار کرایا ہے لکھا ہے کہ یہ لڑکی سن تمیز کو پہونچنے سے پیشتر ہی نواب سید علی محمد خان کی حیات مین فوت ہوگئی۔ سیرالمتاخرین کا مؤلف کہتا ہے کہ پھر شادی کا ذکر ہمنے نہین سُنا اِس سے معلوم ہوا کہ اس منگنی کے بعد اُس لڑکی کا انتقال ہوگیا پس روہیلکھنڈ گزیٹیر وغیرہ مین جو ذکر کیا ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے اپنی بیٹی وزیر کے بیٹے کو بہت سے جہیز کے ساتھ بیاہ دی یہ صحت کے خلاف ہے اسی گزیٹیر مین بیان کیا ہے کہ نواب صاحب نے اِس ملاقات مین بہت سے خراج دینے کا بھی وعدہ کیا اور میر منّو کی کوشش سے وہ مُلک نواب صاحب کے قبضے مین رہا جو انھون نے ہرنند سے چھین کر حاصل کیا تھا۔ تھوڑے دنون کے بعد میر منّو دہلی کو روانہ ہوگیا اور نواب سید علی محمد خان آنولے کو لوٹ آئے۔ اور نواب صاحب کی جانب سے ایک معذرت آمیز سفارت بادشاہ کی خدمت مین پہونچی اور وزیر کی کوشش سے گورنری کٹھیر کا حکم نواب سیّد علی محمد خان کے نام پر جاری فرمایا گیا اگرچہ ہرنند کی شکست کی خبر سے بادشاہ بہت برافروختہ ہوے تھے مگر وزیر اعظم نے نواب کی دوستی کے باعث بادشاہ کے مزاج کو سنبھال لیا۔

تاریخ فرخ آباد مین آرون صاحب نے لکھا ہے کہ نواب محمد خان کا بیان ہے کہ اراکین دولت معاملے کا طے ہونا مثل فتح کے سمجھے نواب محمد خان

اسی تحریرات میں اُس رائے کا ذکر کرتا ہے جو اُس نے اس بارے میں دی تھی کہ یہ کہ آب و ہوا نہایت خراب ہے اور پیداوار کم ہے لہذا اُس کا تصفیہ کرلیا جائے۔ واقع میں نواب سید علی محمد خاں نے اس طرح کی فتوحات سے کہ جن میں کبھی سکندر کا اقبال اور کبھی رستم کی دلاوری قرباں ہو سلطنت دہلیہ کے اُمرا پر رعب و داب کا سکہ بٹھا دیا تھا۔

فوج بخش میں ذکر کیا ہے کہ اسکے بعد نواب سید علی محمد خاں کی شان و شوکت نے بہت ترقی کی دوندے خاں کو اپنی فوج کا سپہ سالار کیا۔ مُلا سردار خاں کمالزئی کو بخشی بنایا اور فتح خاں کو خانساماں اور پایندہ خاں اکرُئی کو سردار قرار دیا۔

جب نواب سید علی محمد خاں میر منّو سے صلح کرکے بریلی میں آئے تو اُنھوں نے ولیس بیت (بایاسیت) نجارہ کو پیلی بھیت سے نکالنے کے واسطے پایندہ خاں کو مامور کیا نجاروں کی حقیقت کیا ہے مارے گئے مارتے گئے بھاگ گئے یہ سرکشوں کی گردنیں توڑ کر سر بلند اور سرفراز واپس آئے اور پیلی بھیت کا علاقہ ۱۱۵۸ھ میں حافظ رحمت خاں کی جاگیر میں شامل کیا گیا۔

نواب سید علی محمد خاں کی سرکار میں تنخواہ کی یہ صورت تھی کہ حساب کے بموجب اُتنی زمین کا قطعہ یا دیہہ یا دیہات یا علاقہ مل جاتا تھا اُسکے محاصل سے اپنے ذمہ واجب کی سپاہ رکھنا ہوتی تھی اور اپنی حیثیت اور عزت

سلہ دیکھو روہیلکھنڈ گزٹیر میں ۱۲

اور امارت کو درست رکھنا پڑتا تھا اور جسکے بھائی بندون اور رفیقون اور نوکرون کی جمعیت زیادہ ہوتی تھی اُتنا ہی وہ شخص بالیاقت عالی ہمّت اور سردار سمجھا جاتا تھا۔

الموڑہ قسمت کمایون پر فوج کشی

روہیلکھنڈ گزیٹیر مین لکھا ہے کہ واقعۂ ہرنند کے بعد ۱۷۴۴ء مین نواب سید علی محمد خان نے راجہ کمایون پر فوج کشی کرکے اپنے باپ داؤد خان کا انتقام لیا۔ اور اخبار حسن مین مندرج ہے کہ واقعۂ ہرنند سے دو برس کے بعد کمایون پر فوج کشی ہوئی تھی اور ایک کتاب مین لکھا ہے کہ ۱۷۴۳ء مین نواب سیّد علی محمد خان نے کمایون پر حملہ کیا تھا اور آرون صاحب کی تاریخ فرخ آباد مین مذکور ہے کہ نواب محمد خان بنگش کی خط وکتابت اس خط پر ختم ہوئی جسمین پانچوین رمضان ۱۱۵۴ ہجری مطابق ۳ر نومبر ۱۷۴۱ء کو روہیلون کا الموڑہ قسمت کمایون مین پہونچنا درج ہے۔ اور منتخب العلوم مین واقعہ ہرنند سے چھہ ماہ کے بعد کمایون کی مہم بتائی ہے۔

مساکن فلسفی مین ذکر کیا ہے کہ کمایون کے شہر کا نام چمپاولی ہے اور الموڑے کے شرقی جانب واقع ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ راجہ کلیان چند پسر دیپ چند والی کوہ کمایون نے اپنے میر منشی دولی چند گشائین عرف ہمت گشائین کی کسی قصور پر آنکھین نکلوالین (سزا بھی دی تو وحشیانہ طور سے) اُسنے کچھ فوج جمع کرکے راجہ پر چڑھائی کی راجہ لشکر لے کر اُسکا

مقابل ہوا اور کاشی پور کے میدان میں ہمت گسائیں کو شکست دی اور
بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ راجہ نے ہمت کے ناک کان کٹوا لیے تھے اور
المورٹرے سے نکال دیا تھا وہ نواب سید علی محمد خاں کی خدمت میں آیا
اور راجہ کمایوں کی شکایت کرنے لگا اور نواب کو کمایوں پر حملہ کرنے کی
ترغیب دی نواب ممدوح کو داؤد خاں کا قتل تو یاد ہی تھا اور اُس کے
انتقام کی فکر بھی تھی مدد کا وعدہ کیا جب کلیان چندنے اپنے دشمن ہر طرف
دیکھے تو پرانے کار پردازان ریاست کو علیحدہ کر کے تیبودیو (یا تیبودت)
جوشی کو ترائیں کے علاقے میں پورے اختیار دے کر وہاں کا حاکم کیا اور کوٹ
بھدر کا رام دت ادھکاری کو حاکم بنایا اور ہری رام جوشی کو خاص المورٹرے
میں مقرر کیا نواب سید علی محمد خاں نے بھی پرگنات خاص ترائی و جوبی
کا مضبوطی کے ساتھ انتظام کر دیا اور فوج کشی کے انتظام میں مصروف ہوئے
کاشی پور میں باربرداری کے لیے گاڑیاں وغیرہ ساماں جمع کرنا شروع کیا
راجہ کلیان چندنے اپنے چند آدمی روہیلوں کے کیمپ میں ہمت گسائیں
کے قتل کر ڈالنے کی غرض سے بھیجے چنانچہ اُنھوں نے اُسکو اور اُس کے
ہمراہیوں کو مار ڈالا راجہ کو خیال تھا کہ اُسکے قتل ہو جانے سے یہ سب
جھگڑے رفع ہو جائینگے مگر معاملہ برعکس ہوا اور راجہ اپنے سب منصوبوں
میں مات ہوا اور اُسکی ہاری نگر گئی فارسی کی تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ محمد حسد
عرف ہمّت اس مہم میں روہیلوں کے ساتھ تھا بہرصورت یہ جسارت ایسی
نہ تھی جسکو نواب سید علی محمد خاں برداشت کر سکتے اُنھوں نے اپنے نہاں کے

قتل سے طیش کھا کر مئی سنہ سترہ سو پینتالیس یا چوالیس عیسوی مطابق سنہ گیارہ سو پچپن یا چھپن ہجری مین حافظ رحمت خان بخشی سردار خان۔ پایندہ خان اکرزئی۔ کرم خان۔ دوندے خان اور فتح خان خانساماں کو دس ہزار فوج کے ساتھ المورہ کی جانب روانہ کیا جیٹھ کا مہینہ تھا رام دت ادھکاری نے اس چڑھائی کی خبر سنکر راجہ کو اطلاع دی اور شیودیو نے روہیلون کے مقابلے کی تیاری کرنے کے لیے راجہ کلیان چند سے خزانہ طلب کیا اور وعدہ کیا کہ اگر روپیہ میرے پاس آجائیگا تو روہیلون کو کمایون پر حملہ کرنے سے روک دیا جائیگا لیکن راجہ نے کچھ بھی نہ بھیجا اور خیال کیا کہ شیودیو روپیہ شاید اپنے تصرف مین لانے اور قرضہ چکانے کے لیے مجھ سے اس حیلے سے طلب کرتا ہے گو کہ شیودیو یہ سمجھا تھا کہ جب پہاڑیان اور پل وغیرہ سب راستے خراب کردیے جائینگے تو روہیلے آگے کو نہ بڑھ سکینگے مگر اُس سے کچھ نہ بن آیا اور نواب سیّد علی محمد خان کی فوج نے رُدَّر پور مین پہونچکر شیودیو کو پوری شکست دی اور براکھیڑے کا قلعہ لے لیا کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹی اور پہاڑ کی کنجی ہاتھ آگئی۔ حافظ رحمت خان رُدَّر پور مین ایک منتظم چھوڑکر آگے بڑھے اور بجے پور پرگنہ چکھاتا پر قبضہ کرلیا اب راجہ نے شیودیو کی مدد کے لیے کچھ فوج بھیجی اُسنے بجے پور مین روہیلون سے مقابلہ کیا لیکن پہلے ہی حملے مین پسپا ہوگئی اور بھاگ کر رام گڑھ اور سیورا کی طرف دریاے سوال کے پار چلی گئی بخشی سردار خان اور کرم خان اُسوقت قلعۂ براکھیڑا مین تھے طغیانی کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے اُس پہاڑ پر

اتنک مسلمانی ریاست قائم نہیں ہوئی تھی اور نہ کسی مسلمان بادشاہ نے
اس پر حملہ کیا تھا روہیلے چونکہ پہاڑی ملک کے رہنے والے تھے پہاڑ کے
نشیب و فراز کے راستے خوب طے کر سکتے تھے تمام سپاہی اور سرداروں
نے دامن کوہ میں گھوڑے چھوڑ دیے اور حافظ رحمت خاں کی سرکردگی
میں سب افسر اور سپاہی پاپیادہ اوپر چڑھ گئے راجہ کی فوج نے اس وقت
روہیلوں پر کئی بار یورش کی جس وقت پہاڑیوں کا سامنا ہوا تو روہیلوں
کی فوج نہایت جوش و خروش سے لیکن بالکل بے باکی اور بے پروائی
سے آگے بڑھی جس سے غنیم پسپا ہو گیا مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور دریائے
سرجو کے پرلے پار بھاگ گیا پٹھانوں نے الموڑے کا محاصرہ کر لیا راجہ رات
میں قلعہ سے نکل کر بھاگ گیا صبح کو حافظ رحمت خاں نے حملہ کر کے الموڑے
پر قبضہ کر لیا جو ۱۵۶۳ء سے کمایوں کا دارالسلطنت تھا جیسی سپاہ دلیر تھی
اگر سپہ سالار بھی مرد میدان ہوتا تو لڑائی کو بہت طول کھینچتا مگر جیسا وہ ظالم تھا
ویسا ہی نامرد تھا اپنے ملک کو تہس نہس کرا کے گیرسین میں جو لوبھا کے قریب
ہے اتر گیا اور راجہ گڑھوال کی پناہ لی روہیلوں کے لشکر نے الموڑے
میں بڑی خونریزی کی مندروں کی مورتیں توڑ ڈالیں گائیں ذبح کر کے
مندروں میں ان کا خون چھڑکا حافظ صاحب نے راجہ کی حویلی میں داخل
ہو کر اذان دے کر نماز پڑھی عمارتیں تڑوا دیں اور تمام مال و اسباب اور
خزانے پر قبضہ کر لیا روہیلوں نے الموڑے کو دل کھول کر لوٹا اور برباد
کیا جس کی علامتیں اب تک وہاں کے مندروں میں مورتوں کی ٹوٹی ہوئی

صورتون مین نمودار ہین حافظ صاحب نے بہت سے تحائف کے ساتھ فتح
کی اطلاع کا خط نواب صاحب کو بھیجا۔ حافظ صاحب پہاڑ پر تھے وہان کا
انتظام کرتے تھے اور جو حکم پہونچتے تھے نہایت گرمجوشی اور عرق ریزی سے
تعمیل کرتے تھے اور پہاڑیون کو مار مار کر بھگاتے تھے نواب سید علی محمد
خان برسات کے بعد خود بھی الموڑے کو تشریف لیگئے اور مہم مین سردارون
کی خدمتون نے اس قدر مردانہ سفارشین کین کہ نواب نے اُن کو خلعت
بخشے اور سب کی تعریف کی۔ اس اثنا مین خبر پہونچی کہ کلیان چند راجہ
گڑھوال کی مدد سے الموڑے پر حملہ کرنے والا ہے نواب صاحب
الموڑے سے کوچ کرکے مقابلے کے لیے روانہ ہوے اور رستے مین
ٹھہر گئے راجہ پٹھانون کی دلاوری کا پہلے ہی لوہا مان چکا تھا مقابل نہوا
بھاگ گیا۔ اُسکی سپاہ کے بھی ہاتھ پاؤن پھول گئے جو ابھی آکر کھڑے ہوئے
تھے وہ دوڑ پڑے اور جو ڈیرے لگا چکے تھے یا لگاتے تھے وہ گھبرا گئے
کہ ان سب چیزون کو سمیٹین اور بغل مین مار کر بھاگ جائین آخر خیمے گرادیے
کچھ لپیٹے اور کچھ باندھے اور کچھ کھڑے چھوڑے اور راجہ کے پیچھے بھاگے۔
نواب صاحب نے تعاقب کرکے اُسکے لشکر کو شکست فاش دے کر
لوٹ لیا پھر نواب صاحب نے راجہ سری نگر سرمور بھٹ پر چڑھائی کی
وہ یہ خبر سنکر گھبرایا اور اپنے بھائی کو صلح کے واسطے نواب کی خدمت مین
بھیجا اور ظاہر کیا کہ مین اطاعت کو حاضر ہون اور نذرانہ پیش کرنے کا اقرار
کیا اور وعدہ کیا کہ راجہ کلیان چند کو اپنی عملداری مین داخل نہونے دونگا

نواب صاحب نے اُسکے پیام اطاعت کو قبول کیا اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار
روپئے بطور نذرانہ کے اُس سے لیکر المورڑے کی طرف لوٹ آئے روہیلوں کو
کمایوں کی سردی ڈراتی تھی آرام کو دیکھتے تھے مصلحت کو نہیں دیکھتے تھے چنانچہ
کمایوں گزیٹیر میں مندرج ہے کہ روہیلے پہاڑی موسم سرما کی تاب نہ لاسکے
برف کے گرنے کی وجہ سے پریشان ہوگئے اور پہاڑوں سے اور رات دن
کی دوڑ دھوپ اور ہر وقت کے کوچ و مقام سے تنگ ہو رہے تھے تین لاکھ
روپئے لیکر رُدّر پور کو واپس آگئے اور یہاں سے آنولے کو لوٹ آئے نواب
سید علی محمد خاں کو اپنے افسروں کی یہ بات ناگوار گذری اس واسطے تین مہینے
کے بعد ۱۷۴۵ء کے ابتدا میں دوبارہ یورش کی مگر اس حملے میں براکھیرٹے
کے قریب روہیلوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ پھر اُدھر منھ نہ کیا اس تحریر
سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب بنفس نفیس المورڑے کو تشریف نہیں
لے گئے تھے۔ حالانکہ اخبار حسن۔ گلستان رحمت۔ گل رحمت۔ تاریخ روہیلکھنڈ
منتخب العلوم اور روح بخش سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح کمایوں کے بعد نواب
سید علی محمد خاں بہادر نے خود بھی پہاڑ پر سایۂ اقبال ڈالا تھا چار مہینے کے
بعد آب و ہوا کی ناسازی کی وجہ سے المورڑے کو راجہ کلیان چند کے
متعلقین میں سے ایک شخص کے سپرد کرکے آنولے کو لوٹ آئے اور منتخب العلوم
میں لکھا ہے کہ نواب صاحب کی خدمت میں خود راجہ کلیان چند والی
کمایوں حاضر ہوگیا نواب صاحب اسے اپنی طرف سے مسند نشین کرکے
آنولے کو لوٹ آئے۔

جلد دوم تنقیح الاخبار مین مذکور ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے راجہ سری نگر کی سفارش سے داؤد خان کے دعوے خون سے درگذر کی اور بہت سا پیش کش حاصل کرکے پہاڑ کے اوپر کا ملک تین لاکھ روپے کے خراج پر راجہ سری نگر کے حوالے کرکے کاشی پور وغیرہ کو اپنے ملک مقبوضہ مین ملا کر لوٹ آئے۔ اور روہیلکھنڈ کی ایک تاریخ مین بیان کیا ہے کہ راجہ سری نگر سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے سالانہ خراج کے مقرر کرکے تمام ملک اُسکو دیدیا تھا۔ اخبار حسن کا مؤلف کہتا ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے راجہ کلیان چند پر یہ ملک اس شرط سے بحال کیا کہ راجہ سری نگر کی معرفت تین لاکھ روپیہ سالانہ خراج مین دیتے رہنے کا معاہدہ اُس سے ہوگیا۔

فرح بخش مین ذکر کیا ہے کہ نواب سید علی محمد خان پہاڑ سے لوٹتے وقت داؤد خان کی قبر پر آئے اور فاتحہ پڑھکر تین بار باآواز بلند کہا کہ مین نے راجہ سے تمھارے خون کا بدلہ لے لیا اور کاشی پور اور رُدّر پور کو اپنے مُلک مقبوضہ مین شامل کرکے وہان زبردست تھانے قائم کیے۔ نواب کا اِس پہاڑ کو فتح کرنا بھی رستم و اسفندیار کے معرکون سے کم نہ تھا۔

چغلخورون کی طبیعت بندر کی خصلت کا چھاپا ہے اُن سے رہا نہین بیٹھا جاتا کوئی نہ کوئی شے نوچنے کریدنے کے لیے ضرور چاہیے۔ نواب کی ان کامیابیون سے بعض لوگون کو حسد ہوا خصوصًا نواب صفدر جنگ والی اودھ ہمیشہ کے نئے جھگڑے کی تلاش مین رہنے لگا کیونکہ وہ روہیلون سے دلی عداوت رکھتا تھا اور اپنے ملک کے قریب انکا جماؤ ہونا اُسکو پسند نہ تھا۔

اسلیے اُسسے مخالفت کی راہ سے فتح الموڑے کا حال بادشاہ کے حضور میں ظاہر کرا کے بادشاہ کو نواب سید علی محمد خاں سے ناخوش کر دیا۔ آروں صاحب نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ نواب محمد خاں بنگش نے نواب سید علی محمد خاں کو یہ رائے دی کہ وہ دربار میں اس امر کی اطلاع دیں کہ میں حضور کے خوش کرنے کے لیے پہاڑ چھوڑ کر آنولے کو لوٹ آیا۔

منتخب العلوم میں جو لکھا ہے کہ پیر مسواس واقعہ کے بعد آیا تھا اور نواب سید علی محمد خاں نے اُس سے معذرت کر کے ملاقات کر کے اپنی بیٹی اُس کے ساتھ نامزد کی تھی یہ صحیح نہیں۔

تذکرۂ حکومت المسلمین میں لکھا ہے کہ اس وقت نواب سید علی محمد خاں کا اقتدار بہت بڑھ گیا مراد آباد۔ سنبھل۔ بریلی۔ پیلی بھیت۔ بدایوں۔ آنولہ اور بہت ملک اُسکے قبض و تصرف میں آگئے اور تیس چالیس ہزار افغان و روہیلے اُسکی سپاہ میں جمع ہو گئے اور شیخ سعادت اللہ بدایونی کو تمام ریاست اور ملک و افواج کا بخشی عام مقرر فرمایا اور خطاب بخشی الممالک محمد سعادت اللہ خاں بہادر کا دیا اور رائے کامل کو جسکے نام سے ایک محل مراد آباد میں مشہور ہے دیوان عام تمام ریاست کا مقرر کیا۔

حکایت جب دیوان کامل کو اختیار کامل حاصل ہوا تو اُس نے ایک مکان عالیشان نہایت نفیس اور بہتر مراد آباد میں بنوایا اس عرصے میں اُسکے بیٹے کی شادی کی تقریب پیش ہوئی تو دیوان کامل نے نواب سید علی محمد خاں کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں

تو میری عزت اور ناموری کا موجب ہوگا۔ نواب صاحب نے وعدہ کر کے
ایک وقت مقرر کیا۔ دیوان نے صحن محل مین ایک گڑھا تیار کرایا جس مین ایک لاکھ
روپے بھر سکین اور اُسکو ایک لاکھ روپون سے پاٹ دیا جس وقت نواب
سید علی محمد خان صاحب اُس مکان مین تشریف لے گئے تو وہ لاکھ روپے
نذر کر دیے نواب صاحب نے وہ نذر قبول فرما کے دیوان مذکور کو بہت کچھ
انعام و اکرام دیا۔

یاد رکھو کہ خاص بدایون اس وقت تک نواب فرخ آباد کے قبضے مین
تھا روہیلون نے اُسپر قبضہ نہین کیا تھا۔

ملازمان نواب سید علی خان کے ہاتھ سے داروغۂ عمارات صفدر جنگ کو ہزیمت پہونچنا صفدر جنگ کا محمد شاہ سے نواب صاحب کی شکایت کرکے بادشاہ کو اُن سے ناخوش کردینا

صفدر جنگ کے دل مین نواب سید علی محمد خان کی مخالفت کی آگ
سُلگ رہی تھی ظاہری صورت یہ ہوئی کہ ۱۱۵۸ھ مطابق ۱۷۴۵ء مین اتفاقاً افسران جنگل
ملازم صفدر جنگ اور نواب سید علی محمد خان کے لشکریون سے تکرار ہوئی۔
تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ داروغۂ عمارات صفدر جنگ سال کے
لٹھے کاٹنے کے لیے دامن کوہ مین آیا تھا نواب سید علی محمد خان کے ملازم
تھانے مین متعین تھے اُنسے لڑائی ہو گئی اور کئی آدمی دونون طرف سے مارے گئے

اور بلا رماں صفدر جنگ بہت مغلوب کیے گئے دار وغہ کارخانہ کو جنگل میں چھوڑ کر دہلی میں پہونچا اور نواب ابوالمنصور خاں سے کہا کہ آپ کی عمارت کا تمام کارخانہ روہیلوں نے برباد کر دیا اور نوکروں کو مار ڈالا صفدر جنگ کو بہت غیظ پیدا ہوا کہنے لگا کہ اب ہماری یہ ذلت ہو گئی کہ روہیلوں نے ہمارے کارخانۂ عمارت کو لوٹ لیا۔ اعتماد الدولہ قمرالدین خاں سے کہلا بھیجا کہ اگر آپ ہماری رفاقت اس بات میں کریں اور بادشاہ کو نواب سید علی محمد خاں کی سزادہی پر متوجہ کریں تو بہتر ہے ورنہ میں خود بادشاہ سے عرض کروں گا اعتماد الدولہ نے اگرچہ صفدر جنگ کی خاطر سے آرے لے کر دیا لیکن در پردہ نواب سید علی محمد خاں کے طرفدار رہے صفدر جنگ کو جب یہ بخوبی یقین ہو گیا کہ اعتماد الدولہ تہ دل سے نواب سید علی محمد خاں کی جانبداری کرتے ہیں تو عمدۃ الملک امیر خاں اور جاری الدین خاں فیروز جنگ اور محمد اسحاق خاں اور حیدر قلی خاں اور صمصام الدولہ میرم خاں اور کامیاب خاں وغیرہ کو موافق کر کے ایک بڑا شکایت آمیز واقعہ بادشاہ کے سامنے پیش کر کے بادشاہ کو روہیلوں کے استیصال پر متوجہ کیا۔

مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ بادشاہ کو نواب سید علی محمد خاں کی یہ بات بھی ناگوار گذری کہ سُرخ رنگ جیسے سلاطین ہندوستان کے داب کے موافق تیار کرائے تھے۔ آروں صاحب نے تاریخ فرخ آباد میں بیان کیا ہے کہ بادشاہ نے ایک کل فوج قمرالدین خاں وزیر کے ماتحت کر کے روانگی کا حکم دیا۔ قمرالدین خاں جو مکہ تجربہ کار آدمی تھے انھوں نے اپنے دل میں

خیال کیا کہ اگر مین بھی مقابلے کے واسطے جاؤنگا تو میرا بھی یہی انجام ہوگا
جو ہرسند کا ہوا کیونکہ بادشاہی فوج نواب سیّد علی محمد خان سے شکست
کھا چکی ہے اب دو حال سے خالی نہین یا بھاگونگا یا میدان مین جان دونگا
اور دونون صورت مین وزارت کا زیان ہے کیونکہ ہارا وزیر ہمیشہ برطرف
ہوجایا کرتا تھا لہذا اُنھون نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ خود بدولت بنفس نفیس
نواب سید علی محمد خان پر حملہ کرین چنانچہ محمد شاہ ایک لاکھ جمعیت کے ساتھ
بذات خود اس مہم پر آمادہ ہوئے۔

محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان کی نواب سید علی محمد خان پر فوج کشی۔ طول طویل مقابلے کے بعد نواب صاحب کا بادشاہ کی اطاعت کرلینا۔ بادشاہ کا اُنسے روہیلکھنڈ کی حکومت نکالکر اپنے ہمراہ دہلی کو لیجانا

انند رام مخلص بادشاہ کے ہمراہ تھا اُسنے اس مہم کا سفرنامہ لکھا ہے اُس
سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ ۲۴ محرم ۱۱۵۹ھ ہجری یوم جمعہ کو محمد شاہ دہلی سے روانہ
ہوکر لونی باغ مین ٹھہرے۔ وزیر الممالک اعتماد الدولہ اور عمدۃ الملک امیر خان
اور ابو المنصور خان میر آتش وغیرہ امرا ہمرکاب تھے ماہ صفر مین بادشاہ نے امرا سے
مشورہ کرکے نواب سید علی محمد خان روہیلے کی تنبیہ کے لیے حکم صادر کیا۔
لشکر کے ہراول پر وزیر الممالک مقرر ہوئے ۱۳ صفر کو بادشاہ نے یہان سے
کوچ کرکے دریاے ہینڈن پر مقام کیا اور ۱۹ صفر کو پرگنہ ڈاسنہ مین پہونچکر

بادشاہ نے حکم دیا کہ بیڑہ دریائے گنگا کے پل کی درستی کو روانہ ہو اور خود رام گھاٹ کی راہ گنگا کو عبور کر کے پرگنہ رگھور میں آپہونچے اُس وقت نواب سید علی محمد خاں نے آنولے کو چھوڑ کر بن گڑھ عرف یوسف نگر میں پناہ لی یہ قلعہ پرگنہ بدایوں میں آنولے اور بدایوں کے درمیان میں ہے۔ نواب نے اُس میں توپ اور رہکلے جا بجا موقع سے لگا دیے اس سے قبل اُنھوں نے اپنے پرانے قلعہ کی درستی کی فکر کی تھی مگر بہت سا روپیہ خراب ہونے کے بعد بھی اُس کے استحکام میں کامیابی نہ ہوئی ناچار اسی قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔

روہیلکھنڈ گزیٹیر میں بیان کیا ہے کہ اس وقت نواب قائم خان بنگش ابن نواب محمد خاں والی فرخ آباد نے اُنکو مشورہ دیا تھا کہ بادشاہ سے بغیر مقابلہ کیے کمایوں کو چلے جائیں مگر اس رائے پر توجہ نہ کی گئی لیکن گلستان رحمت ا ور گل رحمت وغیرہ سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے اُن میں بیان کیا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں نے بادشاہ کی چڑھائی کا حال سنکر چاہا کہ آنولے کو چھوڑ دیں اور المولڑے کو چلے جائیں اور وہاں سے وزیر الممالک کی معرفت عفو قصور کرائیں اس عرصے میں قائم خاں کے خطوط پہونچے کہ آپ ہرگز دوسری جانب نہ جائیں آنولے ہی میں رہیں میں بادشاہ سے آپ کا قصور معاف کرادونگا بقول مؤلف اخبار حسن قمرالدین خاں وزیر کا بھی خط تسلی آمیز پہونچا جسکی وجہ سے نواب سید علی محمد خاں نے المولڑے کا ارادہ فسخ کیا۔

بن گڑھ جنگل سے گھرا ہوا تھا مگر جنگل بہت گھنا نہ تھا جو ستا بہی

فوج کے جُھرمٹون کو روکتا۔

نواب سیّد علی محمد خان نے ایک عرضی بھی بادشاہ کو اپنی تقصیرات کی معافی کے واسطے نواب قائم خان کی معرفت بھیجی جو مقام شہباز پور مین ۹ ربیع الاول کو وزیر الممالک کے ذریعہ سے بادشاہ کے حضور مین پیش ہوئی مگر اُسپر کوئی التفات نہوا اسی مقام پر لالہ جیبن سکھ نے اندرام سے بیان کیا کہ سنا گیا ہے کہ بادشاہ نے ایک دن کمان اُٹھا کر بن گڑھ کی طرف چلّہ کھینچ کر کہا مارا ہے عمدۃ الملک نے جواب دیا کہ موے کون مارا ہے۔ یہ عمدۃ الملک زنانہ اطوار رکھتا تھا۔

جب ۱۷ ربیع الاول کو شہباز پور سے بادشاہ کا کوچ آگے کو ہوا تو ایک مقام پر ۱۹ ربیع الاول کو مخبرون نے بادشاہ کو خبر دی کہ نواب سیّد علی محمد خان نے اپنی سپاہ کو گولی بارود اور ڈیڑھ ہزار بکتر تقسیم کیے ہین اور حسن پور سے بادشاہ آگے بڑھے تو ۲۲ تاریخ کو ہرکارون نے خبر دی کہ نواب سیّد علی محمد خان نے اپنے مال اور اہل وعیال کو شجاعت خان جماعہ دار نواب قائم خان بنگش کے ہمراہ مؤ کو بھیجدیا ہے۔ بادشاہ کی آمد کے تہلکہ سے نواب سیّد علی محمد خان کے بہت سے سپاہی اُنکا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ روہیلکھنڈ کے علما اور فضلا نے فتویٰ دیدیا کہ جو کوئی بادشاہ سے مقابلہ کرے اُسکو دین ودنیا دونون مین خسارہ اور بدنامی ہے اِس بات کے مشہور ہونے سے نواب کے تمام ہندوستانی نوکر بلکہ جو روہیلے کسی قدر علم شناس تھے وہ بھی ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہوگئے کیونکہ اس

عہد میں فتووں کو مہمات حلائق میں ٹری ٹری تاثیریں تھیں۔ جاہل اور بے علم آدمی خاص افغانستان کے پہاڑی باشندے نواب کے ساتھ ہوگئے جن لوگوں کو مال وزر اور اولاد کی محبت نہ تھی انھوں نے نواب کا ساتھ دیا انکی تعداد جلد دوم تنقیح الاخبار میں بارہ ہزار کے قریب بتائی ہے۔ نواب قائم خاں بنگش بھی مع اپنی فوج کے بادشاہ کے شریک ہوے اور پہلی ربیع الاول کو سنبھل سے بادشاہی فوج آگے بڑھی تو قائم خاں بادشاہ کے لشکر میں مع اپنی فوج کے شامل ہوے۔ ۵ ربیع الثانی کو عمدۃ الملک اور قائم جنگ وزیر الممالک کے ڈیرے میں گئے اور مشورہ کیا کہ نواب سید علی محمد خاں کے معتمدوں کو طلب کر کے انکا مافی الضمیر معلوم کرنا چاہیے اگر اصلاح ممکن ہو تو بہتر ہے۔ نواب وزیر کا ایک جماعہ دار جاقل بیگ نامی اور ایک جماعہ دار قائم جنگ کا نواب سید علی محمد خاں کے معتمدوں کو لینے کے لیے آئے۔ ۸ ربیع الثانی کو پایندہ خاں اور فتح خاں اور شاہ معصوم نواب سید علی محمد خاں کی طرف سے یہ تینوں معتمد صلح کی بات چیت کرنے کے لیے بادشاہ کے لشکر میں گئے۔ ۹ ربیع الثانی کو عمدۃ الملک اور قائم جنگ نے وزیر الممالک کے ڈیرے میں ان معتمدوں سے ملاقات کی۔ امرائے معتمدوں سے کہا کہ بادشاہ کی یہ مرضی ہے کہ نواب سید علی محمد خاں ایک کروڑ روپیہ اور سارا توپخانہ حضور میں پیش کریں اور علاقے سے دست بردار ہو کر ہمارے ساتھ چلیں۔ مگر ان معتمدوں نے یہ بات قبول نہ کی۔ وزیر الممالک نے ان معتمدوں کو مخاطب کر کے

کہا کہ معلوم ہوا کہ اجل نے اُس بخت برگشتہ کا گریبان جان پکڑ لیا ہے اُسے وہ کچھ دنون اور زندہ رہنے کو نہین چھوڑتی" اور یہ کلمات کہکر رخصت کر دیا۔

۱۰ ربیع الثانی کو ان امرائے معتمدون کا جواب بادشاہ سے عرض کیا بادشاہ نے فرمایا کہ ہمنے یہ تجویز اسلیے کی تھی کہ مسلمانون کا خون ہمارے ہاتھ سے نہ بٹے ہماری طرف سے حجت پوری ہوگئی اگر سیّد علی محمد خان خواب غفلت سے بیدار نہین ہوتا اور اُسکی موت سر پر کھیل رہی ہے تو پھر واجب ہے کہ اُسکا استیصال کرین۔ ۱۸ ربیع الثانی کو شاہی فوج نے بسولی کو جو دوندے خان کی جاگیر مین تھی لوٹ لیا۔ ۲۳ ربیع الثانی کو بادشاہی ٹڈی دل لشکر بڑے گھمنڈ اور دھوم دھام سے جرأت کے قدم مارتا بن گرھ سے چار پانچ کوس کے فاصلے پر جا پہونچا سہپر کے وقت نواب سیّد علی محمد خان کی فوج بڑی آن بان سے شاہی فوج پر حملہ کرنے کے لیے قلعہ سے نکلی اور آگے بڑھی۔ عمدۃ الملک امیر خان اور صفدر جنگ میر آتش (افسر توپخانہ) اور نواب وزیر الممالک مقابلے کو روانہ ہوے اور گولہ اندازی شروع کرائی نواب سید علی محمد خان کی فوج پسپا ہو کر چلی گئی۔ شام کو شاہی فوج بھی لوٹ گئی۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ کل صبح کو قلعہ بن گرھ پر یورش ہو مگر ۲۴ ربیع الثانی کو ۲۳ تاریخ کی ماندگی کی وجہ سے کوئی حملہ نہوا آدھی رات کے وقت نواب سید علی محمد خان کی فوج نے شب خون مارا اور بادشاہی لشکر پر بان مارنا شروع کئے بادشاہی فوج بھی بان اور توپ اور رہکلہ سے جواب دیتی رہی چار گھڑی رات باقی ہوگی کہ روہیلے بن گرھ کو لوٹ گئے۔

۲۵ ربیع الثانی کو افسران شاہی نے حملے کی تیاری کی مگر دھوپ تیز تھی امرا نصف کوس چل کر اپنے اپنے خیموں اور خس کی رتھوں میں ٹھہر گئے اور کھانا تناول کرنے لگے جو پہلے سے ہمراہ تھا گرمی کا موسم آگ برسا رہا تھا لو چل رہی تھی زمین و آسمان تنور کی طرح بھڑک رہے تھے خیمے سر میں پانی ہو گئے شاہی سپاہ کو سخت تکلیف ہوئی خاص کر وہ لوگ بیدم ہو گئے جو زرہ بکتر سے آراستہ تھے آج روہیلے مقابلے کو باہر نہ نکلے امرا نے تبرداروں کو حکم دیا کہ سگرٹھ کے آس پاس کے جنگل کو صاف کریں۔ چار گھڑی دن باقی رہے یہ تمام امرا و سپاہ بادشاہی فرودگاہ کو واپس ہوئے۔ ۲۶ ربیع الثانی کو بادشاہی سپاہ کی طرف سے کوئی حملہ اس وجہ سے ہوا کہ کل کی ماندگی سے یہ حالت تھی اور آج لشکر شاہی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ نواب سید علی محمد خاں مدرسۂ ملکہ ربانی کے حاضر ہوا چاہتے ہیں پھر یہ مشہور ہوا کہ ابوالمنصور خاں میر آتش کا جماعہ دار نواب سید علی محمد خاں کے لانے کے لیے گیا ہے مگر کوئی بات صحیح نہ تھی۔ فوج شاہی پر نواب سید علی محمد خاں کا رعب غالب تھا یہاں تک کہ جب یہ معلوم ہوا کہ نول رائے جو ابوالمنصور خاں کی طرف سے صوبۂ اودھ پر نائب تھا شاہی لشکر میں آنے والا ہے تو ابوالمنصور خاں وغیرہ اسکی کمک اور لانے کے لیے گئے۔ ۲۷ ربیع الثانی کو امرائے شاہی آہنی حوضوں میں سوار ہو کر سگرٹھ کی طرف بڑھے اور تھوڑی سی مسافت طے کر کے ایک ہموار میدان میں مورچے تیار کرائے دمدموں پر توپیں چڑھوا دیں اور سگرٹھ کی طرف گولہ باری شروع کرائی۔ نواب سید علی محمد خاں

اپنی گڑھی کو سنبھالے بیٹھے تھے اور بادشاہی فوج کے حملون کا جواب دندان شکن دیتے تھے۔ بادشاہی فوج مین نہ کوئی صاحب ہمت تھا نہ فنون جنگ سے واقفت تاکہ خاک تودے بناتے اور اُسکی اوٹ مین مورچے بڑھاتے جاتے اور رفتہ رفتہ نواب کے قلعہ کے پاس پہونچ جاتے یون ہی دور سے بیکار گولے برساتے تھے جنسے نواب کے لشکر کو ذرا بھی صدمہ نہین پہونچتا تھا۔

انند رام مخلص نے واسوخت نثر مین اس مضمون کا لکھا ہے کہ یہ معلوم نہین ہوتا کہ عمدہاے[۱۵] خلافت اور برگزیدہاے دولت کے کیا مدنظر ہے۔ ۱۱۵۱ھ ہجری مین اُنکی ان ہی بودی تدبیرون کی وجہ سے قزلباش ہندوستان پر مسلط ہو گئے اور اُسے تباہ کر دیا۔ نواب سید علی محمد خان ایک چھوٹے سے تعلقہ دار ہین بادشاہ نے اُنپر بہ نفس نفیس چڑھائی کی اور اُنکے قیامگاہ سے تین کوس کے فاصلے پر پہونچ گئے مگر وہ ابتک مطیع نہ ہو سکے امراے شاہی ہر روز حملے کے لیے سوار ہوتے ہین اور کچھ دور جا کر لوٹ آتے ہین اور اسیقدر پر ان سردارون نے کفایت نہین کی بلکہ ایک یہ قیامت کی بات کی ہے کہ بادشاہ کو بعض امراے بے سروپا اور تھوڑے سے خواص اور چند خواجہ سرا کے ساتھ تنہا چھوڑ کر خود آگے بڑھکر ڈیرے کر دیے ہین۔ میر آتش کا یہ حال ہے کہ وہ توپخانے کا افسر ہے مگر سب سے زیادہ کاہل مزاج اور بے پروا ہے۔

مآثر الامرا مین لکھا ہے کہ وزیر کے متصدی ہرنند کو نواب سید علی محمد خان نے غارت کر دیا تھا مگر پھر بھی وزیر برخلاف عمدۃ الملک اور صفدر جنگ کے

---

[۱۵] عمدہ بمعنی سردار ۱۲

نواب سید علی محمد خاں کی طرفداری کرتے تھے۔ سیر المتاخرین کا مؤلف بھی کہتا ہے کہ وزیر صفدر جنگ اور عمدۃ الملک کے ساتھ نفاق رکھتے تھے اسلیے نواب سید علی محمد خاں کے دربردہ طرفدار تھے۔ ان دونوں امیروں نے بھی اس روہیلے کی مہم کو وزیر کے سپرد کرکے آپ ڈھیل ڈالدی تھی۔

بعض آدمیوں کا قول ہے کہ بادشاہ کو نواب سید علی محمد خاں کے مغلوب کرنے میں جب بہت دقت واقع ہوئی تو اُنھوں نے علما کو حکم دیا کہ اس مضمون کا خطبہ یاں کریں کہ جو اپنے بادشاہ سے لڑتا ہے اور بغاوت کرتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور اس تدبیر سے نواب سید علی محمد خاں کو کمزور اور مطیع کرنا اور اُنکی جماعت کو گھٹانا چاہا۔

۲۹ ربیع الثانی کو عمدۃ الملک وغیرہ جنگ کے لیے مورچوں سے سوار ہوئے اور ایک کوس آگے بڑھکر توپخانہ قائم کیا۔ سگڑھ کے گرد چار کچی گڑھیاں تھیں شاہی فوج نے ایمیں سے دو کچی گڑھیوں پر جوب گولہ باری کی نواب سیّد علی محمد خاں کی طرف سے بھی توپ اور رہکلہ اور باں سے جوابدہی شروع ہوئی وزیر الممالک کے ہاتھی کے سامنے ایک گولہ نواب سید علی محمد خاں کے توپخانے سے گرا تھا وہ گولہ وزیر نے بادشاہ کے ملاحظے کے لیے کھیجا تولنے سے پانچ سیر وزن نکلا۔ ہر ایک بادشاہی امیر کا علیحدہ علیحدہ مورچہ تھا سب سے آگے بڑھا ہوا عمدۃ الملک کا مورچہ تھا۔ تمام امرائے بادشاہی اپنے اپنے خیموں میں جو مورچوں کے پیچھے استادہ تھے داخل ہوتے تھے بادشاہ کے خاص ڈیرے مورچوں سے اڑھائی کوس پیچھے تھے۔

نواب سید علی محمد خان کی فوج نے پائندہ خان کی ماتحتی مین آدھی رات کے وقت شاہی مورچون پر شبخون مارا اُدھر سے توپخانون سے جواب دیا گیا تو واپس چلی گئی۔ بنگڑھ کے گرد اس قدر گنجان بانس بوئے ہوے تھے کہ کسی صورت سے گولہ اُنکے پار نہ جاسکتا تھا ہان بڑے بڑے گولے شاہی توپخانے کے بنگڑھ مین پہونچتے تھے اور طول محاصرے سے گھوڑون وغیرہ کے گھاس چارے کی تکلیف ہونے لگی تھی گولے برستے تھے باہر سے کوئی چیز آنہ سکتی تھی روہیلون نے تنگ ہوکر نواب سید علی محمد خان کو صلاح دی کہ صلح کرلینی چاہیے اور یہ کہانی سنانے لگے کہ جو کوئی اپنے سلطان سے جنگ کرتا ہے اُسپر اُسکی عورت حرام ہوجاتی ہے۔

نواب امیر خان والی ٹونک کے دادا طالع خان بھی بنگڑھ مین نواب سید علی محمد خان کے ساتھ تھے امیرنامہ مین لکھا ہے کہ جب محصورین رسد کے ختم ہوجانے کی وجہ سے ناچار و بیکار ہوے تب دلاوری و مردانگی کے ساتھ طالع خان وہان سے نکلے افسر لشکر شاہی اُنکی جرأت و دلاوری دیکھ کر کمال خوش ہوا لوگون کو اُنکے قتل سے منع کیا اور اُنکو پیام دیا کہ تم ہمارے ساتھ چل کر بادشاہی نوکری کرلو لیکن طالع خان نے بنظر رفاقت قدیم نواب سید علی محمد خان بہادر کے وہ بات قبول نہ کی اور گھر چلے آئے۔ مگر اس قول مین یہ بات صحیح نہین معلوم ہوتی کہ بنگڑھ مین رسد کی کمی ہوگئی تھی۔ نواب سید علی محمد خان نے اتنی کثیر رسد جمع کی تھی کہ اُسکی کبھی کمی نہین ہوئی بلکہ جب بادشاہ نے بنگڑھ پر قبضہ کیا تو کھانے کا بہت سا سامان بھی شاہی افسرون کے ہاتھ لگا یہ بیان

اسدرام مخلص کا ہے جو اس معرکے میں موجود تھا بعض تاریخوں میں گھاس چارے کی کمی واقع ہونے کا ذکر آیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طلع خاں بھی اور لوگوں کی طرح شاہی فوج کے خوف سے نواب سید علی محمد خاں کی رفاقت سے طرح دے گئے ہونگے مگر نواب صاحب کے خاص خاص سوار اور رفیق ایسے وقت میں بھی اُنکے شریک رہے وہی لوگ اُنکے پاس سے چلے گئے تھے جنکو زیادہ تقرب حاصل رہتا۔

محاصرے سے تنگ ہوکر یکم جمادی الاولی کو نواب سید علی محمد خان نے قائم جنگ کی معرفت بادشاہ کی خدمت میں اطاعت اور عفو قصور کی درخواست کی اور بادشاہ کے بعض شرائط کی بجا آوری پر راضی ہوئے اور کہا کہ اپنی مقدرت کے موافق زر نقد بھی نذر کرونگا وزیر الممالک نے ایک عرضی اس مضمون کی مورچوں سے بادشاہ کے حضور میں روانہ کی بادشاہ کا آئین ہمیشہ صلح پر تھا رضامند ہو گئے امرا پہلے ہی جانوں سے تنگ اور جلیے سے بیزار ہو رہے تھے اُنکی مراد بر آئی سب نے اتفاق رائے کیا لڑائی کے طول اور موسم کی سختی کی وجہ سے لشکر بادشاہی خود تنگ ہو رہا تھا بادشاہ نے وزیر الممالک کو اختیار دیا کہ جو تمھاری رائے ہے اُسکے مطابق کارروائی کرو دوسرے دن سوال و جواب ہوکر صلح قرار پائی اور طرفین سے گولہ اندازی موقوف ہوئی۔

۳ جمادی الاولی روز جمعہ کو نواب سید علی محمد خاں نے نواب عمدۃ الملک مدار المہام کو کہلا بھیجا کہ جسکہ یہ فدوی دربار شاہی میں حاضر ہوگا تو اس بات کا

احتمال ہے کہ بادشاہی لشکری میرے قلعہ مین داخل ہوکر جو کچھ یہان مال و اسباب ہے لوٹ لینگے اسلیے کوئی معتمد یہان کی حفاظت کے لیے بھیجدینا چاہیے عمدۃ الملک نے جالش خان کو اس خدمت پر متعین کیا۔ جالش خان نے بنگرھ مین پہونچکر قلعہ کے برجون پر شاہی علم نصب کردیے۔

تنقیح الاخبار کی جلد دوم مین آشکی آلہی دہلوی نے کہا ہے کہ شیخ آلہ یار بلگرامی کا بیان ہے کہ مین نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ جس وقت نواب سید علی محمد خان بادشاہ کی خدمت مین حاضر ہونے کو بن گڑھ سے آنے تھے تو چہرے پر مطلق ملال نہ تھا۔ بنگڑھ کے دروازے پر ایک خیمہ کھڑا تھا نواب صاحب اُسمین سے نکلکر ہاتھی پر سوار ہوے جس پر نقرئی حوضہ تھا اور تین چار ہزار سوار اور اسی قدر پیادون کے ساتھ بادشاہ کی قدمبوسی کے ارادے سے روانہ ہوے دو بیٹے عبداللہ خان اور فیض اللہ خان کہ ابھی لبون پر سبزہ آغاز نہ ہوا تھا ہمراہ تھے اور ایک بیٹا متبنّٰی بھی جو راجہ کمایون کے خاندان سے تھا ہمراہ تھا اور پایندہ خان اور دوندے خان اور فتح خان بھی ہمراہ تھے۔ اس عرصے مین آندھی چلنے لگی پھر کچھ بوندا باندی ہوئی نواب سید علی محمد خان کی سواری آہستہ آہستہ چلکر قائم خان کے ڈیرے کے پاس پہونچی وہان تھوڑی دیر قیام کیا اور اپنی گردآلود اور بھیگی ہوئی پوشاک بدلی (جیسا کہ انند رام نے بن گڑھ کے سفرنامے مین کہا ہے)۔

یہان ایک بات جان لینے کے قابل ہے کہ تاریخ فرخ آباد مین آروِن صاحب نے لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان صفدر جنگ کے ذریعہ سے

حضورِ سلطانی میں حاضر ہونا چاہتے تھے اور نواب صفدر جنگ کے دیوان نول رائے کے توسل سے معاملہ عہد و پیماں شروع ہوا تھا قائم خاں کی فوج صفدر جنگ کے داہنے ہاتھ کی طرف تھی۔ ایک دن نواب سید علی محمد خان بارہ ہزار زرہ پوش پٹھانوں کی ہمراہی میں صفدر جنگ کے پاس جاتے تھے جب اُن کی نظر قائم خاں کے خیمے پر پڑی تو پوچھا کہ یہ خیمہ کس کا ہے جواب ملا کہ قائم خاں کا تب اُن کے خاص خاص سرداروں نے کہا کہ کیا ضرور ہے معاملہ صلح کا انحصار ایک مغل ادنا کے دیوان نول رائے پر رکھا جائے یہاں آپ کے ہم قوم نواب قائم خاں موجود ہیں اُن سے سفارش کے واسطے درخواست کیجیے نواب صاحب نے اس بات کو قبول کیا اور قائم خاں کے پاس گئے قائم خاں اُن سے نہایت تپاک سے ملے جب نواب صفدر جنگ نے جو منتظر تھے یہ مضمون سنا تو نہایت برہم ہوئے اور تمام عمر نواب قائم خاں سے بغض رکھا نواب قائم خاں نواب سید علی محمد خاں کے ہاتھ رومال سے باندھ کر بادشاہ کے حضور میں لے گئے یہ بیان اسد رام کے بیان کے سامنے جس سے ہم نے اقتباس کیا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا ورنہ یہ قیاس میں آتا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں پہلے سے بحث وغیرہ ہو جانے کے بغیر یوں ہی قائم خان کے ڈیرے میں چلے جاتے خلاصہ کلام یہ ہے کہ نواب سید علی محمد خاں نے اپنی فوج کو نواب قائم خاں کے کیمپ میں چھوڑا اور دو تین سو سواروں کے ساتھ نواب وزیر الممالک کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے وزیر الممالک کے حکم سے احمد زماں خاں بہادر طالب جنگ اور محمد عطا خاں نے استقبال کیا۔ اور

اول انتظام الدولہ بہادر پسر قمرالدین خان بہادر کے خیمے مین لیگئے جنکا خیمہ بطور ہراول کے وزیرالممالک کے مورچے مین تھا نواب سید علی محمد خان نے اکیس اشرفیان انگوٹھیں کرکے ملاقات کی پھر وزیرالممالک سے مُلاقات ہوئی اور اُن کو ایک سو ایک اشرفیان نذر مین گذرانین وزیر نے نواب کو توقیر کے ساتھ بٹھایا۔ اور اُن کے بیٹون کو میوہ عطا کیا۔

انندرام مخلص لکھتا ہے کہ نواب سید علی محمد خان کی فوج کا عجیب رسم ہے کہ کوئی سوار و پیادہ بے بندوق کے نہین اب اُسکی زبان سے الفاظ سُنو سواری کی کیا خوب عبارت مین تصویر کھینچی ہے "فوج او عجب رسمی دارد ہیچ سوار و پیادہ بے بندوق نیست و ہر یکی از دہ باشی وصد باشی پیادہ نشان کوچکی برنگ مختلف دارد واین باہم پیش روے سواری در جلوی باشد گوئی گلشنی ست کہ ہمراہ میرود" دربار اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ دہ باشی ایک عہدہ ہے جسے دس سپاہی رکھنے ہوتے تھے تو صد باشی کو سو رکھنے ہوتے ہونگے۔

سہ پہر کے وقت وزیرالممالک نواب سید علی محمد خان کو اپنے ہمراہ لے کر مورچون سے سوار ہوے آج کے دن بادشاہ نے بڑی تیاری کرائی تھی گلال باڑی کو خوب سجایا تھا چھوٹی چھوٹی جھنڈیان سرخ دارائی کی بنی ہوئین جابجا نصب کی تھین توپخانے کو گلال باڑی سے دیوان خاص کے پردے تک دورویہ کھڑا کیا تھا اور اُسپر بھی سرخ رنگ کی جھنڈیان لگائی تھین وزیرالممالک پہونچے تو بادشاہ زنانے مین سے نکلے۔ دیوان خاص مین ایک مسند زرین بچھی ہوئی تھی اُسپر جلوس فرمایا اور فتح کا نقارہ بجنے لگا اول امرانے نذرین گذرانین بعد اُسکے

بادشاہ نے نواب سید علی محمد خاں کی حاضری کا حکم دیا تو انتظام الدولہ نے اور نواب سید علی محمد خاں کے دونوں ہاتھ رومال سے باندھکر حضور میں لیگئے بادشاہ نے فرمایا کہ انکو آزاد اور انکی تقصیرات کو معاف کیا انکے ہاتھ کھولدیا جانا ہے نواب سید علی محمد خاں آداب بجالائے اور ہزار اشرفیاں نذر گذرانیں جو منظور ہوئیں نواب سید علی محمد خاں کو رخصت کردیا اور حکم دیا کہ بالفعل قائم جنگ کے پاس رہیں ۱۴ جمادی الاولی کو وزیر الممالک نے بادشاہ سے عرض کیا کہ برسات کا موسم قریب ہے کیونکہ جیٹھ کا مہینہ ختم ہونے والا ہے حضور کے ہمراہ اسباب زیادہ ہے برسات شروع ہو گئی تو دریائے گنگا اور جمنا کو عبور کرنا مشکل ہوگا اسلیے انسب ہے کہ یہاں سے واپسی کا حکم ہوجائے چنانچہ پانچ جمادی الاولی یکشنبہ کو چھ گھڑی دن چڑھے بادشاہ نے کوچ کردیا تمام لشکر کے پیچھے عمدۃ الملک تھے اور اُن کے ساتھ قائم جنگ۔

نواب سید علی محمد خاں کے تمام علاقے پر فریدالدین خاں کو حاکم مقرر کیا یہ شخص نواب عظمت اللہ خاں کا بیٹا تھا جیسا کہ اسد رام نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے اور سیر المتاخرین سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت فریدالدین خاں زندہ نہ تھے لیکن یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ جام جہاں نما میں بیان کیا ہے کہ ۱۱۷۰ھ میں فریدالدین خاں پسر عظمت اللہ خاں معین الدین خاں عرف میر منو کی طرف سے احمد شاہ درانی کے مقابلے میں مارے گئے تاریخ روہیلکھنڈ میں لکھا ہے کہ بدرالاسلام خاں کو بھی جنکی تعمیر کرائی ہوئی ایک مسجد آصف الدولہ کی مسجد کے متصل بریلی کے بازار میں موجود ہے روہیلکھنڈ میں فریدالدین خاں کے ساتھ مامور کیا گیا

بعض مورخ کہتے ہین کہ بدرالاسلام خان بھی نواب عظمت اللہ خان کے بیٹے اور
فریدالدین خان کے بھائی تھے یہ عظمت اللہ خان سابق مین مرادآباد کے گورنر تھے
۶ جمادی الاولیٰ کو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہزار تبردار اور ہزار بیلدار فریدالدین خان
کے ہمراہ کرکے بنگڑھ کو منہدم کرادینا چاہیے اور سعدالدین خان کو حکم ہوا کہ جو
کچھ توپ ورہکلہ اور گولہ بارود وہان ہو وہ سرکار مین ضبط کرلے اور جو کچھ غلہ اور
روغن وغیرہ وہان موجود ہے وہ لشکر کے بنجارون کو دے کر زر خزانے مین داخل
کرے اور نواب سید علی محمد خان سو سوار اور سو پیادون کے ساتھ عمدۃ الملک
کے ہمراہ رہین۔
سلخ[1] جمادی الاولیٰ ۱۱۵۸ہجری کو بادشاہ دہلی مین پہونچ گئے سیرالمتاخرین
مین لکھا ہے کہ بادشاہ نے نواب سید علی محمد خان کو وزیر کے سپرد کردیا بنگڑھ مین
غلہ کثرت سے ملا اور توپ ورہکلے تھے زر نقد نہین نکلا مگر تھوڑا سا زر نقد نواب
قائم خان کے پاس انکا امانت تھا وہ ظاہر ہوکر خزانۂ بادشاہی مین داخل ہوا۔
نواب سید علی محمد خان کے روہیلکھنڈ سے بے دخل ہونے کے بعد اس ملک مین
جس قدر جس امیر کی جاگیر تھی وہ اُسپر بحال ہوگئی اور ہر ایک اپنے اختیار سے انتظام کرنے لگا۔
بریلی وغیرہ کا علاقہ آصف جاہ کی جاگیر مین تھا گو نواب سید علی محمد خان
یہان سے چلے گئے تھے مگر پھر بھی روہیلے اِس ملک مین اس کثرت سے موجود تھے
کہ اُن کے تغلب کی وجہ سے اس علاقے کا انتظام فیروز جنگ بن آصف جاہ
سے خاطر خواہ نہین ہوسکتا تھا ہزارون پٹھان پھیلے ہوے تھے اور جاگیردار

[1] روزی کہ در شام آن ہلال دیدہ شود ۱۲

ہو رہے تھے ہدایت علی خاں کو جو مؤلف سیر المتاخرین کا باپ ہے بیر ورجنگ نے بریلی اور اُسکے اطراف کی حکومت پر مقرر کیا تھا سردار خاں ساکن بریلی مگل خاں ساکن تلہر دو دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ اور پیر احمد پیرزادہ افاغنہ کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے سترہ سو آدمیوں کے ساتھ اور قطب الدین محمد خاں برادر زادہ فریدالدین محمد خاں اِس عظمت اللہ خاں بھی ہدایت علی خاں کی رفاقت میں تھے۔

حافظ رحمت خاں نواب سید علی محمد خاں کی تمام اہل و عیال کے ساتھ قادر گنج میں رہے گئے عماد السعادت میں لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں نے حافظ صاحب کے پاس کئی ہزار اشرفیاں رکھدی تھیں جب یہ کسے ملے تو وہ اشرفیاں نواب صاحب کو واپس کیں مگر مؤلف عماد السعادت کی یہ ناواقفیت ہے جو اُسے لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں المورٹے کے راجہ کے پاس چلے گئے تھے بخشی سردار خاں بھی قادر گنج میں رہے۔ دوندے خاں گنگا کے اُس پار موضع قادر چوک میں رہے جو پرگنہ اُجھیانی ضلع بدایوں میں واقع ہے اور پائندہ خاں نے قائم خاں بنگش والی فرخ آباد کی نوکری کرلی[1]

ابوالمنصور خاں صفدر جنگ روہیلوں کی خرابی کے بہت درپئے تھے جانتے تھے کہ انمیں کا ایک شخص باقی نہ رہے اسلیئے کئی بار بادشاہ سے عرض کیا کہ حضور نواب سید علی محمد خاں کو میرے حوالے کردیں مگر وزیر اعظم اُنکے ہمیشہ آڑے آتے رہے اور صفدر جنگ کی کوئی بات نواب سید علی محمد خاں کے برخلاف

---

[1] دیکھو عجب العلوم ۱۲

بادشاہ کے حضور مین نہ چلنے دی بادشاہ نے نواب سید علی محمد خان کو وزیر کے سپرد کر دیا تھا وزیر نے اُنپر پوری مہربانی رکھی اور اپنے چار باغ مین کہ محلہ جے سنگھ پورہ مین واقع تھا ٹھہرایا اور روہیلون کو ایک اشتہار دیا گیا کہ گنگا کو عبور کرین نہ دلی کو جائین۔

نواب سیّد علی محمد خان کا سرہند کی چکلہ داری پر مامور ہونا اور پنجاب کے سرکش راجون کو گوشمالی دے کر مطیع کرنا

نواب سید علی محمد خان کا گھوڑا ہوائے اقبال مین اُڑا جاتا تھا کہ محمد شاہ کی چڑھائی مین نحوست کی ٹھوکر لگی مگر جلدی سنبھل گیا چنانچہ روہیلکھنڈ گزیٹیر مین بیان کیا ہے کہ نواب ممدوح پانچ مہینے تک دلی مین رہے اور منتخب العلوم مین کہا ہے کہ برسات کے چار مہینے دلی مین رہے تھے کہ برسات کے بعد سرہند کی چکلہ داری پر بھیجے گئے اور فرح بخش مین لکھا ہے کہ اڑھائی برس تک نواب سید علی محمد خان شاہ جہان آباد مین مقیم رہے اور بہت زیر بار ہوگئے تمام گھاٹون اور سڑکون پر سلطنت کی طرف سے حکم تھا کہ کوئی روہیلہ دلی کی طرف نہ جانے پائے اس تاکید پر بھی روہیلے لباس بدل کر اور ہیئت تبدیل کر کے دریائے گنگا اور جمنا کو عبور کر کے دلی مین پہونچنے لگے اور اس طرح چار پانچ ہزار روہیلے چار باغ مین جمع ہوگئے اور وہ لوگ ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ یہان کشت و خون کر کے نواب کو دلی سے آنولے کو نکال لیجائین نواب ہمیشہ روہیلون کو سمجھاتے اور روکتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی پر سختی نہ کرنی چاہیے چونکہ غربا آزاری

ہو رہے تھے ہدایت علی خاں کو جو مؤلف سیر المتاخرین کا باپ ہے پیروجنگ نے
بریلی اور اس کے اطراف کی حکومت پر مقرر کیا تھا سردار خاں ساکن بریلی منگل خاں
ساکن تلہر دو دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ اور پیر احمد پیرزادہ اعاعسہ کہ
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے سترہ سو آدمیوں کے ساتھ
اور قطب الدین محمد خاں برادر زادہ فرید الدین محمد خاں اور عظمت اللہ خاں بھی
ہدایت علی خاں کی رفاقت میں تھے۔

حافظ رحمت خاں نواب سید علی محمد خاں کی تمام اہل و عیال کے ساتھ قادرگنج
میں رہے گئے عماد السعادت میں لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں نے حافظ صاحب
کے پاس کئی ہزار اشرفیاں رکھ دی تھیں جب آپ سے ملے تو وہ اشرفیاں
نواب صاحب کو واپس کیں مگر مؤلف عماد السعادت کی یہ ناواقفیت ہے جو اس نے
لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں المورے کے راجہ کے پاس چلے گئے تھے تحقیق
سردار خاں بھی قادرگنج میں رہے۔ دوندے خاں گنگا کے اس پار موضع قادرچوک
میں رہے جو پرگنہ اجھیانی ضلع بدایوں میں واقع ہے اور پائندہ خاں نے قائم خاں
بنگش والی فرخ آباد کی نوکری کر لی ہے [1]

ابوالمنصور خاں صفدر جنگ روہیلوں کی خرابی کے بہت درپے تھے
چاہتے تھے کہ انہیں کا ایک متنفس باقی نہ رہے اسلیئے کئی بار بادشاہ سے عرض کیا کہ
حضور نواب سید علی محمد خاں کو میرے حوالے کر دیں مگر وزیر اعظم اسکے ہمیشہ آڑے
آتے رہے اور صفدر جنگ کی کوئی بات نواب سید علی محمد خاں کے برخلاف

---

[1] دیکھو حسب العالم ۱۲

بادشاہ کے حضور مین نہ چلنے دی بادشاہ نے نواب سیّد علی محمد خان کو وزیر کے سپرد کر دیا تھا وزیر نے اُنپر پوری مہربانی رکھی اور اپنے چار باغ مین کہ محلہ جے سنگھ پورہ مین واقع تھا ٹھہرایا روہیلون کو ایک اشتہار دیا گیا کہ نہ گنگا کو عبور کرین نہ دلی کو جائین۔

نواب سیّد علی محمد خان کا سرہند کی چکلہ داری پر مامور ہونا اور پنجاب کے سرکش راجون کو گوشمالی دے کر مطیع کرنا

نواب سیّد علی محمد خان کا گھوڑا ہوا ے اقبال مین اُڑا جاتا تھا کہ محمد شاہ کی چڑھائی مین نحوست کی ٹھوکر لگی مگر جلدی سنبھل گیا چنانچہ روہیلکھنڈ گزیٹیر مین بیان کیا ہے کہ نواب ممدوح پانچ مہینے تک دلی مین رہے اور منتخب العلوم مین کہا ہے کہ برسات کے چار مہینے دلی مین رہے تھے کہ برسات کے بعد سرہند کی چکلہ داری پر بھیجے گئے اور فرح بخش مین لکھا ہے کہ اڑھائی برس تک نواب سیّد علی محمد خان شاہ جہان آباد مین مقیم رہے اور بہت زیر بار ہو گئے تمام گھاٹون اور سڑکون پر سلطنت کی طرف سے حکم تھا کہ کوئی روہیلہ دلی کی طرف نہ جانے پائے مگر اس تاکید پر بھی روہیلے لباس بدل کر اور ہیئت تبدیل کر کے دریاے گنگا اور جمنا کو عبور کر کے دلّی مین اپہونچنے لگے اور اس طرح چار پانچ ہزار روہیلے چار باغ مین جمع ہو گئے اور وہ لوگ ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ یہان کشت و خون کر کے نواب کو دلی سے آلوٹے کو نکال لیجائین نواب ہمیشہ روہیلون کو سمجھاتے اور دھمکاتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی پر سختی نہ کرنی چاہیے چونکہ غربا آزاری

اور عالمگیری کا مادہ انکی جبلت میں بھرا ہوا تھا ایسی ناشایستہ حرکات سے باز نہیں رہتے تھے اور ہر ایک جگہ فساد پیدا کرتے اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کو روہیلوں کی امن اور عدم آزاری کا حال معلوم ہوا انکو ہمیشہ نواب سید علی محمد خاں کے حال پر مہربانی کی نظر تھی اُن کی بہبود اور ترقی چاہتے تھے اسلیے روہیلوں کی لغو حرکات کا حال ایک دلچسپ تقریر میں بادشاہ سے عرض کیا اور برخلاف مرضی صفدر جنگ کے ملک سرہند کی چکلہ داری جو پانچ ہزار سواروں کی تنخواہ میں تھا نواب سید علی محمد خاں کو دلادی۔ سرہند میں وہاں کے رئیسوں نے ایسا سکہ بٹھایا تھا کہ کوئی امیر اُدھر جانیکا حوصلہ نہیں کرتا تھا نواب وزیر نے اُدھر کی مُہم کی ذمہ داری نواب سید علی محمد خاں پر ڈالی چنانچہ انھوں نے وہاں جاکر ایسے ایسے کارنامے کئے کہ رستم کا نام پھر زندہ کر دیا ال حامی کے عوض میں نواب سید علی محمد خاں نے نقد پانچ ہزار[1] روپے قسط اول کے خزانہ میں داخل کئے نواب صاحب کے ساتھ عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں دو بیٹے تھے اور سعد اللہ خاں۔ محمد یار خاں۔ الہ یار خاں اور مرتضیٰ خاں یہ چار صاحبزادے صغر سنی کی وجہ سے متعلقات کے ہمراہ قائم جنگ کے ملک میں رہتے تھے نہ آنولے میں جیسا کہ انتخاب یادگار میں غلطی سے لکھدیا ہے۔

عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں اُن کے دونوں بیٹوں کو بادشاہ نے اول یعنی ضمانت میں دہلی میں رکھ لیا اعتماد الدولہ نے ان دونوں صاحبزادوں کو توشہ خانہ خاص میں ٹھہرایا اور اپنے دامن میں چھپایا نواب بموجب اقساط کے پانچ ہزار روپے داخل خزانہ کرتے رہتے تھے۔

---

[1] دیکھو فرح بخش و تاریخ مظفری ۱۲

بعض انگریزی تاریخون مین جو یہ لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان دہلی مین نظر بند رہے پانچ چھ مہینے کے بعد حافظ رحمت خان پانچ چھ ہزار روہیلون کو ہمراہ لیکر دلی پہونچے اور شاہی قلعہ کے سامنے کھڑے ہوکر نواب سید علی محمد خان کی رہائی کے خواستگار ہوے اُس وقت دلی مین واجبی فوج تھی بادشاہ روہیلون کا شور و غل سُنکر نواب سید علی محمد خان کی رہائی پر مجبور ہوے اور اُنکو سرہند کا گورنر مقرر کرکے قید سے رہا کیا۔ یہ بیان مبالغہ سے لکھا گیا ہے اور مبالغہ اوّل حافظ رحمت خان کی اولاد نے قلم بند کیا ہے وہین سے انگریزی مؤرخون نے مضمون اخذ کیا ہے اور اُسپر کچھ اپنی طرف سے حاشیہ چڑھایا ہے چنانچہ گُل رحمت مین لکھا ہے کہ وزیر الممالک نے چھ مہینے کے بعد محمد شاہ کے مزاج کو نواب سید علی محمد خان کی سرافرازی کی طرف مائل کیا جب نواب کو یہ حال معلوم ہوا تو حافظ رحمت خان کو لکھا اُنھون نے فوج کی بھرتی شروع کی مو۔ فرخ آباد۔ اور آنولہ کے پٹھانون سے سات ہزار فوج مرتب ہوگئی نواب سید علی محمد خان دہلی کو روانگی کے وقت ہنڈیان حافظ صاحب کے سپرد کر گئے تھے وہ اُنھون نے نقدی مین تبدیل کراکے اِس سپاہ کو روپیہ تقسیم کیا اور اِس جمعیت کو ہمراہ لے کر قادر گنج سے دہلی کو روانہ ہوے اور چار باغ مین چھاؤنی کی حافظ صاحب نے وزیر الممالک کے دربار مین آمد و رفت قائم کرکے نواب صاحب کی طرف سے اُنکے دل کو مطمئن کر دیا جس کا یہ اثر ہوا کہ حافظ صاحب کے جانے سے پانچ مہینے کے بعد وزیر الممالک نے بادشاہ کے یہان سے اُنکو سرہند کی صوبہ داری دلائی اور نواب صاحب کو بادشاہ نے اپنے دربار مین طلب کرکے خلعت اور فیل اور گھوڑا

اور بوت وساں عطا کیا مگر درج بحث میں اصل واقعہ کو اُسی طرح لکھا ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ روہیلے چھپ چھپ کر دلی پہونچے اور اُنکے رات دن رعایا کے ساتھ لڑائی جھگڑے رکھنے کی وجہ سے قمرالدین خاں وزیر نے بادشاہ سے سفارش کرکے نواب سید علی محمد خاں کو ٹھیکہ داری سرہند کی سند دلادی۔

منتخب العلوم میں مرقوم ہے کہ نواب سید علی محمد خاں سرہند کے ٹھیکہ دار مقرر ہوئے تو اُنھوں نے دو بدے خاں حافظ رحمت خاں۔ سردار خاں اور دوسروں کو طلب کیا اور بہت سی سپاہ بھرتی کرکے اور اپنے دونوں بیٹے اُول میں دے کر سرہند کی طرف روانہ ہوئے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں اُس وقت دہلی میں نہ آئے تھے۔

کتاب راجگان پنجاب مولفہ سرلیپل گریفن میں مذکور ہے کہ سنہ ۱۷۴۱ء میں نواب سید علی محمد خاں دہلی کی طرف سے سرہند کے حاکم تھے صاحب نے سنہ میں غلطی کی ہے اور تاریخ پٹیالہ میں خلیفہ محمد حسن صاحب نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۱۵۶ ہجری میں نواب سید علی محمد خاں بہادر حیر زمانہ محمد شاہ میں سرہند کے ٹھیکہ دار مقرر ہوئے تھے یہ بھی صحیح نہیں۔ اسلیے کہ سنہ ۱۱۵۸ ہجری میں تو اُنکو طلب کرنے کے لیے بادشاہ روہیلکھنڈ میں آئے تھے۔

بہر صورت نواب سید علی محمد خاں سرہند کے حاکم یا ٹھیکہ دار مقرر ہوکر آئے تو اول نواب نے یہ چاہا کہ بھارا مل والی راے پور پر چڑھائی کریں کیونکہ یہ ہمیشہ کا سرشور تھا اور حکومت کا دعویٰ رکھتا تھا گل رحمت میں لکھا ہے کہ اس موقع پر حافظ صاحب نے نواب کو یہ مشورہ دیا کہ وہ بذات خود اس مہم کشی میں شریک نہ ہوں

اور اس مہم کا بار اپنی ذات پر اُٹھالیا اور حافظ صاحب بُدّو خان اور دوندے خان
کے رسالون کو ساتھ لے کر جن مین تین ہزار پیادہ و سوار تھے روانہ ہوے جب
روہیلون کا لشکر راے پور کے قریب جا پہونچا تو حافظ صاحب نے بھار اہل کو
پیام دیا کہ اطاعت قبول کرے اُسکے پاس دس بارہ ہزار آدمیون کی جمعیت
تھی اسلیے راہ پر نہ آیا اور مقابلے کو تیار ہوا۔ حافظ صاحب نے جب یہ دیکھا
کہ مخالف اطاعت سے منحرف ہے تو اُنھون نے حملے کی تیاری کی اور اپنی
فوج کے چار ٹکڑے کر کے تین ٹکڑون کو حکم دیا کہ قصبہ راے پور پر تین جانب
سے حملہ کرین اور ایک ٹکڑا خاص اپنے ساتھ رکھا اور خود راے پور کے بڑے
دروازے کی طرف سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور یہ کہدیا کہ جسوقت خاص
میرے گروہ مین سے آسمان کی طرف بان سر ہو تو وہ تینون حصّے بھی فوراً حملہ
کردین جب یہ چارون گروہ قصبے کے اتنے قریب پہونچگئے کہ وہان سے اُسپر
بخوبی حملہ ہوسکتا تھا تو حافظ صاحب کی فوج مین سے ایک بان چھوٹا اور
اب لڑائی چارون طرف سے شروع ہوگئی۔ بھار اہل قلعہ سے نکلکر روہیلون
کی فوج کا مقابلہ کرنے لگا روہیلون نے اُسکو یہانتک دبایا کہ مقابلے کی تاب نہ لاکر
قلعہ کی طرف لوٹا۔ ظفریاب مظفر فتح کے گھوڑے پر سوار مونچھون کو تاؤ دیتے
اُسکے متعاقب چلے گئے اور اُسکو قلعہ کا دروازہ بند کرنے کی مہلت نہ دی اور
اُنکے حملہاے شیرانہ اور شمشیر دلیرانہ سے ہزارون آدمی مارے گئے اڑھائی ہزار
لڑکے اور لڑکیان گرفتار ہوئین اور بہت سا نقد و جنس ہاتھ آیا اخبار حسن مین
بیان کیا ہے کہ اس معرکے مین پانسو گھوڑے ہاتھ آئے تھے اسی پر دوسری اشیا کو

قیاس کرلینا چاہیے اس معرکے میں جمال خاں رئیس مالیر بھی حافظ صاحب کے
ہمراہ تھا اور وہ بڑا بہادر آدمی تھا مگر حافظ صاحب نے اس لڑائی میں جو ایسی
شجاعت کا اُسے نمونہ دکھایا اُس سے جمال خاں حیرت میں ہوگیا اور اپنی کمر سے
تلوار کھولکر حافظ صاحب کو پیش کی اور کہا کہ میں نے اتنک ایسا بہادر آدمی نہیں
دیکھا اب یہ تلوار آپ اپنے ہاتھ سے میرے زیب کر دیجیے تاکہ آپ کے ہاتھوں
کی برکت سے میں بھی شجاعت کی اُس حد تک پہونچ جاؤں۔اس فتح کے بعد
حافظ رحمت خاں نے بھاراملی کی جاگیر اُسی کے کسی عزیز کو سپرد کردی اور مال غنیمت
نواب صاحب کے پاس بھیجدیا اور پندرہ روز کے بعد نواب صاحب کے حکم
سے قصبۂ جوت پور کی تسخیر کو روانہ ہوئے وہاں کا زمیندار بکاہی مل تھا یہاں بھی
ہزارہا جاٹ مارے گئے اور بکاہی مل اپنے عیال و اطفال سمیت اسیر ہوا اور اُسے
سیٹھ ہزار روپے پر اپنی رہائی اور بحالی جاگیر کی بات معاملہ کرلیا۔

گل رحمت میں جو گلستان رحمت کا خلاصہ ہے لکھا ہے کہ اس جنگ کے
بعد نواب صاحب نے حافظ صاحب کے پاس اور فوج بھیجی اور اب تمام فوج
کی تعداد جو حافظ صاحب کی کمان میں تھی پندرہ ہزار ہوگئی اور اُن کو حکم دیا
کہ راے کلہا رئیس کوٹ و جگراؤں پر حملہ کریں مگر تاریخ پٹیالہ و تاریخ راجگان
پنجاب سے ثابت ہے کہ نواب صاحب بذات خاص اس مہم میں شریک تھے
اور حافظ صاحب کی اولاد کا یہ منشا ہے کہ بہادری اور معرکہ آرائی کی تمام تحسین
حافظ صاحب کو حاصل ہو حیرانہیں بھی مسائقہ نہیں کام سپاہی ادا کرتے
ہیں اور آخر ان رئیسوں کے طرۂ دستار ہوتی ہے کیونکہ ہر جگہ انہی کا اقبال

شامل حال ہوتا ہے جبکہ روہیلون کا لشکر کوٹ کے اتنے قریب پہونچ گیا کہ
وہان سے ایک منزل کا فاصلہ رہگیا تو راے کو لکھا کہ سر اطاعت خم کرنا چاہیے
چونکہ وہ ایک مالدار اور نہایت زبردست زمیندار تھا سپاہ اور نقد و جنس اور
سامان حرب اُسکے پاس زیادہ تھا اسلیے اطاعت قبول نہ کی اور مقابلے پر
آمادہ ہوا۔ لڑائی مین راے کا بھائی لکھن خان مارا گیا اور راے شکست کھاکر
ستلج کے اُس پار پاک پٹن کی طرف جس کا قدیمی نام اجودھن ہے بھاگ گیا۔ اور
نواب لوٹ کر سرہند مین آئے اور کلہانے بھی بالآخر اطاعت کرلی۔ مگر اخبار حسن
اور گلستان رحمت اور گل رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ راے کلہا لڑائی شروع
ہونے سے قبل ہی کوٹ سے اسلیے چلا گیا تھا کہ اور آدمی بھرتی کرکے پٹھانون
کے مقابلے کے لیے لائے اور اپنی جگہ اپنے بھائی کو چھوڑ گیا تھا وہ ابھی واپس
ہوکر کوٹ مین پہونچنے نہین پایا تھا کہ سیاہ نواب نے حملہ کردیا اور کوٹ جو
کلہا کی عقل سے بھی بودا تھا اُسے گھیر لیا دیوارین کلہا کے عہد سے بھی بے بنیاد
تھین فرش زمین ہونے کے قریب تھین لکھن خان نے اطاعت کا پیام بھیجا
حافظ صاحب نے اُسکو امان دی لکھن خان اپنے دونون ہاتھ باندھکر حافظ
صاحب کی خدمت مین حاضر ہوگیا اور قلعہ کی کنجیان حافظ صاحب کے
حوالے کردین حافظ صاحب قلعہ مین داخل ہوے اور تمام نقد و جنس اور
لڑائی کے سامان پر قبضہ کرلیا اور حافظ صاحب نے یہ کارروائی کی کہ راے
کلہا کے عیال و اطفال اور لکھن خان کو حراست مین لے لیا اور غرض اُن کی
یہ تھی کہ راے سے تصفیہ ہوجائے۔ جب راے کلہا کو یہ خبر پہونچی تو وہ گھبرا گیا

اور اسی طرف سے ایک ایلچی صفائی کے لیے حافظ صاحب کے پاس بھیجا اور اس
شرط پر صلح ہو گئی کہ رائے ایک لاکھ تیس ہزار روپے اور چید توپیں پیش کرے
اور جو اسباب اُسکے قلعہ میں سے لوٹا گیا ہے وہ واپس ہو اس معاہدے کے بعد
رائے مذکور حافظ صاحب کے پاس حاضر ہو گیا اُنھوں نے قلعہ رائے کے حوالے
کر دیا اور اُسکو نواب صاحب کے پاس لیگئے نواب سید علی محمد خاں نے اُسکو
خلعت مرحمت فرما کے رخصت کر دیا۔

جب سے نواب نے سرہند میں قدم رکھا تھا تو اوّل آلا سنگھ بانی ریاست
پٹیالہ کی اُسسے بہت موافقت رہی کئی لڑائیوں میں وہ نواب کے ساتھ رہا جنمیں
سے ایک وہ لڑائی تھی جو کلہا سے ہوئی لیکن اُس سکھ سردار کے مزاج میں
اس قدر آزادی سمائی ہوئی تھی کہ کسی عہدہ دار شاہی کے ساتھ مدت تک
ملاپ نہیں رکھ سکتا تھا اُسے فوراً تاڑ لیا کہ خود مختار رئیس ہو کر جبکہ دار شاہی کے
دربار میں حاضر رہنا اُسکی خود مختاری کے واسطے مضر ہے اسلیئے اُسے رخصت
ہونا چاہا بھیکن خاں رئیس کوٹلہ اور ہمسایہ سرداروں نے جو رشک اور خوف
کے باعث سے دشمنی رکھتے تھے نواب کو کچھ کہہ سنکر اُسکی طرف سے بدظن کر دیا اور
نواب نے اُسکو قید کر کے محبس میں بھجوا دیا لیکن جب کسی تقریب سے نواب
سامانہ کو گئے اور آلا سنگھ کو بھی بطور سد راہ سے ساتھ لیگئے تو کرما نامی ایک شخص
اُسکا نوکر جان ماری کر کے جہاں آلا سنگھ قید تھا وہاں پہونچ گیا اور اپنے کپڑے
اُسکو پہنا کر اُس مکان سے نکال دیا جہاں قید تھا اور خود اُسکی جگہ ہو بیٹھا۔

پھر نواب نے نجابت خاں اور غلام حسن خاں پر فوج کشی کی اور اُن کو

گرفتار کرکے اپنے پاس رکھ لیا اور اُنکی بیٹیون سے اپنا نکاح کیا۔ منتخب العلوم مین لکھا ہے کہ نواب اڑھائی برس تک سرہند مین رہے۔

نواب سید علی محمد خان کا سرہند چھوڑ کر روہیلکھنڈ مین چلے آنا اور اُس پر قبضہ کر لینا

سنہ ۱۱۶۱ ہجری مطابق ۱۷۴۸ء مین جب احمد شاہ دُرّانی نے ہندوستان پہ چڑھائی کی تو محمد شاہ کو نواب سید علی محمد خان کی طرف سے اندیشہ ہوا کہ مبادا ہم قومی کی وجہ سے نواب سید علی محمد خان احمد شاہ سے موافقت پیدا کر لین ۔ اور قمرالدین خان وزیرالممالک سے اس باب مین مشورہ کیا تو وزیر نے یہ صلاح دی کہ حضور روہیلکھنڈ کی خدمت پر نواب سید علی محمد خان کو بھیجدین تو وہ فورًا سرہند چھوڑ کر روہیلکھنڈ کو چلے جائینگے محمد شاہ نے قمرالدین خان کی صلاح کو پسند کرکے نواب سید علی محمد خان کے نام ایک فرمان ملک کٹھیر کی حکومت کی سند کا لکھوا کر اُنکے پاس بھیجدیا۔ یہ بیان گل رحمت اور تاریخ روہیلکھنڈ مین ہے۔ اور تاریخ مظفری مین یون بیان کیا ہے کہ قمرالدین خان وزیر کے ایما سے کہ جنکو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ مبادا ہمقومی کے باعث سے نواب سید علی محمد خان احمد شاہ دُرّانی کے شریک ہوجائین نواب سید علی محمد خان احمد شاہ کے سرہند مین پہونچنے سے قبل روہیلکھنڈ کو چلے گئے اور ان بیانون کی تصدیق جلد دوم تنقیح الاخبار سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اُس مین مذکور ہے کہ محمد شاہ کو اُس وقت مین نواب سید علی محمد خان کا سرہند مین رہنا مناسب نہ معلوم ہوا اسلیے اُن کو لکھا کہ تم

روہیلکھنڈ کو چلے جاؤ۔ ابھی محمد شاہ کا حکم اُنکے پاس نہیں پہونچا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کا ایک شقہ اس مضمون کا نواب سید علی محمد خاں کے پاس آیا کہ اگر اسوقت آپ ہماری شرکت کرینگے تو انشاءاللہ تعالیٰ حصول سلطنت ہند کے وقت آپکو منصب وزارت دیا جائیگا نواب سید علی محمد خاں وزیرالممالک کے احسانات کے خیال سے شش و پنج میں تھے کہ محمد شاہ کا بھی شقہ صادر ہوا اور نواب موصوف نے روہیلکھنڈ کو چلا جانا مناسب جانا۔ اور تھوڑے عرصے میں وہاں کے انتظام مالی و ملکی سے فراغت پاکر اپنی تمام فوج کے ساتھ کٹھیر کو کوچ کیا۔ مگر اخبار جس سے ثابت ہے کہ نواب سید علی محمد خاں احمد شاہ ابدالی کی تحریر پہونچنے پر اُسکی شرکت کو رضامند ہو گئے تھے اور شاہ کو جواب لکھا تھا کہ میں آپکے احکام کی تعمیل کو موجود ہوں۔ جبکہ یہ خبر محمد شاہ کو اخبار کے ذریعہ سے موصول ہوئی تو نواب صاحب کو ایک شقہ بھیجا کہ یہاں چلے آؤ چنانچہ سرہند کی حفاظت کے لیے چند معتمد چھوڑ کر دلی گئے اور محمد شاہ نے ملک روہیلکھنڈ کی سند اور خلعت عطا کیا نواب صاحب تو یہ بات چاہتے ہی تھے اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو وزیرالممالک کے ہمراہ سرہند کی طرف رخصت کر کے روہیلکھنڈ کو چلے گئے۔

بعض مؤرخ یہ لکھتے ہیں کہ احمد شاہ ابدالی کی چڑھائی کے باعث نواب سید علی محمد خاں نے سلطنت کی قوت میں زیادہ کمی دیکھی اور دلی کے دربار کو ابدالی کے انکار میں اُلجھا ہوا پایا تو اُنکو دوبارہ اپنے ممالک مقبوضہ کی طرف رُجحان پیدا ہوا۔ ادھر محمد شاہ کو ابدالی کی توجہ نواب سید علی محمد خاں کی طرف

پائے جانے سے انکا روہیلکھنڈ کو جانا غنیمت معلوم ہوا۔
سیرالمتاخرین مین لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے فرصت وقت کو غنیمت جان کر اور میدان خالی پاکر محمد شاہ سے اجازت حاصل کیے بغیر تیس چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ اور تاریخ مظفری کے قول کے مطابق بیس ہزار فوج کے ساتھ سرہند سے کوچ کیا اور طوفان کی طرح روہیلکھنڈ کا رخ کیا۔ اور کڑے کڑے کوچ کرکے ۱۱۶۱ ہجری مین سہارنپور بوڑیہ کی راہ ہوتے ہوئے کنجپورہ کے مقام پر جمنا کو اور چاندی کے گھاٹ سے گنگا کو عبور کرکے جہان افسران بادشاہی تھے انکو روندتے اور اپنے لشکر کو ہوا کے گھوڑون پر اڑاتے بجلی اور بادل کی کڑک دمک دکھاتے روہیلکھنڈ مین گھس پڑے۔ جس وقت انھون نے اس ملک مین قدم رکھا تو انکو اپنی متفرق شدہ جماعت مین سے کچھ لوگ ملے انکو ہمراہ لیکر سرنو اپنے ملک پر قبضہ کرنا شروع کیا پہلے انھون نے دھام پور اور شیرکوٹ پر قبضہ کیا یہ دونون مقام خاص صفدر جنگ کی جاگیر کے تھے۔ اسی زمانے مین انکے سردار دوندے خان نے دھار کی جاگیر حاصل کی اسی طرح رفتہ رفتہ تمام ضلع بجنور پر قبضہ کر لیا۔ نواب سید علی محمد خان مرادآباد کے متصل پہونچے تو راجہ چتربھوج حاکم مرادآباد نے جو فریدالدین خان کی جگہ مقرر ہوا تھا مقابلہ کیا مگر آخر شکست پائی اور بھاگ گیا اور بعض مورّخ یہ کہتے ہین کہ بلامقابلہ مرادآباد کو خالی کر دیا۔ نواب سید علی محمد خان نے یہان کا انتظام کیا اور اپنی طرف سے حاکم مقرر کرکے رام گنگا کو عبور کرکے بریلی کی طرف بڑھے۔ ہدایت علی خان فوجدار بریلی کے پاس زیادہ تر روہیلے نوکر تھے انھون نے جو نواب سید علی محمد خان کی

آمد کا حال سنا تو ہدایت علی خاں سے منحرف ہو گئے اور ہدایت علی خاں کی حویلی کو جو قلعۂ بریلی میں تھی تنخواہ کے تقاضے کے حیلے سے گھیر لیا قطب الدین محمد خاں دو تین سو آدمیوں کے ساتھ اُنکے پاس رہ گئے یہ وہ لوگ تھے جو دہلی کے باشندے تھے یا ہدایت علی خاں سے نزدیک کی رشتہ داری رکھتے تھے۔ جب نواب سید علی محمد خاں کا لشکر بریلی سے دس کوس کے فاصلے پر پہونچا تو قطب الدین محمد خاں نے ہدایت علی خاں سے کہا کہ نواب سید علی محمد خاں کے پاس فوج کثیر ہے اور آپ کے نوکر بھی آپ سے مخالف ہو گئے ہیں نواب سید علی محمد خاں کی رفاقت کا دم بھر رہے ہیں اُسسے لڑنے میں آپکو کامیابی ہوگی میں نواب سید علی محمد خاں کے پاس جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں اگر اُنکا مزاج آپ کی طرف سے صلح پر ہے تو اُنکی مدد سے ان لوگوں کے ہاتھ سے آپکو نجات دلائی جائیگی اور اگر اُنکا ارادہ آپکی بربادی کا ہوگا تو میں اُنکو وہیں قتل کر کے آپ بھی مارا جاؤنگا۔ ہدایت علی خاں نے یہ بات قبول کر کے قطب الدین خاں کو رخصت کیا یہ لیے اکثر رفیقوں کو ہدایت علی خاں کے ساتھ حراست میں چھوڑ کر نواب سید علی محمد خاں سے ملنے کے ارادے سے اُنکے لشکر میں آئے جب نواب کے خیمے پر پہونچے تو تمام ہمراہیوں کو دروازے پر چھوڑ کر صرف دو تین آدمیوں کے ساتھ اندر گھسے پیچھے سے اُنکے اور دو چار رفیق اندر جانے لگے۔ سپاہیوں اور چوبداروں نے روکا اور شور ہوئے لگا قطب الدین محمد خاں ابھی نواب صاحب کے پاس پہونچے نہ پائے تھے کہ پلٹ آئے اور اپنے ہمراہیوں کو سمجھا دیا۔ چوبدار نے اُنکے ساتھ مزاحمت میں سختی کا برتاؤ کیا قطب الدین محمد خاں نے غصے میں آکر چوبدار کے

سر پر زور سے طمانچہ مارا اور کہا کہ تو کون ہے جو اِن لوگون کو منع کرتا ہے اس وجہ سے وہان زیادہ شور مچا نواب سید علی محمد خان آواز سُنکر اندر سے خود نکل آئے اور سب کو خاموش کیا اور قطب الدین محمد خان کو گلے سے لگایا اور بہت مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور کہتے جاتے تھے کہ معاف فرمائیے دربان سے غلطی ہوئی اور اُنکے رفقا کو بھی اندر لیگئے اور اُنکو اپنی مسند پر برابر بٹھایا بعد مزاج پرسی کے خان مذکور نے نواب سے عرض کیا کہ مین سید ہدایت علی خان فوجدار بریلی کی رفاقت مین ہون آپکی آمد آمد کی خبر سنکر اُسکے تمام سپاہی شورش پر آمادہ ہوگئے ہین اور اُنکو گھیر لیا ہے اگر آپ کا بھی یہی ارادہ ہو تو مین جاتا ہون آپ اُس سید کے استیصال کے لیے بریلی تشریف لیجائیے اِس لڑائی کا بھی دُنیا مین نام رہیگا اور اگر آپ کو یہ منظور نہو کہ اُنکو کوئی ایذا پہونچے تو آپ اپنی سپاہ کے ساتھ جاکر اُن نمک حرامون کو سزا دیجیے تاکہ وہ اس سرکشی کو چھوڑکر جس قدر نقد و جنس غیر ضروری اُنکے پاس ہے اُسے تنخواہ مین لے لین۔ نواب سید علی محمد خان نے قسم کھاکر قطب الدین محمد خان کو اطمینان دلایا اور رخصت کیا مگر اُنسے یہ اقرار لے لیا کہ سید ہدایت علی خان اور قطب الدین محمد خان دلی کو نہ جائین اور یہ وعدہ اس وجہ سے لیا گیا کہ مبادا یہ وہان جاکر امراے بادشاہی کو نواب کے ساتھ لڑائی کے لیے اکسائین۔ جب نواب سید علی محمد خان بریلی پہونچ گئے تو ہدایت علی خان وغیرہ قلعہ سے اُٹھ کر ننج محلہ مین جو بیرون شہر بریلی ہے ٹھہر گئے اور کئی روز اُواسے تنخواہ کی تکرار مین گذرے اور ہر روز یہ احتمال تھا کہ آج مارے جائین اور اسباب لُٹ جائے۔ خدا خدا کر کے اُس مخمصہ سے نجات ملی

اور دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ فرخ آباد میں پہونچے تو اُنکو خبر لگی کہ محمد شاہ مر گئے اور احمد شاہ تخت نشین ہوئے۔

سید ہدایت علی خاں کے ساتھ اُنکا بیٹا مؤلف سیر المتاخرین بھی تھا اسی رک یانے کی وجہ سے عمر بھر بہرہ رہیلوں کا حالی دشمن رہا اور اسی کتاب میں اُنکو میںیوں حسد کے نشتر مارے ہیں مگر ہر جگہ اُنکی شجاعت یا سخاوت کا چشمہ بہ نکلتا ہے وہ جو فتح سے کماتے تھے کھانے تھے کھلاتے تھے لُٹاتے تھے یکیاہی کے ہاتھ لگاتے تھے ایسے تھے کہ اُنکے سائے میں سکڑوں سدگاں حدا پرورش پاتے تھے عالم فاضل باکمال عزت سے زندگی بسر کرتے تھے اُنکی تاریخ سیر المتاخرین میں کل دو ایک رو بہیلے تھے جسے آپ خوش رہے ورنہ سب پر لے درجے مار دھاڑ ہے نواب سید علی محمد خاں کے ساتھ انکا یہ سلوک ہے کہ جب نواب کے پاس سے گذرتے ہیں تو ایک چٹکی لے جاتے ہیں حالانکہ نواب سید علی محمد خاں وہ شخص ہیں جنھوں نے دین و داد کے دربار کو عقل کے اُجالے سے روشن کر دیا تھا۔

گزیٹیر میں لکھا ہے کہ اس وقت میں نواب سید علی محمد خاں کی فوج کی بہت کمی تھی اس وجہ سے اُنکو ان ممالک پر قبضہ کرنے میں بڑی تکلیفیں اُٹھانا پڑیں جس قدر گنگا کے اس طرف علاقہ ہے سب پر قبضہ کر لیا۔ وارا نگر۔ امروہہ۔ دھامپور۔ نگینہ۔ شیر کوٹ۔ مراد آباد۔ سنبھل۔ آنولہ۔ موضع۔ بریلی شاہجہانپور۔ پیلی بھیت اور جاگیرات اعتماد الدولہ اور صفدر جنگ اور غازی الدین خاں اور سادات خاں۔ ذوالفقار جنگ اور صرف خاص اور

خالصہ پر قبضہ کر لیا۔ امرائے عالی شان مثل صفدر جنگ و فیروز جنگ و انتظام الدولہ و ذو الفقار جنگ وغیرہ مین سے کسی کو یہ طاقت نہ تھی کہ نواب صاحب کے ہاتھ سے اپنی جاگیرات کو چھڑا لیتا۔ بلکہ ہر ایک نواب موصوف کی تالیف قلب کرتا تھا۔ فرح بخش مین لکھا ہے کہ بدایون پر بھی نواب سید علی محمد خان نے قبضہ کر لیا تھا اور تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آرون صاحب سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف ضلع بدایون کا اُس پار گنگا کے نواب محمد خان بنگش والی فرخ آباد کے قبضے مین تھا اور یہ امر کہ بدایون نواب محمد خان کے قبضے مین تھا ہکو گلستان رحمت اور گل رحمت سے معلوم ہوا اور ایک پرگنہ شاہجہان پور کا نواب محمد خان کے قبضے مین تھا۔

نواب سیّد علی محمد خان کے ملک کی وسعت کے بیان مین یہ قول مشہور ہے ”از سنگ تا گنگ“ یعنی دامن کوہ کمایون سے دریاے گنگا کے کنارے تک تمام ملک کے نواب صاحب حکمران تھے اور اب اُنھون نے پرانے خاندانون اور زمینداروں کی نسل قطع کرنا شروع کی اور اپنے آدمی جا بجا مقرر کیے۔ ایک اُنھین سے ٹھاکر مہندر سنگھ مالک ٹھاکر دوارہ تھا جسکے نام سے ٹھاکر دوارہ مشہور ہے

احمد شاہ ابدالی کا سیّد عبد اللہ خان اور سیّد فیض اللہ خان پسران نواب سید علی محمد خان کو سرہند سے اپنے ہمراہ قندھار کو لیجانا

اعتماد الدولہ قمر الدین خان بادشاہی فوج کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے مقابلے کو سرہند گئے تھے اور نواب سیّد علی محمد خان کے دونون بیٹون کو

ہمراہ لیگئے تھے اعتماد الدولہ نے تمام سامان واثق خانہ توشہ خانہ۔ خزانہ اور سید فیض اللہ خاں سید عبداللہ خاں کو سرہند میں چھوڑ آپ ابدالی سے لڑنے کو اُسکی طرف متوجہ ہوئے ۲۶ ربیع الاول ۱۱۶۱ہجری مطابق مارچ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی نے شکست کھاکر اپنے وطن کو واپسی کے وقت سرہند کو لوٹ لیا اور تمام سامان اور خزانہ شاہی بھی اُٹھالیا اور نواب سید علی محمد خاں پرواؤ بڑے کے خیال سے اُسکے دونوں بیٹوں کو بھی اپنے ہمراہ لے کر قندھار کو چلے گئے جب نواب سید علی محمد خاں کو یہ خبر پہونچی کہ احمد شاہ کو شکست ہوئی وزیر الممالک مارے گئے۔ اور احمد شاہ دُرّانی سید عبداللہ خاں و سید فیض اللہ خاں کو قلعہ سرہند سے اپنے ہمراہ لے گئے تو اس خبر وحشت اثر سے بے حد رنج ہوا۔

صفدر جنگ کی تقویت کے لیے نواب سیّد علی محمد خان کا ایک فوج دہلی کو بھیجنا

سرہند کی لڑائی کے بعد ایک مہینے کے اندر ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۶۱ہجری مطابق اپریل ۱۷۴۸ء کو محمد شاہ بادشاہ ہندستان مر گئے اور اُسکے بیٹے احمد شاہ جانشین ہوئے مگر احمد شاہ دُرّانی کی قوت کی وشوم دھام سے احمد شاہ ہندوستانی ترسان ولرزاں تھے اور اُنھوں نے پیرور مسدوں کی لوٹ مار سے سلطنت کو حفظ وحراست میں رکھنے کی غرض سے وزارت کا عہدہ آصف جاہ کو سپرد کرنا چاہا مگر جسکو آصف جاہ نے انکار کر دیا جسکے بعد ہی اُسنے وفات پائی تو بادشاہ نے

ناصر جنگ آصف جاہ کے جانشین کو اپنی امداد و اعانت کے واسطے اُس فوج سمیت بلایا جو اُسکی سعی و ہمت سے فراہم ہو سکتی تھی مگر تھوڑے عرصے مین یہ بات دریافت ہوئی کہ احمد شاہ دُرّانی اپنی قلمرو کے مغربی حصّے مین مصروف و مشغول ہین چنانچہ اس خبر کو سنکر احمد شاہ ہندوستانی کے اوسان درست ہوے اور انتظام اپنی قلمرو کا اپنی مرضی کے موافق پورا کرنا چاہا اور اب اُسکی مدد کی کچھ ضرورت نرہی۔

اس وقت جدید وزارت قائم کرنے کی تجویز درپیش ہوئی صفدر جنگ کو خلعت وزارت کی بڑی خواہش تھی اور طرح طرح کی کوششین اِس کامیابی کے واسطے کر رہے تھے۔ نواب سید علی محمد خان صاحب کو اُنھون نے ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ احمد شاہ۔ محمد شاہ کی جگہ تخت نشین ہوے مگر اب تک عہدۂ وزارت کسی امیر بادشاہی کے نام قرار نہین پایا ہے بظاہر مدنظر بادشاہ کی میری طرف ہے مگر امراے تورانی چاہتے ہین کہ خلعت وزارت انتظام الدولہ ابن قمر الدین خان کو مرحمت ہو اگر آپ بھی تشریف لاکر ہمارے شریک ہون تو ہم آپکی اعانت قمر الدین خان سے زیادہ کرینگے نواب سیّد علی محمد خان ان دنون محمد شاہ بادشاہ کے مرنے اور نئے بادشاہ کے مسند نشین ہونے کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ اپنی طرف سے کوئی آدمی دہلی بھیج کر کسی رکن سلطنت کی معرفت اپنے معاملے کی پختگی بادشاہ کے حضور سے کرائین۔ صفدر جنگ کی تحریر کو غنیمت سمجھکر اُنکو اپنا طرفدار بنانا مناسب جانا مگر اس وقت نواب صاحب کی یہ حالت تھی کہ مرض استسقا مین مبتلا تھے قوت سامعہ مین بھی بڑا خلل آ گیا تھا دوسرے قوی بھی بیکار تھے اسلیے آپ تو نہ جاسکے حافظ رحمت خان کو

ہزار سوار حرار دے کر دہلی کو روانہ کیا۔ حافظ صاحب قریب پہونچے تو صفدر جنگ
نے جنکو بڑا انتظار تھا حافظ صاحب کے ورود کی خبر سنکر اپنے بیٹے شجاع الدولہ
کو اسحاق خاں کے ساتھ استقبال کو بھیجا یہ دونوں سردار حافظ صاحب کو اپنے
ہمراہ دہلی میں لے گئے۔ اور اُنکے ڈیرے تیر جنگ کے باغ میں نصب کرائے
صفدر جنگ نے تمام لشکر کے لیے ضیافت بھیجی دوسرے دن صبح کو صفدر جنگ
نے حافظ صاحب کو اپنی ملاقات کے لیے بلایا اور بہت تعظیم و تکریم کی گلے
سے لگایا اور تخلیہ کرکے تورانیوں کی مخالفت اور ایرانیوں کی موافقت کی
ساری داستان بیان کی حافظ صاحب نے صفدر جنگ سے کہا کہ میں
آپکی مرضی کا تابع ہوں آپ جو حکم دینگے اُسکی تعمیل کرونگا اور اپنے قیامگاہ کو
لوٹ آئے اور روزانہ حافظ صاحب صفدر جنگ کی ملاقات کو جانے لگے
کئی دن کے بعد صفدر جنگ نے حافظ صاحب کو طلب کرکے کہا کہ کل
میں خلعت حاصل کرنے کے لیے قلعہ کو جاؤنگا۔ یا بچہار تورانی انتظام الدولہ
کے ہمراہ میرے روکنے کی کوشش کے لیے قلعہ کے دروازے پر کھڑے ہونگے
اور یہ چاہیئے کہ بجبر سبقت کرکے انتظام الدولہ کو خلعت دلوا دیں اسلیے کل
تڑکے آپ اپنے سواروں کو ساتھ لیکر میرے پاس آجائیں چنانچہ دوسرے دن
صبح کو حافظ صاحب تیاری کرکے صفدر جنگ کے دروازے پر پہونچے
صفدر جنگ قبل سے اپنی فوج کو تیار کرکے حافظ صاحب کے منتظر تھے اُنکے
پہونچتے ہی نہایت ترک و شان کے ساتھ قلعہ کو روانہ ہوئے تورانی قبل سے
پانچ چھ ہزار کے قریب جمع ہو کر چاہتے تھے کہ قلعہ میں گھس جاویں مگر جاوید خاں

قلعہ دار نے جو صفدر جنگ کا طرفدار تھا اُنکو قلعہ کے اندر داخل نہین ہونے دیا کہ اتنے مین صفدر جنگ کی سواری جا پہونچی۔ تورانی صفدر جنگ کی جمعیت دیکھکر دم بخود ہوگئے اور کچھ نہ بولے صفدر جنگ قلعہ کے دروازے پر پہونچے۔ قدسیہ بیگم والدہ احمد شاہ کے حکم سے جاوید خان نے قلعہ کا دروازہ کھولدیا اور صفدر جنگ کو تھوڑے سے خدمتگارون کے ساتھ قلعہ مین لے لیا حافظ رحمت خان دروازے پر تورانیون کے مقابلے کے لیے کھڑے رہے تھوڑی دیر کے بعد صفدر جنگ خلعت وزارت ہندوستان پہن کر قلعہ سے نکلے اور اُسی جمعیت کے ساتھ اپنی حویلی کو چلے آئے تیسرے روز صفدر جنگ حافظ رحمت خان کو احمد شاہ کے دربار مین لیگئے خلعت اور نوبت اور خطاب حافظ رحمت خان بہادر نصیر جنگ دلایا پھر باہم دوستی کا عہد و پیمان کر کے اپنی طرف سے بھی خلعت گھوڑا ہاتھی حافظ صاحب کو دے کر رخصت کیا۔ حافظ صاحب دہلی سے روانہ ہوے اور ایک مہینہ کئی دن کے بعد آنولے مین آپہونچے اور صفدر جنگ کا شقہ جسمین حافظ صاحب کی طرف سے خوشنودی کا بیان تھا نواب صاحب کو دکھایا تو وہ مسرور ہوے۔

روہیلکھنڈ گزٹیر مین لکھا ہے کہ صفدر جنگ نے نواب سید علی محمد خان کے لیے تمام روہیلکھنڈ کی حکومت کی منظوری کا حکم بھی سلطنت کی طرف سے جاری کرا دیا مگر حق یہ ہے کہ نواب سید علی محمد خان کے ملک کی نسبت یہ مثل صادق آتی ہے "جسکی لاٹھی اُسکی بھینس"۔

نواب سید علی محمد خان کی علالت مرض الموت میں انتظامات اور نواب صاحب کی وفات

نواب سید علی محمد خان کو اپنے ملک پر قبضہ کئے ہوئے ہنوز ایک سال نہ گذرا تھا کہ انکو مرض استسقا پیدا ہوگیا مشہور یہی ہے۔ اور عماد السعادت میں لکھا ہے کہ مرض فالج میں مبتلا ہوگئے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ انکی پیٹھ میں سرطان (ڈ ھیٹ) نکل آیا مگر صحیح یہ ہے کہ مستسقی ہوگئے اور بہت کمزور ہوگئے اٹھنے بیٹھنے کی طاقت جاتی رہی۔ ایک دن درد سر کی شدت تھی حکیم سید احمد گیلانی معالج تھا اُسے پیشانی پر صندل وغیرہ کا ضماد کرادیا نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ نواب صاحب بہرے ہوگئے امتحان کے لیے نواب صاحب نے بڑی سی توپ اپنے سامنے طلب کرکے سر کرائی اُسکی آواز بھی سماعت میں نہیں آئی۔ اس وقت زندگی سے تنگ ہوکر موت کے لیے دعا کی اور کئی بار فرمایا کہ اب زندگی میں کوئی لطف نہیں رہا دل گھل گیا تھا پوست اور ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ زندگی سے مایوس ہوکر پرہیز توڑ دیا۔ نواب صاحب بہادر کو جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اپنے ملک کے انتظام اور اپنے افسروں کے بندوبست کی طرف متوجہ ہوئے دونوں بڑے بیٹے اُنکے قندھار میں احمد شاہ ابدالی کے پاس تھے اور باقیماندہ چار بیٹے ایسے کمسن تھے کہ ملکی بندوبست اُن سے غیر ممکن تھا۔ نواب صاحب بڑے دوراندیش تھے برسوں کی بات اور کوسوں کی مسافت کو سامنے دیکھتے تھے۔ حافظ رحمت خاں کی صفائی طبیعت کے امتحان کے لیے اول اُنھوں نے اپنے افسروں کو طلب کرکے اپنی پگڑی حافظ رحمت خاں کے

سر پر رکھدی حافظ صاحب رونے لگے اور اُس پگڑی کو اپنے سر سے اُتار کر نواب سید سعد اللہ خان کے سر پر رکھدیا جنکی عمر اسوقت تیرہ[۱] چودہ سال کی تھی اور سید عبد اللہ خان و سید فیض اللہ خان سے چھوٹے اور باقی بھائیون سے بڑے تھے۔ نواب سیّد علی محمد خان حافظ صاحب کے اس فعل سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اگر سیّد عبد اللہ خان قندھار سے واپس آئین تو یہ دستار اُنکے سر پر رکھدینا[۲]۔ غرضکہ نواب صاحب نے حافظ رحمت خان۔ دوندے خان۔ بخشی سردار خان۔ فتح خان خانساماں۔ عبد الستار خان۔ راجہ کنور سین بخشی دوم۔ سید احمد شاہ۔ سید معصوم۔ شیخ محمد کبیر اور بڈو خان وغیرہ ارکان دولت کی صلاح سے نواب سید سعد اللہ خان کو اپنا قائم مقام کیا اور پگڑی اپنے سر سے اُتار کے نواب سید سعد اللہ خان کے سر پر رکھی اور حافظ رحمت خان کو اس تمام مُلک روہیلکھنڈ کا نگران اور نواب سید سعد اللہ خان کا مُدار المہام بنایا اور دوندے خان حافظ رحمت خان کے چچازاد بھائی کو تمام فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا اور حکم دیا کہ اُنکے دونون بھائی نعمت خان اور صلابت خان اُنکے کام مین مشیر رہین اور مُلّا محمد سردار خان کو بخشی فوج مقرر کیا اور فتح خان کو خانساماں گری کا کام سپرد کیا

سلہ اخبار حسن مین لکھا ہے کہ نواب قائم خان کی لڑائی کے وقت نواب سید سعد اللہ خان سات برس کے تھے اور منتخب العلوم مین لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان کی وفات کے وقت اُنکی عمر دس سال کی تھی حالانکہ ۱۱۵۷ ہجری مین اُنھون نے انتقال کیا تو ستائیس برس کا سن تھا اور نواب سید علی محمد خان نے ۱۱۶۲ ہجری مین وفات پائی ہے تو معلوم ہوا کہ نواب سید علی محمد خان کے بعد تیرہ برس زندہ رہے اور اس صورت مین انتقال نواب ممدوح کے وقت اُنکی عمر چودہ سال کی ہونا چاہیے ۱۲ منہ سلہ دیکھو منتخب العلوم ۱۲

اور آواز بلند دربار میں کہا کہ سید عبداللہ خاں اور سید فیض اللہ خاں کی واپسی تک سید سعداللہ خاں حکمراں رہیں۔ اور فرمایا کہ جب کوئی مشکل معاملات ملکی میں پیش آئے تو ان سب افسروں کے مشورے سے جو رائے قرار پائے اُسکی تعمیل کیجائے ہاں ہر سردار کو کسی معمولی رقم پر ایک رسالہ کے کرچڑھ جانے کا اختیار ہے اور انپر اپنے متعلق فوج وغیرہ کے خرچ اُٹھانے کا مختار ہے بعد اسکے نواب صاحب نے حافظ صاحب کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ سید سعداللہ خاں خورد سال ہیں اس واسطے تمام کاروبار ریاست تمہارے سپرد کیا جاتا ہے حافظ رحمت خاں نے جواب دیا کہ آپ ہر طرح اطمینان خاطر رکھیں انشاءاللہ تمام کاروبار ریاست کا میں بدلت خود انصرام کرونگا۔ اِس مشورے کے بعد تمام افسروں سے اِس تحویز کی موافقت کرنے اور اپنے بچوں کے ساتھ ایمانداری اور نمک حلالی سے پیش آنے کا حلف لیا گیا۔ اور اپنے چاروں چھوٹے بیٹوں کی اتالیقی کے لیے فتح خاں کو مقرر کردیا اسکے بعد تمام فوج کی تنخواہ حساب کرکے اُنکی کوڑی کوڑی ادا کی اور پچیس لاکھ روپیہ اُن لوگوں کے حق واجبی سے زیادہ ادا کیا اور تمام رسالہ داروں سے تمسک لکھواکر فتح خاں خانساماں کی تحویل میں دیگر توشہ خانہ میں رکھوادیے۔ اور ہر سپاہی سے نمک حلالی اور ایمانداری کا اقرار نامہ لکھوایا گیا۔ اس کے بعد نواب سید علی محمد خاں کو دربار میں لیجاکر بٹھایا اور تمام افسروں کے سامنے وہ تحریر سنائی گئی اور نواب صاحب نے اپنی تمام عورتوں کا مہر بھی ادا کرکے سب سے فارغخطیاں لکھواکر اور اُمیر قاصیوں اور شریفوں و امیروں کی مُہریں اور دستخط کراکے لے لیں۔

عماد السعادت مین لکھا ہے کہ نواب سیّد علی محمد خان کا یہ ارادہ تھا کہ جب محمد شاہ کا انتقال ہوجائے تو دہلی پہونچ کر تخت سلطنت پر بیٹھ جاؤن۔ مگر جس وقت بادشاہ نے وفات پائی تو وہ خود صاحب فراش ہو رہے تھے بول نہین سکتے تھے اشارون مین باتین کرتے تھے حافظ رحمت خان نے ایک پرچہ کاغذ پر بادشاہ کی وفات کا حال لکھ کر اُنکو دکھایا۔ نواب سیّد علی محمد خان نے آسمان کی طرف دیکھا اس سے مقصود یہ تھا کہ اگر مین تندرست ہوتا تو کمرہمت باندھتا اب کیا کرسکتا ہون گرُسہاے نے تاریخ اودھ مین بھی لکھا ہے کہ نواب سیّد علی محمد خان تخت نشینی دہلی کا ارادہ رکھتے تھے۔

الغرض ۳ ماہ شوال ۱۱۶۲ ہجری مطابق ۱۴ ماہ ستمبر ۱۷۴۹ء کو نواب سید علی محمد خان کا آنولے مین انتقال ہوگیا وہین دفن ہوے چند سال کے بعد حافظ رحمت خان نے ایک عمدہ مقبرہ بنوادیا کہ وہ ابتک وہان موجود ہے۔ خانزادے کاظم خان شیدا نے ہے ہے افغان مادہ تاریخ کہا ہے پس سیر المتاخرین اور مآثر الامرا وغیرہ مین جو نواب صاحب کے سال وفات ۱۱۶۱ ہجری لکھے ہین یہ صحیح نہین۔ اور منتخب العلوم مین جو لکھا ہے کہ سرہند سے واپسی کے بعد تین برس زندہ رہے صحیح نہین کیونکہ سرہند سے واپسی ۱۱۶۱ ہجری مین ہوئی تھی۔

نواب صاحب نے خزانہ اور فوج اور توپ خانہ بہت بڑا چھوڑا۔ عمرکل چوالیس برس کی ہوئی تذکرۂ انتخاب یادگار مین لکھا ہے کہ چودہ برس کے سن سے قدم ہمت بڑھایا تیس برس سرداری اور سروری کا مزہ اٹھایا اور یہ عماد السعادت کی روایت کے مطابق ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اکیس یا بائیس برس کی عمر مین

داؤد خاں کے جانشین ہوئے تھے اور کوئی تئیس یا چوبیس برس تک جوہر جلادت سرداری دکھایا۔

نواب سید علی محمد خان بہادر کے ذاتی عادات

نواب سید علی محمد خاں ریاست کا کام ریاست کے ساتھ اور حکومت کا کام شریعت کے ساتھ کرتے تھے علی العموم احکام شریعت کو مانتے تھے اور اُنکی بہت تشدد سے پاسداری کرتے تھے۔ نہایت دلیر۔ وجیہ۔ سخی۔ عقیل صائب الرائے تھے مذہبی معاملات کے پاسدار تھے نہایت متقی اور پرہیز گار تھے۔ اُنھوں نے ملک گیری اور ملک داری کے تمام اوصاف سے پورا پورا حصہ پایا تھا جدھر لشکر لے کر گئے کامیاب ہوئے اُنکی عالی ہمتی اور دریا دلی کے چرچے زبانوں پر جاری ہیں اور زبانوں تک رہینگے اخلاق اور بہادری اُن کے نام پر ہمیشہ پھول اور موتی برسائینگی اُنکا سر ایسے پھولوں کے ہاروں سے سجا ہے جسکی مہک قیامت تک دماغ عالم کو معطر رکھے گی۔

مؤلف سیر المتاخرین باوصف اسکے کہ بڑا ناآشنا مزاج اور روہیلوں کے خلاف ہے اُسنے نواب سید علی محمد خاں بہادر کی تعریف میں ایک فقرہ لکھا ہے گویا انگوٹھی پر نگینہ اور نگینہ پر نقش بیٹھا ہے۔ "شجاعت اور لیاقت اور سرداری سے بہرہ رکھتے تھے" اس کتاب میں اُسنے کئی جگہ نواب صاحب کی جرأت اور ارادے اور شعور اور عزم کی تعریف کی ہے اور اُن کو صاحب ارادہ و جرأت اور باشعور تسلیم کیا ہے۔

نواب صاحب تمام کٹھیر پر بالاستقلال فرمانروا تھے۔ ہنود جو اس ملک پر اباعن جد حکومت رکھتے تھے انکی حکومت کو بالکل صفحۂ روہیلکھنڈ سے مٹا دیا تھا۔ تمام زمینداران دامن کوہ کی جڑ اکھیڑ ڈالی تھی۔ لیکن پھر بھی اُن کی کھرچن کناروں میں لگی ہوئی تھی۔

جام جہان نما مین لکھا ہے کہ نواب صاحب نے تبخانون کو تڑوا ڈالا۔ احکام اسلام جیسے صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ کو بخوبی جاری کیا بہت سی مسجدین مدرسے اور خانقاہین تعمیر کرائین علما و فضلا اور فقرا کے بڑے قدردان تھے۔ ہر طرف سے غربا انکے سایۂ عاطفت مین آتے اور پرورش پاتے ملک روہیلکھنڈ پر انکو حکومت انکی شجاعت۔ نیک نہادی۔ سخاوت۔ رعیت پروری۔ عدالت گستری کی وجہ سے حاصل ہوئی اُن ہی کی ہمت نے اس سرزمین خراب آباد کو رشک باغ ارم بنایا اور انکی تیغ بیدریغ نے اکثر مخالفون کو قضا کے گھاٹ اُتارا۔ اُنھون نے اپنے دشمنون پر زور و شور کے دھاوے اور جان جوکھون کے ساتھ یلغارین کین اور تھوڑی سی جمعیت سے ہزارون کے لشکر گرد باد کر دیے۔ مین نے نواب سید علی محمد خان کی تعریف مین وہ الفاظ خرچ کیے ہین جن سے اُن کے جوہر اصلی کُھل جائین اور معلوم ہو جائے کہ وہ اس ڈھب کے ہین یا نہین اور ہین تو کس درجے پر ہین اور کتنی ستائش کے قابل ہین اُن کے حالات پھول بلکہ پتی پتی چُن کر ایک گلدستہ سجایا اور کسی جگہ مبالغہ اور تصنع کا رنگ نہین چھڑکا۔

شہر آنولہ اور کثرت مساجد

نواب سید علی محمد خاں کا دارالحکومت آنولہ تھا اور یہ اُس زمانے میں شہر عظیم الشان تھا۔ قوم قوم کے محلّے جدا جدا تھے اس شہر میں نواب صاحب کے عہد میں بہت سے مدرسے۔ خانقاہیں تھیں۔ پختہ قلعہ تھا جسکے گرد دریں تھے اور مُدّتہت مستحکم تھی۔ شجاع الدولہ کی یورش کے وقت ۱۱۸۸ھ ہجری میں قلعہ خراب ہوگیا۔

تذکرہ حکومت المسلمین میں لکھا ہے جو نکہ ہر ایک پٹھان کا نسب نہایت کے یہ قول تھا کہ دوسرے پٹھان کے مکان و مسجد پر نماز پڑھنے کو نہیں جائینگے اسلیے ہر ایک پٹھان نے اپنے اپنے دروازے پر مسجد تعمیر کی چنانچہ سترہ سو مسجدیں آنولہ میں تیار ہوئیں بلکہ ابتک بعض مساجد آباد اور اکثر شکستہ و ویران موجود ہیں۔

نواب سیّد علی محمد خان بہادر کا حلیہ

اسدرام مخلص نے بس گزٹ کے سفرنامے میں لکھا ہے "علی محمد خاں چہل سالہ جوانے ست یک پیرہن گوشت۔ میانہ قد۔ سفید پوست۔ چہرہ کوچکے کہ بر مشابہ روہیلہ ہا نیست می پیچید شگفتہ رو و کشادہ پیشانی وصاحب دل و جگر ست اغلب کہ جوہر او خوب باشد"[۱]

۱؎ دیکھو مساکن بلسی سؤلفہ دیوان سولال ۱۲

نواب صاحب کا اصلی نام۔ اور خطابی نام۔ اور سکہ

ہمارے ملک کے مؤرخین کو نواب سید علی محمد خان کے نام اور خطاب مین بڑا اشتباہ ہوگیا ہے حقیقت مین نام انکا محمد علی تھا۔ اور علی محمد خان خطاب کے وقت سے بدلا گیا ہے۔ اور ثبوت اسکا انکے نام کے ان کاغذات سے ہوتا ہے جو انکے نام پر ایسی حالت مین صادر ہوے تھے کہ وہ ابھی سلطنت کی طرف سے صاحب خطاب نہین ہوے تھے۔ اور ان لوگون کے بیانات سے بھی جو اسوقت مین موجود تھے اور عزت و وقار رکھتے تھے۔ چنانچہ خواجہ عبدالکریم نے جو کہ نواب حکیم علوی خان معتمد الملوک معالج محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان کی رفاقت مین تھا اور نادر شاہ کے واقعات فوج کشی ہندوستان کو اپنی آنکھون سے دیکھ کر لکھا ہے اور پھر علوی خان کی رفاقت چھوڑ کر حج بیت اللہ کو چلا گیا تھا اپنی کتاب تاریخ مین جسکا نام "بیان واقع" ہے لکھتا ہے۔ کہ "در ماہ صفر ۱۱۵۸ھ ہجری محمد شاہ بہ ترغیب و تحریک صفدر جنگ برائے تادیب و تنبیہ محمد علی خان کہ در آنولہ و بن گڑھ وغیرہ کمال استقلال بہم رسانیدہ بود تشریف بردند"

اور ایک شعر سکے کے متعلق نواب کے نام سے تمام روہیلکھنڈ مین مشہور تھا اسمین بھی محمد علی موزون ہے اور وہ یہ ہے ؎

سکہ زد بر کل کٹھیر و طبل زد در پیلی — بادشاہ شد روہیلہ نام او محمد علی

یہان محمد علی کی حاے حطی تقطیع سے ساقط ہوتی ہے اور ایسا شعرا مین جائز ہے فصیح کا شعر ہے ؎

اے مسیح یہ گھر بغیر اریار کے زنداں ہے   ہر در و دیوار پر لکھ دیجیے اس بات کو

عزیز القلوب میں حیدر والے تکمائی نواب سید علی محمد خاں کے نام نامی
پر مندرج ہیں جو ابتدائے ترقی کی حالت میں کہ ابھی حد کمال کو نہ پہونچی تھی
اُنکو لکھے گئے تھے اُنکا عنوان یہ ہے **تہامت پناہ محمد علی خان روہیلہ**
اس سے معلوم ہوا کہ جس وقت نواب صاحب کو منصب اور ماہی مراتب
عطا ہوا تو اُس وقت اُنکے اصلی نام کی جگہ **علی محمد خان** نام مرحمت ہوا۔ اور
یہ سلطنت مغلیہ کا دستور تھا کہ جسکا پایہ بڑھایا جاتا اُسکا نام بھی دوسرا سلطنت
کی طرف سے رکھدیا جاتا۔ جو بطور خطاب کے سمجھا جاتا۔ اور بعد اس کے
یہی عطیہ نام زبانوں پر جاری ہوکر وہ پہلا نام نسیاً منسیاً ہو جاتا۔ نظیر اسکی یہ ہے
کہ اعتماد الدولہ وزیر اعظم محمد شاہ کا اصلی نام محمد فاضل تھا سلطنت کی طرف سے
محمد فاضل کی جگہ قمر الدین نام مرحمت ہوا۔ برہان الملک بانی ریاست اودھ کا
اصلی نام محمد امین ہے مگر وہ خطابی نام سعادت علی خاں کے ساتھ مشہور ہوئے۔
امیر الامرا غازی الدین خاں فیروز جنگ کا اصلی نام محمد پناہ ہے ابو المنصور خاں
صفدر جنگ کا اصلی نام محمد مقیم ہے۔

قانون جامداں میں لکھا ہے کہ محمد شاہ نے نواب کو خطاب و مُہر دی
بادشاہ محمد شاہ بہادر جاری کر دیا تھا۔

اس شعر سے سکہ زد بر گل کٹھیر آنچہ یہ بات بخوبی ثبوت کو پہونچتی
ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے روہیلکھنڈ میں سکہ جاری کیا تھا اور یہ
کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اُس وقت لکھنؤ اور فرخ آباد

روہیلکھنڈ کے قرب وجوار مین ٹکسالین تھین اور بعد کو نجیب آباد اور بریلی مین جاری ہوئین تو نواب سید علی محمد خان کی قوت وشوکت بدرجہا اُنسے بالا تھی پھر اُنکو ٹکسال رکھنے مین کون مانع آتا اور ابتک ہمارے دیکھتے راجپوتانے اور مالوے کی چھوٹی چھوٹی ریاستون مین علٰحدہ علٰحدہ سکّے جاری تھے اور اُنکے یہان دارالضرب موجود تھے۔

نواب سیّد علی محمد خان بہادر کی مُہر

نواب صاحب کی مُہر مین یہ عبارت کندہ تھی "علی محمد خان بہادر فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی" یہ مہر گول اور کلان تھی۔

ذرا اُنکی تکلداری۔ تدبر اور سلسلۂ فتوحات کا اندازہ تو دیکھو۔ ایک ذرا سے چٹکلے مین کیسا بادشاہ کے مزاج کو اپنی طرف مائل کرنے کی صورت نکال لی۔

نواب سید علی محمد خان بہادر کے دستار بدل بھائی

کتب تواریخ کی تلاش سے یہ معلوم ہوا کہ نواب سید علی محمد خان صاحب سے دو شخصون نے پگڑی بدلی تھی۔

(۱) بریلی کے فوجدار پہاڑ سنگھ کھتری نے نواب سید علی محمد خان کے ساتھ پگڑی بدلی تھی[۱] جبکہ تمام روہیلکھنڈ پر نواب سیّد علی محمد خان کا قبضہ ہوگیا تو پہاڑ سنگھ اُنکی سرکار مین بڑی عزت کے ساتھ رہنے لگا اور بعد اُنکے حافظ رحمت خان کا

---

[۱] دیکھو عماد السعادت ۱۲

دیوان ملکہ دارالمہام ہوگیا۔ جبکہ حافظ رحمت خاں شجاع الدولہ کے محاربے میں مارے گئے تو شجاع الدولہ سے ملگیا اور روہیلکھنڈ کی رعایا پر زر مالگذاری کی بابت بہت سختیاں کیں مگر آخرکار اُسکی یاداش میں خود بھی اتنی کشاکش اُٹھائی کہ اُس صدمے سے مرگیا۔

(۲) شجاعت خاں ملرئی قادر گنج والے نے بھی نواب سید علی محمد خاں سے پگڑی بدلی تھی[1] یہ شخص نواب محمد خاں اور نواب قائم خاں والیان فرخ آباد کا ایک بڑا سردار تھا۔ روہیلکھنڈ پر نواب قائم خاں نے چڑھائی کی تو یہ شخص بڑی سیدلی سے نواب موصوف کا شریک تھا جبکہ نواب قائم خان مارے گئے تو شجاعت خاں نے اپنے آپ کو روہیلوں کے حوالے کر دیا اور مارا گیا۔

تنبیہ پگڑی کا بدلنا ہندوستان میں نہایت اتحاد کی علامت ہے ایسے شخص باہم بھائی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاد نواب سیّد علی محمد خان بہادر

(۱) نواب سیّد عبداللہ خاں (۲) نواب سیّد فیض اللہ خاں بطن مرغکری بیگم قوم متیاسے۔ مرغکری پشتو کی زبان میں دُر یا یاب کے معنی میں ہے۔
(۳) نواب سید سعداللہ خاں بطن سارا بیگم قوم سیروال سے (۴) سید محمد یار خاں بطن لاڈو بیگم سے (۵) سید اللہ یار خاں راج بیگم کے بطن سے (۶) سید مرتضیٰ خاں (۷) شاہ بیگم زوجۂ عنایت خاں خلف حافظ رحمت خاں

[1] دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آزاد دل صاحب ۱۲

ہمشیرۂ حقیقی نواب سید فیض اللہ خان (۸) نیاز بیگم زوجۂ شاہ محمد خان خانزادہ
قوم بڑیچ برادر رحمت خان جنکے نام سے ایک گھیر بریلی دروازے موجود ہے
(۹) معصوم بیگم والدۂ نواب غلام قادر خان ابن نواب ضابطہ خان خلف
نواب نجیب الدولہ بہادر (۱۰) عنایت بیگم زوجۂ بہادر خان خانزادہ
قوم کمالزئی (۱۱) ایک دختر بڈو خان کی بیٹی کے بطن سے تھی جس کی منگنی
اعتماد الدولہ قمر الدین خان وزیر محمد شاہ بادشاہ ہندوستان کے بیٹے کے
ساتھ ہوئی تھی مگر بیاہ سے قبل سن تمیز کو پہونچنے سے پیشتر نواب سیّد
علی محمد خان کی حیات مین انتقال ہوگیا۔

نواب سیّد سعد اللہ خان خلف نواب سیّد علی محمد خان بہادر کی مسند نشینی

جب سنہ ۱۱۶۲ ہجری میں نواب سید سعد اللہ خاں نواب سید علی محمد خاں کی جگہ مسند نشین ہوئے تو حافظ رحمت خاں وغیرہ سرداروں کے مشورے سے ملک کا انتظام ہونے لگا۔

اُس وقت نواب سید سعد اللہ خاں کی عمر تیرہ چودہ برس کی تھی وہ سنہ ۱۱۴۸ یا سنہ ۱۱۴۹ ہجری میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ سنہ ۱۱۷۵ ہجری میں اُنھوں نے انتقال کیا تو اُس وقت ستائیس ۲۷ برس کے تھے پس جن مورخوں[1] نے یہ بیان کیا ہے کہ مسند نشینی کے وقت نواب سید سعد اللہ خاں کی عمر دس برس کی تھی اور جنھوں[2] نے نواب قائم خاں کی چڑھائی کے وقت اُن کی عمر سات برس کی بتائی ہے اُنکی رائے صحیح نہیں ہے۔

---

[1] دیکھو منتخب العلوم ۱۲ [2] دیکھو اخبار حسن ۱۲

قطب الدین محمد خان کا مراد آباد کی چکلہ داری پر آنا اور روہیلون کے ہاتھ سے مارا جانا

فرح بخش مین لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خان کے مرض الموت مین قطب الدین محمد خان نبیرۂ نواب عظمت اللہ خان نواب سید علی محمد خان کی سرکار کی نوکری چھوڑ کر دہلی کو چلا گیا۔ جب اُسنے یہ سنا کہ نواب سید علی محمد خان کا انتقال ہو گیا تو اُسنے خان خانان انتظام الدولہ ابن قمرالدین خان وزیر اعظم سے استدعا کی کہ مراد آباد کی چکلہ داری پر مین بھیجدیا جاؤن یہان روہیلون کے تسلط کی وجہ سے انتظام الدولہ کو ایک حبہ بھی نہین پہونچتا تھا۔ اُسنے فورًا اس درخواست کو منظور کر لیا اور ایک پروانہ سند کے لیے لکھ کر دیدیا مگر نہ کوئی سامان جنگ دیا نہ زر نقد سے اعانت کی[۱]

بعض کہتے ہین کہ صفدر جنگ کے دل مین یہ حرص پیدا ہوئی کہ مُلک روہیلکھنڈ روہیلون سے چھین کر اپنے مُلک اودھ مین شامل کرلے اور اپنے ملک کی غربی حدود کو گنگا تک پہونچادے اس بنا پر بادشاہ کے یہان سے قطب الدین محمد خان کو روہیلکھنڈ کی گورنری کا حکم لکھوا کر روانہ کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس زمانے مین بادشاہ کی حکومت اور دبدبہ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک ادنی بچے پر بھی جسکو تلوار کا نام لینا تک نہ آتا ہو سلطنت کا کچھ رعب نہ تھا۔

---

[۱] دیکھو سیر المتاخرین ۱۲

قطب الدین محمد خاں حکومت کے نام پر مٹا ہوا تھا قرض وام کرکے تھوڑا سا
اسباب تیار کیا اور مراد آباد کی تسخیر کے ارادے سے روانہ ہوا اُسکے پاس کچھ
سپاہی بھی جمع ہوگئے اور قطب الدین محمد خاں ایک کوتہ اندیش آدمی تھا نہ
بڑی بے پروائی سے گنگا اُتر کر دھام پور نگینہ ضلع بجنور میں داخل ہوا۔ سرداران
روہیلہ نے اُسکا یہ قصد سنکر اُسکو خط لکھے کہ آپ اس ارادے سے باز آئیے
اور صلح کے ساتھ ہمارے پاس چلے آئیے جیسے ہم گذر کرتے ہیں آپکے واسطے
بھی اسی طرح آپکی مرضی کے موافق مقرر کر دیا جائے گا اُسکی موت سر پر سوار
تھی پٹھانوں کی ان تحریرات نے اثر نہ کیا۔ اخبار حسن اور منتخب العلوم سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ نواب قائم خاں والی فرخ آباد نے بھی
رہیلکھنڈ پر چڑھائی کی تیاری کی تھی۔ پس اُسوقت روہیلوں پر جو مصیبت
در مصیبت پیش تھی اُسکا اندازہ مشکل ہے۔ نواب سید علی محمد خاں کے مرنے سے
ایک بہت بڑا مدبر اور شجاع رئیس اُنکے ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ جو رئیس اسوقت
اُنکا تھا وہ ناتجربہ کار اور کم عمر تھا ہر طرف سے اُنکو دشمنوں نے گھیر رکھا تھا۔
نجیب خاں۔ عبدالستار خاں۔ دوندے خاں اور سید معصوم کی ماتحتی مین
فوج روہیلہ آنولے سے قطب الدین محمد خاں کے مقابلے کے لیے مراد آباد
کو روانہ ہوئی رام گنگا کے کنارے پر لڑائی ہوئی بعض کہتے ہین کہ وہ بجنور
دھام پور تک نہ پہونچا تھا کہ دوندے خاں نے پہونچکر اُسکا مقابلہ کیا۔
سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین محمد خاں کے ساتھ
دو تین سو آدمیوں سے زیادہ نہ تھے اور خاتم جہاں نما میں بیان کیا ہے

کہ پانسو سوار و پیادون کی جمعیت اُسکے ساتھ تھی اور تاریخ مظفری مین لکھا ہے
کہ قطب الدین محمد خان کے ساتھ سات آٹھ ہزار سوار و پیادے تھے جن مین زیادہ تر
نئے آدمی بھرتی کیے ہوے تھے۔ افغانون کی فوج کثیر تھی توپخانے کا سلسلہ بڑا
تھا اور یہ لوگ بان کی جنگ مین بڑے مشاق تھے۔ لڑائی کا تھوڑا سا زور
پڑتے ہی قطب الدین محمد خان کے اُن سپاہیون کے جو نئے بھرتی ہوکر میدانِ
جنگ مین آئے تھے۔ قدم اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے تھوڑے سے آدمی جو ساڑھے تین سو
کے قریب تھے اُسکے ہمراہ رہگئے۔ اِنمین زیادہ تر اُسکے رفیق قدیم تھے اور تھوڑے
سے نئے آدمی تھے مگر اُنھون نے اپنی شرافت اور مردانگی کی وجہ سے میدان سے
مُنھ نہ پھیرا اور قطب الدین محمد خان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ قطب الدین محمد خان کا
ایک پانوٗن گولے سے یا بان سے اُڑ گیا اور اسوقت اُسکے ہمراہی بھی کام آچکے
تھے کچھ تھوڑے سے باقی رہے تھے۔ اُنکی تسلی کے لیے قطب الدین محمد خان
نہایت استقلال کے ساتھ کہنے لگا کہ "دل مین ذرا ہراس نہ لانا چاہیئے" یہ کلمہ
جون ہی زبان سے نکلا تھا کہ ایک سخت ضرب کھا کر گھوڑے سے گرا اور دم نکل گیا۔
سیر المتاخرین کا مؤلف قطب الدین محمد خان کی تعریف کرتا ہے۔ کہتا ہے
کہ "تہور و مردانگی مین رستم سے کم نہ تھا اُسکے ہمراہیون نے بڑی ثابت قدمی کے
ساتھ لڑائی کی اور بندوقون کے فیر کیے مگر روہیلون پر فتحیاب نہ ہوسکے وہ اور
اُسکے تمام آدمی مارے گئے۔ صرف دس بارہ آدمی زخمی بچے تھے جو مرہم پٹی کے
بعد تندرست ہو گئے"۔ روہیلے چونکہ اتقا اور پرہیزگاری مین حد سے گذرے
ہوے تھے اور سیر المتاخرین کا مؤلف اپنے ہم مذہبون کا عاشق تھا یا اُن لوگون

تیدا تھا اور روہیلوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ اسلیے روہیلوں کے باب میں اچھے لفظ قلم سے نہیں ٹپکتے بلکہ جہاں موقع پاتا ہے جنگلی لیجاتا ہے چوکتا کسی سے نہیں اور انکے دشمنوں کا ذکر ادب اور تعظیم سے کرتا ہے۔

غرضکہ اس فتح کے بعد روہیلوں کی تمام فوج قائم خاں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئی۔

نواب قائم خان بنگش والی فرخ آباد کی روہیلکھنڈ پر تسخیر کے ارادے سے چڑھائی اور روہیلوں کے ہاتھ سے اُن کی تباہی

نواب قائم خاں بنگش کا ملک کٹھیر سے بالکل ملا ہوا تھا اسواسطے اُسکے اور روہیلوں کے درمیاں بہت موانست تھی۔ نواب سید علی محمد خاں کے بعد صفدر جنگ کو یہ سوجھی کہ اب ان دونوں حکمرانوں کو آپس میں لڑا دو۔ دونوں میں سے جس کسی کو شکست ہوگی اُسمیں اپنا مطلب نکلتا رہیگا۔ صفدر جنگ روہیلوں کی جمعیت کو اپنے صوبے کے قریب نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہمیشہ اُنکی بربادی کی فکر میں رہتے تھے قمرالدین خان جب تک زندہ رہے صفدر جنگ اپنے دل کا بخار روہیلوں سے خاطر خواہ نہ نکال سکے۔ صفدر جنگ نے بادشاہ کے یہاں سے روہیلکھنڈ کی گورنری کا حکم قائم خاں کے نام جاری کرکے بھیجدیا اور جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے شہنشاہ احمد شاہ نے بھی تحریک کی اُدھر جیسے صفدر جنگ نے روہیلوں کو اشارہ کردیا

کہ تم مقابلے مین کمی نہ کرنا یہ امر آر و لصاحب نے کتاب بیان لوا قعہ سے نقل کیا ہے
اس حکم کے پہونچنے پر نواب قائم خان نے خاص خاص سرداربغرض مشورہ طلب کئے سرگروہ ان مین بخشی محمود خان آفریدی مع اپنے بھائیون کے تھا انھون نے فوراً لڑائی کی راے دی لیکن نواب قائم خان اپنے پٹھان بھائیون سے لڑنا نہ چاہتے تھے۔ شجاعت خان غلزئی جسنے نواب سید علی محمد خان سے پگڑی بدلی تھی اور یاقوت خان و خان بہادر خان اور شمشیر خان اور مقیم خان اور اسلام خان اور کمال خان اور سردار خان جیلدن نے عرض کیا کہ روہیلے آپکے بدخواہ نہین ہین اگر کوئی شخص اُنکے پاس اُس طرف گنگا کے بھیجا جائیگا تو عجب نہین کہ نواب سید سعد اللہ خان آپکے پاس حاضر ہو جائینگے اس غرض کی منظوری کے لیے معظم خان برادر محمود خان آنولے کو روانہ کیا گیا اور تین خلعت نواب سید علی محمد خان کے تین بیٹون کے واسطے اُسکے ہمراہ کیے گئے کہ جاکر اُنکو عطا کرے اور حسب دستور کل جائداد مملوکہ نواب سید علی محمد خان بادشاہ کے نام سے ضبط کر لیوے اگر اسمین کوئی اعتراض واقع ہوگا تو نواب قائم خان بذات خاص حملہ کرنے کو روانہ ہونگے۔

راقم کے نزدیک قائم جنگ کے تین خلعت بھیجنا محض نظر ہے کیونکہ نواب سید علی محمد خان کی اولاد مین قابل خلعت پوشی صرف نواب سید سعد اللہ خان بہادر آنولے مین موجود تھے اور دو صاحبزادے جو اس قابل تھے وہ احمد شاہ ابدالی کے پاس افغانستان مین تھے اور اگر اولاد صغیر السن کا بھی شمار کیا جائے تو اس حساب سے چار خلعت چاہیے تھے نہ کہ تین خلعت کیونکہ صغیر السن اولاد مین

علاوہ نواب سید سعد اللہ خاں کے تین صاحبزادے اور بھی موجود تھے لیکن
حکایت کرتے ہیں کہ قبل پہونچنے معظم خاں کے نواب سید علی محمد خاں کے بیٹوں
کو سلطنت کی طرف سے خلعت سرداری پہونچ چکا تھا خیر کیسا ہی ہوا ہو معظم خاں
کی سفارت محض ناکام رہی اور روہیلوں نے جواب دیا کہ ہم نے اس ملک کو
راجپوتوں اور زمینداروں سے لیا ہے جب تک مرغ جان قفس عنصری میں
باقی ہے ملک و مال سے ہرگز دستکش ہوں گے اور وہ دوسرے دن فرخ آباد کی
طرف لوٹا جب معظم خاں نے اپنی ناکامی کی اطلاع دی تو محمود خاں نے کہا کہ
خلعت کا واپس آنا سخت اہانت کی بات ہے اور یہ اہانت اس صورت
سے مٹ سکتی ہے کہ فی الفور آنولے کی طرف کوچ کیا جائے۔ بہت دیر تک
شجاعت خاں اور چیلوں سے مشورہ رہا شجاعت خاں نے اب تک یہی صلاح دی
کہ میدان جنگ سے کنارہ کش رہنا چاہیے مگر محمود خاں کو املاک و غنیمت کا
نشہ تھا کہنے لگا کہ شجاعت خاں فریق ثانی کی دلالی کرتا ہے محض اس سبب سے
کہ اُسے نواب سید علی محمد خاں کے ساتھ پگڑی بدل تھی اس توہین سے طیش میں
آکر شجاعت خاں نے کہا کہ بسم اللہ میں جھنڈا کھڑا کر کے سب سے آگے ہوتا ہوں
اُسی وقت خزانے کے صندوق کھولے گئے جھنڈا کھڑا کیا گیا اور توپخانے
سے بارود نکالی گئی اس عرصے میں احکام تنخواہ داروں کی طلب میں جاری
ہوئے اور اطراف کے زمیندار بلائے گئے کیسل سنگھ بدر والے اور راجہ
ہندو سنگھ چھیری والے اور راجہ شیو راج پور[1] کے نام حکم بھیجے گئے اور وہ

---
[1] ضلع کانپور میں بلہور کے قریب سمت مشرق میں ہے ۱۲

مع بیس ہزار سوار کے قائم خان کے شریک ہوے کچھ سرداران مرہٹہ کہ کالپی کے ناظم تھے بلائے گئے اور جعفر خان چیلہ ناظم پرگنہ اکبرپور اُن کے پاس بھیجا گیا۔ اور شیخ فرحت اللہ لکھنوی بھی جو کہ نواب سعادت خان اور صفدر جنگ سے عداوت رکھتا تھا آکر شریک ہوا۔ روہیلے حملے کی صورت دیکھکر خوف زدہ ہوئے اور اس بلا کو ٹالنے کے لیے اُنھون نے ایک عرضداشت نواب سید علی محمد خان کی بیوہ کی جانب سے تیار کی اور سید معصوم[۱] کے ہاتھ اور بقولے حضرت سید احمد شاہ[۲] عرف شاہ جی میان والد سید معصوم کے ہاتھ کہ بڑے نیک خصلت اور عقل و دانش مین ارسطوے زمانہ اور تہور و مردانگی مین یگانہ اور افاغنہ کے پیرزادے تھے اور حضرت سید علی بابا کی اولاد مین تھے جو سادات ترمذ سے ہین فرخ آباد کو روانہ کی اور سادات اور قرآن مجید بھی اُن کے ہمراہ کیا۔ اُس عرضداشت کا مضمون یہ تھا کہ جب اس یتیم (یعنی سید سعد اللہ خان) کے والد نے قضا کی تب بجز خدا کے اور تمھاری ذات کے اُنکو کسی پر بھروسا نہ تھا اگر تمھارا یہی منشا ملک چھین لینے کا ہے خیر ایسا ہی سہی شجاعت خان اور شمشیر خان اور خان بہادر خان کو یہان بھیجدو ہم سب اُنکے ساتھ حاضر ہو جائینگے اور بعوض اُسکے والد کے ملک کے ہم بزور شمشیر مشرق مین کچھ ملک صفدر جنگ کا فتح کر لینگے۔ جب سید نواب قائم خان کے روبرو حاضر ہوے تو اُنھون نے نواب سید سعد اللہ خان کی ماں کی چادر نواب کے قدمون پر ڈالدی اور قرآن شریف ہاتھ مین اُٹھایا اور اس طرح سے نواب سے

---

[۱] دیکھو منتخب العلوم اور تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آروِن صاحب ۱۲

[۲] دیکھو اخبار حسن و فرح بخش و تاریخ فرخ آباد مؤلفہ سید ولی اللہ و عماد السعادت ۱۲

متکلم ہوے" اے قوم افغان کے سردار اس کلام مجید کے واسطے سے اس فقیر بیچارے کی عرض قبول کرلو اور اس چادر کے مالک کی عاجزی و بیکسی پر لحاظ کرکے اس قوم پر رحم کرو اور غریب بے یار و مددگار رعیتوں کے خون سے درگذر۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیا و اولیا سب کے واسطے صلح پسندیدہ ہے"۔ملہ

فرح بخش میں بیان کیا ہے کہ روہیلوں نے نواب قائم خان سے یہ بھی عرض کرایا کہ ہم ایک رقم معقول نذر کرینگے اور جتنے پرگنے دریاے گنگا کے کنارے پر واقع ہیں وہ چھوڑ دینگے اور ارواح حضرت رسول مقبول و حضرت غوث اعظم کو شفیع بنایا۔ سید کی عرض سنکر نواب بخشی محمود خان کی جانب مخاطب ہوا اور اس کل بحث کو اُسکی راے پر محول کیا اس شخص کے دل میں سواے ضرر رسانی اور فساد کے دوسری بات نہتی سید سے کہنے لگا کہ تم سید ہو پیرزادے ہو تمکو معاملات دُنیا کا حال کیا معلوم ہے تم کیوں اس قسم کے کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہو اللہ اللہ پیر کس سال کوہ کمال دریاے دانش کے دل پر اسوقت کیا گذری ہوگی آسمان کی طرف دیکھ کر رہگیا ہوگا۔ مگر زمانے نے کہا ہوگا کہ گھبراتا ہے ہمارا مزاج جوان محبوبوں کی برداشت نہیں رکھتا ایسے سیڈول بر خ عنقریب تمہارے جوانمردوں کی گھوڑ دوڑ میں ڈھالے جائینگے۔

جب چند سوال و جواب اس قسم کے ہوے تو سید کو معلوم ہوا کہ یہاں کچھ امید صلح کی نہیں ہے کئی دفعہ اُنھوں نے کہا کہ نکہ خدا اور رسول کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہے اور مغرور ضرور مقہور الٰہی ہوتے ہیں اگر خدا اور رسول کو

ملہ دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آرون صاحب ۱۲

نہین مانتے ہو تو ضرور بہتر کوئی نہ کوئی آفت پڑیگی اور تھاری فوج وسپاہ سے کچھ نہو سکے گا تم اپنی فوج پر نازان ہو تو وہ خدا پر بھروسا کیے ہوے ہین یاد رکھو کہ تمکو اجل اُس مُلک کی طرف لیے جاتی ہے۔ قائم جنگ نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اکسیر اعظم کے مصنف حکیم محمد اعظم خان صاحب مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ میان فضل امام نام ایک روشن ضمیر سنی المذہب نہایت عابد و زاہد شہر فرخ آباد کے باہر رہا کرتے تھے قائم جنگ چونکہ شیعہ تھے اسلیے اُنکے ساتھ نہایت تعصب تھا بلکہ اُن ہی کی ضد سے اپنے دو غلامون کا نام قہر امام اور غضب امام رکھا تھا جب شاہ جی میان قائم خان کے پاس سے بے نیل مرام واپس ہوے تو راہ مین میان فضل امام سے ملاقات ہوئی اُنھون نے حال دریافت کیا شاہ جی میان نے کہا کہ نہایت منت وسماجت کی گئی کہ کسی طرح سے حریف اپنے ارادے سے باز آئے مگر قائم جنگ نے ایک نہ سُنی میان فضل امام نے شاہ جی میان سے کہا کہ تم حافظ رحمت خان سے کہدو کہ بلا تامل جنگ کی تیاری کردین قائم جنگ پہ قہر امام اور غضب امام نازل ہوے ہین تم ضرور فتحیاب ہو گے'' اس کے بعد شاہ جی میان آنولہ کو واپس آئے اور روہیلون سے کہا کہ تم جنگ کی تیاری کرو۔ گزیٹیر مین ہے کہ فی الفور روہیلون نے پچیس ہزار کے قریب آدمی جمع کیے اور ڈوری رسول پور کے باغات مین خیمہ زن ہوے۔ عماد السعادت مین اُن کی فوج تعداد چالیس ہزار پیادے اور سات ہزار سوار بتائی ہے۔ روہیلے شب و روز درگاہ حافظ حقیقی مین اپنے حفظ کے واسطے دست بدعا رہتے تھے اور نہایت خائف و ہراسان تھے کیونکہ انکی فوج کی تعداد مخالف کی جماعت سے بہت کم تھی۔

اور مکر رنواب قائم خاں کی خدمت میں پیام دیا کہ تم رئیس ہو اور ہم تمہارے
تہ دل سے مطیع اور خیر خواہ ہیں یہ وقت یتیموں اور بیوؤں کی خبر گیری کا ہے مگر
کامیابی نہ ہوئی۔
نواب قائم خاں اور محمود خاں بنگش نے اب ارادہ بڑھنے کا کیا۔ اسکے ساتھ
پچاس ہزار سوار و سادے تھے جنکو سرکار فرخ آباد سے تنخواہ ملتی تھی علاوہ اس کے
سرداران بنگش تھے ا رسب کے پاس ہاتھی تھے اور سب طرح کا سامان جنگ
اُنکے پاس موجود تھا اور یکے بعد دیگرے سب لوگ سامان جنگ میں زیادہ
کوشش کرتے جاتے تھے اور اسکے سواراحگان مندرجۂ بالاکی بھی فوج تھی
علاوہ جادر کی توپوں اور رہکلوں اور زنبوروں کے دو سو بڑی بڑی توپیں تھیں
جو ہاتھیوں پر حوضوں میں کسی ہوئی تھیں۔ اور مار و دگولی با فراط تھی بعض مؤرخ
کہتے ہیں کہ قائم خاں کے ہمراہ ساٹھ ہزار آدمی تھے۔ ۲۔ ذی الحجہ ۱۱۶۲ ہجری
مطابق ۱۲ نومبر ۱۷۴۹ء کو قائم خاں کی فوج بڑے ساز و سامان کے ساتھ
آگے بڑھی اور منزل بمنزل کوچ کرتی ہوئی دریائے گنگا کے کنارے قادر گنج میں
پہونچی یہ مقام فرخ آباد سے پینتالیس میل شمال و مغرب میں ہے اور یہاں کشتیوں
کے پل سے اُتر کر ضلع بدایوں میں پہونچی شمشیر خاں وخاں بہادر خاں آگے روانہ
کیے گئے اور اُوسیت اور دوسرے موضعوں کی راہ کاٹ کر نواب کی لشکر گاہ
ندی کے کنارے تیار کی نواب قائم خاں کے لشکر کا ملاحظہ حضرت ملک الموت
نے آکر کیا یعنی اُن لوگوں میں خوف و ہراس نے اسقدر غلبہ کیا کہ دن رات
فتح کے واسطے خدا سے دعا کیا کرتے تھے اور لڑائی کی شب کو تمام رات سب لوگ

مصلے پر بیٹھے دعا کرتے رہے یہ مہم چھاتی پر غم کا پہاڑ ہو گئی تھی۔ الہی کیونکر یہ کوہ غم کٹے اور یہان روہیلون نے راہ فرار مسدود دیکھکر اپنے خیمون کے گرد دوری ورسول پور کے قریب جو بدایون سے چار میل جنوب و مشرق مین ہے خندق کھودنی شروع کی۔
تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آروِن اور خزانۂ عامرہ مین لکھا ہے کہ ۱۲ رذی الحجہ ۱۱۶۱ ہجری مطابق ۲۲ نومبر ۱۷۴۸ء روز دوشنبہ کو علی الصباح قائم خان نے روہیلون پر حملہ کیا مگر یہان غلطی ہے اسلیے کہ ۱۱۶۲ ہجری مطابق ۱۷۴۹ء مین نواب سید علی محمد خان کا انتقال ہوا تھا اور یہ جنگ اُنکے بعد ہوئی ہے اور فرح بخش مین کہا ہے کہ قائم جنگ نے ۱۱۶۱ ہجری مین چڑھائی کی تھی۔ اور سیر المتاخرین مین بیان کیا ہے کہ نواب سید علی محمد خان نے ۱۱۶۱ ہجری مین وفات پائی اور اسی سال قطب الدین محمد خان اور قائم خان نے روہیلکھنڈ پر چڑھائی کی تھی اور اسکی تقلید سے تاریخ ہندوستان مین سٹورٹ الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی نے تحریر کیا ہے کہ قائم خان بنگش اور صفدر جنگ مین دسمبر ۱۷۴۸ء مطابق ذی الحجہ ۱۱۶۱ ہجری مین روہیلون سے لڑنے مرنے کی بابت قول و قرار ہوے اور جام جہان نما مین ذکر کیا ہے کہ قائم خان کا معرکہ اُسوقت واقع ہوا جب نواب سید عبد اللہ خان اور نواب سید فیض اللہ خان قندھار سے ہندوستان مین آچکے تھے اور ملک روہیلکھنڈ کو، بیہ سردار باہم تقسیم کر چکے تھے۔ اور منتخب العلوم مین کہا ہے کہ نواب قائم خان نے قطب الدین محمد خان کی امداد کے لیے فوج کشی کی تھی۔ لیکن یہ تمام اقوال اور سال غلط ہین۔ پس صحیح یہ ہے کہ ۱۱۶۲ ہجری مطابق ۱۷۴۹ء مین نواب قائم خان نے

[۱] دیکھو تکملۂ تذکرہ ملوک مؤلفۂ حاجی محمد رفیع الدین خان مرادآبادی ۱۲

فوج کشی کی بھی جانب نواب قائم خاں کے مقتول ہونے کے تاریخی مادے جو نظر سے گذرے اُن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ بہر صورت نواب قائم خاں نے ۱۵ ماہ ذی الحجہ کو علی الصباح حکم جنگ کا دیا۔ خود لباس رزم پہنکر مع اپنے پندرہ بھائیوں (مثل عبدالنبی خاں۔ ہادی داد خاں۔ بہادر خاں مرید خاں امام خاں۔ مرتضیٰ خاں۔ احمد خاں حسین خاں۔ اسماعیل خاں و کریم داد خاں وغیرہ) اور خاص سرداروں اور رشتہ داروں اور بخشی محمود خاں کے بھائی سدوں مثل معظم خاں و اعظم خاں۔ یوسف خاں و سعادت خاں صلابت خاں واحمد خاں اور اُن راجوں کے جو کمک کو آئے تھے ہاتھی پر سوار ہوئے۔

روہیلوں کی طرف سے بھی فوج مقابلے کو تیار ہوئی نواب سید سعد اللہ خاں کی خواصی میں سید حسن شاہ ن علی شاہ کو کہ اہل اللہ میں سے تھے بٹھایا اور روہیلوں کی فوج کی ترتیب اس طرح تھی کہ سید احمد اور فتح خاں اور عبدالستار خاں کو مقدمۂ لشکر میں مقرر کیا۔ دوندے خاں کو میمنہ میں رکھا بخشی سردار خاں کو میسرہ میں اور نواب سید سعد اللہ خاں اور دوسرے سردار اُنکے عقب میں تھے۔ حافظ رحمت خاں تاب لشکر میں مقیم ہوئے قائم خاں کے توپخانے نے روہیلو کو بہت نقصان پہونچایا نواب قائم خاں نے حیلہ تمسیر خاں مقیم خاں و اسلام خاں وجعفر خاں رستم خاں و کمال خاں دخاں بہادر خاں کو بیس لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور یہ لوگ محلات تمام اُس باغ میں جہاں دوندے خاں مقیم تھے جا پہونچے تمسیر خاں نے باغ کے حوالی گوتے کی طرف حملہ کیا اور وہاں کی سپاہ روہیلہ کو

صلہ دیکھو گل رحمت ۱۲

تہ تیغ کرکے توپین چھین لین اور روہیلون کے پاؤن اُکھڑ گئے۔ اس لیے حافظ رحمت خان مدد کو پہونچ گئے اور اب لڑائی روہیلون کی طرف سے سنبھل گئی۔ بخشی سردار خان بھی تین ہزار بندوقچیون کے ساتھ اپنے مورچے سے کمک کو چھٹے مگر دشمن کے ہجوم کی وجہ سے دوندے خان تک نہ پہونچ سکے باجرے کے ایک کھیت مین بیٹھ گئے۔ بعض روہیلے جو درختون پر چڑھے ہوے چھپے بیٹھے تھے اور کسی کو نظر نہ آتے تھے اوپر سے تیر اور گولیان برسانے لگے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تیر اور گولیان آسمان سے برستی ہین۔ کئی گولیان بہادر خان کی زرہ مین لگین اور ایک تیر شمشیر خان کی پیشانی کو چھیلتا ہوا نکل گیا اور بہت سے فرخ آبادی مارے گئے۔ جبکہ قائم خان نے اپنی سپاہ کی سستی اور نواب سید سعد اللہ خان کے ساتھ جمعیت کم دیکھی تو اپنے دوسرے سردارون کو لیکر اول حملے کی مدد کو پہونچے پہلے تیر اور بندوقین چھوڑین اور پھر شمشیر بدست ہو کر بہت سے روہیلون کو قتل کیا اُسوقت جنوبی گوشے کی طرف سے یہ لوگ لڑتے لڑتے نواب سید سعد اللہ خان تک پہونچگئے اور ایک گولی بھی نواب سید سعد اللہ خان کی گردن کے قریب سے نکل گئی منور خان کے ہاتھ مین ایک گرز تھا اُسنے اُٹھا کر چاہا کہ نواب سید سعد اللہ خان پر مارے مگر معظم خان چلا اُٹھا کہ بھائی اِن کو زندہ گرفتار کرو اور اُسی وقت اپنا ہاتھی بڑھا کر نواب سید سعد اللہ خان کے ہاتھی کے قریب لے گیا تین مرتبہ اپنے پٹکے کا پھندا بنا کر نواب سید سعد اللہ خان پر ڈال کر کھینچنا چاہا مگر سید حسن شاہ نے کہ اُنکی خواصی مین بیٹھے ہوے تھے کاٹ کاٹ دیا[1]۔ اور بعض

[1] دیکھو اخبار حسن و گل رحمت ۱۲

کہتے ہیں کہ نواب سید سعد اللہ خاں اپنے حصے میں وکٹ گئے اور پھندے سے چھٹا کی سید حسن شاہ معظم خاں کی تلوار سے زخمی ہوگئے اسلیئے مدافعت کی قوت نہ رہی ایک روہیلہ ہاتھ میں سندوق لیے اُنکے ہاتھی کے پاس متحیر سا کھڑا ہوا اس دارو گیر کو دیکھ رہا تھا سید صاحب نے اُس سے سختی کے ساتھ کہا کہ اسکے سندوق مار دے تب اُسکے اوسان درست ہوئے اور معظم خاں کے سینے میں گولی ماردی اور اُسوقت لڑائی کی یہ حالت تھی کہ کبھی روہیلے فیل سواروں کو ہٹادیتے تھے اور کبھی فیل سوار روہیلوں کو پریشان کر دیتے تھے ملا سردار خاں جن کا مورچہ باغ کے جنوب میں تھا مع چند ہزار سواروں اور سندوقچیوں کے اپنے مورچے سے جھپٹے اور تمام سکش سرداروں کو مار دھر پر دھر لیا۔ ہاتھیوں کے بھی گولیاں لگیں اور اعظم خاں صلابت خاں ثلال خاں اور دوسرے آفریدی سردار مارے گئے یہ دیکھکر محمود خاں اپنا ہاتھی آگے بڑھالایا اور تھوڑے عرصے کے بعد وہ بھی گولی سے مارا گیا تب نواب قائم خاں نے اپنے بھائی عبدالنبی خان کو اُسکی کمک پر جانے کا حکم دیا عبدالنبی خاں اور شاہ اسد علی ایک ہاتھی پر سوار تھے عبدالنبی خاں تو مارا گیا اور اسد علی کی کُھنی پر زخم لگا۔نواب قائم خاں کے حکم سے نواب محمد خاں کے بیٹے یکے بعد دیگرے بڑھنے لگے اور قتل ہوئے چنانچہ ہادی داد خاں بہادر خاں مرید خاں تو قتل ہوئے اور امام خاں فخر الدین خاں مرتضیٰ خاں مجروح ہوئے۔ تین کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب قائم خاں ادھستہ کمینگاہ میں جا پڑنے سے مارے گئے مگر دوسروں نے اس بیان کو نہیں لکھا ہے۔

سلہ دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آروں صاحب ۱۲

تفصیل اسکی یہ ہے کہ منگل خان موسٰی نگری نے نواب قائم خان سے مشورۃً
یہ کہہ رکھا تھا کہ تا وقتیکہ جنگ کا تصفیہ نہ ہو جائے ہرگز آگے قدم نہ بڑھانا مگر نواب
نے اُسکی نصیحت کو محض لغو تصور کیا۔

عماد السعادت مین لکھا ہے کہ دونون فوجون کے درمیان بڑی طویل و عریض
اور عمیق جھیل تھی اُسکی زمین بیہڑ تھی۔ اور اس جھیل کے اوپر دونون طرف باجرے کا
کھیت تھا۔ فرح بخش اور اخبار حسن مین جوار کا کھیت بتایا ہے جھیل کی داہنی طرف
والے کھیت مین تین ہزار روہیلے اور بائین طرف والے کھیت مین پانچ ہزار روہیلے
بندوقین بھرے ہوے بیٹھے تھے اور یہ سب بخشی سردار خان کے ہمراہ تھے جیسا کہ
اور کتب تواریخ سے ثابت ہوتا ہے قائم خان نے غرور سے اُن روہیلون پر حملہ
کیا جو اُنکے مقابل تھے وہ تمام پسپا ہو کر اُس جھیل مین گھس پڑے اور نواب قائم خان
اُنکے متعاقب اٹھارہ ہزار سوار اور اکیاون سرداران فیل نشین کے ساتھ جھیل کے
اندر چلے گئے چونکہ روہیلے پیادہ تھے اسلیے بآسانی اوپر چڑھکر بھاگ گئے
قائم خان جھیل مین نصف راہ بھی نہ جانے پائے تھے کہ جو روہیلے کمینگاہ مین تھے
سب کے سب اُٹھکر دفعۃً جھیل کے داہنے اور بائین کنارے پر آ لئے اور
آٹھون ہزار نے ایک دفعہ باڑھ ماری ایسے نازک وقت مین راجہ ہندو سنگھ

۱؎ موسی نگر بھوگنی ضلع کانپور سے جنوب و دریائے جمنا کے بائین کنارے پر واقع ہے ۱۲
۲؎ بیہڑ بائے موحدہ کے کسرے اور یائے تحتانی مجہول اور ہائے ہوز مفتوح اور رائے ثقیل کے سکون سے اور یائے معروف سے بھی آیا ہے جیسا کہ فرہنگ آصفیہ مین ہے ناہموار اور اونچی نیچی زمین اور وہ زمین جس مین بڑے غار اور نالے کھالے ہون جیسے دریا اور ندی کے قریب کی زمین۔ خواجہ حیدر علی آتش نے اپنے شعر مین اس لفظ کو باندھا ہے ؎ بلند و پست عالم کا بیان تحریر کرتے ہین ✤ قلم سے شاعرون کا یا کوئی رہرو ہے بیہڑ کا ✤ ۱۲

وگنگا سنگھ اور کسل سنگھ جو قائم خاں کی داہنی جانب تھے منھ پھیر کر بھاگے اور کالسی کے مرہٹوں نے بھی اُنکی دیکھا دیکھی ویسا ہی کیا یہ حالت دیکھکر حافظ رحمت خاں دوندے خاں فتح خاں مارے سے نکلے اور ملا سردار خاں سے متفق ہوکر قائم خاں پر آن پڑے۔ نواب کے ہمراہی جو بہور محفوظ تھے اُسکے ہاتھی کے گرد جمع ہوگئے روہیلے برابر باڑھیں مارتے رہے۔ جب نواب قائم خاں کے گرد بہت سے سپاہی مارے گئے تب روہیلوں نے اُسکے ہاتھی کو گھیر لیا اور اُسپر گولیاں چلانے لگے۔ شیخ رحمت اللہ لکھنوی جو داہے مار و پر تھا ایسا ہاتھی قائم خاں کے قریب لایا مگر بی الفور مارا گیا تھوڑی دیر بعد قریب ڈیڑھ گھنٹہ دن چڑھے نواب قائم خاں کی پیشانی میں ایک گولی لگی اور فوراً سرد ہو گئے اور رحمت بردگی بادھ کرگنٹھ کے گنٹھر ہمراہ لیگئے۔ ولاور خاں ترکستی نے جو نواب کے پاس بیٹھا تھا اُس کو اپنی گود میں لے لیا اور اپنے رومال سے خون پونچھنے لگا بہت کچھ کوشش کی کہ نواب کی لاش اُٹھالیجائیں مگر ریں خاں اور شاعر خاں روہیلوں نے قائم خاں کے ہاتھی پر چڑھکر اُسکی لاش اُتار لی اور سر کاٹ کر ایک جگہ دفن کردیا اور قائم خاں کے ہاتھوں اور گلے میں جتنا جواہرات تھا اُنھوں نے لیکر چھپا دیا۔ جو نامی لوگ قائم خاں کے ساتھ مارے گئے اُنکے نام یہ ہیں منگل خاں موسی نگری معظم خاں دریا آبادی حضر خاں اور خاں بہادر خاں خواجہ سرا اور رستم خاں وکمال خاں چیلے اور روشن امام ولد میاں فضل امام اس جنگ میں شجاعت خاں عارفی محض اس وجہ سے آیا تھا کہ وہ نواب کا ملازم تھا ورنہ یہ لڑائی بالکل اُسکی مرضی کے خلاف تھی تنہا ایک جانب

کھڑا تھا جب اُسنے یہ سُنا کہ قائم خان مارے گئے تو رویا اور کہنے لگا کہ ایسا سردار مارا جائے اور مین سلامت جاؤن۔ بی بی صاحبہ (والدۂ قائم خان) کو کیا منہ دکھاؤنگا یہ مجھ سے نہ ہوسکیگا وہ حافظ رحمت خان وغیرہ کے روبرو اپنے تئین حوالے کردینے کی غرض سے گیا جب وہ حافظ رحمت خان کے قریب پہونچا روہیلون نے کہا تھارے مُنھ مین خاک پڑے۔ حافظ رحمت خان کہ ہاتھی سے اُتر چکے تھے اُس سے کہنے لگے تم اُتر و پالکی منگواتا ہون مگر دیوان مان رائے جو قریب کھڑا تھا زبان پشتو مین کہنے لگا۔ عُقلا بچھو کو مار کر اُسکے بچے کو زندہ نہین چھوڑا کرتے ہین۔ اس اثنا مین ایک روہیلے نے ایک جانب سے آکر شجاعت خان کے سینے مین گولی لگائی اور وہ فوراً جان بحق تسلیم ہوا۔

جب نواب قائم خان مارے گئے تو اُنکے باقی ماندہ سردار کچھ زخمی اور کچھ خستہ وخراب وہان سے بھاگے مفرورین کی تفصیل یہ ہے۔ نواب احمد خان زخمی شدہ۔ اور اُنکا بیٹا محمود خان۔ اور حسین خان اور فخر الدین خان و اسماعیل خان و امام خان اور کریم داد خان یہ سب قائم خان کے بھائی تھے اور شمشیر خان و مقیم خان و اسلام خان کہ چیلے تھے جب وہ بھاگے تو کسی نے اُنکا تعاقب نہین کیا اور نہ کوئی اُنکا سدِ راہ ہوا۔ ایک تو سب کے سب منتشر اور پراگندہ تھے اور دوسرے اُس طرف کے زمینداروں نے اُنکو بہت تنگ کیا کیونکہ یہ آنا عید گاہ سے گھر آنا تو تھا نہین خیر جون تون کرکے دریاے گنگا کے کنارے یہ سب مجتمع ہوے پہلے کشتیون کا پُل باندھا گیا۔ نواب احمد خان نے اس پل کو توڑ واڈالا اور ہاتھیون پر دریا پار ہوے۔ اور سوار و پیادے کپڑے اُتار اُتار کر دریا پیر گئے۔ سب کے سب شہر فرخ آباد مین

شاہ راہ چھوڑ کر گلیوں سے گھسے اور اپنے اپنے گھروں میں چھپ رہے۔ جب شہر میں یہ شور ہوا کہ نواب قائم خاں مارے گئے اور اُنکی فوج نے شکست پائی۔ ہر گلی و کوچہ میں آہ و واویلا مچی۔ گھر گھر ماتم سرا ہو گیا ہزاروں فرخ آبادیوں کی لاشیں میدان میں پڑی تھیں جو پہچانی گئیں اُنکی لاشیں اُنکے عزیز لے جاکر دفن کیں۔ روہیلوں کے ہاتھ جس قدر غرور آئے اُنکا کل اسباب لوٹ لیا۔ خیمے بھی سب لٹ گئے۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں پر بھی قبضہ کر لیا اس کے بعد حافظ رحمت خاں اور نواب سید سعد اللہ خاں قائم خاں کے ڈیرے میں آئے اور نواب اُنکی لاش تلاش کرائی تو بے سر دھڑ ملا جب سر کی بہت جستجو ہوئی تو ریں خاں اور شاعر خاں نے کہا کہ اگر اُنکے جواہرات کا مطالبہ نہیں کیا جائے تو ہم لے آئیں حافظ صاحب نے وعدہ کیا تب وہ قائم خاں کا سر کھیڑ لائے حافظ صاحب نے لاش سے ملوا کر سلوا دیا[1] اور دوشالہ لاش پر اُڑھا کر پالکی میں رکھوا کر فرخ آباد کے چند معتمدوں کے ساتھ فرخ آباد کو میدان جنگ سے روانہ کیا فاتحہ پڑھنے اور ماتم کرنے والے اُس کے ساتھ تھے۔

مگر آر ون صاحب کی تاریخ فرخ آباد سے ثابت ہے کہ نواب قائم خاں کا سر ہاتھ نہیں آیا تھا کیونکہ اُنکا بیان ہے کہ لڑائی کے تیسرے روز تین لاشیں نے سر الیہ بیگم عرف بی بی صاحبہ والدۂ قائم خاں کے روبرو کی گئیں۔ نواب قائم خاں کی لاش اس طرح پہچانی گئی کہ نواب کے پاؤں پر ایک پدم تھا اور حیات ملرع میں اُن ہی کپڑوں میں لپیٹ کر جو مرتے وقت اُنکے بدن پر تھے

[1] دیکھو گل رحمت ۱۲

اُنکے باپ نواب محمد خان کے پہلومین دفن کیا تاریخ عالم شاہی اور جام جہان نما مین جو لکھا ہے کہ "لاش قائم خان در رزمگاہ یافتہ نشد" یہ صحیح نہین۔ فرخ آبادیون کی شکست کے بعد روہیلون نے درگاہ آلہی مین لاکھون شکر کیے اور شادیانے بجاتے اور فتح کے نشان اُڑاتے ہوے لڑائی سے ساتوین دن اپنی دارالریاست آنولے کو واپس آئے۔

فرخ آباد کے جس قدر پرگنے گنگا کے اُتر کی جانب واقع تھے اُنپر قبضہ کرنے کو سپاہ تعینات کی گئی اُس زمانے مین اُسمین یہ محال تھے۔ بدایون۔ اوسیت[۵۱]۔ جلال آباد۔ مہرآباد[۵۲]۔ اوسیا۔ اوجھیانی۔ کھاکت[۵۳] موٗ وہلیا۔ امرت[۵۴] پور۔ اسلام گنج۔ پرم نگر۔ سہسوان۔ سپاہ روہیلہ کھاکت موٗ تک بڑھ گئی یہ جگہ فرخ آباد کے قریب واقع ہے یہان ایک چیلہ عامل تھا اُسنے مقابلہ کیا اور روک کی جب بہت سے روہیلے کام آئے تو سب سپاہ روہیلہ واپس چلی آئی۔ عماد السعادت مین لکھا ہے کہ روہیلون نے چاہا کہ گنگا کو عبور کرکے قائم خان کے مُلک پر قبضہ کرلین۔ حافظ رحمت خان نے اُنکو روکا اور کہا کہ تمکو جو یہ فتح حاصل ہوئی یہی غنیمت ہے ورنہ ہم کہان اور قائم جنگ کا مارنا کہان علاوہ اسکے قائم خان قوم افاغنہ کے لیے باعث فخر تھا۔ پٹھان کو لازم نہین کہ اپنے بھائی بند کے ساتھ بدسلوکی کرے قائم جنگ نے جو کچھ کیا اُسکا نتیجہ پالیا تمکو بھی اُس کے مُلک کے فتح کرنے سے کوئی فائدہ نہوگا بہتر یہ ہے کہ اللہ کا شکر کرو اور

---

[۵۱] اُوسیت گنگا کے اُس طرف ضلع بدایون مین واقع ہے ۱۲ [۵۲] مہرآباد گنگا کے اس طرف ضلع شاہجہان پور کے جنوب مین ہے ۱۲ [۵۳] کھاکھت موٗ وہلیا گنگا کے اس طرف تحصیل علی گڈھ ضلع فرخ آباد مین ہے ۱۲ [۵۴] امرت پور گنگا کے اس طرف تحصیل علی گڈھ ضلع فرخ آباد مین ہے ۱۲

آگے کو قدم مت بڑھاؤ۔ چنانچہ روہیلوں نے حافظ رحمت خاں کے ارشاد کی
تعمیل کی گنگا کے اُس طرف کے کچھ پرگنے ہمیشہ کے لیے فرخ آباد کی ریاست کے حکم سے
نکل گئے اور فتح خاں خانساماں ان پرگنوں کے حاکم مقرر کیے گئے۔ صرف امرت پور
کھاکھت مؤ اور پریم نگر اُس گمنام چیلے کی شجاعت سے ریاست فرخ آباد کے
قبضے میں رہے۔

قائم خاں کا تمام ساماں و اسباب وغیرہ اور توپ خانہ اور ہاتھی وغیرہ
روہیلوں کے ہاتھ لگے روہیلوں نے قائم خاں کی والدہ کے پاس بہت معذرت
کہلا بھیجی اور عزا و تعزیت کے مراسم ادا کیے۔ نواب سید سعد اللہ خاں نے اُس سے
کہلا بھیجا کہ ہماری طرف سے کوئی برائی ظہور میں نہیں آئی ہم نے بہت کچھ چاہا کہ
لڑائی نہ ہو اور آپس میں مصالحت کی تدبیر نکالی مگر قائم خاں نے نہ مانا۔

ہندوستان میں یہ بات دور دور تک مشہور ہو گئی کہ نواب سید سعد اللہ خاں
نے باوصف کم سنی کے قائم جنگ کو جس کے پاس اعلیٰ درجے کا ساماں جنگ تھا
تباہ کر دیا۔ یہ معرکہ روہیلوں کے اقبال کا وہ کارنامہ تھا جس کے دمامے سے سارا
ہندوستان گونج اٹھا جہاں جہاں دشمن تھے سناٹے میں آکر دم بخود ہو گئے۔

آخر ذی الحجہ سنہ ۱۱۶۲ ہجری مطابق نومبر سنہ ۱۷۴۹ء میں احمد شاہ بادشاہ دہلی
سے فرخ آباد کی ضبطی کے لیے روانہ ہوئے اور کول میں مقام کیا تو نواب سید سعد اللہ خاں
کو لکھا اور تقاضا کیا کہ قائم خاں کا توپ خانہ اور تمام مال مسروقہ اور ہمارا نذرانہ
داخل کرو چنانچہ بادشاہ کے حکم کے موجب نواب سید سعد اللہ خاں نے لوٹ کے
مال میں سے عمدہ عمدہ ہاتھی اور کچھ اور ساماں بادشاہ کے حضور میں بھیجا۔

سیر المتاخرین مین لکھا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خان پر ایک مقدار نا معلوم
بادشاہی خراج یا نذرانے کی بھی مقرر ہوئی۔

سنبا اور کھیر اگرھ اور دوسرے پرگنات دامن کوہ کی تسخیر

حافظ رحمت خان نے پیلی بھیت مین پہونچکر پیلی بھیت کے شرق مین ترائی کے
ملک پر تسلط کرنا شروع کیا اور شیخ کبیر کو پرگنات سنبا اور کھیر اگرھ وغیرہ پر قبضہ کرنے کو
آگے کو روانہ کیا سنبا کے لوگون نے شیخ کبیر کا مقابلہ کیا بہت سے آدمی روہیلون کے ہاتھ
سے مارے گئے اور زخمی ہوے اور باقی بھاگ گئے اور اُنکا سرغنہ پکڑا گیا۔ جب
حافظ الملک کو فتح کا مژدہ پہونچا تو شیخ کبیر کو حکم دیا کہ وہان کی رعایا کو کسی طرح کا نقصان
نہ پہونچایا جائے اور وہان کے سرغنہ کو رہا کرکے اور اُسکی سرفرازی کرکے کھیر اگرھ کو
فتح کرو جو لکھنؤ سے ساٹھ کوس پر جانب شمال مین اور بریلی سے اسی قدر شرقی جانب
واقع ہے اور ملک اودھ کے توابعات مین سے تھا۔ چنانچہ شیخ کبیر کھیر اگرھ کی طرف
بڑھے اور حافظ صاحب چار دن کے بعد پیلی بھیت سے سنبا کو روانہ ہوے اور
وہان پہونچکر وہان کے زمیندار پر اپنی طرف سے زمینداری بحال کرکے آپ کھیر اگرھ
کی فتح کے انتظار مین قیام کیا۔ کھیر اگرھ کا راستہ نہایت دشوار گزار تھا اُسکے غربی
جانب دریاے سار دھا جاری ہے جو اودھ کے تلے گھاگھرا کہلاتا ہے شیخ کبیر اُس
دشوار گذار جنگل کو طے کرکے سار دھا کے کنارے پہونچے جسکی دھار نہایت تیز تھی۔
مگر اُنکو پایاب اُترنے کا ایک جگہ موقع مل گیا اور ہاتھیون کے ذریعہ سے دریا کو اُترنا
چاہا تو کھیر اگرھ کی رعایا اُنپر بندوقین مارنے لگی مگر پٹھان ویری کے ساتھ اُتر ہی گئے

اور کسانوں پر حملہ کر کے اُن کو بھگا دیا اُنھوں نے کھیر اگڑھ پہونچکر اس لشکر کی چڑھائی کی خبر کی میدار دس ہزار آدمی جمع کر کے مدافعت کے لیے تیار ہوے شیخ کبیر کھیر اگڑھ سے تین میل کے فاصلے پر مقیم ہوے صبح کو لڑائی ہوئی مگر تھوڑے سے مقابلے کے بعد دشمن بے غیرتی کی چادر سر پر ڈال کر بھاگ نکلے شیخ کبیر کھیر اگڑھ میں داخل ہوئے اور بھاگے ہوے لوگوں کا مال واسباب ضبط کر لیا۔ اور رعایا کی دلجوئی شروع کی جب حافظ الملک کو اس فتح کی اطلاع ملی تو حکم بھیجا کہ رعایا کو اُن کے مکانوں میں آباد کر کے اور کسی مستعد افسر کو انتظام کے لیے چھوڑ کر بھرتاپور کی تسخیر کے لیے بڑھو یہ مقام کھیر اگڑھ کے گوشۂ مشرق و شمالی میں اُس سے چھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے جسکے عرب و مشرق کی جانب دریاے کوڑیالا اور کریال جاری ہیں اور وہاں دشوار گذار جنگل تھا شیخ کبیر روانہ ہو کر کریال پر پہونچ گئے منور کے وقت راجپوتوں نے روکا مگر تھوڑی سی لڑائی کے بعد بھاگ کر بھرتاپور کے قلعہ میں متحصن ہوگئے شیخ کبیر نے تعاقب کر کے محاصرہ کر لیا اور سر کے لیے روزانہ حملے شروع کیے لڑائی دن رات جاری تھی تیر و تفنگ جواب و سوال کرتے تھے جب محصورین پر ثابت ہوگیا کہ اب اُنکی حفاظت مشکل ہے تو وہاں کے سردار نے دو سو ہمراہیوں کو قلعہ کی حفاظت پر چھوڑا اور رات نے ایسی سیاہ چادر تانی تو خود اندھیرے میں بھاگ گیا شیخ کبیر نے حملہ کیا پٹھان چاروں طرف سے قلعہ کی فصیلوں پر چڑھ گئے اور اندر گھس گئے اور سب محصورین کو جو مقابلہ کرتے تھے قتل کر ڈالا۔ اس فتح کے بعد حافظ الملک کے حکم سے شیخ کبیر نے محولیا اور ورمالو اور سنگھپا کی فتح کو روانہ ہوے اور دیپرک ٹوک کے اُپر قبضہ کر لیا اور آس پاس کے جو زمیندار حملے کے خوف سے ایسے ایسے

مقامون سے بھاگ گئے تھے اُنکو بلا کر تسلی و تشفی کی اور آباد ہوجانے کے لیے حکم دیا اور ہر ایک پر خراج و باج مقرر کیا اور بہت سا نذرانہ حافظ الملک کی خدمت مین بھیجا اور ہر پرگنے مین اپنی طرف سے تھانے مقرر کر کے خود سنبا کو لوٹ گئے حافظ الملک نے شیخ کبیر کی بہت تعریف کی اور اُنکو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ جب شیخ کبیر سنبا مین پہونچے تو کھیر اگڑھ کے بنجارون کا سرغنہ جسکی زمینداری نصف پرگنے مین تھی اور آدھا پرگنہ راجپوتون کی ملکیت مین تھا حافظ صاحب کے پاس آیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی حافظ صاحب نے خلعت سرفرازی دیکر کھیر اگڑھ کی خدمت اُس سے متعلق کردی۔ تھوڑے دنون کے بعد حافظ الملک نے شیخ کبیر کو تازہ فوج دے کر پرگنات ملہوارہ اور چھپالی واقع دامن کوہ کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ شیخ کبیر نے اوّلاً ملہوارہ پہونچکر جبراً اُسپر قبضہ کرلیا۔ پھر چھپالی کی فتح کے لیے روانہ ہوے۔ یہ پرگنہ راجہ ڈوٹی کے تحت حکومت تھا اور یہ قصبہ اُس نواح کی ایک بہت بڑی منڈی تھا جس مین پہاڑی اور شہری لوگ تجارت کرتے تھے اور ڈوٹی کے راجہ کی سپاہ بھی محافظت کے لیے اُس مقام پر مقرر تھی اور وہان کا محصول وصول کیا کرتی تھی۔ شیخ کبیر چھپالی کے قریب پہونچے تو راجہ کے آدمی مقابلے کو تیار ہوے مگر دو میلون سے شکست پاکر بھاگ نکلے۔ شیخ کبیر نے وہان کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرلیا۔ عمدہ عمدہ چیزین تو حافظ رحمت خان کو بھیجین باقی سامان سپاہ پر تقسیم کردیا اور اس مہم سے فارغ ہوکر سنبا کو معاودت کی جہان حافظ رحمت خان مقیم تھے ڈوٹی کا راجہ فتح الموڑہ کے وقت سے روہیلون کا لوہا مانے ہوا تھا جب یہ تازہ واقعہ پیش آیا تو اُسکو اپنی حکومت کے زوال کا

اندیشہ پیدا ہوا۔ اسلیے اُسے ایک تحریر حافظ صاحب کی خدمت میں لکھی جس میں
یہ لکھا کہ میں دوستی اور اطاعت کو موجود ہوں اور اسی تحریر کے ساتھ بہت کچھ پیش کش
اور پہاڑی عمدہ عمدہ چیزیں بھی بھیجیں۔ راجہ کے سفیر مقام بسا میں حافظ صاحب
کے پاس پہونچے اور التماس کیا کہ اپنی طرف سے پچھالی مرحمت کر دیجیے حافظ صاحب
نے یہ التماس اس شرط پر قبول کیا کہ راجہ ہر سال میں کتنی بھیجتا رہے اور دامن کوہ
کے تمام مقامات کی فتح سے فارغ ہو کر چار مہینے کے بعد بسا سے معاودت کر کے
پیلی بھیت آئے اس عرصے میں اُنکو یہ خبر پہونچی کہ صفدر جنگ نے قائم خان
بنگش کی تمام ریاست کو ضبط کر لیا یاد رکھنا چاہیے کہ یہ جو کارروائیاں ہوئیں اور
ممالک فتح ہوئے یہ سب نواب سید سعد اللہ خان بہادر کے حکم سے ہوئے اور اُنکا ہی
اقبال انکیں یاوری کر رہا تھا حافظ صاحب نائب ذی اختیار تھے۔

ابو المنصور خان صفدر جنگ کا فرخ آباد کی ریاست کو ضبط کر لینا۔ نواب احمد خان بنگش کا صفدر جنگ کے نائب نول رائے کو شکست دینا اور نواب احمد خان کی کمک کے لیے صفدر جنگ کے مقابلے مین روہیلون کی فوج کا جانا

جبکہ صفدر جنگ اپنے بڑے مطلب یعنی روہیلوں کی شکست سے مایوس
ہوئے تو اُنھوں نے اپنی بدبختی کے نقصان کو یوں پورا کیا کہ اپنے رفیق نواب

قائم خان مقتول کے سارے ملک پر قبضہ اور تصرف کر لیا اور فرخ آباد کی ضبطی کے
بعد وہلی کو چلے گئے اور نول رائے کو وہان کا گورنر مقرر کر گئے۔ مگر صفدر جنگ کی
دون ہمتی نے اُنکو کچھ فائدہ نہ دیا اسلیے کہ نول رائے کی سختیون کی وجہ سے قائم جنگ
کی رعایا اُس سے باغی ہو گئی اور نواب احمد خان برادر قائم خان نے اُسپر خروج کیا
فرخ آبادیون کی آمادگی جنگ کی خبر تھوڑے ہی عرصے مین دہلی پہونچی اور صفدر جنگ
نے سلخ (آخر) ماہ رمضان ۱۱۶۳ھ ہجری روز جمعرات مطابق ۲۳ جولائی ۱۷۵۰ء
کو بادشاہ سے رخصت حاصل کی اور بڑے لشکر کے ساتھ نول رائے کی مدد کے لیے
فرخ آباد کی طرف کوچ کیا علاوہ وزیر کی فوج کے پندرہ[۱] ہزار آدمی کنور سورج مل
پسر مہاراج مدن سنگھ بھرت پور والے کے ساتھ تھے دہلی سے تین چار روز مین
دو منزل آئے تھے کہ احمد خان کے ہاتھ سے نول رائے کی شکست کی خبر سنی۔ وزیر مارہرے
مین ٹھہر کر فوج بڑھانے کا بندوبست کرنے لگے۔ احمد خان نے بھی اپنی فوج کو وزیر
کے مقابلے کے لیے بڑھانا شروع کیا۔ گل رحمت مین بیان کیا ہے کہ احمد خان نے
بی بی صاحبہ والدۂ قائم خان کی طرف سے ایک ایلچی روہیلون کے پاس اس غرض
سے بھیجا کہ وہ بھی مدد کرین۔ حافظ صاحب نے پٹھانون کی تباہی پر خیال کر کے
پرمول خان اور دوندے خان اور دوسرے جماعہ دارون کو چیدہ سپاہ کے ساتھ احمد خان
کی کمک کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ کڑے کڑے کوچ کر کے جلد احمد خان سے جا ملین
اور آپ بھی روانگی کے ارادے سے شہر بریلی سے خیمے باہر نکلوا کر کھڑے کرائے۔ لیکن
اس بات کی تحقیق کے لیے کہ وزیر فرخ آباد کے قریب پہونچے یا نہین توقف کیا اور

---

[۱] دیکھو وقایع راجپوتانہ ۱۲

سپاہ کی فراہمی میں مشغول ہوئے۔ صفدر جنگ کو یہ خبر ہو چکی کہ روہیلے بھی احمد خاں کی مدد کو آمادہ ہوئے ہیں تو فوراً احمد خاں سے لڑائی کے لیے آگے بڑھے ۲۲ رشوال ۱۱۶۳ہجری مطابق ۱۳رستمبر ۱۷۵۰ء کو خاص وزیر کو احمد خاں کے ہاتھ سے رام چتونی میں جو سہاور سے ۳میل مشرق میں اور پٹیالی سے پانچ میل مغرب میں واقع ہے شکست ہوئی۔ وزیر شکست و ذلت اُٹھا کر ۲۹رشوال ۱۱۶۳ہجری مطابق ۲ رستمبر ۱۷۵۰ء کو دہلی میں داخل ہوئے اور چپ چاپ اپنے گھر کو چلے گئے۔ محمد علی خاں پسر نایدہ خاں بھی وزیر کے ساتھ تھے اُنکے سیدھے ہاتھ میں بندوق سے زخم آیا۔ حافظ رحمت خاں کے افسروں نے بھی اس جنگ میں بڑی دلاوری دکھائی۔

احمد خاں نے صفدر جنگ پر فتحیابی کے بعد حافظ الملک کے جماعہ داروں کو خلعت اور ہاتھی اور گھوڑے اور نقد و جنس دے کر رخصت کیا اور حافظ صاحب کو شکر گذاری کا خط لکھا اور اُس میں یہ بھی تحریر کیا کہ اب اودھ کے فتح کرنے کا ارادہ ہے اگر آپ اپنی سپاہ خیرآباد تک جو آپ کے ملک کی سرحد پر ہے بڑھائیں تو بہتر ہو۔ اور نواب احمد خاں نے حافظ رحمت خاں کو بھی بہت سے تحفے روانہ کئے حافظ صاحب نے شیخ کبیر اور پرمول خاں کو سپاہ دے کر سرحد ملک اودھ کی طرف یورش کرنے کے لیے بھیجا جنھوں نے حد شرقی خیرآباد تک فتح کر لیا۔ اُدھر احمد خاں خاص ملک اودھ میں فتوحات حاصل کرنے لگے اسکے بعد حافظ رحمت خاں پیلی بھیت سے آنولے کو چلے آئے۔

حافظ رحمت خاں کی اولاد نے اپنی تاریخوں میں یوں ہی لکھا ہے۔ لیکن اس مقام پر یہ بات قابل بحث و غور ہے کہ ابھی ابھی تو روہیلوں اور فرخ آبادیوں کیا

ایک خونریز اور بربادی بخش معرکہ پیش ہو چکا تھا اور ابھی سے روہیلون نے اُنکی مدد شروع کر دی کیا روہیلے اتنی نیچی سی سمجھ کے ساتھ حکمرانی کرتے تھے یا وہ وقت ہی اس قسم کا تھا۔

صفدر جنگ کی نواب احمد خان پر دوبارہ چڑھائی۔ نواب سیّد سعد اللہ خان کا احمد خان کی مدد کے لیے فرخ آباد کو جانا اور صفدر جنگ کے مقابلے مین شکست پا کر آنولے کو واپس آنا

جب حافظ صاحب آنولے مین پہونچے تو اُنکو سب سے زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا یعنی اس سے قبل صفدر جنگ نے احمد خان بنگش کے ہاتھ سے تنگ آکر افغانون کے استیصال پر کمر باندھی۔ مگر سوا اسکے اور کوئی بات اُنکی سمجھ مین نہ آئی کہ اُنھون نے مرہٹون کو لالچ دے کر احمد خان کے مقابلے کے لیے بلایا اور ملہار راؤ ہلکر اور آپا سیندھیا جھنکو کے باپ اور کنور سورج مل جاٹ ابن راجہ مدن سنگھ والی بھرت پور اور بادشاہ کی فوج کے ساتھ احمد خان پر دوبارہ چڑھائی کی۔ عماد السعادت مین لکھا ہے کہ اسوقت صفدر جنگ کے پاس دو لاکھ سپاہ اور ہزار کے قریب چھوٹی بڑی توپین اور ہندوستان کے اکثر بڑے بڑے سردار تھے۔

صفدر جنگ نے اس پریشانی و بربادی کے وقت سورج مل کو جو خط لکھا تھا

اُسکی نقل صفدر جنگ کے اُن قلمی خطوں سے جو بھرت پور سے ہاتھ آئے ہیں
یہاں درج کرتا ہوں "برادر وفادار ما در من قرار کردہ بود کہ از مہمات خود فراغ
حاصل کردہ بعد دو ماہ در حضور می رسم مدت با متداد انجامید کہ انقضاے وعدہ مسرور
نعم بیامدہ و ایں جانب بجان و دل مشتاق خصوص دریں ولا کہ انصرام مہم افاغنہ
منظور خاطر۔ و اصلاح کارہای سرکار بردہ ہمت مساعت توقف در ورود منافی
آں وفادار موجب کمال گرانی و استطار است مخالفان تفاوت نیاد کہ بحسب
اتفاق بر دولت خداداد دست یافتہ بودند بالاخوت و مروت در سر آمدہ باجتماع
ہم کف دو در و مرد یک مشغول ہر چند عزیمت بے درنگ منظور بود لاکن با انتظار
رسیدن آں کامگار روزے چند دیگر ہم توقف لازم بود الحاصل زود بیایند و
زیادہ بریں متوقف نشوند"

اگر سپہر چنیں می روی قدم بردار — کہ ہمچو رنگ حنا برود بہار از دست

دیکھو اس بزدل میں کچھ حمیت و شجاعت کا نام و نشاں ہے۔ افغانوں کی
ایک چھوٹی سی ریاست سے کیسے اسکے ہوش اُڑ گئے کہ بھرت پور جیسی ریاست
کے رئیس سے کتنی چاپلوسی کے ساتھ مدد چاہتا ہے دہلی کے تخت کا یہ وزیر اعظم
دور دست ملکوں کی زبردست ریاستوں پر حکومت کا سکہ جما سکتا تھا جب
ایران، توران کے عیاش اور سست اور معزز آدمی دہلی کے بادشاہوں کے
مزاجوں پر غالب آئے تو سلطنت کو عظمت کے آسمان سے نیچے گرا دیا اور یہ شخص
تو امیر ابن امیر بھی نہیں وہاں کے ایک کاسہ سار کا بیٹا ہے۔
آروں صاحب نے تاریخ ریاست فرخ آباد میں کہا ہے کہ جہاں دل ول

وزیر کے واپس آنے کی خبر مشہور ہوئی تو احمد خان نے ہر جانب مدد کے واسطے لکھا۔ علاوہ دوسرون کے اُنھون نے نواب سید سعد اللہ خان اور حافظ رحمت خان سرداران روہیلہ کو بھی بطلب امداد تحریر کیا اور یہ لکھا کہ گو ہمارے اور تمھارے درمیان مین مناقشہ ہے لیکن باہمی جھگڑے طے ہوتے رہینگے لیکن یہ ضرور نہین کہ غیر کے ہاتھ سے ضرر روا رکھا جائے امید ہے کہ آپ فوج مدد کے واسطے روانہ کرینگے تاکہ ہم اس غنیم پر جو ہم دونون کا دشمن ہے حملہ کرین"۔ حافظ رحمت خان نے یہ عذر کیا کہ ابھی تمکو قائم خان کے خون کا دعویٰ باقی ہے تا وقتیکہ اس کا تصفیہ نہو جائے ہمکو اپنے آدمی تمھارے قبضے مین کرنے سے خوف آتا ہے۔ اس بیان کو دیکھ کر ہمکو وہ بات تعجب مین ڈالتی ہے کہ حافظ صاحب نے اس سے قبل پرمول خان اور دور خان کی ماتحتی مین ایک فوج نواب احمد خان کی امداد کو روانہ کی تھی جو رام چتونی کے مقام پر اُنکے شریک ہوکر وزیر سے لڑی جیسا کہ گل رحمت مین ہے فرخ بخش مین لکھا ہے کہ احمد خان کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرداران روہیلکھنڈ میرے ساتھ شریک نہین ہوتے تو قائم جنگ کے خون کی معافی کا ایک محضر تیار کراکے بی بی صاحبہ[ط] (والدۂ قائم خان) کے ہاتھ آنولے کو بھیجا محضر کا مضمون یہ تھا کہ "ہم نے قائم خان کا خون معاف کیا آج سے تا قیامت ہم اسکا دعویٰ نکرینگے

ط یہان سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخ فرخ آباد مین سید ولی اللہ نے جو لکھا ہے کہ نواب احمد خان کی درخواست امداد پر روہیلون نے یہ جواب دیا تھا کہ اول خون قائم جنگ کا معافی نامہ آج سے تا قیامت تک کے لیے لکھ بھیجیے پھر گنگا کو عبور کرکے اس طرف چلے آئیے ہم سب جان فشانی کو موجود ہونگے یہ بیان صحیح نہین ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو اصل قصے کی خبر نہین ہے۔ منتخب العلوم مین بھی بیگم کے آنے کا ذکر ہے۔ روہیلکھنڈ گزیٹیر مین غلطی سے لکھا ہے کہ نواب احمد خان روہیلون سے مدد حاصل کرنے کے لیے خود آنولے مین آئے تھے ۱۲

بی بی صاحبہ حافظ رحمت خاں دوندے خاں بخشی سردار خاں اور فتح خاں خانساماں وغیرہ اکرامرا کے مکانوں پر گئیں اور سب سے بڑی منت وزاری کے ساتھ کہا کہ ایسے سخت وقت میں احمد خاں کی مدد کرنی چاہیے۔ سرداران مذکور چونکہ جہاندیدہ اور جنگ آزمودہ تھے رفاقت واعانت سے صاف پہلو تہی کی اور کہدیا کہ قائم خاں نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا کہ اُسکے ننگ وناموس کے اب ہم شریک ہوں بی بی صاحبہ سب کی طرف سے مایوس ہوکر نواب سید سعد اللہ خاں کے محل میں گئیں اور بیگمات سے کہہ سنکر نواب سید سعد اللہ خاں کو آمادۂ اعانت کیا پٹھانوں کی بہادری کی داستان اور ننگ ورفاقت کے قصے ایسے طرز سے بیان کیے کہ نواب سید سعد اللہ خاں مدد کو آمادہ ہوگئے۔ اور انھوں نے حافظ رحمت خاں دوندے خاں مُلّا سردار خاں۔ بہادر خاں (یہ نواب سید علی محمد خاں کا چیلہ تھا) اور فتح خاں کو طلب کیا اور اُنکو مضمون خط سے اطلاع دیکر صلاح پوچھی حافظ رحمت خاں اسوجہ سے کہ دیر سے اور اُنسے اتحاد تھا خاموش بیٹھے رہے اور دوسرے سردار بھی اُنکی خاموشی کی وجہ سے کچھ نہ بولے نواب سید سعد اللہ خاں نے حافظ رحمت خاں سے پوچھا کہ تم کچھ بولتے نہیں تب حافظ رحمت خاں نے کہا کہ آخر آپ کا کیا ارادہ ہے انھوں نے جواب دیا کہ جو سرداروں کی رائے ہوگی وہی میری رائے ہے۔ حافظ رحمت خاں کی دو آنکھیں دیکھیں ہزار آنکھیں تھیں اسلیے انھوں نے جواب دیا کہ اس لڑائی میں کسی جانب شریک ہونا چاہیے کیونکہ اگر فتح ہوئی تو اس میں سراسر نفع احمد خاں بنگش کا ہے اور خدانخواستہ اگر ہزیمت ہوئی تو تمام آفت اور بلا ہمیر بازل ہو جائیگی۔ بہادر خاں چونکہ شجاعت کے

لہ دیکھو فرح بخش است کے کو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آرون صاحب کے موافق سال ہے ۱۲

کے باعث سے سب روہیلہ سرداروں مین نمود رکھتا تھا بول اُٹھا "بھرا ے سردار! دستار کے عوض زنانہ برقعہ کیون نہین اوڑھ لیتے۔ ایسی نامردی کے الفاظ کبھی کسی پٹھان کے مُنھ سے نہ نکلے ہونگے" اور نواب سیّد سعد اللہ خان کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "اگر کوچ کا حکم نہوگا تو کل مین اپنا رسالہ لیکر بغیر حکم روانہ ہوجاؤنگا اور جس پٹھان کو اپنی ننگ وآبرو کا خیال ہوگا اُسکو ساتھ ہونے کا اختیار ہے" یہ کہکر وہان سے رخصت ہوا اور تیاری مین مصروف ہوا۔ نواب سید سعد اللہ خان محل مین گئے اور جو حجت حافظ رحمت خان اور بہادر خان مین ہوئی تھی لفظ بلفظ اپنی ماں سے بیان کی اور پوچھا کہ مین حافظ رحمت خان کی بات سُنون یا بہادر خان کا شریک ہون۔ ماں نے جواب دیا کہ "ایسے امورات مین ہم مستورات سے مشورہ لینا کیا مناسب ہے جو تمھارا دل قبول کرے سو کرو میری راے مین یہ آتا ہے کہ حافظ رحمت خان وزیر کی جانب داری کی وجہ سے منع کرتے ہین اور بہادر خان اپنی عزت ونام کے واسطے یہ عزم کرتا ہے" یہ گفتگو اپنی ماں سے سُن کر نواب سیّد سعد اللہ خان باہر آئے اور اپنے خاص خاص سردارون کو طلب کیا اور کہا کہ احمد خان کی درخواست مدد کو نامنظور کرنا بڑی نامردی کی بات ہے جو ہو سو ہو کل مین روانہ ہونگا جسکا دل چاہے میرے ساتھ چلے اور دوسرون کو اختیار ہے پھر اُنھون نے بہادر خان کو بُلا کر یہ حکم دیا کہ میری فوج مین یہ حکم سُنا دو کہ جو جو اپنے تئین میرے ملازم جانتے ہین روانگی کی تیاری کرین نہین تو مین سب کو برطرف کردونگا۔ بہادر خان نے یہ حکم سُنا دیا سواے حافظ رحمت خان و دوندے خان اور بخشی سردار خان کی فوج کے باقی سب روانگی پر آمادہ ہوے فتح خان خانساماں

اسوجہ سے ہمراہ ہوے کہ انکی تربیت میں نواب سیّد علی محمد خاں نے نواب سیّد سعداللہ خاں وغیرہ چھوٹے بچوں کو دیدیا تھا اور بہت سے سپاہی اور رسالہ دار اور جماعہ دار بھی اپنے اپنے سرداروں کی رفاقت چھوڑ کر ہمراہ ہوے اور دوسرے دن کوچ ہوا لیکن حافظ رحمت خاں اور دوسرے سرداروں نے بڑی باہمی کی جو اس جھگڑے میں شریک ہونے سے جان بچائی ان لوگوں کو یا تو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کو اس لڑائی میں شریک ہونے سے روکنا لازم تھا یا اپنی تمام قوت دار جماعت کے ساتھ اس یورش کا مقابلہ کرنا ضرور تھا مگر اُسوقت یہ بات کسی کے خیال میں نہ آئی فتح گڑھ میں وزیر اور مرہٹوں نے نواب احمد خاں کو محصور کر لیا تھا اور اس محاصرے کو ایک مہینے سے زائد عرصہ گذر گیا تھا تب یہ خبر مشہور ہوئی کہ نواب سیّد سعداللہ خاں قریب آپہونچے اس خبر سے وزیر اور ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کو نہایت تردد ہوا ابو المنصور خاں صفدر جنگ نے نواب سید سعداللہ خاں کو لکھا کہ میرا دعویٰ احمد خاں سے تھا تم اُنکی مدد کو کیوں آئے ہو تم اپنے ملک کو لوٹ جاؤ اور اطمینان سے رہو تمسے مجھے کوئی تعرض نہیں۔ اودھر حافظ رحمت خاں نے وزیر کو تحریر کیا کہ ہر چند مین نے نواب سیّد سعداللہ خاں کو بہت روکا مگر اُنھوں نے نہ مانا اور احمد خاں کی مدد کو روانہ ہوے ہیں اسلیے میری صلاح یہ ہے کہ جس طرح سے ممکن ہو قبل پہونچنے نواب سید سعداللہ خاں کے احمد خاں سے صلح کر لو کیونکہ صلح ہر حال میں عداوت سے بہتر ہے۔ دوسرے روز وزیر ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کے لشکر میں گئے اور نواب سید سعداللہ خاں کے کوچ کا حال بیان کرکے کہا کہ "تمھاری صلاح کیا ہے" ملہار راؤ اور آپا سیندھیا نے اپنے خاص خاص عہدہ داروں کو بلایا اور اُن سے کل حال بیان کر کے مشورہ پوچھا جملہ سرداروں نے باستثنائے

آپا سیندھیا کے جو در پردہ نواب احمد خان کا دوست تھا کہا کہ ہم بالکل وزیر کی تجویز پر ہین ہمسے پوچھنے کی کوئی حاجت نہین ہے ہمین جو حکم ہوگا اُس کے بجالانے پر مستعد ہین۔ تب وزیر نے آپا سیندھیا کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا کہ تمھاری خاموشی کا کیا باعث ہے اُسنے جواب دیا کہ عیان راچہ بیان جو کچھ ماجرا ابتک گذرا ہے اُس سے سب واقف ہین یہ لوگ جنگ کرنے سے کچھ عاجز نہین ہین راؤ تانتیا تو بالکل عداوت پر آمادہ تھا مگر اُسکو کامیابی نصیب نہین ہوئی۔ وزیر کے لشکر مین گوکہ چیدہ فوج ہے مگر اُسکی جو کچھ حالت ہے اُس سے وزیر خود واقف ہین۔ نواب احمد خان دونون فوجون پر غالب رہے ہین اور جب نواب سید سعد اللہ خان اُنسے متفق ہوجائینگے تو افواج متفقہ کو شکست دینا مشکل ہوگا۔ وزیر نے سرداران مرہٹہ سے یہ بھی بیان کیا کہ حافظ رحمت خان لکھتے ہین کہ نواب سید سعد اللہ خان بہادر خان کے اغواسے نواب احمد خان کی امداد پر آمادہ ہوے ہین بعد اس مذکور کے حافظ موصوف صلاح دیتے ہین کہ نواب احمد خان سے قبل اسکے کہ نواب سید سعد اللہ خان پہونچین صلح کر لینا چاہیے سب نے اس راے کو پسند کیا۔ جب نواب احمد خان سے صلح کی تحریک کی گئی تو اُنھون نے صلح کو نامنظور کیا۔ نواب سید سعد اللہ خان بھی پے درپے کوچ کرکے فتح گڑھ کے قریب پہونچگئے۔ قاصد نے نواب احمد خان کو جاکر خبر کی کہ کل نواب سید سعد اللہ خان دریاے گنگا کے کنارے مقام کرینگے نواب احمد خان کی طرف سے محمود خان اور منور خان استقبال کو گئے۔ دوسرے روز نواب سید سعد اللہ خان کی فوج طبل بجاتی ہوئی اور تلوارین کھینچتی ہوئی احمد خان کی سپاہ کو نظر آئی نواب سید سعد اللہ خان کے ساتھ

بارہ ہزار جوان تھے احمد خاں کے ہمراہی اس کمک کو آتے دیکھ کر فرط خوشی سے
تو من داغنے لگے سید اسد علی شاہ مع حسام الدین اور دوسرے اشخاص کے دریا
کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے نواب سید سعد اللہ خاں کی فوج کو آتے دیکھ رہے تھے
حسب شاہ صاحب کی نظر اس فوج پر پڑی ایک حالت اُن پر طاری ہوئی اور
اُسوقت فرمانے لگے مقبول ہوئے اور مغلوب ہوئے جب وہ حالت زائل ہوئی
تو کہنے لگے کہ ایکی خوشی خدا کو خوش نہ آئی دیکھیے کہ کل کیا پیش آتا ہے۔

۲۔ جمادی الاخری ۱۱۶۴ ہجری کو نواب سید سعد اللہ خاں نے اپنے خیمے دریاے
گنگا کے بائیں کنارے حسین پور میں استادہ کرائے۔ اور احمد خاں نے اُنکے واسطے
ہر قسم کا کھانا مستجاب خاں ورکرئی کے ہاتھ بھیجا۔ اور نواب احمد خاں نے نواب
سید سعد اللہ خاں سے کہلا بھیجا کہ کل دریا اُتر آؤ کیونکہ دونوں کا متفق ہونا
ضرور ہے یہ پیام نواب سید سعد اللہ خاں کو ہو نچا لیکن اُنھوں نے کہا کہ میں
اپنے خاص خاص سرداروں سے مشورہ کرکے جواب دونگا۔ تب اُنھوں نے
بہادر خاں اور فتح خاں کو طلب کرکے اُن سے احمد خاں کا پیام کہا۔ بہادر خاں
نے جواب دیا کہ قوم افغاناں کے سردار کے سامنے نے سوغات جانا مناسب
نہیں ہے۔ احمد خاں کو جواب بھیجا چاہیے کہ انشاء اللہ کل آپ کے ہواخواہ
آپکے دشمنوں یعنی وزیر اور سرداران جاٹ اور مرہٹہ کے سر بطور تحفہ کے پیش
کرینگے لاڈلے نواب سید سعد اللہ خاں چونکہ نو عمر اور ناتجربہ کار تھے اُنھیں
یہ خیال ہوا ہوگا کہ بہادر خاں بہادر ہے ضرور ایسا کریگا۔ اُنھوں نے وہی پیغام
بھیجدیا نواب احمد خاں نے جواب دیا خیر جیسا تم خیال کرتے ہو ویسا ہی سمجھو

مگر ایک بات کا ضرور دھیان رہے کہ کسی حال مین دریا کا کنارہ نہ چھوڑنا اور اگر مرہٹے منہ موڑین تو اُنکا تعاقب نہ کیجیو اور اپنے سپاہیون کو اُنکے تعاقب سے باز رکھیو کیونکہ یہ اِس قوم کی عادت ہے کہ اس قاعدے سے دشمن کو اسکی جگہ سے دور کر دیتے ہین تاکہ مدد اسکو نہ پہونچ سکے دوسرے روز نواب سید سعد اللہ خان اور منور خان اور محمود خان آمادۂ جنگ ہوے اور اپنی فوجون کی صفت باندھکر دشمن کی طرف بڑھے۔ وزیر نواب سید سعد اللہ خان کے آنے سے نہایت خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اُنھون نے ملہار راؤ اور آپا سیندھیا اور سورج مل کو بغرض مشورہ طلب کیا۔ یہ تجویز ہوئی کہ فوج دریا پار نواب سید سعد اللہ خان سے لڑنے کو بھیجدی جائے اس سے قبل کہ نواب سید سعد اللہ خان اور نواب احمد خان متفق ہونے پائین سنگی رام پور کا پل جو خراب ہو رہا تھا اُسکی مرمت کی گئی پھر کھانڈے راؤ اور تانتیا گنگا دھر بجمعیت پچاس ہزار سپاہ کے دریا پار ہوے۔ جواہر سنگھ ولد سورج مل جاٹ اور رانا بھیم سنگھ زمیندار گوالیار مع چالیس ہزار سوار و پیادہ کے اُنکی کمک کو پہونچے اور روہیلون پر حملہ شروع ہوا پہلے بہادر خان کے سپاہیون نے بانون کا مینھ برسانا شروع کیا بعد اسکے بندوقین سر کین رفتہ رفتہ اُنھون نے بندوقین بندکین اور تلوارین کھینچ کھینچ کر ہندوؤن پر حملہ آور ہوے اور اُنھون نے فی الفور پشت دی۔ بہادر خان نے احمد خان کی نصیحت فراموش کر کے دریا کا کنارہ چھوڑا اور دشمن کے متعاقب بڑھا اور فتح کی خوشی مین موج کی طرح لہراتا ہوا پیچھا کیئے چلا گیا خوب بہادر جوان تھا اور شمشیر زنی کا شوقین تھا اُس کا جی چاہتا تھا کہ اپنا جوہر تلوار مین دکھائے۔ اسکے ساتھ فقط دو یا تین ہزار آدمی تھے

یہ یہاں تک سمجھا کرتے ہوئے گئے کہ قلب لشکر کے مقابل جا پہونچے دشمن نے
دیکھا کہ فقط ایک ہاتھی ہے اور تھوڑے سے جوان ہیں اور انکے پیچھے کچھ کمک بھی
نہیں مڑ کر چاروں طرف سے بہادر خاں کو گھیر لیا بہادر خاں ہاتھی سے اُتر کر
گھوڑے پر سوار ہوا اور اُسکے جوان بھی تلواریں کھینچ کر اُسکے ہمراہ ہوئے اور دشمن کو
پسپا کرنے کی کوشش کی لیکن ہندوؤں نے اس طرح گھیر لیا تھا جیسے شکار کو گھیر لیتے
ہیں اور تیر اور گولیاں اُن پر برسانا شروع کیں اُنھوں نے بھی تلوار اور برچھیوں اور
تیروں سے بعض کو زخمی و قتل کیا۔ جب تک بہادر خاں کے جسم میں جان رہی
تلوار ہاتھ سے نہ چھوڑی اور اپنے نام کے موافق کام کیا۔ کوئی اُسکی مدد کو نہ آیا آخر
گھوڑے سے گر کر جاں بحق تسلیم ہوا دشمنوں نے اُسکا سر کاٹ لیا اور جو کچھ
سپاہی باقی رہ گئے تھے اُنھوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

جب نواب سید سعد اللہ خاں نے سنا کہ بہادر خاں قتل ہوا تو اُنھوں نے
فتح خاں خانساماں سے پوچھا کہ اب کیا صلاح ہے۔ بہادر خاں سے سب سردار
عداوت رکھتے تھے آونلے سے چلتے وقت حافظ رحمت خاں نے مخفی فتح خاں
سے کہا تھا کہ بہادر خاں ضرور جنگ میں آگے ہوگا ایسی تدبیر کرنا کہ کوئی اُسکو مدد
نہ دینے پائے اور وہ مغلوب ہو کر مارا جائے اور اس صورت سے اس خار کو دور
کرنا کیونکہ یہی نواب سید سعد اللہ خاں کو مدد دینے کا باعث ہوا ہے۔ اگر کہیں
احمد خاں وزیر پر غالب آئے تو ضرور تخت کا دعویٰ کرینگے۔ کیونکہ پھر کوئی اُنکے
مقابلے کو باقی نہ رہیگا۔ اور اُس وقت قائم خاں کے انتقام میں تمام روہیلوں کو
ملک سے نکال دینگے جب نواب سید سعد اللہ خاں نے فتح خاں سے صلاح

پوچھی تو اُنھون نے موقع پاکر کہا کہ سب سے بہتر تو یہی ہے کہ آنولے واپس چلو نواب سید سعداللہ خان نے جواب دیا جوانمردی مانع ہے کہ نواب احمد خان کو دشمن کے مُنھ مین چھوڑ دین۔ فتح خان نے جواب دیا کہ احمد خان کی کامیابی کی کوئی صورت نہین ہے وہ بھی تھوڑے عرصے مین آنولے کو آئینگے وہان جو کچھ صلاح ٹھہرے اُسپر عمل کرنا۔ نواب سید سعداللہ خان فتح خان کی باتون مین آگئے اور آنولے کی طرف لوٹ گئے پہر رات گئے مرہٹون اور جاٹون نے نواب سید سعداللہ خان کے خیمون مین آگ لگادی۔ فتح خان نواب سید سعداللہ خان کو ساتھ لے کر آنولے آئے۔ سید محمد یار خان۔ سید اللہ یار خان اور سید مرتضیٰ خان بھی کہ ہمراہ تھے بخیریت تمام آنولے مین پہونچ گئے۔

نواب احمد خان بنگش والی فرخ آباد کا وزیر کے مقابلے سے بھاگ کر آنولے کو آنا وزیر اور مرہٹون کا احمد خان کے تعاقب مین روہیلکھنڈ مین گھس آنا۔ تمام روہیلون کا احمد خان کی طرفداری پر آمادہ ہونا

نواب سید سعداللہ خان کی شکست اور واپسی کے بعد نواب احمد خان کی فوج بھی اسقدر بے دل ہوگئی کہ خوف زدہ ہوکر بھاگنے لگی سردار اور نامور لوگ تو البتہ اپنی اپنی جگھون پر قائم رہے جب نواب احمد خان کا ساتھ سب نے بجز اُنکے عہدہ دارون اور جاعہ دارون کے چھوڑ دیا اور اب اُنکو

یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ اُنکے سپاہیوں کی حالت ایسی خراب ہوگئی تھی جسکے سبب
سے مقابلہ کرنا غیر ممکن ہوا اسلیے وہ کھلی رات کی تاریکی میں قلعہ سے نکلے اور
امرت پور کی راہ سے شاہجہاں پور پہونچے اور وہاں سے آنولے میں داخل
ہوے یہاں روہیلہ سردار اُنکی ملاقات کو آئے مسٹر ہملٹن لکھتا ہے کہ حکمت عملی
کی رو سے روہیلوں نے یہ بڑی حماقت کی کہ ایسی کچھ فوج کو نواب احمد خاں کے
شریک کر دیا مگر اس وقت کی صورت پر خیال کرنے سے اس اعتراض کا جواب
بہت آسان ہے کیفیت اُس وقت کی ویسی ہی مسٹر ہملٹن نے بیان کی ہے
جیسی ہم نے لکھی ہے یہ کارروائی تو عمر نواب سید سعد اللہ خاں سے برخلاف رائے
سرداران تجربہ کار کے ہوئی تھی اگر موقع مل جاتا تو وزیر یا مرہٹے نواب سید
سعد اللہ خاں کی عداوت اور دوسروں کی دستی میں کچھ کسر نہ کرتے اور کل
روہیلوں پر حملہ کیا جاتا بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ دریے روہیلکھنڈ میں
بڑھنے کی اثنا میں اسدپور سے روہیلوں کے حاکم کے نام ایک تحریر اس
مضمون کی بھیجی تھی کہ پچھلے تیس سالوں کا خراج جو تمھارے ذمے واجب الادا
ہے وہ شاہی خزانے میں داخل کرو اس تحریر کے پہونچنے پر نہ تو روہیلوں نے
کوئی جواب بھیجا نہ کچھ سامان جنگ تیار کیا۔ بڑی بے پروائی سے اُس کا کچھ
خیال نہ کیا نہ یہ بات ذہن میں آئی کہ اس جھگڑے میں ہمارے دو افسروں کے
شریک ہونے سے ہماری تمام جماعت اس فوج کشی کے مخالف مانی جائیگی۔
لیکن اس تحریر کے دیکھنے کے بعد یہ اثر ضرور ہوا کہ ایسی تھوڑی سی جماعت لیکر
نواب سید سعد اللہ خاں اور فتح خاں کی خبرگیری کے خیال سے اُنکی طرف

روانہ ہوے اُنکے پہونچنے کے پہلے صفدر جنگ نے اسلام نگر پرگنہ بدایون کے قریب احمد خان بنگش اور اُس کے ہمراہیون پر اچانک حملہ کر کے ایسی شکست فاش دی کہ کسی کے پانوٗن میدان مین نہ جمے۔ روہیلون اور بنگشون کی تعداد ملکر قریب بارہ ہزار آدمیون کے تھی اور آخرمین کچھ اور زیادہ ہوگئی تھی۔
عماد السعادت مین بیان کیا ہے کہ ساٹھ ہزار سپاہ احمد خان کی تھی اور نوے ہزار سپاہ روہیلون کی تھی مگر اس تعداد مین مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔
الغرض آنولے مین نواب احمد خان کے پہونچنے کے بعد اُنکے اور روہیلہ سردارون کے مشورے سے یہ بات قرار پائی کہ بالفعل کوہ کمایون کے دامن مین پناہ گزین ہونا چاہیے۔ دوسرے روز احمد خان۔ نواب سید سعد اللہ خان۔ حافظ رحمت خان۔ بخشی سردار خان فتح خان خانساماں اور دوندے خان وغیرہ مع اپنی فوجون کے پہاڑ کی طرف روانہ ہوکر مراد آباد پہونچے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ یہان چند روز مقام کرنا پڑا اس عرصے مین یہ خبر آئی کہ وزیر مرہٹون کو سنگی رام پور مین چھوڑ کر لکھنؤ کو گئے ہین۔ یہ خبر سُنکر حافظ رحمت خان اور نواب سید سعد اللہ خان وغیرہ نے احمد خان سے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنولے کو واپس چلین چونکہ بارش قریب ہے ہم بے کھٹکے آرام کرینگے اور اپنے ہم قومون کو ہر طرف سے بلائینگے اور مرہٹون سے جنگ کرینگے۔ یہ صلاح سب نے پسند کی اور وہ آنولے کو واپس آئے۔ روہیلے اپنے مکانون کو چلے گئے اور نواب احمد خان شہر کے باہر خیمہ زن ہوے۔ جب ۱۷۵۱ء کا موسم برسات ختم ہوا تو جنگ کی تیاری شروع ہوئی کشتیان جمع کی گئین اور رام گنگا پر پل بنایا گیا

یہ ندی روہیلکھنڈ میں بہتی ہوئی قنوج کے قریب فرخ آباد سے چالیس میل نیچے بائیں جانب سے گنگا میں داخل ہوئی ہے جب وزیر کو معلوم ہوا کہ نواب احمد خاں نواب سید سعد اللہ خاں اور حافظ رحمت خاں کی مدد سے حملہ کرنے کو بڑھتے ہیں تو انھوں نے کھانڈے راؤ ولد ملہار راؤ کو بے شمار فوج کے ساتھ اُس سے جنگ کرنے اور بھگا دینے کے لیے گنگا پار بھیجا تب نواب احمد خاں اور نواب سید سعد اللہ خاں اور حافظ رحمت خاں وغیرہ اپنے پل پر سے رام گنگا پار ہوئے اور اپنے سپاہیوں کو سخت تاکید کی کہ دریا سے دور مت جانا اسی کے کنارے کنارے چلنا ایک مقام پر دریا ہلال کی صورت پر بہتا ہے۔ یہاں مرہٹوں نے نواب احمد خاں اور نواب سید سعد اللہ خاں کے روکنے کے ارادے سے قیام کیا تھا۔ دو مرے خاں نے جو پتی لشکر میں تھے دشمن کے مقام کو دیکھا اور یہ خیال کیا کہ اب میں دریا کے کنارے کنارے نہیں بڑھ سکتا ہوں اسلیے انھوں نے کوچ موقوف کر کے دریا کے گھاؤ کے دونوں گوشوں یعنی مشرق و مغرب پر ایسا مورچہ لگا دیا اس تدبیر سے انھوں نے دشمن کے پیچھے کی راہ مسدود کر دی جب کھانڈے راؤ نے راہ ہر طرف سے مسدود پائی اور دیکھا کہ پٹھانوں نے سب طرف سے آمد و رفت بند کر دی ہے تو اُسنے نواب احمد خاں کے پاس پیغام بھیجا اُسکے قاصد نے اکر یہ بیان کیا کو ہم حسب الحکم بادشاہ ہند کے اس جنگ میں شریک ہوئے ہیں مگر ہم دل سے وزیر کی طرف سے نہیں لڑتے ہیں محض وقت کا ساتھ کرتے ہیں اس وقت جو کچھ ہمارے اور تمھارے درمیان باہم مخفی طور پر طے پا جائیگا ہم قسم کھا کر اقرار کرتے ہیں جنگ کمایوں شروع ہوگی ہم تمکو بذریعہ تحریر اطلاع دیں گے۔

جب یہ پیغام نواب احمد خان نے سُنا تو حافظ رحمت خان کو طلب کیا اور اُن سے مرہٹون کی درخواست ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میرے والد نواب محمد خان اور مرہٹون مین سابق مین اتحاد بھی تھا بعد اسکے اُنھون نے حافظ رحمت خان سے کہا کہ تم دوندے خان کو حکم بھیجو کہ مرہٹون کی راہ جو اُنھون نے بند کر دی ہے کھولدین حافظ رحمت خان نے جواب دیا کہ لڑائی کے وقت دوندے خان کسی کا حکم نہین سُنینگے ہان آپ خود اگر وہان تک چلنے کی تکلیف کرین تو شاید وہ مانین اور مین آپکے ساتھ چلتا ہون پٹھانون کی فوج کی ترتیب اس طرح تھی۔ دوندے خان کے عقب مین کمک کے واسطے بہادر خان اور ملا سردار خان تھے اُنکے پیچھے فتح خان خانسامان تھے اور اُنکے بعد نواب سید سعد اللہ خان اور حافظ رحمت خان یہ دونون ہاتھی پر سوار تھے یہ سب نواب احمد خان کا ہراول تھا۔ نواب احمد خان اور حافظ رحمت خان بڑھکر دوندے خان کے پاس گئے اور مرہٹون کی درخواست سے اُنکو مطلع کیا اور کہا کہ اُنھون نے اپنے اقرار پر قسم کھائی ہے۔ اُنکی باتین ہزار من سنگین وزنی ہوتی تھین اُنھون نے جواب دیا کہ اسوقت تو مرہٹے خواہ مخواہ مصالحت کی درخواست کرینگے۔ کیونکہ اُنکی حالت نہایت نازک ہو رہی ہے تین طرف تو اُن کے ندی حائل ہے اور چوتھی جانب مین نے راہ بند کر دی ہے اب اُنکا ایسا حال ہے کہ بلا تصدیع و بے تضییع اوقات اُنکو ہم باسانی شکست فاش دے سکتے ہین ایسے موقع کی قسم محض لغو ہے نواب احمد خان نے کہا جو تم کہتے ہو سب صحیح ہے مگر مذہب اسلام مین امان مانگنے والے کو امان نہ دینا جائز نہین بلکہ سخت بُرا ہے اگر وہ جھوٹی قسم کھائینگے خدا اُنکو سزا دیگا دوندے خان نے مجبور ہوکر منظور کیا اور اپنی فوج کو حکم بھیجا کہ راستہ کھولدے

سپاہی وہاں سے ہٹ گئے اور دشمن کے واسطے راستہ کھول دیا نواب احمد خاں نے مع نواب سید سعداللہ خاں نے اس مقام پر اپنے خیمے نصب کروائے دوسرے روز افغان ہاؤ کے پل پر پہونچے جو دریائے سنگی رام پور پر گنگا کا سدھوایا تھا سلمانوں کے پہونچنے سے قبل مرہٹوں نے پل کو توڑ ڈالا تھا جب نواب احمد خاں اور نواب سید سعداللہ خاں پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ ہمارے اور دشمن کے درمیان دریا حائل ہے دونوں جانب سے توپیں چلنے لگیں جن مرہٹوں کا نازک حالت میں راستہ کھول دیا گیا تھا وہ بھی پٹھانوں کے لشکر کے گرد مجتمع ہوئے مگر قریب نہ آسکے قریب ایک ہفتہ تک یہی حال رہا مگر دریا کو عبور کرنے کی صورت نہ نکلی اور جو رسد سپاہی اپنے ساتھ لائے تھے وہ بھی ختم کو پہونچی۔ روہیلہ سرداروں نے نواب احمد خاں سے صورت حال بیان کی اور کہا کہ اسوقت یہی مناسب نظر آتا ہے کہ آگے چل کر سورج پور میں مقام کرنا چاہیے۔ سورج پور پرگنہ کنپل میں جسکو کمسل قائم گنج کہتے ہیں تحصیل قائم گنج ضلع فرخ آباد میں ایک گھاٹ ہے اور فرخ آباد سے تیس میل اور سنگی رام پور سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے انھوں نے خیال کیا کہ ہم کو وہاں بھی پل مل سکیگی اور ہم دریا سے آسانی اتر جائینگے اور بر سمت ملہار ملہار راؤ کی طرف بڑھینگے۔ کیونکہ اس وقت ملہار راؤ کے پاس تھوڑی سی فوج تھی اسلیئے پل کی مرمت میں تضیع اوقات کرنا خوب نہیں اور کوچ کے وقت مشہور کرینگے کہ ہم اپنے رام گنگا کے پل کی طرف جانے کا ذخیرہ اکھٹا کرنے کے واسطے واپس جاتے ہیں اور تازہ رسد بہم پہونچا کر ہم اپنے قدیم موقع پر آکر جنگ شروع کر دینگے نواب احمد خاں نے اس تجویز کو پسند کیا اور افغانوں نے کوچ کیا

جب وہ چلے تو مرہٹے پیچھے سے توپین داغتے رہے لیکن تعاقب نہ کیا جب وزیر نے افغانون کی کوشش کا ذکور سنا بہت جلد پیچھے ہٹ کر اور میدھی گھاٹ سے اُتر کر ۹ محرم ۱۱۶۵ہجری مطابق ۱۷ نومبر ۱۷۵۱ء کو ملہار راؤ سے بمقام سی رام پور جا ملے۔ میدھی گھاٹ پرگنہ قنوج مین فرخ آباد کے نیچے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے وزیر وہان داخل ہوے توکل توپین سلامی مین سر ہوئین اُنکی آواز سے پٹھانون کے لشکر مین بڑا انتشار پیدا ہوا جب افغان سردارون نے وزیر کی آمد سُنی سب نے مجتمع ہو کر صلاح کی آخر یہ بات قرار پائی کہ سیدھے بن گڑھ کی طرف کوچ کر چلین۔ باز ہر خان حاکم توپ خانہ طلب ہوا کہ اپنی سب توپین بطور حیلہ سر کر کے روانہ ہو جائے بہ تعمیل اس حکم کے توپخانہ روانہ ہو گیا کل فوج مین پریشانی پھیل گئی۔ ایک سپاہی کے بھی حواس بجا نرہے فقط عہدہ دار اور خاص خاص لوگ تو البتہ اس خوف سے محفوظ تھے جب عہدہ دارون نے سپاہ کا یہ حال دیکھا متردد ہو کر کہنے لگے کہ ہکو بے جنگ شکست ہو گئی نواب احمد خان مع فوج کے نواب سید سعد اللہ خان کی فوج سے نصف کوس پر تھے اصلا خبر نہ تھی کہ روہیلون کا کیا حال ہے۔ آفتاب طلوع ہونے پایا تھا کہ نواب سید سعد اللہ خان۔ حافظ رحمت خان۔ ملا سردار خان۔ دوندے خان اور دوسرے روہیلہ سردار نواب احمد خان کے پاس پہونچے اور سارا حال اُن سے کہا۔ احمد خان نے اپنے افسرون کو طلب کیا اور شاہ دل خان اور سعادت خان کو حکم دیا کہ تم فوراً روانہ ہو جاؤ پل کو توڑ ڈالو اور ناوین سورج پور گھاٹ لیجاؤ وہان پُل تیار کرو مین آج اُس پل سے دریا کو عبور کرونگا اور دوسرے افسرون کو حکم دیا کہ تم مسلح ہو کر تیار رہو۔ جب نواب احمد خان فوج روہیلہ کی

طرف چلے اور انکو ساتھ لیکر ایک کھلے وسیع میدان میں مقام کیا۔ اسوقت نواب سید سعد اللہ خان اور دوسرے سرداران روہیلہ نے نواب احمد خان سے ملاقات کرکے اپنی فوج کا حال کہا کہ تو پخانے کے رواہ ہو جانے سے اُنکے دلوں میں ہراس پیدا ہو گیا ہے اور سب کے سب بھاگنا چاہتے ہیں اور جب یہ حال ہے تو ہم میدان میں کیسے جنگ کر سکتے ہیں۔ نواب احمد خان نے کہا کہ آپکے ارادے سے مجھے پیشتر ہی سے اطلاع کر دی ہوتی تاکہ دوسری تدبیر کی جاتی بے جنگ کیے ہوئے ہٹنا بڑی خراب بات ہے دنیا بھر میں اسکو کوئی پسند نہ کرے گا۔ نواب سید سعد اللہ خان اور دوسرے سرداروں نے سر نیچا کر لیا اور کچھ بولے بعد ایک لمحہ کے کہنے لگے جو کچھ ہوا سو ہوا بہت سی گفتگو اور سوال و جواب کے بعد نواب سید سعد اللہ خان اور حافظ رحمت خان وغیرہ نے کہا کہ ہماری فوج دل ہار گئی ہے اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ آنولے کو واپس جائیں اور وہاں اپنے خاندان کے لوگوں کو مجتمع کرکے پہاڑ کو چلیں اور آپ کو بھی یہی صلاح دیتے ہیں نواب احمد خان نے بھی اس بات کو قبول کیا۔

دامن کوہ کمایون مین پٹھانون کا پناہ لینا۔ مخالف کا تعاقب کرنا اور پٹھانون کو محصور کر لینا۔ پہاڑ کی طرف سے رسد کا محصورین کے لیے انتظام۔ وزیر کا اُن کو تنگ کرنے کے بارے مین اہتمام

ایک گھنٹہ قبل از غروب سب کے سب آنولے میں ہو گئے۔ نواب احمد خان نے

شہر کے باہر ایک باغ مین قیام کیا اور یہان ۹ گھنٹے مقام کیا جب صبح ہونے لگی
تو نواب سید سعد اللہ خان کو بُلا بھیجا اور پہاڑ کی طرف روانہ ہوے دوسرے لوگ
تمام رات بھر گھر کے کام مین نقد روپیہ جمع کرنے مین اور مدفون کرنے مین اور بان
اور توپخانے کے کام مین مصروف رہے۔ پھر گھرون کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال ساتھ
لیکر روانہ ہوے اور گھرون مین آگ لگا دی پہر رات گئے رامپور سے پہونچکر اپنے
خیمے استادہ کیے دوسرے روز پھر روانہ ہو کر مراد آباد مین پہونچے اور یہان چھ گھنٹے
ٹھہر کر کاشی پور کی طرف چلے جو مراد آباد سے تیس میل شمال مین ہے اُس وقت ایک
جاسوس آیا سیندھیا کے پاس سے احمد خان کے نام خط لیکر آیا اُس مین لکھا تھا
کہ جب وزیر نے سُنا کہ افغان پہاڑ کی طرف ہٹتے جاتے ہین اُنھون نے اپنی فوج
کو حکم دیا کہ فوراً ندی پار ہو کر تیز کوچ کرتے ہوے دشمن کے متعاقب جاوین اور
کہین مقام نہ کرین۔ گنگا دھر تانتیا جمعیت تیس ہزار سوار و مغل و قزلباش اس
تعاقب کے واسطے مقرر ہوا ہے وہ پہونچا ہی چاہتے ہین اس لیے تمکو لازم ہے
بہت جلد پہاڑ کی طرف روانہ ہو کر جاے امن تلاش کرو۔ احمد خان نے اس
خط کو پڑھ کر نواب سید سعد اللہ خان اور حافظ رحمت خان کو بلا کر مضمون
بیان کیا اور سب حال کہا اور قاصد کو سات اشرفیان دے کر رخصت کیا۔[۱]

افغان فی الفور جانب کوہ روانہ ہوے اور دوسرے روز جنگل مین پہونچگئے
فرح بخش مین یون لکھا ہے کہ ملہار راؤ وغیرہ نے سرداران افاغنہ کے ساتھ
اس قدر سلوک کیا کہ دو تین دن کا توقف اپنے کوچ مین کیا کہ افاغنہ خیریت سے

[۱] دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آردن صاحب ۱۲

جنگل میں پہونچ گئے اگر مرہٹے تعاقب کیے ہوے چلے آتے تو اتباعہ میں سے کوئی بھی صحیح وسالم وہاں تک نہ پہونچ سکتا اور منتخب العلوم میں لکھا ہے کہ لمھار راؤ نے دوندے خاں کو کہلا بھیجا کہ اگر تم اپنی بہتری چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ ورنہ یہاں برباد ہو جاؤ گے۔ تمھارے تمام خاندان خراب ہو جائینگے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم یہاں سے کوچ کیا تو تم ہمارا تعاقب کروگے اسلیے ہمکو یہاں ہی تہہ تیغ ہوجانا بہتر ہے۔ لمھار رائے نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم جنگل میں نہ پہونچ جاؤ گے ہم تعاقب نہیں کرینگے۔ تمام افغان چلکیا میں پہونچ گئے۔ یہ مرہٹوں کا احسان سمجھا جاتا ہے جیسا کہ یہاں کے مؤرخوں کا بیان ہے اور انگریزی مؤرخوں کا قول ہے کہ روہیلوں کا تعاقب کاہلی اور تساہل سے اس وجہ سے کیا گیا کہ مرہٹوں کی توجہ زیادہ تر لوٹ مار کی فکر میں ادھر اُدھر بھٹکتی رہی۔

روہیلوں کے پناہ لینے کے مقام میں بھی اختلاف ہے ہمکلٹن کے بیان کے موافق اِن لوگوں کا مقام گڑھوال کی پہاڑی پر مقام لال ڈانگ میں تھا۔ گلستان رحمت اور حافظ رحمت خانی اور منتخب العلوم سے معلوم ہوتا ہے کہ روہیلے آنولے سے نکل کر چلکیا میں پناہ گزیں ہوے تھے اور مولوی قدرت اللہ شوق مؤلف جام جہاں نما نے طبقات الشعرا میں حافظ زادے کاظم خاں شیدا کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ سے پٹھانوں نے مہزم ہو کر جنگل چلکیا اس کوہ کمایوں میں پناہ لی تھی تو شیدا نے اس واقعہ کی تاریخ لفظ فساد عظیم سے نکالی تھی۔ اور آثار الامرا۔ اور سیر المتاخرین میں ذکر کیا ہے کہ کوہ مداریہ میں جو کوہ کمایوں کی ایک شاخ ہے افاغنہ نے پناہ لی تھی

اور عماد السعادت مین لکھا ہے کہ گنگور کے ٹیلے پر پناہ لی تھی۔

اس جنگل کے تین طرف دشوار گذار خارستان تھا اور ایک طرف جدھر سے راہ تھی افغانون نے عمیق خندق کھودی اور برج بنائے اب یہ مقام بہت مستحکم اور بے گذر ہوگیا کہ روہیلون پر یکایک حملہ کرنا سخت دشوار اور خطرناک تھا۔ پٹھانون نے اس جنگل کے وسط مین اپنا لشکرگاہ قائم کیا اور توپین قرینے سے نصب کرکے زنجیرون سے کس دین مدت تک یہ مقام سنگر کے نام سے مشہور رہا باوجود اس سب کے وہ نہایت مضطر تھے کہ کہین سے سامان رسد کا انتظام نہ تھا اور کھانا اُنکے پاس بالکل نہ تھا۔ تھوڑے عرصے تک اُنھون نے نیشکر پر بسر کی اور کہین سے کوئی سامان مہیا نہ ہوا۔ نواب احمد خان نے حافظ رحمت خان کو طلب کرکے کہا کہ قادر مطلق نے ہمکو جاے پناہ تو ایسی عطا کی ہے کہ جہان سے ہم شاہ ہفت اقلیم سے بھی جنگ کر سکتے ہین مگر غذا بہم پہونچانا نہایت ضرور ہے اُنھون نے جواب دیا کہ الموڑے کا راجہ اپنی دامن کوہ کی ریاست کے ناظم سید احمد کو نہایت عزیز رکھتا ہے اور سید موصوف ہماری قوم کا بہی خواہ ہے اگر آپ سید کو کچھ تحائف دے کر راجہ کے پاس بھیجین اور اُس سے درخواست بہم رسانی غلہ کرین تو بہت مناسب ہوگا نواب احمد خان نے اس تجویز کو پسند کیا۔ حافظ رحمت خان نواب احمد خان سے رخصت ہوکر سید سید صاحب کے پاس گئے سید مذکور نجیب خان کے قریب توپخانے مین تھا اور جو تجویز کیا گیا اُس سے بیان کیا۔ سید کو نواب احمد خان کے پاس بلا لائے نواب نے اُسکو خط و تحائف دیے اور الموڑے کی طرف رخصت کیا سید کے

پہونچے سے مل وزیر کا وکیل مہدی جنگل کی راہ سے راجہ الموڑے کے پاس آیا اور وزیر
کا پیغام یہ تھا کہ "ہمارے دشمنوں نے دامن کوہ میں پناہ لی ہے ہم تمہاری دوستی سے
امید رکھتے ہیں کہ انکو رسد نہ پہونچنے پائے بعوض اسکے روہیلوں کا تمام ملک
تمہاری ریاست میں شامل کر دیا جائیگا" جب سید مع تحائف وہاں پہونچا اور
نواب احمد خاں کا خط دیا الموڑے کے راجہ کے مُدار المہام نے وزیر کے وکیل کو
رخصت کیا اور کہا کہ یہ انسانیت سے بعید ہے کہ جو ہمارے یہاں آکر پناہ لے
ہم اُس پر کھانا بند کریں اُسنے فوراً اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ جو گاؤں والے
پٹھانوں کے لشکر سے قریب ہیں اُن سے کہو بہت جلد غلہ لاکر اُن کے لشکر میں
پہونچائیں اور سید کو جواب دے کر رخصت کیا سید یہاں پہونچے بھی نہ پایا تھا
کہ ہزاروں پہاڑی غلہ سروں پر لیے ہوئے نمودار ہوئے اور بیچنا شروع کیا
پٹھانوں نے اس غلے کو من وسلویٰ تصور کیا بیچارے بھوکوں مر رہے تھے اُسکو
بہت غنیمت سمجھا جتنا جسکو درکار تھا خرید کیا اور شکر خدا بجالائے اور کھانے
پکانے میں مصروف ہوئے۔ بعد اسکے سید جواب خط لیکر پہونچا اُسکا مضمون
سوائے خاص خاص لوگوں کے اور کسی کو نہ سنایا گیا بلکہ سید احمد کی تحریک
سے راجہ الموڑہ افغانوں کے لشکر کو دیکھنے کے لیے خود آیا تھا اور یہاں کے
رئیسوں سے ملاقات کی تھی۔

جب صفدر جنگ گنگا پار ہوئے تو اُنھوں نے ملہار راؤ کو سخت تاکید کی
کہ اپنا لشکر لے کر دشمن کا تعاقب کرے لیکن مرہٹہ سرداروں نے ایفائے
اپنے قول کے توقف کیا اور یہ عذر کیا کہ تانتیا گنگا دھر اور مغل افغانوں کے

تعاقب مین گئے ہین اسلیے مناسب یہ ہے کہ اتنا انتظار کیا جائے کہ دشمن کس طرف کا ارادہ رکھتے ہین جب معتبر خبر مل جائے گی تو اُسوقت کوچ یلغار کرنا مناسب ہوگا تھوڑے ہی عرصے مین خبر ہوئی کہ پٹھان دامن کوہ کی طرف گئے مرہٹون نے بہ تعجیل تمام کوچ کیا۔

عماد السعادت مین لکھا ہے کہ صفدر جنگ آنولے پہونچے تو وہان نواب سید سعد اللہ خان خلف نواب سید علی محمد خان کو اُنھون نے قتل کرا دیا اور دو روز تک اس مقام مین وزیر کی فوج رہی تیسرے روز روہیلون کے تعاقب مین کوچ کیا لیکن قتل نواب سید سعد اللہ خان کی حکایت محض غلط ہے۔

بہرصورت مرہٹون کی فوجین تعاقب کرتی ہوئین پٹھانون کے قیام گاہ کے تین کوس قریب جا پہونچین یہان اُنھون نے مقام کیا اور وزیر نے اپنا لشکر موضع چلکیا مین ڈالا اور پٹھانون کے اس طرف کے تمام راستے بند کر دیے گئے تاکہ بھوک پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر قبضے مین آجائین مگر پٹھانون کو پہاڑ کی جانب سے رسد پہونچنے کا عمدہ ذریعہ میسر تھا۔

عماد السعادت مین بیان کیا ہے کہ پٹھانون کے پاس پہاڑ سے جو رسد آتی تھی وہ اُنکی جماعت کثیر کو کافی نہ تھی اسلیے گوشت کھا کر بسر کرتے تھے وزیر کے لشکر کے غریب آدمی یہان سے گوشت لیجاتے اور ایک سیر گوشت ایک اشرفی کو فروخت کرتے اور فروخت کرنے کی یہ ترکیب تھی کہ دور سے پٹھانون کو گوشت دکھایا جاتا وہ قیمت اوپر سے ڈال دیتے بیچنے والا قیمت لے کر ہٹ جاتا خریدار پہونچکر گوشت اُٹھا لیتا اور یہ گوشت گاے کا ہوتا تھا نہ بکری کا اور پٹھانون کے لشکر مین

رسد کی اسی کمی تھی کہ رفتہ رفتہ گائے اور بھینس ایک ایک پیسے کو وزیر کے لشکریوں کے ہاتھ فروخت کرنے لگے۔ یہ بیان غلط ہونے میں اتنا واضح ہے کہ اس کی تردید کی بھی ضرورت نہیں۔

جنگل بہت گھنا اور راستہ نہایت ناہموار تھا اس وجہ سے وزیر کا بڑا توپخانہ بہت دیر میں پہونچا ہر روز وزیر خود تو پیچھے رہتے اور مرہٹوں کو لڑنے کے واسطے آگے کرتے تھے رات شام کو وہ واپس آتے تھے وزیر کا توپخانہ تھوڑی دیر بعد آتا تھا ہر روز اسی طرح جنگ ہوتی تھی۔ ایک روز وزیر دو سو ہاتھی پر سوار ہوکر اپنا توپخانہ نواب احمد خاں کے مقابل لائے۔ وزیر کے توپخانے کا گولا اسا بلند جاتا تھا کہ احمد خاں کے توپخانے کے اوپر سے گذر کر لشکر کے پیچھے میدان میں جاکر گرتا تھا اس کوس بھر کے میدان میں اولے کی طرح گولے برستے تھے صبح سے شام تک توپیں چلا کرتی تھیں اور رات نہیں ہونے پاتی تھی کہ وزیر اپنی توپیں بطور احتیاط اپنے لشکر کے قریب کھچوا لیجاتے تھے دو مہینے یہی حال رہا مگر افغانوں کو اس سے کچھ بھی ضرر ہوا پہاڑ سے ایک نالہ جاری تھا یہ اور بھی وزیر کی تدبیر میں حارج تھا دو میلے اس نالے سے نہر کاٹ لائے تھے اور اُسکا پانی اپنے لشکر کے گرد پہونچا پایا تھا۔ بہار راؤ اور سورج مل جاٹ نے بہت کوشش راستہ معلوم کرنے کی کی مگر سب نے سود رہی۔

اُس وقت وزیر کے پاس ایک خط اُن کے کارندے کے پاس سے خود دربار شاہی میں متعین تھا اس مضمون کا آیا کہ "جاسوسوں نے بادشاہ سلامت کو خبر دی ہے کہ احمد شاہ درانی اپنے ہم قوم افغانوں کی مدد کو آ رہے ہیں"

اور دُرّانی مذکور نے افغانان کوہستانی کو اطلاع دی ہے کہ مین آتا ہون سب کے سب مجتمع ہو کر دریاے سندھ کے کنارے پر میرے منتظر رہین خط مین یہ بھی لکھا تھا کہ جب بادشاہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو نہایت متردد ہو کر فیروز جنگ سے کہا کہ صفدر جنگ میری تمام فوج اور ہر مقام سے زمیندارون کو لیکر بیہودہ جنگ کرنے گئے ہین۔ اب تک یہ بھی نہین معلوم ہوا ہے کہ وہ احمد خان اور روہیلون پر غالب آئے یا فتحیاب ہونے کی کچھ امید بھی ہے اب ہم کیا کرین۔ فیروز جنگ نے آداب بجالا کر التماس کیا کہ جو کچھ غلام سمجھتا تھا وہی پیش آیا۔ کمترین نے حضور عالی کو پیشتر سے آگاہ کر دیا تھا چونکہ حضور نے اس امر مین جاوید خان سے صلاح لی تھی لہٰذا اب اُس سے پوچھنا چاہیے۔ بادشاہ سلامت نے فرمایا یہ تو سچ ہے مگر خطا انسان سے ہو ہی جاتی ہے تمکو یہ لازم نہین ہے کہ مشورہ دینے سے انکار کرو۔ تب فیروز جنگ نے کہا کہ صفدر جنگ کے نام ایک شقہ روانہ ہونا چاہیے کہ احمد شاہ دُرّانی اس طرف آتے ہین لہٰذا تمکو لازم ہے کہ احمد خان سے صلح کر لو اور یہ صلاح دی کہ علی قلی خان چھنگا اس قاصدی پر بھیجا جائے۔

اندر گر گوشائین کے اتیتون کا حملہ

وزیر نے اس خبر کو اپنے معتمدون سے بھی مخفی رکھا دوسرے روز اُنھون نے ملہار راؤ اور آپا سیندھیا اور تانتیا گنگا دھر اور سورج مل جاٹ کو طلب کیا اور کہا دو مہینے تو گذر گئے اور ہنوز روز اول ہے تم ذرا بھی آگے نہ بڑھے اور نہ کچھ مدد دی۔ آپا سیندھیا نے سب سے پہلے جواب دیا کہ ہم میدان کی لڑائی لڑتے ہین

نجارستان اور قلعہ جندق کی راجہ اندرگر گوسائیں نے کہا کہ تمہارا دشمن میدان
میں ہے وہ قلعہ میں ہے جندق میں فقط پانی سد راہ ہے دو گوشوں مشرق
مغرب کی طرف پانی نہیں ہے۔ مشرق کی طرف نجیب خاں اور سید احمد کا توپخانہ
ہے اور مغرب کی سمت نواب احمد خاں ہے۔ اگر کوئی شخص تھوڑی سی تکلیف کرے
تو اُسپر فتح حاصل کر سکتا ہے آیا سید خیا نے کہا کہ تم بھی تو نواب وزیر کے
نوکر ہو تمہیں اتنی تکلیف کیوں نہیں کرتے ہو۔ اندرگر نے کہا کہ کل میں نواب
احمد خاں کے مورچے پر حملہ کرونگا اور نے مردا اُسپر قصد کرونگا وزیر کے اقبال
سے احمد خاں کو زندہ گرفتار کر لاؤنگا یا اُسکا سر پیرے پر لاؤنگا سردار مرہٹہ
نے جواب دیا کہ اس سے بہتر اور کیا ہے پس سردار رخصت ہو کر اپنے اپنے
مقام کو گئے۔ آیا سید خیا نے نواب احمد خاں سے کہلا بھیجا کہ کل راجہ اندرگر
تمپر حملہ کریگا اور مجھے امید ہے وہ یا تو مارا جائے گا یا شکست کھائے گا جب
رات ختم ہوئی اور آفتاب مشرق سے طالع ہوا۔ راجہ اندرگر بیس ہزار سوار
و پیادہ کی جمعیت سے کہ سنیاسی اور ناگے تھے ماں اور جندق سے نکل
کر وزیر کے روبرو گیا اور حملہ کرنے کا حکم پایا قبل حملہ کرنے کے راجہ اندرگر نے
وزیر سے درخواست کی کہ مغل اور ترکچہ کو حکم ہو کہ اول وہ داؤں کا حملہ نجیب خاں اور سید احمد کے
مورچے پر کریں تاکہ کل پٹھان اس طرف متوجہ ہوں اور نجیب خاں کی مدد کو جائیں اور
احمد خاں کی جا خالی چھوڑ دیں اور کوئی پٹھان انکا معاون نرہے اُسوقت میں اُسپر حملہ کرونگا
وزیر نے اُسکے دلخواہ حکم دیا۔ راجہ اندرگر نے بڑھکر نشیب میں مقام کیا اور منتظر موقع کا ہوا اور
مغلوں نے نجیب خاں کے مورچے پر حملہ کیا لڑائی شروع ہو گئی مغلوں نے حتی المقدور بڑی

جوانمردی کی نجیب خان کے مورچے پر سخت آن بنی مگر اُنھون نے بڑی دلجمعی کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنے دوستون سے کہا کہ ابھی گولہ باری موقوف کرو جب دشمن قریب آئے تو تلوار سے مقابلہ کرنا۔ نجیب خان نے بخشی سردار خان اور دوندے خان سے کہلا بھیجا کہ اپنی اپنی جگہین چھوڑ کر آئین کیونکہ وہ سمجھتے تھے خاص حملہ میری طرف کیا گیا ہے۔ حافظ رحمت خان یہ دیکھکر کہ نجیب خان پر حملہ ہوا ہے سوار ہو کر نواب احمد خان کے پاس پہونچے مگر قبل انکے پہونچنے کے نواب احمد خان ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے مورچے کو جا چکے تھے۔ حافظ رحمت خان نے نواب سے کہا کہ آج خاص حملہ نجیب خان کے توپخانے کی طرف ہے۔ نواب نے جواب دیا کہ نجیب خان پر فقط دھوکے کا حملہ ہے۔ اصل حملہ مجھپر قوم اتیت کے ہاتھ سے ہوگا۔ اس لیے تم اپنے مورچے کو جاؤ اور اپنے سردارون کو حکم دیا کہ سب ہوشیار رہین۔ ڈیڑھ گھنٹہ دن رہے اتیتون کی فوج میدان مین آئی پٹھان تمنداروں نے اپنی سپاہ کی صف بندی کی اجازت چاہی۔ نواب احمد خان نے اُنسے کہا کہ فاتحہ خیر پڑھکر جنگ کا ارادہ کرو۔ افغانون نے دونون ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور فاتحہ خیر پڑھکر دشمن کی طرف چلے۔ دونون جانب سے پیشتر بان اور بندوق سر ہوے اور ایک گھنٹہ تک اس صورت سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر الامر پٹھان بڑھکر دشمن پر جا پہونچے اور تلوار چلنے لگی۔ افغانون نے اس سختی سے حملہ کیا کہ اتیتون نے تاب نہ لاکر ہٹنا شروع کیا اس وقت اندر گر کا چیلہ اتیتون پر حکمران تھا جب اُسنے دیکھا کہ ناگون اور اتیتون نے منھ پھیر لیا تو وہ گھوڑے پر سے

اُتر پڑا اور اُنکو جمع کر لیا تھا اور اپنے خاص خاص ہمراہیوں سے کہا کہ تلوار
لیکر حملہ کرو۔ اُنھوں نے اُسکے حکم کی تعمیل کی اور خوب جان بازی سے لڑے
اُن میں سے بہت سے مارے گئے اور باقی منتشر ہو گئے تب خود اتیتوں کا سردار
شمشیر بدست سامنے آیا اور ایک پٹھان فقط تلوار لیکر اُسکے مقابل ہوا تھوڑی دیر
لڑکر پٹھان نے اُسکو مار لیا۔ اور اُس کا سرتن سے جدا کر لیا جب اتیتوں نے
دیکھا کہ اُنکا سردار قتل ہوا بھاگ کھڑے ہوئے۔ راجہ اندرگر یہ برگشتگی طالع
دیکھکر میدان جنگ سے پھرا۔ پٹھانوں نے وزیر کے لشکر تک اُسکا تعاقب کیا
اور غروب آفتاب کے وقت وہاں پہونچے۔ بعد غروب اس قدر تاریکی ہوئی کہ
ایک دوسرے کو شناخت نکر سکتا تھا۔ نواب احمد خاں نے فوراً قاصد روانہ کیا اور
حکم دیا کہ سب تعاقب سے واپس آئیں پٹھانوں نے وزیر کی توپ کی گاڑیوں میں
آگ لگا دی اور مع مال غنیمت اپنے لشکر میں واپس آئے جب وزیر نے اندرگر کی
شکست کی خبر سُنی نہایت افسردہ خاطر ہوئے اور اپنے خیمہ سے نکل کر ہاتھی پر
سوار ہوئے اور کاسنی پور کی طرف بھاگے۔ جب ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کو
وزیر کی گریز کی خبر ملی تو بہت سی فوج لیکر اُنکا تعاقب کیا اور کاسنی پور پہونچکر
اُن کے سد راہ ہوئے اور وزیر کے پاس جاکر بولے کہ شکست تو اندرگر کو ہوئی
تمھاری اِس بزدلی کا کیا باعث ہے اُسنے اپنے غرور کی واقعی سزا پائی۔ غرض
ملہار راؤ اور آپا سیندھیا نے وزیر کو اس حرکت بزدلی سے جو بالکل منافی اُسکے
مرتبے کی تھی باز رکھا اور وزیر واپس آکر پھر اپنی جگہ سابق میں قیام پذیر ہوئے۔
روز مرہ کے حملے دونوں کے ختم ہو گئے کیونکہ توپ کی گاڑیاں اور مسالہ

پٹھانون نے جلا دیا تھا۔
آن جوانمردیون کے باعث پٹھانون کا گیا ہوا رعب لوگون کے دلون مین بیٹھا جاتا تھا۔ مرہٹون کے دل ایسے محاصرے سے اُکتا گئے کہ انکو لڑائی تو زیادہ کرنا پڑتی تھی اور غنیمت کچھ ہاتھ نہ آتی تھی۔ اسکے علاوہ موسم کی تبدیلی اور آب و ہوا کی خرابی نے دونون فریق کی صحتون مین نقصان پیدا کرنا شروع کر دیا۔

ابوالمنصور خان صفدر جنگ وزیر اور پٹھانون مین علی قلی خان کے توسط سے عہد و پیمان کی تجویز اور اُس مین ناکامیابی

وزیر کو اس مہم کی مشکلات سے دن رات تردد رہتا تھا۔ اسوقت علی قلی خان وزیر کے لشکر مین بادشاہ دہلی کا شقہ لیکر داخل ہوا۔ یہ شقہ بادشاہ کا خاص دستخطی تھا جس مین یہ تحریر تھا کہ "احمد خان سے فوراً صلح کر لینی چاہیے"۔ یہ شقہ وزیر کو حوالے کر کے علی قلی خان نے بادشاہ کا زبانی پیام یعنی احمد شاہ دُرانی کی آمد کی خبر بیان کی۔ وزیر نے کہا کہ اگر صلح کی درخواست میری طرف سے ہوگی تو اس مین تمام عمر کے واسطے میری توہین ہوگی پس کس صورت سے صلح کرنی چاہیے علی قلی خان نے جواب دیا کہ مجھ مین اور احمد خان مین قدیم سے رابطۂ اتحاد ہے اگر تمھاری مرضی ہو تو مین احمد خان سے ملاقات کر کے اُنکو صلح کی طرف مائل کرون وزیر اس تدبیر سے نہایت محظوظ ہوئے علی قلی خان نے احمد خان کو ایک شوقیہ خط

اس مضمون کا بھیجا کہ مجھے تمھاری ملاقات کی کمال آرزو ہے" اس خط کے پہونچنے پر
نواب احمد خاں نے جواب لکھا کہ آپ کو استفسار کی کیا ضرورت تھی آپ کا گھر ہے
جب یہ جواب پہونچا تو علی قلی خاں نے وزیر سے کہا وزیر نے اُس سے قسم لی کہ اگر
صلح کا اشارہ میری جانب سے نہ متصور ہو۔ علی قلی خاں نے کہا کہ تم خاطر جمع رکھو
کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ تمھاری توہین میں بادشاہ کی اہانت ہے۔ علی قلی خاں
پٹھانوں کے کیمپ میں پہونچا اور شام کو علی قلی خاں نے دوستانہ گفتگو کے بعد
معاملات کا ذکر کیا اور بادشاہ کا دستخطی شقہ جو نواب احمد خاں کے نام تحریر تھا
احمد خاں کو دیا احمد خاں نے رسم آداب بجا لا کر اُس شقہ کو کھولکر پڑھا۔ اُس کا
مضمون بجز خاص خاص سرداروں کے اور کسی پر ظاہر نہ کیا۔ شرائط صلح کے
شروع ہونے سے تھوڑے ہی دن بعد معلوم ہو گیا کہ بادشاہ نے صلح کر لینے کا
حکم دیا ہے۔ احمد خاں نے شقہ شاہی پڑھکر پوچھا آخر اس سے بادشاہ کا
منشا کیا ہے علی قلی خاں نے کہا کہ تم اپنے بیٹے محمود خاں اور حافظ رحمت خاں کو
میرے ہمراہ بھیجدو تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ گو وزیر نے حکم شاہی کی بجا آوری مین
کوتاہی کی مگر احمد خاں نے خود فرمان شاہی الامر فوق الادب سمجھ کر اطاعت کی
اور اپنے بیٹے محمود خان اور نواب سید سعد اللہ خاں کے ایک خاص سردار کو
وزیر کے لشکر مین صلح کی غرض سے بھیجدیا۔ اس مین وزیر کی بھی آبرو بنی رہیگی
اور مراتب شاہی بھی ملحوظ رہیں گے۔ احمد خاں نے جواب دیا کہ میں بغیر
مشورہ نواب سید سعد اللہ خاں اور حافظ رحمت خاں وغیرہ کے کچھ نہیں
کہہ سکتا ہوں۔ احمد خاں اُسی وقت سوار ہو کر نواب سید سعد اللہ خان کے

ڈیرے مین آئے اور حافظ رحمت خان اور دوسرے سردارون کو طلب کرکے
امر مذکور مین صلاح پوچھی مُلّا سردار خان جو اُن سب مین عمر مین زیادہ تھے بولے
کہ علی قلی خان کی بساط کیا ہے نواب احمد خان نے پوچھا کہ تمھاری اس سوال
سے غرض کیا ہے ملا سردار خان نے جواب دیا کہ معاملہ صلح کا ایسے شخص کے توسط
سے ہونا چاہیے جو خود کچھ قوت اور اختیار رکھتا ہو۔ اگر ضرورت پڑے تو
تعمیل شرائط مین مجبور کرے اور فسخ معاہدہ کی صورت مین مقابلے سے پیش آسکے
اُنکا مطلب یہ تھا کہ صلحنامہ ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کے توسط سے ہونا چاہیے مگر
کسی حال مین مجھے یہ منظور نہین ہے کہ محمود خان دشمن کے لشکر مین جائے
حافظ رحمت خان کو اختیار ہے کہ چاہے جائین یا نہ جائین کیونکہ اُن مین اور
وزیر مین مخفی اتحاد ہے۔ احمد خان نے بخشی سردار خان کو جواب دیا کہ مین
تمھاری صلاح کو پسند کرتا ہون اور اسپر عمل کرونگا۔ اسکے بعد احمد خان اپنے
لشکر مین واپس آئے اور دوسرے روز علی قلی خان سے کہا گو مجھے خود تم پر
اعتماد کامل ہے مگر روہیلہ سردار میرے بیٹے کے بھیجنے مین رائے نہین دیتے
ہین" یہ سنکر علی قلی خان نے جواب دیا کہ "واللہ روہیلہ سردار نہایت ذی ہوش
اور دور اندیش ہین۔ یہی میری خواہش تھی جو اُنھون نے صلاح دی۔ میری
جو مراد صلح سے تھی وہ حاصل ہے کیونکہ میری غرض صرف تم کو صلح کی طرف راغب
کرنے کی تھی"۔ بعد اس ملاقات کے علی قلی خان رخصت ہوکر اپنے لشکر مین آیا
اور وزیر سے ملاقات کا کل ماجرا مفصل بیان کیا اور کہا کہ مین نے احمد خان کو
صلح پر تو راضی کر لیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ صلح نامہ ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کے

تو ساتھ ہو نا چاہیے اس لئے کھانڈے راؤ کو محمود خاں اور حافظ رحمت خاں
کو لانے کے واسطے بھیجا جائے۔ وزیر نے ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کو طلب کرکے
کہا کہ نواب احمد خاں کے بیٹے اور حافظ رحمت خاں کے یہاں لانے کی تدبیر کرو
جب وہ یہاں آئیں گے تو ہم کوئی تصفیہ کرلیں گے ان دونوں سرداروں نے منظور
کیا مگر یہ کہا کہ ایسی کوئی بات ہونے پائے کہ پھر ہم کو وزیر سے مخاصمت پیدا کرنا پڑے
وزیر نے باوجود اپنے مرتبے کے مجبور ہو کر قسم کھائی کہ اُسے میرا ارادہ دغا کا
نہیں ہے تب ملہار راؤ نے اپنے بیٹے کھانڈے راؤ کو نواب احمد خاں کے
بیٹے اور حافظ رحمت خاں کو وزیر کے لشکر میں لانے کے واسطے بھیجا آپا سیندھیا
نے احمد خاں سے کہلا بھیجا تھا کہ اپنے بیٹے کو بھیجنے میں کوئی عذر نہ کرنا۔
کھانڈے راؤ مع ہمراہیوں کے پٹھانوں کے مورچے کے قریب پہونچا اُس کے
آنے کی خبر پہونچی تو نواب احمد خاں نے محمود خاں کو اور نواب سید سعداللہ خاں
نے حافظ رحمت خاں کو بھیجا اور یہ دونوں اُسکے ساتھ مرہٹوں کے لشکر میں پہونچے
ملہار راؤ اور آپا سیندھیا اور تانتیا اور دوسرے سرداروں نے پیشوائی کی
اور اپنے خیمے میں لیجا کر تحائف پیش کیے پھر سرداران مرہٹہ وزیر کے لشکر
میں گئے اور یہ کہا کہ سرداری مرتبہ اُنکے لانے کے لیے روانہ کرو۔ نواب
سالار جنگ اور علی قلی خاں کو وزیر نے جانے کا حکم دیا۔ مرہٹہ سرداران دونوں
کے ساتھ اپنے لشکر کی طرف واپس آئے جب تھوڑے فاصلے پر پہونچے تو یہ دونوں
کھڑے ہوگئے اُن کے آنے کی خبر سنکر محمود خاں اور حافظ رحمت خاں مرہٹوں
کے لشکر سے نکلے اُنکو آتے دیکھکر علی قلی خاں اور نواب سالار جنگ آگے بڑھے

اور جب قریب پہونچے تو اپنے ہاتھی سے اُتر پڑے اور اُن سے بغلگیر ہوے تب یہ سب باہم وزیر کے لشکر مین پہونچے اور وزیر سے ملاقات اور بات چیت ہوئی اسکے بعد وزیر نے ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ مین نے ابھی کچھ کھایا نہین ہے آپ براہ عنایت بابا محمود خان سے رخصت ہوجیئے یہ سنکر دونون سردار اپنے لشکر کو روانہ ہوے۔ پھر وزیر محمود خان اور حافظ رحمت خان کو لے کر اپنے خاص خیمے مین گئے اور خاصہ طلب کیا۔ بقاء اللہ خان نے مہمانون کے واسطے کھانا بھیجا۔ جب کھانے سے فارغ ہوے وزیر نے اسمٰعیل خان کو حکم دیا کہ ہمارے سراچے کی داہنی جانب اُنکے واسطے خیمے استادہ کرو جب خیمے کھڑے ہوچکے تو محمود خان اور حافظ رحمت خان وزیر سے رخصت ہوے جب ایک گھنٹہ رات گئی وزیر کے حکم سے ایک ہزار مغلون نے ان دونون شخصون کے خیمون کو گھیر لیا۔ جب نواب احمد خان اور نواب سید سعد اللہ خان کے نوکرون نے یہ حال دیکھا۔ ہر ایک نے فوراً فوراً جاکر اپنے مالکون سے اطلاع کی مرہٹون کے جاسوسون نے معلوم کیا کہ کچھ دغا کا ارادہ ہورہا ہے اس لیے نہایت متردد ہوکر اپنے سردارون کو جاکر خبر دی۔ کھانڈے راؤ یہ خبر سنتے ہی بلا اطلاع اپنے والد کے جلدی وزیر کے لشکر کو گیا وہان اُسنے دیکھا کہ ایک ہزار مغل سپاہی حافظ رحمت خان اور محمود خان کے خیمے کے گرد ہین۔ فوراً اُسنے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ان نالائقون پر حملہ کرکے ان کو منتشر کردو یہ حکم سنکر مغل بھاگ کھڑے ہوے۔ سراچے مین پہونچکر کھانڈے راؤ نے دیکھا کہ محمود خان اور حافظ رحمت خان مسلح بہ ارادۂ مقابلہ کھڑے ہین۔ کھانڈے راؤ کو دیکھکر محمود خان نے مسکرا کر کہا کہ مین خدا سے دعا مانگتا تھا

کریں کسی صورت سے وزیر تک پہونچ جاؤں جائے میری دعا قبول کی اب تم اپنے
مہادر سپاہی میرے تابع کرد۔ تاکہ وزیر کو اُس کے فریب کا مزہ چکھا دوں" کھانڈے راؤ
نے جواب دیا "جب وزیر فقط اپنے ہی بھروسے پر رہ جائیں گے تو وہ آپ اپنے کیے کی
سزا پائیں گے اب تم کو لازم ہے کہ فوراً یہاں سے نکل چلو" وہ سب سوار ہو کر چلے اور
مرہٹے کے لشکر کو بائیں جانب چھوڑ کر داس کوہ کی طرف روانہ ہوئے جب وہ اپنے
لشکر کے قریب پہونچ گئے تو کھانڈے راؤ نے اپنے باپ سے آکر مفصل حال کہا کھانڈے راؤ
کے آنے کے بعد ملہار راؤ اور آپا سیندھیا وزیر کے پاس گئے اور کہا کہ جب تم کو دغا
منظور تھی تو ہم کو درمیان میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی اور کسی قدر سخت کلامی سے
گفتگو کی وزیر نے نرمی سے جواب دیا کہ تمھارا کیا خیال ہے بغیر دریافت حال اس قدر
سختی سے بات چیت کرتے ہو جو اصل حال ہے وہ علی قلی خاں سے جو نواب احمد خاں
کا بڑا دوست ہے دریافت کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جب علی قلی خاں وہاں
آیا وزیر نے اُس سے کہا کہ ان سے مفصل کیفیت بیان کرو اُس نے کہا کہ اس خیال سے
کہ وزیر کے سپاہیوں کو افغانوں سے عداوت قلبی ہے مبادا وہ اُنکو کچھ ضرر پہونچائیں
میں نے وزیر سے مشورہ لیکر ایک ہزار جیل سواروں کا پہرہ مہمانوں کے گرد کھڑا کر دیا تھا۔

وزیر کی افغانون مین پھوٹ ڈالنے اور اُن کے افسرون کے توڑنے کی کوشش اور اُس مین ناکامیابی

عہد نامہ صلح کی کوشش مین اس طرح ناکامیابی ہوئی تو وزیر نے سید محبوب عالم
کی صلاح سے یہ بات تجویز کی کہ نواب احمد خاں کے افسروں میں سے ہر ایک شخص کے نام

ایک شقہ اپنے دستخط اور مہر خاص سے اس مضمون کا لکھوایا کہ نواب احمد خان کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے پاس چلے آؤ تمھارے مرتبے اور عزت کے موافق تمکو نوکری اور منصب عطا کیا جائے گا۔ اور محبوب عالم کے جتنے دوست آشنا مؤشمس آباد کے رہنے والے نواب احمد خان کے لشکر مین تھے اُس نے اُن کے نام اس مضمون کے خط لکھے کہ مین نے وزیر سے تمھاری سفارش کی ہے وزیر نے فرمایا ہے کہ سب کے مرتبے کے موافق سلوک کیا جائے گا اور مین نے مضبوطی کے واسطے شقہ مہری وزیر کا لکھوالیا ہے اسلیے تمکو لازم ہے کہ وہان سے چلے آؤ۔ محبوب عالم نے یہ سب شقے اور اپنے خط اکھٹے رکھ کے وزیر کے ایک قاصد کے ہاتھ اپنے خدمتگار رہبائی خان کے ساتھ نواب احمد خان کے لشکر مین روانہ کیے۔ صاحب داد خان جو نواب احمد خان کے لشکر مین تھا اور محبوب عالم سے بہت دوستی تھی محبوب عالم نے یہ سب کاغذات اُسکے پاس بھیجے۔ محبوب عالم نے ایک خط فخر الدین خان سے جو اسوقت وزیر کے لشکر مین حاضر تھا اُسکے چچا زاد بھائی حسام الدین کے نام بھی جو نواب احمد خان کا ملازم تھا اسی مضمون کا لکھوایا تھا۔ قاصد نے یہ تمام کاغذات صاحب داد خان کے خیمہ مین پہونچا دیے اور حسام الدین کا خط اُس کو دیدیا۔ حسام الدین نے انکاری جواب نہایت روکھے الفاظ مین لکھا اور یہ بھی تحریر کیا کہ مین ایسی نادانی کی تحریرین منظور نہین کر سکتا ہون اور صاحب داد خان نے یہ جواب لکھا کہ مین نے تمھارے خطوط اور شقے تقسیم کر دیے جو کچھ اس کا نتیجہ ہو گا اُس سے بھی اطلاع دی جائے گی۔ یہ دونون جواب لیکر قاصد وہان سے چلا۔ روہیلے چور اور لٹیرے جو نواب سید سعد اللہ خان اور نواب احمد خان کے

لشکروں کو دق کیا کرتے تھے وردی اور رہبری میں طاق تھے۔ ان اُنھوں نے یہ وتیرہ اختیار کیا تھا کہ نوبجائے کی واہی اور بائیں جانب چھپے رہتے تھے جب رات ہوتی تھی وزیر کے لشکر میں جاتے تھے اور گھوڑا اور اونٹ اور جو کچھ سامان ملتا تھا لوٹ لاتے اور اُسکو بیچ ڈالتے۔ اتفاقاً یہ قاصد اُن کے سامنے سے گذرا وہ اُسکو گرفتار کرکے نواب احمد خاں کے پاس لائے نواب نے قاصد سے دریافت کیا کہ تم یہاں کس لیے آئے تھے اُس نے جان کے خوف سے کُل حال بیان کردیا اور وہ دونوں خط بھی نواب کے سامنے پیش کردیے۔ نواب نے اُن خطوں کو دیکھ کر حسام الدین کو طلب کیا اور اُسکی بڑی تعریف کی۔ بعد حافظ رحمت خاں مُلّا سردار خاں دوندے خاں۔ فتح خاں۔ اور سید احمد کو نواب نے مُلاکر تمام حال کہا۔ سید احمد نے کہا کہ میرے ماتحت کے لوگ دامن کوہ سے لیکر پیلی بھیت تک متعین ہیں اُنکو حکم بھیجدونگا کہ اگر کوئی پٹھان بارادۂ گریز لشکر سے نکلے اُسکو فوراً قتل کرڈالو اور اُسکا اسباب ضبط کرلو۔ یہ سردار نواب احمد خاں کے پاس سے رخصت ہوئے اور قاصد لشکر سے نکلوادیا گیا۔

تجدید شرائط عہد نامہ و تکمیل صُلح

فرح بخش میں لکھا ہے کہ محصورین کو وزیر کے لشکر سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا تھا بلکہ محاصرین دقّت میں آگئے تھے کیونکہ اُن کے جانوروں کو چارہ مل سکتا تھا اور غلہ آسانی سے میسر آتا تھا۔ نمک تمباکو چراغ کا تیل کثرت اکثر کے حکم میں تھا۔ روہیلے کہ پہاڑی آدمی تھے اور پیادہ چلنے کے عادی تھے

پہاڑون پر جاتے غلّہ لاتے اور آرام سے کھاتے تھے بلکہ تجارت بھی کرتے اور کبھی جنگل کے درختون کی آڑ پکڑکر مخالف پر باڑھ مار دیتے تھے۔ صفدر جنگ نے تبرداروں اور بیلدارون کو حکم دیا کہ جنگل کے درخت کاٹنا شروع کرین جب بڑے بڑے درخت کٹ کر گرے تو اور راستہ بند ہونے لگا اور پہلے سے زیادہ روہیلون کو آڑ ہوگئی اور اُنکے لیے یہ قدرتی مورچہ تیار ہونے لگا۔ محاصرے کی مدت کو تین ماہ کا طول ہوگیا۔ صفدر جنگ بھی طول محاصرہ اور مرہٹون کی دست درازی سے ملول ہوگئے اور اسی زمانہ مین خبر پہونچی تھی کہ احمد شاہ دُرّانی نے دوبارہ ہندوستان پر چڑھائی کی اور پنجاب پر پورے قابض ہوگئے مغرب کے بعض راجون نے ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کو لکھا کہ احمد شاہ دُرّانی پٹھانون کی مدد کو آتے ہین اور اُنھون نے دریاے سندھ کو عبور کیا ہے اور بریسم یلغار بڑھتے آتے ہین اس خبر نے مرہٹون کو بڑے تردد مین ڈالا اور وہ سب مشورے کے لیے مجتمع ہوے اور متفق الراے ہوکر وزیر کے پاس گئے اور اُن کو ملامت کرکے کہا کہ تم نے احمد شاہ دُرّانی کی آمد ہم سے ذکر نہ کی اور اس خبر کو ہم سے مخفی رکھا اور اُنھون نے یہ بھی کہا کہ یہ تو بخوبی معلوم ہوچکا ہے کہ ہماری اور تمھاری دونون کی سپاہ نے مہم کی صعوبت دیکھکر دل ہار دیا ہے اور عاجز ہوگئی ہین سوا اسکے پہاڑ کے پانی نے اُن مین ایسا اثر پیدا کر رکھا ہے کہ وہ اکثر مرگ مفاجات سے ہلاک ہوتے ہین چونکہ جان ہر شخص کو عزیز ہے اس سبب سے اُن مین بڑا خوف پھیل رہا ہے اب جو وہ احمد شاہ دُرانی کی آمد کی خبر سُنین گے اور بھی پریشان ہونگے اور بھاگنا شروع کردینگے اب وزیر کا کام یہ ہے کہ اس امر کا انصاف کرین ہمارا کام فقط مان لینا ہے وزیر دریاے حیرت مین

ڈوب گئے کیونکہ وہ ایسے خطرناک موقع پر حیلہ کرنے سے معذور تھے
اس واسطے صلح کی طرف مائل ہوئے اور بڑے غور و تامل کے بعد اُنھوں نے کہا کہ
میں نے اسکا تصفیہ تمھاری رائے پر چھوڑا جو تمھاری رائے میں آئے سو کرو مرہٹوں نے
کہا کہ اب تلوار میاں میں کرنی چاہیے اور علی قلی خاں کو افاغنہ کے لشکر میں بھیجنا
چاہیے وہ جا کر کہیں کہ در پر تعمیل حکم بادشاہ جنگ سے دست بردار ہوئے ہیں
تمکو بھی لازم ہے کہ صلح کرلو اور احمد خاں کو کُل ملک موروثی اُنکا دیا جاتا ہے اس شرط
سے کہ اُسکے عوض وہ بیس لاکھ روپے بطور نذرانے کے داخل کریں اور جب تک یہ
روپیہ ادا ہو نسف ملک مکفول رہے یہ شرائط دربیرے مطور کیں اور مرہٹوں نے
کہا کہ کوئی معتمد آدمی علی قلی خاں کے ساتھ ہو ملہار راؤ اور آپا سیدھیا نے
اپنے دیوان گنگا دھر کو منتخب کیا اور دونوں ایلچی روانہ ہوئے وربیر سے پوشیدہ
ملہار راؤ اور آپا سیدھیا نے تانتیا گنگا دھر سے یہ کہہ دیا کہ تم احمد خاں سے موقع
مناسب پر ہماری طرف سے یہ کہہ دینا کہ جو شرائط علی قلی خاں پیش کرے تم بلا ردّ و کد
منظور کر لینا کیونکہ اس وقت یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور ہم تمھارے بہر حال
ہوا خواہ ہیں اور اپنے بیٹے کو ہماری ذمہ داری پر وزیر کے لشکر میں بھیج دیو
دونوں پٹھانوں کے لشکر میں پہونچے علی قلی خاں نے کہا کہ ہم دونوں ایک ساتھ
ملاقات کریں مگر گنگا دھر نے کہا کہ تم آج ملاقات کرلو میں کل جاؤنگا علی قلی خاں
احمد خاں کے پاس گیا اُدھر اُدھر کی باتوں کے بعد معاملہ کی گفتگو شروع ہوئی
علی قلی خاں نے پیغام بیان کیا اور کہا کہ مرہٹوں کا وکیل گنگا دھر کل حاضر ہوگا۔
تانتیا دوسرے روز نواب احمد خاں کے پاس گیا اور رد ہیلہ سردار طلب ہوئے

مُلّا سردار خان کی یہ راے ہوئی کہ معاملہ ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کی راے پر چھوڑنا چاہیے اسپر نواب احمد خان راضی ہوے اور علی قلی خان اور تانتیا کو بلا بھیجا اور اُن سے کہا کہ ہم ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کو رضامند رکھنے کے واسطے اپنا نصف ملک تا اداے نذرانۂ شاہی مکفول کرتے ہین اور شرائط مجوزۂ سرداران مرہٹہ کی قبولیت کا خط تحریر کر دیا۔ یہ خط تانتیا کے حوالے کیا۔

ایک نقل یون ہے کہ شرائط تانبے کے دو پتّرون پر کندہ کی گئی تھین جنکو احمد خان اور مرہٹون نے باہم تبدیل کر لیا۔ اور محمود خان اور حافظ رحمت خان مرہٹون کے لشکر کو روانہ ہوے اور اُنکے لشکر کے قریب پہونچے ملہار راؤ اور آپا سیندھیا سوار ہو کر تھوڑی دور گئے اور محمود خان اور حافظ رحمت خان کی وزیر سے ملاقات کرائی اور شرائط صلح کی تکمیل ہو گئی یہ بیان تاریخ فرخ آباد مولفۂ ارون صاحب کے مطابق ہے اور اس کتاب مین ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ بعض کہتے ہین کہ مرہٹون کی اس نوکری کی بابت صفدر جنگ اُن کے اسّی لاکھ روپے کے مقروض تھے بار اس قرض کا نواب احمد خان کے دوش پر ڈالا گیا اور یہ واقعہ ۱۱۶۵ھ ہجری مطابق ۱۷۵۲ء کا ہے۔

فرح بخش مین ذکر کیا ہے کہ جب صفدر جنگ نے صلح کے لیے افغانون کے پاس وکیل بھیجے تو حافظ رحمت خان نے شاہ صاحب یعنی والد سید معصوم کو صفدر جنگ کے پاس بھیجا اور اس بات پر صلح ہو گئی کہ احمد خان پچاس لاکھ روپے بابت خرچ جنگ دین چنانچہ نواب احمد خان نے اُسکی ادائگی کے واسطے ایک تمسک لکھ دیا صفدر جنگ نے وہ تمسک بعوض اُس روپے کے مرہٹون کے حوالے کر دیا جو اُن کو

اس نوج کشی اور امداد کے عوض دیا ٹھہرا تھا۔

عماد السعادت میں کہا ہے کہ ملہار راؤ خود نواب احمد خان کے پاس گیا تھا اُس نے احمد خان سے کہا کہ میں تمہارے خیمے میں بیٹھا جاتا ہوں تم نے ادیت وریر کے پاس چلے جاؤ احمد خان نے کہا کہ یہ صلاح و مشورہ طفلانہ ہے مجھے پسند نہیں کیونکہ ہندوستان میں وریر کے قوی دو ہی دشمن ہیں ایک پٹھان دوسرے مرہٹے جبکہ میں وہاں جاؤنگا اور وریر نے مجھکو مروا ڈالا تو تمکو میرے آدمی مار ڈالیں گے اس صورت میں وریر کو عجیب راحت حاصل ہوگی۔ ایک طرف مرہٹے سرویا ہو کر بھاگ جائیں گے دوسری طرف پٹھان جنگل میں سر مارتے پھرینگے۔ پس بہتر صلاح یہ ہے کہ ادھر سے میرا بیٹا محمود خان وریر کے پاس چلا جائے اُدھر سے تمہارا بیٹا کھانڈے راؤ محمود خان کے عوض میں میرے لشکر میں آکر بیٹھ جائے اگر محمود خان سلامت لوٹ آیا تو کھانڈے راؤ تمھارے پاس پہونچ جائیگا اور اگر وریر نے محمود خان کو قتل کر دیا تو تم کھانڈے راؤ سے دست بردار ہو جانا انتہا یہ ہے کہ میرے اور تمھارے دو قطرۂ منی ضائع ہو جائینگے میں اور تم تو زندہ رہیں گے ملہار راؤ نے یہ صلاح پسند کی اور اپنے بیٹے کھانڈے راؤ کو احمد خان کے خیمے میں بٹھا کر محمود خان کو وریر کے پاس پہونچا دیا۔ اس تمام بیان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عماد السعادت کے مؤلف میں واقعات تاریخی کے جانچنے کا کوئی بھی سلیقہ نہیں کیا یہ مرہٹوں کی عقل ملک گیر کو جانڈو جانے کی گپیوں کی فراست کے مطابق سمجھتا تھا۔

سیر المتاخرین میں ذکر کیا ہے کہ نواب سید علی محمد خان کے محالات لطور

مالگذاری کے اُن کی اولاد کو دیے گئے۔ اور روہیلکھنڈ گزیٹیر مین بیان کیا ہے
کہ اس عہدنامے پر صلح کی گئی کہ روہیلون کی جانب سے پچاس لاکھ روپے ہرجۂ جنگ
کے ادا کیے جائین اور پانچ لاکھ روپے سالانہ خراج کے بے قیل وقال داخل کرتے
رہین اس عہدنامے پر حافظ رحمت خان نے مع دوسرے رئیسون کے دستخط کیے
اور یہ عہدنامہ مکمّل ہوکر مرہٹون کے سپرد کیا گیا کیونکہ صفدر جنگ نے ہنگام
فوج کشی اتنے روپون کے ادا کرنے کا اُن سے وعدہ کیا تھا۔ مرہٹون کو یہ سند
دیکر اقرار لیا گیا کہ ہنگام ضرورت پھر مدد دینا پڑیگی مگر وہ اس بار ایسے کندر لے ہوے
معلوم ہوتے تھے کہ شاید دوبارہ روہیلکھنڈ کی جانب مُنھ نکرین۔

گل رحمت مین آیا ہے کہ اس عہدنامے پر دستخط ہونے کے بعد حافظ رحمت خان
اور محمود خان پٹھانون کے مورچون کو واپس آئے اور صفدر جنگ کا مہری عہدنامہ
لوگون کو دکھایا۔ دوسرے روز حافظ صاحب صفدر جنگ کے پاس گئے اور اُنسے کہا
کہ اب یہان سے کوچ کرنا چاہیے۔ اُنھون نے جواب دیا کہ ہم کل صبح کو یہان سے
روانہ ہونگے اور تمکو اپنے ساتھ شاہجہان پور تک لیجائین گے اور کہا کہ نواب احمد خان
اور روہیلون سے کہدو کہ وہ ہمارے لشکر کے کوچ سے دو دن کے بعد اپنے وطنون
کو روانہ ہون۔ حافظ صاحب روہیلون کو مطمئن کرکے دوسرے دن صبح کو چار سو
جوانون کے ساتھ صفدر جنگ کے لشکر مین آگئے اُسی دن صفدر جنگ کا کوچ شروع
ہوا اور بعد چند روز کے وہ دریاے گنگا کے کنارے پر پہونچے اور یہان اُنھون نے
ملہار راؤ اور آپا سیندھیا کو قنوج جانے کا حکم دیا اور خود محمود خان اور حافظ رحمت خان
کو لیے ہوے لکھنؤ کی طرف روانہ ہوے اُنسے صفدر جنگ نے کہا کہ جب معاملے کی

تکمیل ہو جائے گی میں تمکو رخصت کر دونگا موجب حکم کے مرہٹے دریائے گنگا کو عبور
کر کے قنوج میں مقیم ہوئے لیکن گنگا دھر مع دس ہزار سوار کے محمود خاں کے ساتھ
رہا۔ وزیر کی روانگی کے دو روز بعد نواب احمد خاں اور نواب سید سعد اللہ خاں دامن کوہ
سے نکل نکل کر اُس مقام پر خیمہ زن ہوئے جہاں وزیر کی فوج قائم تھی اور مراحل
کوچ کر کے آنولے میں پہونچے احمد خاں اس قصبے میں چند روز قیام کر کے فرخ آباد
کی طرف چلے گئے۔ صفدر جنگ نے راہ میں حافظ صاحب کی بہت خاطر کی
دونوں وقت دعوت بھیجتے اور اکثر اپنے دسترخوان پر بھی شریک طعام کرتے اور
کہتے تھے کہ میں نے افغانستانیوں میں ایسا لائق آدمی کبھی نہیں دیکھا جب شاہجہانپور
پہونچے تو صفدر جنگ سے حافظ صاحب نے رخصت چاہی۔ اُنھوں نے کہا ابھی
ٹھہرو اور شاہجہانپور سے آگے کو روانہ ہوئے اور زیادہ مہربانی کرنے لگے اور
راستے مین اُنکو برادر کے لفظ کے ساتھ مخاطب کرتے اور بعد اسکے جب کبھی
حافظ صاحب کو خط بھیجتے اُسمیں یہی لفظ لکھتے۔ موہان میں پہونچکر وزیر نے
حافظ صاحب اور محمود خاں کو رخصت کیا۔ محمود خان کو پہلے خلعت ہفت پارچہ
عنایت کیا پھر حافظ صاحب کو خلعت عطا کیا جسکے ساتھ مالائے مروارید اور جیغہ
اور سرپیچ مرصع اور شمشیر اور سپر اور گھوڑا زیور نقرئی کے ساتھ اور فیل سامان نقرئی
اور زربفت کی جھول کے ساتھ تھے اور حافظ صاحب کے واسطے پرگنہ بسا کی سند
آل تمغا جو راہ مین اپنے وکیلون کی معرفت بادشاہ دہلی سے حاصل کی تھی اور برہم نگر
کی سند اپنی مہر سے مرتب کر کے عطا کی گل رحمت میں اسی طرح ہے مگر روہیلکھنڈ گزیٹیر

۱؎ دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آرون صاحب ۱۲

مین اسکے برخلاف روایت کی ہے کہ عہدنامہ چلکیا کے مرتب ہوجانے کے بعد صفدر جنگ نے حافظ رحمت خان سے ایک اقرارنامہ اس مضمون کا لکھوایا کہ حافظ رحمت خان اور اُنکے جانشین کبھی کسی وقت مین پرگنہ پورنپور اور سنبا پر قبضہ نہ کرنے پائین۔

محمود خان اور حافظ رحمت خان کو خلعت دینے کے بعد وزیر نے تانتیا کو سند اس بات کی دی کہ تاادا ے نذرانۂ شاہی نواب احمد خان کے نصف ملک پر قبضہ کرے یہ ملک اُسکو بعوض اُس بقایا کے ملا جو وزیر سے اُسکو پانی تھا محمود خان و تانتیا رخصت ہوکر جانب مغرب روانہ ہوے اور حافظ رحمت خان آنولے کو چلے آئے۔

عماد السعادت مین لکھا ہے کہ پٹھانون کے ملک کی لوٹ سے مرہٹون کے ہاتھ دو کروڑ روپے لگے تھے اور کروڑ روپے وزیر سے بابت مدد دہی جو ٹھہرے تھے وہ ملے اور پچاس لاکھ روپے وزیر نے انعام کے دیے اور پچاس لاکھ روپے پٹھانون سے اینٹھے۔ اس بیان مین سراپا مبالغہ ہے وہ زمانہ ایسا تھا کہ مرہٹے اتنی دولت وصول کر لیتے نہ دینے والون کے پاس اتنا روپیہ تھا نہ مرہٹے اسکے مستحق سمجھے جاتے اور نہ آسانی و سختی سے اتنی دولت کثیر مل سکتی تھی۔

مہرآباد کے زمیندارون کو سزا دہی

حافظ الملک کو خبر پہونچی کہ پرگنۂ مہرآباد کے زمیندار سرکاری مالگذاری دینے مین تغافل کرتے ہین اور وہان کے کارندون کے احکام کی تعمیل نہین کرتے۔ تھوڑی سی سپاہ لیکر مہرآباد کی طرف کوچ کیا اور جلال آباد مین ٹھہر گئے اور زر مقرری کے وصول

کرنے کے لیے کار ہدے مہرآباد کو بھیجے وہاں کے زمیندار قدیم سے سرکش تھے
بعض تو اطاعت بجا لائے اور بعضوں نے اپنی جمعیت کی کثرت اور جنگل کے گھنے ہونے
کے گھمنڈ میں آکر اطاعت نہ کی بلکہ کوریا کے زمیندار رات میں بیس گھوڑے بھی ان کے
لشکر سے چرا لے گئے جب حافظ صاحب کو جاسوسوں کے ذریعہ سے یہ خبر تحقق ہو گئی کہ
یہ کام کوریا کے لوگوں نے کیا ہے تو گھوڑے اُن سے طلب کیے مگر اُنھوں نے انکار کر دیا
اور لڑائی پر مستعد ہو گئے حافظ رحمت خاں نے اُنکی سرکوبی کے لیے سپاہ بھیجی۔
زمینداروں نے بھی گرد و پیش کے کسانوں کو جمع کرکے بارہ ہزار کے قریب جمعیت
بہم پہونچائی حافظ صاحب کے افسروں نے سواروں کو حکم دیا کہ زمینداروں کو گھیریں
اور پیادوں کو حکم دیا کہ اُن سے لڑیں۔ لڑائی سخت تھی اسلیے کہ زمیندار لوگ پیڑوں کی
آڑ لیکر سدوقیں مارتے تھے۔ مگر جب اُن کی جمعیت کا سرغنہ مارا گیا تو سب بھاگ کر
جنگل میں منتشر ہو گئے پٹھان اُنکے مکانوں میں گھس گئے اور سب مال و اسباب
لوٹ لیا دو ہزار عورتیں اور بچے اسیر ہوے اور اس کارروائی کے بعد سپاہ جلال آباد
کو لوٹ گئی۔ اور حافظ صاحب اس مہم سے فرصت پاکر جلال آباد سے آنولے کو واپس آئے۔

صفدر جنگ وزیر کی اپنے بادشاہ احمد شاہ سے بغاوت بادشاہ کا روہیلوں کو اپنی کمک کے لیے طلب کرنا۔ نجیب خان کا سپاہ لیکر دہلی کو جانا صفدر جنگ کی شکست کے بعد نجیب خان کا منصب و جاگیر کے ساتھ ترقی پانا

اللہ اللہ یا تو بادشاہ کا وہ عالم تھا کہ جو بات ہے پوچھو صفدر جنگ سے جو مقدمہ ہے

کہوا ابوالمنصور خان سے سلطنت کے سفید و سیاہ کا کُل اختیار۔ آفتاب اقبال اُس
اوج پر کہ جس سے اونچا ہونا ممکن نہین افسوس! اب اُسکے ڈھلنے کا وقت آگیا۔ ظاہری
صورت یہ ہوئی کہ صفدر جنگ پٹھانون کی مہم سے فرصت پاکر ابھی دہلی نہ پہونچے
تھے کہ احمد شاہ دُرّانی پنجاب پر پورے قابض ہو گئے اور اُنھون نے ایک ایلچی
اس غرض سے روانہ کیا کہ شاہ ہندوستان سے اس صوبہ کو بحسب ضابطہ حاصل کرین
احمد شاہ دُرّانی کی درخواست اُس جوکھون کے خوف سے فی الفور منظور ہو گئی جس کو
نادر شاہ کے ہاتھون سے اُٹھایا تھا اور اب تک اُسکی یاد باقی تھی۔ ورجبکہ صفدر جنگ
دلّی مین داخل ہوے تو اُنھون نے اس انتظام یعنی پنجاب کی تفویض کو کامل پایا
اُنھون نے پنجاب کی تفویض کو اپنی شکایت کا بہانہ ٹھہرایا جسکو بادشاہ کی
بڑی بے عزّتی کا باعث بتایا۔ اور حقیقت مین ناراضی کے اسباب اور اور وجوہ تھے
چنانچہ اُن مین سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جب وہ روہیلکھنڈ مین گئے تھے تو اُن کا
رعب و داب عین دربار مین جاوید نامی خواجہ سرا مخاطب بہ نواب بہادر کو حاصل
ہوا تھا جس پر احمد شاہ بادشاہ اور اُسکی مان دونون نہایت مہربان تھے صفدر جنگ
نے جبکہ یہ دیکھا کہ میری موجودگی پر بھی میری بات نہ سنبھلی تو اُنھون نے وہ بُری طرز
اختیار کی جو دلّی کے گلی کوچون مین طشت از بام ہو گئی۔ یعنی اُنھون نے ۲۷[سلہ] شوال
سنہ ۱۱۶۵ ہجری کو جمعرات کے روز جاوید خان کو دعوت کے بہانے سے اپنے مکان پر بُلایا
اور تہ خانے مین لیجاکر قتل کر دیا۔ صفدر جنگ کے اس فعل سے احمد شاہ سخت برہم
ہوے۔ اور جمادی الاُخریٰ سنہ ۱۱۶۶ ہجری مین وزیر اور بادشاہ مین کدورت پیدا ہو گئی۔

سلہ دیکھو مرآت آفتاب نما ۱۲

امرائے بادشاہی مدد کی جگہ بدخواہی پر کمربستہ ہو گئے اور بادشاہ انتقام کے درپے
ہوئے اور صفدر جنگ کے مقابلے کے لیے غازی الدین خاں امیر الامراء کاموں
کے کاربردار بنائے گئے۔ اس دل شکستگی کے عالم میں اور اس نازک موقع پر کم نصیبی
کا نتیجہ تھا صفدر جنگ نے چاہا کہ اپنی اور بادشاہ کی نااہلی کا پردہ دور ہو جائے
اور عزت کی پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دہلی سے نکل جائیں مگر قسمت نے
بڈھے کی داڑھی لونڈوں یا طفل مزاج مُنڈھوں کے ہاتھ میں دیدی تھی بادشاہ اور
صفدر جنگ کے درمیان بہت کچھ جھگڑا ہوا اور جنگ شروع ہو گئی صفدر جنگ
نے حافظ رحمت خاں کو خط لکھا کہ آپ ہماری اعانت کریں چونکہ معاہدۂ چلکیا
کے وقت دونوں امیروں میں یہ عہد و پیمان مستحکم ہو چکا تھا کہ وقت ضرورت ایک
دوسرے کی کمک کیا کرے اس لیے حافظ صاحب چالیس ہزار پیادہ و سوار کے ساتھ
صفدر جنگ کی مدد کو بریلی سے روانہ ہوئے جب مقام باڑہ میں پہونچے تو میر میاقت
اور راجہ دیبی دت اور بسنت خاں خواجہ سرا بادشاہ کا فرمان حافظ صاحب کے نام
لیکر آئے جس کا مضمون یہ تھا کہ صفدر جنگ ہم سے نافرمان ہو گیا ہے گستاخیاں
کرتا ہے تم کو چاہیے کہ ہمارے پاس فوج لیکر آجاؤ۔ اس حسن خدمات کے صلے میں
تم پر حضور کی عنایات مبذول ہونگی جب یہ حکم دیکھا تو حافظ صاحب یہیں ٹھہر گئے
اور شاہی سفیروں سے کہا کہ مجھ میں اور صفدر جنگ میں عہد و پیمان ہو چکا ہے
نقض عہد مجھ سے نہیں ہو سکتا اور اسی مضمون کی عرضی لکھکر بادشاہ کی خدمت میں
روانہ کی اور جواب کے انتظار میں یہیں ٹھہرے رہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد
بادشاہ کا فرمان اس مضمون کا پہونچا کہ اگر ہمارے پاس حاضر ہونے میں نقض عہد جانتے ہو

تو اپنے ملک کو لوٹ جاؤ کیونکہ بغاوت کی شرکت دین اسلام مین ممنوع ہے جب بادشاہ کا یہ فرمان پہونچا تو اُسکے دیکھتے ہی حافظ صاحب کو اپنے ملک کی طرف لوٹنا پڑا اور بادشاہ کے مقابلے مین جانا مناسب نظر نہ آیا اور صفدر جنگ کو اِس بات کا عذر کہلا بھیجا۔

گل رحمت مین لکھا ہے کہ میر مناقب وغیرہ جو فرمان شاہی لائے تھے درپے اسکے ہوے کہ کچھ جمعیت یہان سے صفدر جنگ کے مقابلے کے لیے دہلی کو لیجائین جب یہ دیکھا کہ حافظ رحمت خان اپنے ملک کو لوٹے جاتے ہین تو اُنکے رسالہ دارون جماعدارون اور سپاہیون کو مخفی ملانا شروع کیا اور روپے کا بہت سا لالچ دیا تا کہ حافظ صاحب کے لشکر مین سے ایک شایستہ جماعت اُنکے ساتھ ہوجائے نجیب خان عمرخیل جو دوندے خان کی سپاہ مین ایک سو پیادہ و سوار کے جماعدار اور اُنکے داماد تھے اُنھون نے جانے کا اقرار کرلیا اور بہت سے روپے سفیرون سے لیکر مفلس اور طماع سپاہیون کو دیکر متفق کرلیا چنانچہ تین ہزار سوار و پیادے حافظ صاحب کے بغیر حکم دہلی کو روانہ ہوگئے۔

تاریخ مظفری مین لکھا ہے کہ راجہ دیبی دت نے ایسا افسون پھونکا کہ نجیب خان جماعدار جو ابھی مرتبۂ امارت کو نہ پہونچے تھے سوار ہوکر اپنی جماعت سے نکلے اور آواز دی کہ جسکو مذہب اہل سنت او خلیفہ کی حمایت منظور ہو میرے ہمراہ چلے اور جو یہ امر ناپسند کرے اُسے نہ چلنے کا اختیار ہے۔ یہ منادی سنتے ہی جسقدر روہیلے صفدر جنگ سے عداوت جبلی رکھتے تھے ساتھ ہو لیے۔ او حافظ الملک ہاپڑ سے روہیلکھنڈ کو لوٹ آئے اور دوندے خان سے جو اس سفر مین ساتھ نہ تھے

شکایت کی کہ نجیب خاں ہماری اجازت کے بغیر دہلی کو چلے گئے، دو مدے خاں نے معذرت کی لیکن منتخب العلوم وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود دو مدے خاں نے مقام پاٹیرے نجیب خاں کو ایک زبردست فوج کے ساتھ بادشاہ کا شریک ہونے کے لیے بھیجا تھا۔ اور جلد دوم تنقیح الاخبار سے بھی ثابت ہے کہ دوسرے افاغنہ نے نجیب خاں کو بادشاہ کی مدد کے لیے دس بارہ ہزار سپاہ کے ساتھ بھیجا تھا۔

نجیب خاں۔ اصالت خاں ابن عنایت خاں کے بیٹے ہیں نواب سید علی محمد خان کے عہد میں اپنے چچا بشارت خاں کے پاس آئے تھے اُنکے ذریعہ سے نواب صاحب کی سرکار میں نوکر ہوئے تھوڑے سے زیادہ دُسوار کے افسر کر دیے گئے تھے اور نواب صاحب نے اپنے مرنے کے ایک سال قبل پرگنہ جلال آباد اُنکو اپنی طرف سے عطا کیا تھا۔

یہ بات صحیح نہیں کہ نجیب خاں جسوقت دہلی کو روانہ ہوئے تو اُسوقت میں جمعدار تھے اسلیے کہ فوج بحش میں ذکر کیا ہے کہ جب صفدر جنگ نے مرہٹوں کی اعانت سے احمد خاں بنگش اور روہیلوں کو دامن کوہ میں محصور کیا تھا تو مورچے میں نجیب خاں نے بڑی جوانمردی سے کام انجام دیا تھا نواب سید سعداللہ خاں صاحب نے اسکے صلے میں اُنکو جمعداری سے ترقی دیکر رسالہ دار بنادیا تھا جن لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اُس عہد میں رسالہ دار کا کیا مرتبہ ہوتا تھا اور کتنی فوج پر وہ افسر ہوتا تھا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رسالہ دار سو آدمیوں کا افسر ہوتا ہوگا جیساکہ آج کل ہوتا ہے حالانکہ اُسوقت کا رسالہ ہزار پندرہ سو یا دُہ سوار کا مجموعہ ہوتا تھا اور رسالہ دار کو اپنے رسالے کے آدمیوں کی موقوفی اور بحالی کے پورے پورے

اختیارات حاصل ہوتے تھے وہ آج کل کے جنرل سے بدرجہا زیادہ اختیارات رکھتا تھا نقارہ و نشان اُسکے ہمراہ ہوتا تھا اور بڑی جاگیر اور ہزار پندرہ سو روپیہ ماہانہ کی تنخواہ رکھتا تھا۔ نجیب خان باوجود بے علمی کے قابلیت ولیاقت خداداد رکھتے تھے شجاعت اور شہامت اور سرداری مین نشان بلکہ نشان قدرت الٰہی کے تھے۔

بہرصورت تاریخ سلاطین متاخرین ہند اور مرأت آفتاب نما سے مستفاد ہوتا ہے کہ یکم شعبان ۱۱۶۶ ہجری کو نجیب خان بارہ ہزار سوار و پیادون کے ساتھ دہلی پہونچ گئے اور میر مناقب وغیرہ اُمرا کے ذریعہ سے غازی الدین خان عماد الملک سے ملے۔

فریقین سے کے قضیئے اختلاف مذہب کے غیظ وغضب سے چوگنے ہوگئے تھے اسلیے کہ صفدر جنگ اپنے مذہب کے شیعہ اور غازی الدین خان سنّی تھے چنانچہ سُنّی شیعون کے لڑنے والون کا لقب اور ما بہ الامتیاز اُنکی ایک آواز تھی یعنے سُنّی دم چاریار اور شیعہ دم پنجتن کہتے تھے۔ چھہ مہینے تک یہ لڑائی قائم رہی اور کوٹلہ کی جنگ مین گوسائین اندر گر جو صفدر جنگ کا سپہ سالار تھا نجیب خان کے ہاتھ سے مارا گیا[۱]۔ صفدر جنگ کے ایک سردار اسماعیل خان کابلی بچے نے دہلی کی شہر پناہ کے ایک برج مین جو قمر الدین خان وزیر سابق کی حویلی کے متصل تھا اور بادشاہی سپاہ کا وہان مورچہ تھا نقب لگاکر آگ دیدی باوجودیکہ پورا برج منہدم نہ ہوا مگر بہت سے سپاہی اور عمدۃ الملک کے نوکر اور سنگ تراش جو نقب کو باطل کر رہے تھے کام آئے اور برج نیلہ کے پتھر بھی اُس صدمے سے ٹوٹ کر شاہی فوج کے مورچون پر گرے جس مین بادشاہ کے بہت سے سپاہی کام آئے اور زخمی ہوے

---

[۱] دیکھو گلستان رحمت ۱۲

شکایت کی کہ نجیب خاں جاری امارت کے بغیر دہلی کو چلے گئے' دو مدے خاں نے معذرت کی لیکن منتخب العلوم وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود دو مدے خاں نے مقام ہاپڑ سے نجیب خاں کو ایک زبردست فوج کے ساتھ بادشاہ کا شریک ہونے کے لیے بھیجا تھا۔ اور جلد دوم تنقیح الاخبار سے بھی ثابت ہے کہ رؤسائے افاغنہ نے نجیب خاں کو بادشاہ کی مدد کے لیے دس بارہ ہزار سپاہ کے ساتھ بھیجا تھا۔

نجیب خاں اصالت خاں ابن عنایت خاں کے بیٹے ہیں نواب سید علی محمد خان کے عہد میں اپنے چچا بشارت خاں کے پاس آئے تھے اُنکے ذریعہ سے نواب صاحب کی سرکار میں نوکر ہوئے تھوڑے سے پیادہ وسوار کے افسر کردیئے گئے تھے اور نواب صاحب نے اپنے مرنے کے ایک سال قبل پرگنہ جلال آباد اُنکو اپنی طرف سے عطا کیا تھا۔

یہ بات صحیح نہیں کہ نجیب خاں جسوقت دہلی کو روانہ ہوئے تو اُسوقت میں جمعدار تھے اسلیے کہ روح بحث مین ذکر کیا ہے کہ جسوقت صفدر جنگ نے مرہٹوں کی اعانت سے احمد خاں بنگش اور روہیلوں کو دامن کوہ میں محصور کیا تھا تو مورچے میں نجیب خاں نے بڑی جوانمردی سے کام انجام دیا تھا نواب سید سعداللہ خانصاحب نے اسکے صلے مین اُنکو جمعداری سے ترقی دیکر رسالہ دار بنا دیا تھا۔ خاص لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اُس عہد میں رسالہ دار کا کیا مرتبہ ہوتا تھا اور کتنی فوج پر وہ افسر ہوتا تھا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رسالہ دار سو آدمیوں کا افسر سپاہ کی حدمت میں آج کل ہوتا ہے حالانکہ اُسوقت کا رسالہ ہزار پندرہ سو پیادہ سوار ہوتے تھے بعد اور رسالہ دار کو اپنے رسالے کے آدمیوں کی موقوفی اور بحالی کے پورے اختیارات

اختیارات حاصل ہوتے تھے وہ آج کل کے جنرل سے بدرجہا زیادہ اختیارات رکھتا تھا نقارہ و نشان اُسکے ہمراہ ہوتا تھا اور بڑی جاگیر اور ہزار پندرہ سو روپیہ ماہانہ کی تنخواہ رکھتا تھا۔ نجیب خان باوجود بے علمی کے قابلیت ولیاقت خداداد رکھتے تھے شجاعت اور شہامت اور سرداری مین نشان بلکہ نشان قدرت الٰہی کے تھے۔

بہرصورت تاریخ سلاطین متاخرین ہند اور مرأت آفتاب نما سے مستفاد ہوتا ہے کہ یکم شعبان ۱۱۶۶ھ ہجری کو نجیب خان بارہ ہزار سوار و پیادون کے ساتھ دہلی پہونچ گئے اور میر مناقب وغیرہ اُمرا کے ذریعہ سے غازی الدین خان عماد الملک سے ملے۔ فریقین سے کے قضئیے اختلاف مذہب سے کے غیظ وغضب سے چوگنے ہو گئے تھے اسلیے کہ صفدر جنگ اپنے مذہب کے شیعہ اور غازی الدین خان سنی تھے چنانچہ سُنی شیعون کے لڑنے والون کا لقب اور مابہ الامتیاز اُنکی ایک آواز تھی یعنے سُنی دم چار یار اور شیعہ دم پنجتن کہتے تھے۔ چھ مہینے تک یہ لڑائی قائم رہی اور کوٹلہ کی جنگ مین گوشائین اندر گر جو صفدر جنگ کا سپہ سالار تھا نجیب خان کے ہاتھ سے مارا گیا[1]۔ صفدر جنگ کے ایک سردار اسماعیل خان کابلی بچے نے دہلی کی شہر پناہ کے ایک بُرج مین جو قمر الدین خان وزیر سابق کی حویلی کے متصل تھا اور بادشاہی سپاہ کا وہان مورچہ تھا نقب لگا کر آگ دیدی باوجودیکہ پورا برج منہدم نہ ہوا مگر بہت سے سپاہی اور عمدۃ الملک کے نوکر اور سنگ تراش جو نقب کو باطل کر رہے تھے کام آئے اور برج بنیلہ کے پتھر بھی اُس صدمے سے ٹوٹ کر شاہی فوج کے مورچون پر گرے جس مین بادشاہ کے بہت سے سپاہی کام آئے اور زخمی ہوے

[1] دیکھو گلستان رحمت ۱۲

وزیر کی فوج نے ایسی سختی سے دھاوا کیا تھا کہ قریب تھا کہ غالب آجاتی مگر
عماد الملک میر بخشی اور نجیب خاں اور حافظ بختاور خاں نے بڑی جوانمردی اور
مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا بہت سی جانیں ضائع ہوئیں نجیب خاں کی کوٹھی میں
گولی لگی مگر قائم رہے آخرکار اسمٰعیل خاں پسپا ہوا اور شب میں ایسے مورچے خالی کر دیے
جنگ صفدر جنگ نے آخرکار اپنے آپ کو کمزور پایا اور اُن مرہٹوں کو زیر حکم
ملہار راؤ ہلکر کے قریب پہونچا دیکھا جنکو غازی الدین خاں نے اپنی مدد کے لیے
بُلایا تھا تو پریشان ہوے اور اس طرح صلح کرنے پر مجبور ہوے کہ اودھ اور الہ آباد
اُسکے قبضہ میں رہیں۔

اس فتحیابی کے بعد احمد شاہ نے غازی الدین خاں کی سفارش سے نجیب خاں
کو خطاب نجیب الدولہ بہادر ثابت جنگ اور منصب ہفت[1] ہزاری اور نقارہ و نشان
اور منصب بخشی[2] گری اور جاگیر سہارنپور بوڑیہ اور تمام قصبات بارہ کی عطا کی۔
نجیب الدولہ کی لیاقت انھیں ہاتھوں ہاتھ آگے بڑھا رہی تھی اور مصلحت اُنھیں وہ
رستے دکھاتی تھی کہ بادشاہ ملکہ مارے کے دلپر اُنکی دانائی کے نقش بیٹھ رہے تھے
منصب ہفت ہزاری کی تنخواہ ماہانہ ۴۵۰۰۰ روپیہ ہے اور اس منصب والے کو
اتنا سامان رکھنا ہوتا تھا۔ اسپ عراقی ۴۹۔ اسپ مجنسی ۴۹۔ اسپ ترکی ۹۸۔
یابو ۹۸۔ اسپ تازی ۶۸ اسپ جنگلہ ۲۸۔ فیل شیر گیر ۳۰۔ فیل سادہ ۳۴۔
فیل منجھولہ ۲۷۔ فیل کرہہ ۲۷۔ فیل پھندرکیہ ۱۲۔ اونٹ ۱۱۰۔ خچر ۴۲۔ گاڑی اور

[1] منصب ہفت ہزاری اور خطاب کا ذکر مآثر الامرا میں بھی ہے ۱۲ [2] دیکھو منتخب العلوم مگر بعض کتابوں میں یوں بھی لکھا ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر دوبارہ چڑھائی کی تھی تو اُس وقت نجیب الدولہ کو بخشی گری کا عہدہ ملا تھا ۱۲

چھکڑے ۲۲۰ - جیساکہ آئین اکبری مین مذکور ہے۔ اُس وقت بادشاہی خزانے مین خاک اُڑتی تھی وہان اتنا روپیہ کہان تھا کہ اس منصب والے کو ماہانہ ۵۰۰۰۰ ہزار روپے دیے جاتے منصب کا اب صرف زبانی اعزاز باقی رہگیا تھا نجیب الدولہ کو بجاے نقدی کے جو کچھ جاگیر دی گئی تھی اُسی سے اعزاز قائم رکھا۔

افسران سپاہ روہیلہ کو فوج کی تنخواہ مین بجاے نقدی کے جاگیرین دی جانا

گل رحمت مین لکھا ہے کہ حافظ رحمت خان نے سرداران سپاہ پر کچھ ملک اِس وجہ سے تقسیم کردیا کہ وہ اپنی اپنی سپاہ متعلقہ کی تنخواہ اُسکی آمدنی سے وصول کرتے رہین اور وقت بے وقت سپاہ کی تنخواہ کا تقاضا حافظ صاحب سے نہ کیا کرین چنانچہ مہرآباد اور سنبھل اور کاشی پور وغیرہ دوندے خان کی سپاہ کی تنخواہ کے لیئے جن کے پاس بارہ ہزار سوار و پیادے تھے جاگیر مین دیا اور کوٹ وغیرہ آنولے کے مضافات بخشی سردار خان کے سپرد کیے گئے اسی طرح چند پرگنے فتح خان خانساما ن اور شیخ کبیر اور ملا حسن وغیرہ رسالہ دارون اور جماعہ دارون کو اُنکی سپاہ کی تنخواہ کے مصارف کے مطابق اُنکو دیئے اور باقی تمام ملک حافظ صاحب نے اپنی ساتھ کی سپاہ کی تنخواہ دیتے اور تمام ریاست کا خرچ چلانے کے لیے اپنے قبض و تصرف مین رکھا۔ نواب سید سعد اللہ خان اور اُنکے بھائیون اور نواب سید علی محمد خان بہادر کے دوسرے متعلقین کے مصارف ذات کے لیے سات لاکھ روپے نقد اور چند گانون مقرر کردیے۔ یاد رکھو اس وقت تک حافظ صاحب ایک مدار المہام ذی اختیار کی

حیثیت رکھتے تھے اور سب کام نواب سید سعد اللہ خاں بہادر کے حکم اور اُنکی جانب سے کرتے تھے۔

نواب سید عبد اللہ خاں اور نواب سید فیض اللہ خاں کی روہیلکھنڈ میں آمد

گلستان رحمت میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں نواب سید فیض اللہ خاں احمد شاہ ابدالی کے پاس افغانستان میں رہتے تھے اُس وقت نورمحمد نامی ایک شخص نہایت زبردست سرکش قندھار کے اطراف میں رہتا تھا تو رمحمد زماں پشتو میں سیاہ رو کو کہتے ہیں چونکہ وہ شخص بھی بہت کالا تھا اسلئے تورمحمد کہلاتا تھا اُسنے احمد شاہ کے اکثر سرداروں کو تہ تیغ کیا تھا کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا احمد شاہ دُرانی نے فرمایا کہ جو کوئی اُسے قتل کرے گا میں اُسے بہت انعام دونگا نواب سید فیض اللہ خاں شاہ حضور سے رخصت لیکر اُسکے مقابلے کو روانہ ہوئے اور اُسکے ایک ایسا تیر مارا کہ اُس کا کام تمام ہوگیا شاہ نہایت مسرور ہوئے اور اس کارگذاری کے صلے میں نواب سید فیض اللہ خاں اور سید عبد اللہ خاں کو ہندوستان کو رخصت کردیا عقل سلیم کے نزدیک دلکو لگتی ہوئی وہ بات ہے جو گلستان رحمت گل رحمت اور اخبار حسن وغیرہ میں بیان کی ہے کہ حافظ رحمت خاں نواب سید علی محمد خاں بہادر کے انتقال کے زمانے سے احمد شاہ ابدالی کے حضور میں متواتر عرضیاں نواب سید عبد اللہ خاں اور نواب سید فیض اللہ خاں کی واپسی کے لیے بھیجا کرتے تھے اور کمین اپنی اطاعت کا اظہار کرتے تھے۔

سنہ ۱۱۶۵ ہجری میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر دوبارہ حملہ کیا تو حافظ رحمت خاں نے

پھر ایک عرضی شاہ کی خدمت مین اُنکی واپسی کے واسطے تحریر کی شاہ نے روہیلون سے دوستی بڑھانے کے خیال سے نواب سید علی محمد خان کے دونون بیٹون کو اُنکے انتقال سے تیسرے سال روہیلکھنڈ کی جانب رخصت کیا۔ فرح بخش مین ذکر کیا ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی کو یہ معلوم ہوا کہ نواب سید علی محمد خان کا انتقال ہوگیا تو بہت تاسف کیا اور نواب سید عبداللہ خان اور نواب سید فیض اللہ خان کو اپنے پاس بُلا کر بہت کچھ دلدہی اور تشفّی کی ان صاحبزادون نے بعض مصاحبون کی معرفت عرض کرایا کہ ہم کو وطن کی رخصت عطا ہو جائے بادشاہ نے منظور کر لیا اور دونون بھائیون کو خلعت اور جیغۂ مرصّع اور کلغی اور گھوڑے عنایت کر کے رخصت کر دیا اور اُن سرداران ہندوستان کے نام جنکی ریاستین سر راہ تھین پروانے اِس مضمون کے لکھدیے کہ جس مقام پر یہ پہونچین اُنکی مہمانداری اور ضروریات کا بندوبست کرین اور چوکی وپہرہ کا انتظام رات کو کر دیا کرین۔ اور اونکے ہمراہ ایک سفارشی تحریر اپنی جانب سے حافظ رحمت خان وغیرہ روہیلون کے سردارون کے نام لکھوا کر بھیجی کہ قائم مقام اور وارث مُلک ودولت نواب سید علی محمد خان کے یہ ہین۔ اور ہندوستان کا یہ قاعدہ ہے کہ مسند ریاست پر بڑا بیٹا بیٹھتا ہے اسلیے مناسب یہ ہے کہ قاعدۂ ہندوستان کے موافق اور ان لڑکون کے باپ کی وصیّت کے مطابق نواب سید عبداللہ خان کو اپنا رئیس بنائین اور حق تلفی نہ کرین۔ اگر اس کے خلاف عمل مین آئے گا تو ہمارا قصد ہندوستان کی طرف سے ہے وہان پہونچ کر قرار واقعی تدارک کیا جائیگا۔ افغانان مالیر وکنجپورہ نے موافق تحریر احمد شاہ ابدالی کے اور اس وجہ سے بھی کہ نواب سید علی محمد خان بہادر نے اُن کے ساتھ بہت کچھ

شاہ کی بیاتھا مت اچھی طرح مہا مداری کی اور دھام پور نگینہ میں نجیب الدولہ نے
بھی خوبی خاطرداری کی ملکہ ایک پالکی اور دوسرا ضروری ساماں اُسکے ہمراہ کرکے
روہیلکھنڈ کو رخصت کیا۔ نواب سید سعد اللہ خاں اور حافظ رحمت خاں انکی آمد
کی خبر سکر آنولے سے استقبال کے لیے روانہ ہوئے اور قصبۂ امروہہ کے پاس
یہ سارا لشکر اُس سے ملاقی ہوا اور سب ملکر آنولے کو آئے۔

مسند نشینی نواب سیّد عبداللہ خاں

اور بھائیوں میں ناچاقی واقع ہونا۔ ملک کٹھیر کو ارکانِ دولت کا سب بھائیوں پر تقسیم کر دینا

نواب سید عبد اللہ خاں نواب سید علی محمد خاں کے تمام بیٹوں میں بڑے تھے
جب سنہ ۱۱۶۵ ہجری میں افغانستان سے کٹھیر میں داخل ہوے تو یہی نواب سید علی محمد خاں
کے قائم مقام سمجھے گئے۔ یہ ناتجربہ کار نواب سید عبد اللہ خاں اول سب کو ملنسار
نوجوان نظر آئے مگر حقیقت اسکے خلاف تھی حافظ رحمت خان جیسے شخص کو
ایسی بدمزاجی سے آزردہ کیا کہ وہ انکی معزولی کے درپے ہو گئے۔ نواب سیّد
عبد اللہ خاں کے پاس بدنیت اور بداعمال مصاحب صحبت میں رہتے تھے وہ
ہر وقت دل کو اُچاٹ اور طبیعت کو آوارہ کرتے تھے قطب شاہ نامی ایک شخص
پنجاب سے انکی رفاقت میں ہو گیا تھا۔ یہ بڑا مفتنی تھا اسکے اغوا سے ایسی حرکات
کرتے رہتے تھے جن سے سرداروں کو وحشت پیدا ہوتا تھا قطب شاہ نے اُسسے کہا کہ

حافظ صاحب کا کام جب تک تمام نہوگا حضور کو من مانی حکومت کا مزہ نہ آئے گا۔
اسلیے اُنکی جان لینے کے درپے ہو گئے چنانچہ گل رحمت مین لکھا ہے کہ نواب
سید عبداللہ خان نے کئی بار کھانے مین زہر ملاکر حافظ صاحب کے پاس بھیجا جسکا
ہر بار حافظ صاحب کو علم ہوگیا اور کھانے کو زمین مین دفن کرا دیا بلکہ بعض صاحبون
کے اغوا سے یہانتک آمادہ ہوے کہ حافظ صاحب کے قتل کی فکر کی اور اپنے
بہت سے سینہ سیاہ رفیقون کو حافظ صاحب کی تاک مین مسلح دالان مین پردون
کے پیچھے بٹھا دیا کہ اُنکے آتے ہی فیصلہ کردین اور خود بالاخانے پر جاکر بیٹھ گئے
اور حافظ صاحب کو مشورہ کرنے کے بہانے سے بلایا وہ اپنے رسالہ دارون کے
ساتھ اُنکی حویلی کو گئے اور جب صحن مین پہونچے تو دیکھا کہ کئی مسلح آدمی دالان کے
پردون کی آڑ سے نکلکر گھبرائے ہوے بالاخانے پر جس مین نواب سید عبداللہ خان
بیٹھے تھے چڑھ رہے ہین حافظ رحمت خان یہ کیفیت دیکھکر اپنی حویلی کو لوٹ آئے
نواب موصوف نے یہ نہ خیال کیا کہ حافظ رحمت خان نے برسون نواب سید علی محمد خان
کے ساتھ یلغارون مین محنتین اُٹھائی ہین اور توپ و تفنگ کے منھ پر جان جوکھون
مین رہے ہین اور اُنکے جاہ و جلال اور مُلک و دولت کی ترقی مین جانفشانی کی
ہے ایسے شخص کی جڑ اُکھیڑنا آسان کام نہین۔ حافظ رحمت خان کو تو یہ خیال
ضرور ہوگا کہ نواب سید عبداللہ خان وہی بچہ ہے جسکو مین نے گود مین کھلایا ہے
اور یہان بچے کے لہو مین خود مختاری کی گرمی سرسرانے لگی تھی اسپر حریفون کی
اشتعالک ہر وقت گرمائے جاتی تھی نواب سید عبداللہ خان نہ کسی کو بڑے عہدے پر
نوکر رکھ سکتے تھے نہ کسی کو معقول رقم دے سکتے تھے۔

تصویر صحیح سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب سید عبداللہ خاں پر جب ریاست عظیم کا پہاڑ اور ریاست داری کا آسمان ٹوٹ پڑا اور روہیلوں کو دیکھا تو اس سرے سے اُس سرے تک سرداروں کے رفیق ہیں۔ اور سرداروں کو دیکھا گرگاں کہن ہیں جو برائے نام ماتحت ہیں اور ایسا موقع آن پڑا کہ آنکھ سامنے نہیں کر سکتے وہ ناچار مجلس مصلحت میں آتے تھے لیکن گم صم بیٹھتے تھے اور ایسے رفقا کی خلوتوں میں بیٹھ کر خدا جانے کیا نواب سید عبداللہ خاں کی بیخ کنی کے متعلق کہتے تھے

شرح بخش میں ذکر کیا ہے کہ نواب سید عبداللہ خاں کا مزاج بے حد سخت تھا اس لئے تمام بھائیوں میں نزاع پیدا ہو گیا سرداروں نے جو دیکھا کہ تمام بھائی باہم مخالفت پر آمادہ ہیں ایک دوسرے کا دشمن ہے تو حافظ رحمت خاں دوندے خاں بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خانساماں۔ سید احمد شاہ۔ سید معصوم قطب شاہ۔ مڈو خاں۔ شیخ کبیر۔ ملا حسن خاں۔ پرمول خاں۔ مسارر خاں دیوان مان رائے اور راجہ کشور سین بخشی نے باہم مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ جہاں تک ہو سکے نواب سید علی محمد خاں کا ملک منقسم ہو ایک ہی ریاست رہے اور اُن کے تمام بیٹے متفق ہو کر رہیں نہیں اور خزانے کا جمع خرچ فتح خاں کی تحویل میں رہے مگر چھوٹوں بھائیوں میں نزاع رات دن بڑھتا رہا اور دشمنی اس درجہ بڑھی کہ ہر ایک دوسرے کی بے حرمتی کا خواہاں ہوا سرداران نے مجبور ہو کر ملک کی تقسیم پر رائے قرار دی حافظ رحمت خاں کو اپنی حکومت اور اقتدار کا برباد کرنا کچھ بھی خاطر مسطور نہ تھا۔ مگر مجبوراً مصلحت وقت کا لحاظ کرنا ضرور تھا اس واسطے ملک کی تقسیم جان بوجھ کر اس طریق سے کی گئی کہ انجام کار

نقیض اور فساد برپا ہوا اور حکومت آخر کار حافظ صاحب کے ہی ہاتھ مین رہے۔ یعنی تمام ملک کے تین حصے کرکے ایک ایک حصہ دو دو بھائیون کے قبضے مین سپرد کیا گیا۔ آنولہ منونہ۔ بدایون۔ اوسیت اور کوٹ وغیرہ ۱۳۔لاکھ روپے کی آمدنی کا ملک نواب سید عبداللہ خان کو دیا اور سید مرتضےٰ خان کو تربیت کے لیے اُن کے سپرد کیا۔ بریلی اور اہرات وغیرہ ۱۳ لاکھ روپیہ کا ملک نواب سیّد فیض اللہ خان کو دیا اور سیّد محمد یار خان کو اُنکے ذمے کیا۔ اور مراد آباد وغیرہ ۱۳ لاکھ روپے کا ملک نواب سید سعد اللہ خان کو دیکر صاحبزادہ سید الہ یار خان کو اُنکے شریک کیا اور اِس طرح تینون بھائیون کو راضی کرکے ایک اقرار نامہ لکھا کر تمام سردارون کی مہرون اور دستخطون سے مرتب کرا لیا۔ نواب سید سعد اللہ خان مراد آباد کو روانہ ہوگئے اور وہان راجہ کنور سین کی عالی شان حویلی مین اُترے اور نواب سید فیض اللہ خان اور نواب سید عبداللہ خان آنولے مین نواب سید علی محمد خان کے قلعہ مین رہنے لگے۔ غالباً یہ تقسیم ۱۱۶۶ہجری مین واقع ہوئی تھی۔

نواب سیّد عبداللہ خان کا نواب سیّد فیض اللہ خان سے جھگڑا کرنا اور سرداران فوج کا نواب سیّد عبداللہ خان کو جلاوطنی کی سزا دیکر نواب سیّد سعداللہ خان کو دوبارہ تمام روہیلکھنڈ کا مسند نشین کر دینا

روہیلکھنڈ گزیٹیر مین لکھا ہے کہ نواب سید عبداللہ خان اور سید مرتضےٰ خان کے رفیق اور مصاحبون مین رات دن فساد ہونے لگے شہر کی گلی کوچون مین ہر روز

جانے لگیاں ہوتی تھیں۔ شہر کا بار بار لوٹ لیا جاتا تھا۔ اس جھگڑے کی بابت نواب سید عبداللہ خاں نے حافظ رحمت خاں سے اپنے بھائی کی شکایت کی اسکے جواب میں حافظ صاحب نے نواب موصوف کو ایسے لفظوں میں جواب دیا کہ نواب سید عبداللہ خاں اسکی غیرت میں اپنی جان کھونے پر آمادہ ہوئے۔ حافظ صاحب نواب سید عبداللہ خاں سے بہت رنج رکھتے تھے اسلئے کہ نواب نے کئی بار کھانے میں زہر ملا کر حافظ صاحب کے پاس بھیجا تھا لیکن حافظ صاحب کو خبر ہو گئی اور وہ کھانا نہ کھایا۔ نواب سید عبداللہ خاں کو نواب سید فیض اللہ خاں سے بھی عداوت قلبی تھی۔ چنانچہ گل رحمت میں لکھا ہے کہ ہمیشہ نواب سید عبداللہ خاں اُنکے قتل کی تاک میں رہتے تھے۔ نواب سید عبداللہ خاں کی صحبت میں مصاحب اچھے نہ تھے نے اعتدالیاں بڑھنے لگیں مصاحبوں میں نہ کسی کی عقل پر اعتماد تھا نہ دیانت کا اعتبار تھا۔ ایک دن نواب سید فیض اللہ خاں کے قتل کے ارادے سے نواب سید عبداللہ خاں اُنکے مقام پر گئے چونکہ اُن کو تھوڑی دیر پہلے سے اطلاع مل چکی تھی اسلئے وہ اپنے قیام گاہ سے نکلکر حافظ صاحب کے پاس چلے گئے تھے۔ اور درج محق کے مؤلف کی تحریر سے ثابت ہے کہ نواب سید فیض اللہ خاں کے قتل کا ارادہ کسی اور مقام پر کیا گیا تھا مگر وہ صحیح و سالم رہے اور قلعہ میں داخل ہو گئے یہ بات تمام آنولے میں مشہور ہو گئی تمام رسالدار و جماعدار ہتھیار لگا کر قلعہ کے دروازے پر پہنچ گئے اور فساد کی صورت پیدا ہو گئی روہیلے تو لوٹ مار کے موقعے اور تقریب دیکھتے ہی رہتے تھے پھر کیا تھا تمام

له دیکھو درج محق ۱۲

شہر مین شورش مچ گئی جا بجا ہتھیار بندی ہونے لگی اس دوڑا دوڑ مین بہت سے
گھر لٹ گئے اور واقعہ طلب لوگ اُٹھ کھڑے ہوے۔ حافظ رحمت خان۔ دوندے خان
اور بخشی سردار خان نے صلاح کر کے کہ جب انکا ایسا تیز مزاج ہے تو ان سے ہمیشہ
ایسے ہی فسادات پیدا ہوتے رہین گے اور نواب سید علی محمد خان کی تمام دولت و
حشمت برباد ہو جاوے گی اور یہ بھائیون کی خونریزی کرینگے انکو روہیلکھنڈ سے
علیحدہ کر دینے تک اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر لیا تھا۔ نواب سید عبد اللہ خان کو
اُسی دن آنولے سے چلا جانا پڑا اس جلا وطنی مین سید محمد یار خان نے بھی انکی
رفاقت کی نواب سید عبد اللہ خان فرخ آباد کے علاقے مین چلے گئے پھر اپنی
ناشایستہ حرکات سے نادم ہو کر سرداران روہیلہ کو خط لکھے اور وعدہ کیا کہ پھر کبھی
ایسی لغو حرکت کا ارتکاب نکرونگا انکی جلا وطنی کے زمانے مین فتح خان خانسامان
انکی خبرگیری کرتے رہے اور زر نقد کی ہنڈیان بھیجتے رہے لیکن اسوجہ سے
کہ آیندہ کے لئے انکو عبرت ہو جاوے اور پھر کبھی ایسی حرکت نکرین روہیلکھنڈ مین
انکو طلب کرنے سے توقف کرتے تھے۔

نواب سید عبد اللہ خان کے اخراج کے بعد سردارون نے نواب سید
سعد اللہ خان کو مراد آباد سے طلب کر کے مسند نشین کر دیا اور وہ آنولے مین رہنے لگے
یہ واقعہ بھی غالباً ۱۱۶۶ ہجری کا ہے۔

نواب سید عبد اللہ خان کی روہیلکھنڈ مین معاودت اور اس ملک کی دوبارہ تقسیم

عرصہ دراز کے بعد نواب احمد خان والی فرخ آباد کے درمیان مین پڑنے سے

نواب سید عبداللہ خاں کی سرداران روہیلکھنڈ سے صفائی ہوئی اور اُنکو آنولے میں بلا لیا گیا ان فسادوں اور نئے غوغائیوں کے باعث روہیلوں کے ملک کو تقسیم ہونے کی حاجت پڑی تاکہ ہر شخص علیحدہ علیحدہ حکمرانی کر سکے۔ یہ تقسیم ۱۱۶۶ہجری مطابق ۱۷۵۲ء میں واقع ہوئی اس تقسیم میں نواب سید سعداللہ خاں صاحب کو آٹھ لاکھ روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر کے برائے نام تمام ملک کا حاکم مانا گیا۔ نواب سید عبداللہ خاں کے مصارف کے واسطے ضلع بدایوں میں سہسواں اور اوجھیانی اور سہداد پور کی جاگیر تین لاکھ روپے سال کی آمدنی کی عطا ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ چار لاکھ روپے کی آمدنی کی جاگیر دی گئی۔ نواب سید عبداللہ خاں اوجھیانی میں اپنے لئے عمدہ عمدہ مکانات تیار کرا کے اُنمیں رہنے لگے اور امورات مالی و ملکی کی طرف سے بالکل بے پروائی اختیار کر لی رہنما اور رہ فروش فقرا اور درویشوں کی صحبت میں رہنے لگے۔ شیر اور سانپ پلتے تھے اور کبھی کبھی اُنکو اپنے سامنے بلا قید چھوڑ دیتے تھے۔ اگر کوئی اُنکو کھا جاتا تو اُنپر کچھ اثر ہوتا وہ ایسی جان کو درویش کامل سمجھنے لگے تھے۔

نواب سید فیض اللہ خاں کو مدد خرچ کے لئے شاہ آباد اور رام پور کا ضلع اور چھاچھٹ ضلع بریلی کا علاقہ سپرد کیا فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ یہ پرگنے پانچ لاکھ کی آمدنی میں مقرر کر کے دیئے گئے تھے جو تین لاکھ کی آمدنی سے زیادہ کے نہ تھے اور گل رحمت میں لکھا ہے کہ نواب سید فیض اللہ خان کو تین لاکھ روپے کی جاگیر دی گئی تھی۔ اور جلد دوم عہد بامحات میں ہے کہ نواب سید فیض اللہ خاں کو چھ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا علاقہ دیا گیا تھا۔

سید مرتضیٰ خان اور سید محمد یار خان اور سید الہ یار خان کو کوئی جاگیر نہ ملی قانون خاندان ریاست مین جو مذکور ہے کہ نواب سید محمد یار خان کو پرگنہ ٹانڈہ جاگیر مین ملا وہ اُس مین حکومت کرتے رہے اور سید الہ یار خان پرگنہ اتر چھیڈی کے رئیس ہوے یہ دونون باتین غلط ہین ان دونون صاحبزادون کو ملک مین سے کوئی حصّہ نہ ملا اور جن لوگون نے یہ کہا ہے کہ سید مرتضیٰ خان نے ملک لینے سے نفرت ظاہر کی اور سید محمد یار خان اِس تقسیم کے وقت موجود نہ تھے اور سید الہ یار خان اِسی زمانے مین سل کی بیماری مین مبتلا ہو کر مر گئے یہ صحیح نہین۔ اِسلئے کہ سید مرتضیٰ خان باپ کے مُلک ومال مین سے کچھ نہ ملنے کی وجہ سے اور بھائیون کی بے اتفاقی کے سبب سے بے دل ہو کر نواب نجیب الدولہ کے پاس چلے گئے اور قصبہ بھانسو مین بیمار ہو کر مر گئے اور بعض کہتے ہین کہ سکندر آباد مین انتقال کیا انتقال کے بعد اُنکی لاش اُنکے ہمراہی آنولے کو لائے اور مقبرۂ نواب سید علی محمد خان کے صحن مین مدفون ہوے اور سید الہ یار خان اِس تقسیم سے بہت عرصے کے بعد مرے ہین اور سید محمد یار خان کے اِس تقسیم کے وقت موجود نہونے سے یہ لازم نہین آتا کہ سرداران روہیلکھنڈ اپنے ولی نعمت زادے کے حقوق سے بھی چشم پوشی کر لیتے۔

اِس تقسیم کے بعد حافظ رحمت خان اور دوندے خان وغیرہ نے نواب سید سعد اللہ خان کو بوجہ عنفوان شباب کے کھیل کود اور مرغ بازی اور کبوتر بازی مین چھوڑ کر باقی ملک کی یہ صورت کی کہ اہرات وغیرہ سیر حاصل علاقہ سردار خان بخشی فوج کے سپرد کیا۔ اوسیت اور بدایون اور آنولہ فتح خان خانسامان کو ملا مراد آباد در بجنور

۵۷ دیکھو فرح بخش ۱۲

اور سنبھل امروہا اور کاشی پور اور ٹھاکر دوارہ حافظ رحمت خاں کے چچا زاد بھائی دوندے خاں کے قبضے میں دیا گیا اسکے سوا ارلج پور، اسد پور اسلام نگر، سولی اور رستاسی ضلع بدایوں کے پرگنے بھی دوندے خاں کے تفویض کیے گئے اور سلیم پور پرگنہ اس ضلع میں سے حافظ رحمت خاں نے اپنی ذات خاص کے واسطے رکھا اور مقام کوٹ سردار خاں بخشی کو اُس قرضے کے بالعوض دیا گیا جو مقام جلکیا وغیرہ کے نقصانات میں صرف کرنا پڑا تھا۔ باقی تمام ملک حافظ رحمت خاں کے قبضے میں رہا بعض اضلاع کے تھوڑے تھوڑے حصوں کے علاوہ ضلع بریلی تمام کمال حافظ رحمت خاں کے تصرف میں آیا جس میں شاہ جہاں پور بھی داخل تھا اور ان سرداروں نے اپنے ولی نعمت کے حق نمک سے چشم پوشی کر کے تیس صاحبزادوں کو اس طرح بے نصیب چھوڑ کر تمام ملک پر آپ قابض ہو گئے۔

روہیلکھنڈ گزیٹیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنولہ سردار خاں بخشی کے حصے میں آیا تھا۔ اور اخبار حسن میں لکھا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خاں کو دیا گیا تھا۔ اور تاریخ روہیلکھنڈ میں بھی بیان کیا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خاں کو آنولہ وغیرہ کا علاقہ سات لاکھ روپے کی جمع کا ملا تھا۔ اور درج بحث میں مندرج ہے کہ آنولہ بخشی سردار خاں کو دیا گیا تھا۔

ان سرداروں نے آٹھ لاکھ روپے سالانہ اس تفصیل کے ساتھ نواب سید سعد اللہ خاں کو دینا اپنے ذمے مقرر کیا تھا کہ تین لاکھ روپے حافظ رحمت خاں اور تین لاکھ روپے دوندے خاں اور دو لاکھ روپے فتح خاں خانساماں دیتے تھے

نواب سید سعد اللہ خاں اکثر لہو و لعب میں مصروف رہتے تھے اور ملکی دریاؤ سے

مطلقاً بے خبر تھے حافظ رحمت خان نے انکو ایک نمونہ سا بنا رکھا تھا۔ نواب موصوف مقام اُتر چھینڈی مین کہ آنولے سے مشرق کی طرف دو تین کوس پر ہے دریاے ارل کے کنارے عمارات بنوا کر اُس مین رہنے لگے گانے بجانے کی صحبت رات دن رکھتے تھے عیش و عشرت کرتے تھے بڑے بڑے نامی گویے انکی قدردانی کا شہرہ سُنکر دور دور سے آتے اور انکی داد و دہش سے مالا مال ہوکر جاتے۔ وہ خود بھی ستار اور بین وغیرہ بجاتے تھے گلے سے بھی گاتے تھے تمام عمر اُن کا دل انھین کامون مین ہوائی رہا۔

اِن لوگون کے صدر مقامات یہ تھے۔ دوندے خان نے اپنا دار الحکومت بسولی مقرر کرکے ایک پختہ قلعہ تعمیر کرایا۔ جو ابتک موجود ہے۔ بسولی ابتدا مین ایک گانوں تھا نواب دوندے خان کی سکونت کی وجہ سے ایک بڑا قصبہ ہوگیا قلعہ کے علاوہ پختہ عمارتین اور بازار اور مسجدین اور حمام اُسمین بہت تیار ہوے فتح خان اوسیت مین ایک قلعہ تیار کراکے اکثر وہان رہتے تھے۔ کبھی بدایون مین بھی چلے جاتے تھے نواب سید عبد اللہ خان اوجھیانی مین اور سردار خان آنولے مین ریاست کا دم بھرتے تھے۔

نواب سید فیض اللہ خان صاحب نے اپنے رہنے کے لئے بریلی مین قلعہ کے پاس دروازے کی برابر عمارات تیار کرائین۔ مگر حافظ رحمت خان کے بیٹون کی حرکات نے ملول کردیا۔ یہانتک کہ ایک روز نواب سید فیض اللہ خان کے دروازے پر حسب معمول نوبت بج رہی تھی عنایت خان بن حافظ رحمت خان کی سواری اُدھر سے نکلی۔ عنایت خان نے سواری روک کر کہا یہان نوبت بجنے کی کیا وجہ؟ وہ درویش درگلیمی بخسپند و دو پادشاہ در اقلیمی نگنجند۔ اور نوبت بند کراکر نقارون کو پھڑوا ڈالا۔ نواب سید فیض اللہ خان بریلی کی سکونت ترک کرکے شاہ آباد چلے گئے۔

حافظ رحمت خاں نے اپنی حکومت کا مقام بریلی مقرر کر کے اپنی ایک بی بی کو اپنے بڑے بیٹے عنایت خاں کے ہمراہ بریلی کے قلعہ میں ایک مکان ہوا کر رہنے کے واسطے حکم دیا باقی عورتیں اُسکے گھر کی پیلی بھیت کو بھیجی گئیں۔ کیونکہ وہاں اُنھوں نے ایک بہت بڑی محلسرا سے اور دیوان عام اور دیوان خاص بنوایا تھا اور پیلی بھیت کا نام حافظ آباد مقرر کیا اور دوسرے سال بریلی اور پیلی بھیت کے درمیان مقام حافظ گنج آباد کیا۔ اور بانک متہ اور سورجی کی طرف دورے کو گئے اور وہاں کی آبادی کی ترقی کے وسائل پیدا کر کے پیلی بھیت کو واپس آ گئے۔

ان سرداروں میں سے بظاہر ایک دوسرے کی متابعت نہیں کرتا تھا لیکن باطن میں ایک دل اور ایک قالب تھے۔ اور بہت کچھ جاہ وحشم ظاہری پیدا کر لیا تھا اور اپنی دولتمندی اور بہادری اور آپس کے اتفاق میں مشہور تھے۔ یہ لوگ خود آزاد رہنا چاہتے تھے مگر ناحق اپنے ملک کو بڑھانا اور ہمسایہ رئیسوں کو نقصان پہونچانا نہ چاہتے تھے جس وقت لاہور سے لیکر راس کماری تک کہیں امن وامان کا نام نہ تھا اور ہر طرف فتنہ وفساد کا بازار گرم تھا اُس وقت اُسکے ملک میں بتا کبھی نہ ہتا تھا اور اُن کے اتفاق کی یہ صورت تھی کہ ضرورت کے وقت ایک آواز پر ہزار ہا آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اس ملک مختلف حصوں میں تقسیم ہونے کے بعد یہ رئیس جدا جدا آزادانہ بسر کرنے لگے۔ سب کے پاس سپاہ ملکر اسی ہزار سوار و پیادے ہوں گے جب کبھی دشمن انکی ریاست پر حملہ کرتا تو وہ اپنے قومی جوش میں آ کر لڑنے کو اُس سے سب مستعد ہو جاتے۔ دیکھو خدا کی قدرت یہ سب ملک و مال نواب سید علی محمد خاں کا ہے اُسکے فرزند اسکے مستحق تھے اور فرزندوں میں نواب سید فیض اللہ خاں سا

ہمیشل آدمی موجود تھا جس کا مماثل انڈیا مین آج تک ملنا دشوار ہے مگر وہی لوگ
جو نواب مرحوم کی رکاب مین رہکر افلاس کے گڑھے سے نکلکر عزت کے زینون پر چڑھے
تھے کیا کیا گل کھلانے لگے مگر زمانے نے سب کی کارگاہین مٹا کر چھوڑین اور نواب
سید فیض اللہ خان کی بارگاہ اب تک بھی نہایت شان وشوکت سے موجود ہے - یہ
نیت کا پھل اور حسن اعمال کا نتیجہ ہے۔

نواب سید عبداللہ خان کا تمام ملک روہیلکھنڈ کی حکومت کے دوبارہ حاصل ہونے کے لیے بے سود کوششین کرنا اور اسی ارمان مین جان بحق تسلیم ہوجانا

حافظ رحمت خان اور دوندے خان نے ایسے تسلط کے ساتھ ملک روہیلکھنڈ کا
انتظام کیا تھا کہ نواب سید عبداللہ خان ہی آرزو مین ایڑیان رگڑتے رہے کہ پھر
کسی طرح سارے روہیلکھنڈ پر قبضہ مل جائے مگر اُنکی ایک نہ چل سکی - اس اُمید مین نواب
سید عبداللہ خان حرکات دور از قیاس کے مرتکب ہوتے تھے اور فضول باتون مین
اپنی اوقات ضایع کرتے تھے اگرچہ محمد سردار خان بخشی اور فتح خان خانسامان اپنے اپنے
حصۂ ملک پر قابض تھے مگر ظاہرداری اور چرب زبانی مین قصور نہین کرتے تھے اور
ہر کام مین انقیاد اور اطاعت کا لفظ زبان پر رکھتے تھے اور اپنے آپ کو ملازمون
کے زمرے مین دکھاتے تھے۔

نواب سید عبداللہ خان اپنے نفس کو دنیا کی خواہش سے مستغنی اور مولا کا طالب

قرار دیکر تمام اپنی جاگیر کا حاصل ظاہری درویشوں کی خدمت گذاری میں صرف کرتے اور لطیفہ غیبی کے منتظر تھے کہ شاید کسی درویش کامل کی برکت سے تمام ملک و دولت مل جائے اور وہ درویشان لاؤ بالی کھا کھا کر جوت کھسنڈ ہو گئے تھے۔ نواب موصوف کو انکی صحبت سے صرف اس قدر حاصل ہوا کہ سانپ اور شیر پلنے لگے۔ اکثر اوقات اُسسے کھیلتے اور سانپ بے قید چھوڑ دیتے۔ ایسے ہاتھ سے کھلاتے ایک دن ایک کالے ناگ نے ہاتھ میں کاٹا زہر نے کام کیا چھتیس برس کی عمر پاکر آغوش لحد میں آرام کیا۔ گیارہ سو اکاسی ہجری یا بحریں صفر رحلت ہے ۱۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور چھیالی کی سرہ میں میں مدفون ہوئے۔ اُنکے تعویذ لحد پر یہ اشعار عربی کندہ ہیں جس کے چوتھے مصرع سے سال رحلت حاصل ہوتا ہے ۔

الی دار المقام دار فانی	فدما ذهب نواب عبداللہ خان
قالوا الملائکۃ بصوت حزین	ففتحت علیہ لا ابواب الجنان

مآثر الامرا میں جو لکھا ہے کہ نواب سید عبداللہ خاں حافظ رحمت خاں کے ہمراہ شجاع الدولہ کے معرکے میں مارے گئے صحیح نہیں۔ دو بیٹے سید نصراللہ خاں اور سید عارف الدین خاں یادگار چھوڑے تھے۔ نواب مذکور کے انتقال کے بعد سید نصراللہ خاں کی شادی صاحبزادہ سید محبوب یار خاں بن نواب سید علی محمد خاں صاحب کی بیٹی سے ہوئی تھی اور جاگیر برتھی سید نصراللہ خاں ہی تاحیات رہے ۔

نواب سید عبداللہ خاں کو ابتدا سے سن شعور میں شعر کا شوق ہوا تھا ترتیب کلام کی طرف توجہ تھی جو غزل موزوں ہوئی کسی کو دیدی اُسکے انتقال کے بعد میر شیر علی ابن میر حسن متوطن دہلی نے کہ ڈیڑھ برس بیشتر سے خدمت اشعار نویسی پر نوکر تھے

کلام موجودہ کو کہ کسی مین عاصی کسی مین آزاد کسی مین مبتلا تخلص تھا ترتیب دیا اور ایک دیوان مرتب ہوگیا۔ شعرا کے قدم بقدم چلتے تھے مگر خود پسندی نے کلام کو بدمزہ کر دیا تھا اور اُنکی دردیشانہ افسردہ طبیعت کی طرح ایک شعر مین بھی شعلہ نہین
مولوی قدرت اللہ شوق نے طبقات الشعرا مین جو جام جہان نما کے تکملے کے طور پر ہے کہا ہے "جولنے بود عالی حوصلہ مجمع شجاعت منبع سخاوت پیش ہمت او حاتم طائی را یکی از گدایان در او باید شمرد در رعایت فقرا و شعرا وحید زمان بود عاصی و آزاد و مبتلا سہ تخلص می نمود طبع خوب و رسا و فہم بجا داشت فاما بسبب غرور ہمہ دانی اصلاح از کسی نگرفت لہذا شعرش ہمہ بے رتبہ ماند"۔ یہ چند غزلین اُنکے دیوان سے بطور نمونہ لکھتا ہون۔

زدم چتر بفرق از بسم اللہ عنوان را — نشاندم بر سر تخت خرد طبع سخندان را
بفرمان مجازم مہر طغراے حقیقت شد — بفرق لفظ از معنی نہادم تاج عنوان را
لعاب پان ازان لعل لبش گر بر زمین ریزد — بریزد آبروے قیمت یاقوت و مرجان را
ازان روزیکہ با زلف و خرش جمع و پریشانم — نمی خواہم گلستان را نجویم سنبلستان را
طلسمی گر نگاہ جادوش سازد بصحراے — رمیدن ہم شود زنجیر پا آہوے خیزان را

سواد ہند اے عاصی بچشمم نور می بخشد
ندارم آرزوے سرمۂ خاک صفاہان را

شوق رندان ز زاہدان مطلب — نو بہار از کف خزان مطلب
بجہاز دلم حسد اکشتی — ہمت از چرخ و بادبان مطلب
نیست فرقے میان آتش و لعل — موئی از داغ دل امان مطلب

روے ہستی سوے عدم ما رست	عیش جاوید از جہان مطلب
بحر ار رہ خندِ محموری	اختیاری ز گلستان مطلب
کام دل را ز دوستاں می خواہ	حرف عشرت ز دشمناں مطلب

چشم نرگس ہنوز منتظر ست
غاصیا غیر دلستاں مطلب

دل تا کہ سر طرّۂ دلکش کشیدہ است	ہر جو دجو تار چاک گریباں مدیدہ است
گلبرگ عیش ما ز غم آورد سرو آہ	آتش رخا کساری قمری بریدہ است
چوں گل ز شور شعلۂ آواز عندلیب	فانوس غنچہ سر گریباں چکیدہ است
طوفان کوہ کن ز سر بے ستوں گذشت	تا سیل باد امن صحرا کشیدہ است
چشم شہید داغ تو گردید بو بہار	گلشن ز شوخیت دل در خون طپیدہ است
تا بست چشم سرمہ نگار دو چار دل	ار دیدہ ام خیال غزالان رمیدہ است
گل کہ بے رسائی پروانہ گوش کرد	چوں غنچہ گوہر تن سر شمع بریدہ است
سر در رحم دیدۂ بیدار صد ہزار	لیکن یکے بخواب خیالش ندیدہ است

غاصی ز شتم دل بدل آرا تو ان رسید
دستِ قدح مدامن بہار رسیدہ است

یاد آن خلوہ گہے می آید	جانہ بر باد دہے می آید
وعدہا ئے کہ و جا لو د بسال	شکر اللہ بہ سہے می آید
بسر تشنہ لبے مے گردم	ران زرق یاد ہے ہے می آید
طپش دل چہ قدر جا لسو رست	یا سے کوباں ر رہے می آید

در چمن بہر کہ آئین بستند | نو عروسانہ شبے می آید
می رود مُلکِ سلیمان بر باد | مورِ خط را سپہے می آید

رحم کن بہرِ بیانِ کہ بود
عاصیے روسیہے می آید

خوش می رسد بہ جلوہ عشرت نگارِ عید | گل کردہ است از چمنی در بہارِ عید
می آید از کدام چمن شہسوارِ عید | چون بوے گل دماغ فریبد نگارِ عید
بے مِنّت قدم رہ یک سالہ طے شدہ است | میدا شتیم بحوصلہ شوقِ دیارِ عید
صد رنگ بیش مُلاحظہ می توان نمود | آن شوخ شد مگر گلستان دوچارِ عید
آخر بکار او نہ توان آمدن بہ ہیچ | گل چون نہ کردُشت زدی را نثارِ عید

ہر کہ ہلال ابروے او جلوہ گر شود
عاصی بحال خویش نمایم شمارِ عید

بست بر سر چہرۂ گلگون بطِ مازین نمط | ساخت بلبل چشم خود را نقش دیبا زین نمط
چشم فتانش دلم کاوید دریک غمزۂ | آہ یاد تیشہ دارد سنگ خارا زین نمط
لعلِ او دریک نفس صد کشتہ را جان میدہد | کے بعالم بود اعجازِ مسیحا زین نمط

عاصی از نقش قدم کمتر شمارد خویش را
در جناب خاکِ پا بر گیر او را زین نمط

رباعی

اے آنکہ نداری تو عدیل و ہمتا | در وصف تو ذرّہ زبانم گو یا
اول نہ ز تو کسے نہ آخر ز تو کس | ہم اول و آخر تو خدائی تو خدا

رباعی

اے ذات تو فیض رسانِ کونین — خاک درِ دست تو تیا سے ہمہ عین
دست دل من گیر اے آنکہ رسد — تا حلق حسن نیست کسے غیر حسینؑ

رباعی

تا حال رفت جوے ستوحی ارتو — آید مشام بوے ستوحی ارتو
یک لحظہ بیارام بما ار سرِ زلف — اے سرزدہ گفتگوے ستوحی ارتو

صاحبزادہ سید اللہ یار خان ابن نواب سید علی محمد خان بہادر کی وفات

فرح بخش میں لکھا ہے کہ نواب احمد خان بنگش والی فرخ آباد نے حربیہ جنگ کی بابت جو تمسک پچاس لاکھ روپے کا لکھکر صفدر جنگ کو دیا تھا اور صفدر جنگ نے وہ تمسک ملہار راؤ وغیرہ مرہٹوں کے سپرد کر دیا تھا کیونکہ صفدر جنگ نے فوج کشی کے وقت بطور استمداد کے اتنے روپیوں کے دینے کا اُنسے وعدہ کیا تھا رگھناتھ راؤ اس تمسک کے روپے پٹھانوں سے وصول کرنے کے لیے ایک بھاری جمعیت کے ساتھ آیا تھا اور دریاے گنگا کے اُس جانب گڑھ مکتیسر کے گھاٹ پر آکر ٹھہرا تھا اور نواب سید سعد اللہ خان اُسکے مقابلے اور جواب دہی کے لیئے حسن پور میں پڑے ہوئے تھے سید اللہ یار خاں بھی اُسکے ہمراہ تھے اور یہ وہاں علیل ہو گئے حسن پور سے آنولے کو آئے تپ اور کھانسی کی شدت سے فوت ہو گئے اُنکی یادگار میں ایک بیٹا سید مصطفے خاں نامی سید حکیم قوم کمالزئی ولایت جیل سے رہا نواب سید فیض اللہ خان بہادر نے اپنی ایک بیٹی کا عقد سید مصطفے خاں کے ساتھ کر دیا تھا

اور بطور فرزند کے اُنکی پرورش کرتے تھے۔

قانون خاندان مین لکھا ہے کہ صاحبزادہ سید مصطفےٰ خان کو شاہ عالم بادشاہ دہلی نے خطاب "امتیاز الدولہ مبارز الملک نواب مصطفےٰ خان بہادر حشمت جنگ" دیا تھا

نواب شجاع الدولہ والی اودھ کا نواب سید سعد اللہ خان سے دستار بدلنا

جبکہ ماہ ذیحجہ ۱۱۶۶ہجری مطابق ۱۷۵۳ء مین نواب صفدر جنگ مر گئے اور شجاع الدولہ اونکے جانشین ہوئے تو عماد الملک غازی الدین خان کی طرف سے اُنکو ہمیشہ کھٹکا رہتا تھا اس خیال سے کہ مبادا وہ بادشاہ کے مزاج کو اُنکی طرف سے مکدر کر دین۔ اسلیے میر غلام رسول عرف میر منجھلے پسر غلام احمد خلف خان جہان بہادر کوکہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو نواب سید سعد اللہ خان کے پاس بھیجکر دوستی اور تبدیلی دستار کی خواہش ظاہر کی۔ دوندے خان اور بخشی سردار خان سے صلاح لی تو اُنھون نے کہا کہ نواب شجاع الدولہ کی اِس درخواست کو منظور کرنا چاہیے۔ چنانچہ نواب سید سعد اللہ خان نے ایک خط لکھا جسمین نہایت تپاک ظاہر کیا اور وہ خط میر مذکور کے حوالے کیا۔ میر منجھلے یہ خریطہ نواب شجاع الدولہ کے پاس لیگئے اور جس قدر دوستی اور محبت کے کلمات نواب سید سعد اللہ خان کی زبان سے سُنے تھے وہ بھی بیان کیے۔ نواب شجاع الدولہ نے اپنی دستار سربستہ نواب سید سعد اللہ خان کو میر منجھلے کے ہاتھ بھجوائی اور اُنکی دستار سربستہ آپ منگوائی تمام ہندوستان مین یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ دونون رئیس باہم دستار بدل بھائی ہین اور ہر ایک دوسرے کا ہر حال مین شریک ہے[۱]

---

[۱] دیکھو فرح بخش ۱۲

حافظ رحمت خاں کی اولاد نے تبدیل دستار کے متعلق ایک اور طرح حکایت بیان کی ہے جسکو ہم آگے چلکر لکھیں گے۔

عماد الدین خان عماد الملک کی نجابت الدولہ پر چڑھائی نواب سید سعد اللہ خان کا نجابت الدولہ کی مدد کرنا اور انکی وجہ سے باہم معاملہ و مصالحت ہو جانا

سنہ ۱۱۶۷ ہجری میں عماد الدین خاں عماد الملک نے احمد شاہ خلف محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان کو معزول و نابینا کر کے قید کر دیا جنھوں نے ذیحجہ سنہ ۱۱۶۹ ہجری میں وفات پائی اور اُنکی جگہ ۹ شعبان سنہ ۱۱۶۷ ہجری کو عالمگیر ثانی کو تخت دہلی پر بٹھایا۔ سنہ ۱۱۷۰ ہجری میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر بڑے زور و شور سے حملہ کیا اور دہلی میں پہونچکر تمام شہر کو لٹوایا دلی کی تباہی میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا اہل عزت نے خودکشی کر لی شاہ ابدالی دس ماہ تک شہر میں مقیم رہے اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کا نکاح اعز الدین برادر حقیقی عالمگیر ثانی کی صبیہ سے کیا جب نواب سید سعد اللہ خان کو احمد شاہ ابدالی کے دہلی میں ورود کی خبر پہونچی تو اُنھوں نے یعقوب علی خان کو جو احمد شاہ کے وزیر شاہ ولی خاں کے چچا زاد بھائی تھے اور تھوڑے عرصے سے شاہ جہاں پور میں مقیم تھے خلعت اور گھوڑا اور ہاتھی اور پالکی اور دوسرا اسباب اور پانچ ہزار روپے دیکر شاہ کے پاس اپنی طرف سے سفارت پر بھیجا جس کے ساتھ ایک تحریر شاہ کی خدمت میں اپنی طرف سے اظہار اطاعت کے باب میں اور پیشکش روانہ کیا۔ اور شاہ کے امرا کے لیئے علیحدہ علیحدہ خط اور تحائف دیئے یعقوب علی خان دہلی پہونچے اور شاہ ولی خان وزیر اعظم کے ذریعہ سے شاہ کے حضور میں پیش ہوئے

اورنواب صاحب کی تحریر مع پیش کش نذر کی جو قبول ہوئی۔ شاہ نے یعقوب علی خان کو خلعت اور گھوڑا عطا کیا۔ اور نواب صاحب کی تحریر کا جواب بھی لکھوادیا اور وزرا و اُمرا نے بھی خطوط حافظ الملک کی تحریرون کے جواب مین دیدیے جنکو یعقوب علی خان نے حافظ الملک کے پاس بھجوادیا اور آپ وہین مقیم رہے۔

جب احمد شاہ ابدالی نے غازی الدین خان سے روپے بطور پیش کش کے طلب کیے تو اُنھون نے احمد شاہ سے عرض کیا کہ کسی تیموری شاہزادے کو میرے ہمراہ کر دیجیے اور دُرّانیون کی فوج ساتھ دیجیے تو مُلک انتربید (مُلک مابین دوآبۂ گنگا وجمنا) مین جاکر زر بطریق نذرانہ وصول کرکے لاؤن۔ مگر اس سے اُن کا اصل منشا یہ تھا کہ شجاع الدولہ والی اودھ سے جبراً روپیہ وصول کرین احمد شاہ ابدالی کے حکم سے شاہزادۂ ہدایت بخش ولد عالمگیر ثانی اور مرزا بابر داماد عالمگیر ثانی پسر اعزالدین کو مع فوج دُرّانی زیر حکم جان باز خان ساتھ لیکر غازی الدین خان فرخ آباد کی طرف روانہ ہوے۔

گل رحمت مین لکھا ہے کہ احمد شاہ نے اپنی تحریر مین جو یعقوب علی خان کی معرفت روانہ کی تھی یہ بھی لکھا تھا کہ عماد الملک شاہی فوج ساتھ لیکر صوبۂ اودھ کی طرف روانہ ہوے ہین تاکہ شجاع الدولہ سے ہمارے واسطے پیش کش وصول کرین اگر شجاع الدولہ دینے مین عذر کرین تو تم عماد الملک کی مدد کیجیو چنانچہ حافظ رحمت خان مدار المہام نواب سید سعد اللہ خان فوج جمع کرنے لگے اور عماد الملک کا انتظار کرنے لگے۔ نواب احمد خان بنگش نے بہت سے گھوڑے ہاتھی اور اسباب دیا اور تھوڑے سے پٹھان بھی مدد کے لیے ساتھ کر دیے۔ عماد الملک نے گنگا کو عبور کرکے

شجاع الدولہ پر چڑھائی کی اور کودیو پرگنہ مہرآباد کے میدان میں ڈیرے کردیے (یہ مہرآباد گنگا کے اُس پار ضلع شاہ جہاں پور کے جنوب میں ہے سابق میں پرگنہ شمس آباد ضلع فرخ آباد میں شامل تھا) اور شجاع الدولہ کو پیام بھیجا کہ ملک اودھ اور شاہی نوکری کی خدمت (؟) کو منصور جنگ کا تمام مال و اسباب بھیجو اور شاہزادوں کے لئے مشکل حاضر کرو۔ اس پیام سے شجاع الدولہ کے ہوش جاتے رہے اور وہ بھی لکھنؤ سے روانہ ہو کر حملہ آوروں کے روکنے کے ارادے سے سانڈی پالی تک آئے یہ مقام لکھنؤ سے ۸۰ میل ہے۔

فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ شجاع الدولہ نے میر مجھلے کو نواب سید سعد اللہ خاں کی خدمت میں بھیجکر التماس کیا کہ "اس وقت میں اس دوستدار کی مدد کرنی چاہیئے" میر مجھلے نے تمام حال نواب سید سعد اللہ خان سے بیان کیا کہ عماد الملک شاہزادوں کو ہمراہ لیکر شجاع الدولہ کی بربادی کے درپے ہیں اور صفدر جنگ کے تمام خزانوں اور مال کی ضبطی کے لیے بڑی بھاری فوج سے چڑھائی کی ہے ایسے وقت میں آپ مدد کریں۔ نواب سید سعد اللہ خان نے تیاری کر کے اپنے بھائیوں کو ہمراہ لیکر اور حافظ رحمت خان۔ دوندے خان بخشی سردار خان فتح خان خانساماں عبد الستار خان احمد خان شیخ محمد کبیر ملا حسن اور سید معصوم وغیرہ کی سپاہ کے ساتھ آنولے سے کوچ کیا اور میر غلام رسول کو پیشتر سے شجاع الدولہ کے پاس بھیجدیا۔ اور ایک خط اس مضمون کا اُسکے ساتھ کیا کہ "جان و مال اور ننگ و ناموس بموجب اُس عہد و پیمان کے ہمارا آپ کا ایک ہے آپ کسی قسم کا تردد نہ کریں ہم بہت جلد پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ پہونچتے ہیں"

نواب سید سعد اللہ خان میر مجھلے کی روانگی کے بعد کڑے کڑے کوچ کر کے کودیوہ مین پہونچ گئے اور دونون لشکرون کے درمیان مین اپنی فوج کو جما دیا اور اپنے دربار مین زور سے علانیہ کہا کہ "جو کوئی نواب شجاع الدولہ کا مخالف و معاند ہے وہ ہمارا دشمن ہے اُسکو چاہیے کہ اول میرا سر کاٹے پھر نواب شجاع الدولہ کے سر کے کاٹنے کا ارادہ کرے" اس عرصے مین عالمگیر ثانی کے متواتر فرمان نواب سید سعد اللہ خان کو پہونچتے رہے کہ شاہزادون کی خدمت گذاری اور اطاعت اچھی طرح انجام دین۔ اور شجاع الدولہ کو نکالکر صفدر جنگ کا مال ضبط کرلین اِس خدمت کے صلے مین عنایت بادشاہی کے مورد ہونگے مگر نواب سید سعد اللہ خان نے ان احکام کی تعمیل نہ کی بلکہ برخلاف اُن احکام کے نواب عماد الملک کو صاف کہلا بھیجا کہ "آپکو شجاع الدولہ سے نہ لڑنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ آپ دہلی کو لوٹ جائین"

گل رحمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خان احمد شاہ دُرّانی کے احکام کی پابندی کی وجہ سے بظاہر عماد الملک ہی کے جنبہ دار تھے شجاع الدولہ نے ساندی پالی سے حافظ صاحب کو خط لکھا کہ "عماد الملک میری خانہ ویرانی کے درپے ہین کسی صورت سے صلح پر راضی نہ ہونگے آپ میرے چچا کی جگہ ہین ایسی تدبیر کرین کہ صلح ہو جائے۔ اور میری طرف سے احمد شاہ کا مزاج بھی ناخوش نہو" حافظ رحمت خان نے صفدر جنگ کی دوستی کی وجہ سے شجاع الدولہ کو تسلی آمیز خط لکھے اور صلح کی کوشش مین مصروف ہوے۔ اِس عرصے مین شجاع الدولہ نے عماد الملک کے پاس سفیر بھیج کر صلح کی استدعا کی چونکہ عماد الملک کو شجاع الدولہ کی

خانہ ویرانی سطور تھی اسلیے اتنا روپیہ مانگا جو شجاع الدولہ ادا کر سکتے تھے اور اس عرصے میں طرفین کے قراولوں میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی شروع ہو گئیں حافظ رحمت خاں عماد الملک کے مافی الضمیر پر مطلع ہو کر صلح کی فکر میں ہوئے اور نواب سید سعد اللہ خاں کو کہلا بھیجا کہ آپ شجاع الدولہ کے ڈیرے پر جا کر صلح کی تدبیر فرمائیں چنانچہ نواب موصوف نے شجاع الدولہ کے پاس پہونچکر تبدیل دستار کر کے اخوت پیدا کر لی اور اپنے کیمپ کو لوٹ آئے۔ حافظ رحمت خاں نے بظاہر نواب سید سعد اللہ خاں کے اس فعل سے ناخوشی ظاہر کی مگر اس تقریب سے صلح کی گنجائش پاکر عماد الملک کو کہلا بھیجا کہ نواب سید سعد اللہ خاں نے بمقتضائے خردسالی شجاع الدولہ سے صلح کر لی ہے جس کا حال آپ نے سنا ہی ہوگا۔ شجاع الدولہ بھی ایسی مقدرت کے موافق روپیہ دینے کو مستعد ہیں اور مجھکو احمد شاہ درانی کا یہی حکم ہے کہ اگر شجاع الدولہ پیشکش ادا کرنے میں حیلہ کریں اور لڑائی بر نوبت ہونچے تو تم عماد الملک کی مدد کیجیو اب اگر میری صلاح مانو تو صلح کر لو ورنہ میں اپنے ملک کو لوٹ جاؤنگا اور احمد شاہ کو سارا حال لکھ بھیجونگا۔ عماد الملک نے مجبور ہو کر پانچ لاکھ روپے مدراہ شاہجہاں آباد کو پیش کرنے پر صلح کر لی۔

فرح بخش میں ذکر کیا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خان نے ان پانچ لاکھ روپیوں کا ہونچانا اپنے ذمے مقرر کر لیا اور ضمانت نامہ لکھکر عماد الملک کے پاس بھیجدیا۔ پھر شجاع الدولہ نے یہ پانچ لاکھ روپے نواب سید سعد اللہ خاں کے پاس ہونچا دیے کیونکہ نواب سید سعد اللہ خان نے یہ رقم اپنے خزانے سے بادشاہ کے حضور میں ہونچادی تھی اور یہ لڑائی نواب سید سعد اللہ خان کی کوشش سے شجاع الدولہ

کے سر سے ٹل گئی شجاع الدولہ نواب سید سعد اللہ خان کے بہت شکرگذار ہوے اور لکھنؤ کو چلے گئے اور نواب سید سعد اللہ خان آنونے کو لوٹ آئے۔

سیر المتاخرین اور مآثر الامرا مین بھی یہی بیان کیا ہے کہ شجاع الدولہ کو اس لڑائی سے نجات نواب سید سعد اللہ خان کی وجہ سے ملی تھی۔ مگر گلستان رحمت اور گل رحمت کے مؤلفون نے نواب سید سعد اللہ خان کی کارروائی کو بالکل اُڑا دیا ہے اور اس باب مین جو کچھ لکھا ہے اُس سے سوا حافظ رحمت خان کے اور کسی کا اس صلح مین دخیل ہونا نہین پایا جاتا۔ بلکہ نواب سید سعد اللہ خان کی تبدیل دستار کو ایک بے نخردی کا مقتضی بتایا ہے۔ اور اسکی وجہ وہی کینۂ طبعی ہے جسکو ہم مفصل اوپر لکھ آئے ہین۔ عماد الملک صلح کر کے ۷ شوال ۱۱۷۰ ہجری مطابق جون ۱۷۵۷ء کو فرخ آباد کو لوٹ گئے اور احمد شاہ دُرّانی کے انجام کار کا انتظار کرنے لگے۔

احمد شاہ نے سورج مل جاٹ کے بعض قلعون کو مسخر کیا۔ اور متھرا کو لوٹا پھر اُنکے لشکر مین وبا پھیل جانے کے سبب سے ملک جاٹ کے بعض قلعون سے محاصرہ اُٹھا کر قندھار کو لوٹنے کے قصد سے دہلی آئے۔ عالمگیر ثانی نے مقصود آباد کے تالاب پر احمد شاہ سے ملاقات کی نجیب الدولہ عالمگیر ثانی کے ہمراہ تھے احمد شاہ نے محمد شاہ کی بیٹی سے اپنا عقد کیا۔ اور عالمگیر ثانی کے عماد الملک کی نسبت شکایت اور نجیب الدولہ کے حق مین سفارش کرنے پر نجیب الدولہ کو امیر[1] الامرا کیا اور دار الحکومت کا انتظام اُنکے سپرد فرمایا۔ اور یعقوب علی خان کو دوبارہ خلعت اور گھوڑا دیکر اور

---

[1] گزٹیر مین لکھا ہے کہ ۱۷۵۷ء مین احمد شاہ ابدالی نے سہ بارہ ہندوستان پر چڑھائی کی تو اس بار نجیب الدولہ کو بخشی گری کا عہدہ سپرد کیا گیا۔ اور تاریخ مظفری مین ہے کہ نجیب الدولہ کو احمد شاہ نے بخشی گری عطا کی تھی ۱۲

ایک خلعت اور فرمان روہیلوں کے واسطے اُن کے حوالے کر کے رخصت کیا اور جود ماہ حون ۱۷۵۸ء مطابق شوال ۱۱۷۱ہجری کو اسی قلمرو کو لوٹ گئے جب یعقوب علی خاں دہلی سے چلکر بریلی کے قریب پہونچے تو مدار المہام نواب سید سعد اللہ خاں نے وہاں شاہی کی تعظیم کے لیے استقبال کیا نجیب الدولہ عالمگیر ثانی کے ساتھ دہلی میں پہونچے اور سلطنت کا کام کرنے لگے۔ اور سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں صاحبقران ثانی کی حویلی پر جو عماد الملک کے تصرف میں تھی زبردستی قبضہ کر کے اُس میں رہنے لگے۔ اور عماد الملک کے نوکروں کو وہاں سے نکال دیا۔

نواب جعفر علی خان اور نواب قاسم علی خان والیان بنگالہ کا نواب سید سعد اللہ خان سے دوستی اور راہ ورسم پیدا کرنا

جب ۱۷۵۸ء میں نواب میر جعفر علی خاں کو انگریزوں نے مرشد آباد میں مسند ریاست پر بٹھایا تو اُنھوں نے بہت سے تحفے جن میں ہاتھی اور ابلق ٹانگن اور سفید کپڑے اور ناگ کیسر کا عطر اور ڈھالیں اور فرنگستان کی بہت سی عمدہ عمدہ چیزیں تھیں نواب سید سعد اللہ خاں کے پاس میر علی خاں تیر انداز کی معرفت روانہ کیے اور بڑی محبت واشتیاق کے پیام بھیجکر دوستی کی استدعا کی۔ یہاں سے بھی اسپان عربی وعراقی وایرانی وتاری ودیجانی اور نتیمیہ کشمیر اور بیش قیمت قبض اور ولایتی چھرے وغیرہ تحائف بھیجے گئے۔ نواب جعفر علی خاں ان تحفوں کو دیکھکر بہت خوش ہوئے ماگرمی اور سے پور وغیرہ کچھ گانوں عظیم آباد کے علاقے میں بادشاہ ہند سے نواب سید سعد اللہ خاں کو معافی میں دیے تھے نواب جعفر علی خاں نے وہ گانوں

بلا مزاحمت چھوڑ دیے۔ نواب سید سعد اللہ خان نے میر غلام رسول کی معرفت لالہ موجی لال کو اُس جاگیر کے انتظام کے لیے بھیجا۔

جب ۱۷۶۰ء مین انگریزون نے میر جعفر علی خان کو معزول کرکے اُن کے داماد میر قاسم علی خان کو صوبجات اوڑیسہ و بنگالہ و عظیم آباد کی ریاست پر مرشد آباد مین مسند نشین کیا تو اُنھون نے بھی نواب سید سعد اللہ خان کے ساتھ دوستی کی راہ و رسم جاری رکھی اور ہاتھی وغیرہ تحفے نواب موصوف کی خدمت مین بھیجے۔

غازی الدین خان عماد الملک کے ہمراہ مرہٹون کی نجیب الدولہ پر چڑھائی۔ دہلی کا محاصرہ کر لینا۔ نجیب الدولہ کا مغلوب ہو کر اپنے مُلک کو چلے جانا۔ شاہزادہ عالی گہر کا نجیب الدولہ اور روہیلون کے مُلک مین وارد ہونا۔ اُن کی مہمانداری

غازی الدین خان فرخ آباد مین احمد شاہ ابدالی کے خوف سے موجود تھے۔ فرح بخش مین ذکر کیا ہے کہ نجیب الدولہ نے اُنکے متعلقین کے ساتھ جو دہلی مین رہتے تھے بدسلوکی کی۔ حالانکہ نجیب الدولہ کی دولت و حشمت اور عروج کا باعث وہی ہوے تھے۔ عماد الملک نے احمد شاہ کے افغانستان واپس ہوتے ہی ۱۷۵۸ء مین امیر الامرائی کا منصب نواب احمد خان بنگش والی فرخ آباد کو دیا اور نجیب الدولہ کو (جنھین احمد شاہ دُرانی عالمگیر ثانی کے پاس دلی کا امیر الامرا مقرر کر گئے تھے اور بڑی قابلیت اور عمدہ لیاقت کے سردار تھے) معطل بٹھایا۔ مگر چونکہ تنہا غازی الدین خان اتنی قوت نہ رکھتے تھے کہ وہ دوسرے انقلاب پیدا کرین تو

اُنھوں نے اپنی کمک کے لئے مرہٹوں کو طلب کیا چنانچہ رگناتھ راؤ اور ملہار راؤ کے سہارے پر دلی پر چڑھائی کی۔ نجیب الدولہ کی طرف سے ایک مہینہ سے زیادہ عرصے تک مقابلہ جاری رہا مگر یہ امر ظاہر تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ آئندہ نہ کرسکیں گے اس لیے ہلکر کو رشوت دیکر اور ظاہر باپ بیٹے کا لفظ زبان پر لاکر اپنے ملک سہارنپور کو چلے گئے جو دلی کے شمال میں واقع ہے۔

بادشاہ نے قلعہ کے دروازے کھولدیئے اور غازی الدین خاں کو وزیر تسلیم کیا۔

شاہزادۂ عالی گہر جو بادشاہ ہوکر شاہ عالم کہلائے غازی الدین خاں کے فساد کی وجہ سے دلی میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھکر بنگالے کے قصد سے دلی سے نکلے اور کھیڑہ کے راستے سے ہوتے ہوئے سہارنپور میں نجیب الدولہ کے پاس آئے۔ نجیب الدولہ نے آٹھ ماہ تک شاہزادے کو اپنا مہمان رکھا پھر شاہزادے بنگالے کی تسخیر کے ارادے سے مشرق کی طرف روانہ ہوئے اور مرادآباد۔ رامپور۔ آنولہ اور بریلی ہوتے ہوئے پورب کی طرف بڑھے۔ سیر المتاخرین اور تاریخ مظفری کے مؤلف کہتے ہیں کہ نواب سید سعد اللہ خان نے اثنائے راہ میں شاہزادے کی ضیافت کی تھی اور روپیہ پیش کش کیا تھا مگر اس قول کی تردید فرح بخش سے ہوتی ہے اِسلیے کہ اُسکا مؤلف کہتا ہے کہ جب شاہ عالم نجیب الدولہ سے رخصت ہوکر مرادآباد کی راہ سے پورب کی طرف روانہ ہوئے تو نواب سید سعد اللہ خاں اُنسے غازی الدین خاں کی تحریر کی وجہ سے نہ ملے اور جام جہان نما سے بھی اسی کی تائید

سلہ دیکھو فرح بخش ۱۲

ہوتی ہے چنانچہ اُسکے مؤلف کا بیان ہے کہ جب شاہزادے نجیب الدولہ کے پاس سے رخصت ہوکر عازم بنگالہ ہوئے تو مراد آباد کی راہ سے آنولہ اور بریلی کے درمیان کانہہ کنکی کے مقام پر خیمہ انداز ہوئے نواب سید سعد اللہ خان اُنکے پاس حاضر نہین ہوئے اور یہ کچھ نذر کو بھیجا شاہزادے نے اپنے قلم سے اس مضمون کا شقہ لکھکر نواب سید سعد اللہ خان کو بھیجا۔

" ماکہ خود بدولت درانجا تشریف آوردیم و آن فدوی خود را بحضور نرسانید خوب امروز دائرۂ دولت برکانہہ کنبی خیمہ انداز می شود لازم کہ آمدہ ملازمت نمایند بعض سخنہا بالمشافہ فرمودنی ست "

اس تحریر کو دیکھکر بھی نواب سید سعد اللہ خان شاہزادے کی خدمت مین حاضر نہوئے۔ شاہزادے اسوقت خرچ سے بہت تنگ تھے اسلیے بون روپ ہاتھی جو خاص محمد شاہ بادشاہ کی سواری مین رہتا تھا نواب سید سعد اللہ خان کے ہاتھ فروخت کراکے بریلی کو روانہ ہوئے۔

نواب سید فیض اللہ خان نے چار کوس سے استقبال کرکے ۸۔ ربیع الثانی ۵ سنہ جلوس عالمگیر ثانی (مطابق ۱۱۷۴ ہجری) کو موضع فریدون مین شاہزادے سے ملاقات کی اور بہت کچھ اسباب و زر نقد نذر کیا۔ بعد اسکے شاہزادے صاحب بریلی پہونچے۔ جام جہان نما مین لکھا ہے کہ اول شاہزادے نے بریلی مین شاہانہ کی زیارت کی پھر اپنے ڈیرون مین جو نکٹیا کے کنارے کھڑے کیے گئے تھے

---

۹۱ کانہہ کنکی اور کانہہ کنبی یہ دونون لفظ اسی طرح جام جہان نما مین لکھے ہین ۱۲
۹۲ دیکھو جام جہان نما ۱۲ ۹۳ و ۹۴ دیکھو مرأت آفتاب نما ۱۲ ۹۵ دیکھو فرح بخش ۱۲

داخل ہوئے صبح کو ہاتھی پر سوار ہوتے تھے کہ عنایت خاں خلف حافظ رحمت خاں اور بہادر سنگھ سلام کو آئے اور نقد و جنس بطور پیش کش نذر کیا۔ حافظ رحمت خاں چونکہ خود حاضر ہوئے تھے اسلئے قبول کیا سعادت خاں افغان نے بہت کچھ عذر و معذرت کی مگر شاہزادے نے منظور نہ فرمایا اور یہ کہا کہ "ہیار باقی صحبت باقی" اور ہاتھی پر سوار ہو کر اودھ کی طرف روانہ ہوئے۔

لیکن گلستان رحمت میں لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں اس زمانے مین دامن کوہ کے انتظام میں مصروف تھے جب اُنکو دہلی کے اخبار کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ شاہزادہ عالی گہر بنگالے کے ارادے سے روہیلکھنڈ مین داخل ہوئے تو عنایت خاں کو لکھا کہ جب شاہزادے صاحب ادھر آئیں تو اُنکا استقبال کر کے رسم مہمانداری سلاطین کے موافق ادا کیجیو۔ چنانچہ جب وہ بریلی کے قریب پہونچے تو عنایت خان نے پیشوائی کی اور دیوان مان رائے کی حویلی میں اُتارا اور رخصت کے وقت ۲۴ گھوڑے ایک ہاتھی اور کئی ہزار روپے اور خیمے اور برتن اور بار برداری کا سامان حافظ صاحب کی طرف سے اور تھوڑا سا نقد و جنس اپنی جانب سے نذر کیا اور تین کوس تک مشایعت کی۔ ۱۹ ربیع الثانی ۱۱۷۲ھ ہجری کو شاہزادے ملگرام پہونچ گئے۔ مگر مجھکو جام جہاں نما کی روایت قوی معلوم ہوتی ہے۔

تبصرہ جس نے دہلی میں سلطنت مغلیہ کی معراج دیکھی ہو اور روہیلوں کو ہندوستان مین خانہ بدوشی کی حالت میں اور خوردہ فروشی کرتے دیکھا ہو اُسکے ذہن میں یہ خیال بھی کبھی آسکتا تھا کہ اُس خاندان کا ولی عہد مستحق سلطنت یون

اپنے نمک حرام نوکرون کے ہاتھ سے بے چین ہوکر غریب ایسا پریشان ہوگا کہ روہیلے اُسکی ملاقات سے احتراز کرینگے اور وہ اُس قوم کے ہاتھ ہاتھی کو بیچکر خرچ چلائے گا جو یہان صرف لوٹ مار کرتی اور سپاہگری کے زمرے مین بسر کرتی پھرتی ہوئی قوم جو کل اس سلطنت کے صوبہ دارون کی سواری کے آگے دوڑتی پھرتی تھی اور نوکری حاصل ہونے کے لیے منت سماجت کرتی تھی۔ اور اُنکی عنایت و کرم کو اپنی عزت و حرمت گنتی تھی آج وہی اُسکے بادشاہ کے قائم مقام کے ساتھ ایسی بے پروائی کے ساتھ پیش آرہی ہے۔ اِس عزت و ذلت کا دَور ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور چلا جائیگا۔ مگر روہیلون ہی مین ایک سردار یعنی نواب سید فیض اللہ خان ایسا شخص موجود تھا جسنے پیش بینی کرکے اِس الزام کو اس تمام قوم کے سر سے مٹا دیا۔

نواب سید علی محمد خان بہادر کی بیٹی کی عنایت خان کے ساتھ شادی

حافظ رحمت خان دامن کوہ سے واپس آئے تو اپنے بڑے بیٹے عنایت خان کی شادی کی تیاری کی اور نواب سید علی محمد خان کی بیگمات کو آنولے سے بریلی مین بلا کر ایک عالیشان جشن مرتب کرکے نواب سید فیض اللہ خان بہادر کی حقیقی بہن کے ساتھ عنایت خان کا بیاہ کیا۔

غازی الدین خان وزیر اعظم کی تحریک سے مرہٹون کی نجیب الدولہ کے مُلک پر چڑھائی۔ روہیلون کے مُلک کو بھی برباد کرنا روہیلون اور شجاع الدولہ کا متفق ہوکر مرہٹون کا مقابلہ کرنا

محرم ۱۱۷۱ھ ہجری مین جھنکو ولد آپا سیندھیا اور اُسکا چچا دتا سیندھیا دکن سے

ہند میں آئے جسکو تو جوان تھا جو کچھ کرتا تھا دتا کرتا تھا۔ ان دونوں نے
اتفاق کرکے یہ چاہا کہ تمام ہندوستان کو سخر کریں انھوں نے شروع ۱۱۸۳ ہجری
میں روہیلوں کے ملک اور اودھ کے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ وزیر اعظم عمادالدین خاں
نے بھی انکو یہی صلاح دی۔ اسلیئے مرہٹوں نے جمنا کو عبور کرکے اول نجیب الدولہ پر
چڑھائی کی نجیب الدولہ نے گنگا کے کنارے سطھر گڑھ کے پاس سکرتال[1] میں
پناہ لی اور وہاں سے نواب سید سعد اللہ خاں اور نواب سید فیض اللہ خاں اور
حافظ رحمت خاں وغیرہ سرداران روہیلکھنڈ سے امداد کے واسطے درخواست کی
یہاں سے موسم برسات کے ختم ہونے تک مدد پہونچنے میں دیر ہوئی اور جب تک
نجیب الدولہ نے اُن مٹی کی دیواروں کی آڑ میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی
نواب سید سعد اللہ خاں۔ نواب سید فیض اللہ خاں۔ حافظ رحمت خان۔ دوندے خاں
بخشی سردار خان اور فتح خان خانساماں نے عین برسات کے موسم میں کوچ کرکے
لمبی لمبی منزلیں کرتے ہوئے امروہہ میں پہونچکر ٹھہر گئے اور چار ہزار سوار سردار خاں
بخشی کی ماتحتی میں بطور ہراول کے آگے کو روانہ کیے گئے تاکہ سکرتال کی حفاظت
کریں اور نواب سید سعد اللہ خاں نے میر غلام رسول کو شجاع الدولہ کے پاس بھیجا
کہ وہ بھی مدد کریں۔ وہاں سیندھیا کو اتفاق مذکور کا پرچہ لگا۔ تو اُسنے گوبند رائے
منڈیلے کو روہیلکھنڈ کے دبانے کے لیے اپنے لشکر سے الگ کرکے روانہ کیا
جسنے برسات کے اختتام کے بعد بیس ہزار سواروں کے ساتھ مقام ٹھاکر دوارہ

---

[1] سکرتال لفظ ہندی ہے سین مہملہ مضموم اور کاف تازی مشدد اور رائے مہملہ ساکن اور تائے قرشت اور الف اور لام سے ہے مقام میرٹھ سے شرقی شمالی جانب ۴۰ کوس کے فاصلے پر ہے ۱۲ عماد السعادت وسائل قلمی

کے پاس جو کوہ کمایون کے متصل واقع ہے گنگا کو عبور کیا[۱۵]

شاہ حمزہ صاحب مقیم مارہرہ خلف شاہ آل احمد ابن شاہ برکت اللہ نے فصل الکلام مین بیان کیا ہے کہ "اس وقت مین دتا سیندھیا اور جھنکو نے اس فقیر کو بھی عرایض بھیجے اور اُن مین لکھا کہ نواب سید عبداللہ خان ابن نواب سید علی محمد خان آپ کی سرکار سے عقیدت اور ارادت رکھتے ہین اور وہ نجیب خان کی مدد کو نہین گئے ہین کیونکہ اُنکو اپنے باپ کے ملک کا دعوے ہے نجیب خان وغیرہ سردارون نے اُنکے باپ کے مُلک پر قبض و تصرف کر لیا ہے ہم اُنکو دو لاکھ روپے دیتے ہین۔ یہ روپے وہ اٹاوے کے خزانے سے جہان مرہٹون کی حکومت ہے وصول کرکے فوج مرہٹہ کو جسکا سردار گوبند مرہٹہ ہے اپنے ہمراہ لیکر روہیلون کے مقامات کو تاخت و تاراج کرین۔ ادھر سے ہم گھیر کر سب کو تہ تیغ کر ڈالین گے۔ یا گرفتار کر لین گے پھر آدھا ملک ہمارا ہے اور آدھا اُنکا اور ان خریطون مین بل بھنڈار کی قسم بھی یاد کی تھی۔ چونکہ اِس فقیر کے نزدیک ان ہندوونکی مدد کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اسلیے جواب بیت و لعل کے ساتھ دیکر ٹالدیا۔ اور نواب سید عبداللہ خان سے بھی جواب لکھوا کر بھجوا دیا۔ نواب موصوف تو مرہٹون کے اِس مشورے سے رضامند تھے لیکن اس فقیر نے اُنکو سمجھا کر اِس ارادے سے روک لیا۔ اسی طرح اس فقیر کی معرفت نواب احمد خان بنگش کو بھی پیام بھیجے تھے۔ فقیر نے اُنھین بھی تغافل مین ڈالدیا یہ قصہ طول طویل ہے"

حسین شاہی مین امام الدین حسینی نے بیان کیا ہے کہ غازی الدین خان نے

---

[۱۵] دیکھو مآثر الامرا حالات نواب شجاع الدولہ ۱۲

نواب شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ آپ بھی ہمارے شریک ہو جیے تو ہم اور آپ متفق ہو کر ان پٹھانوں کو یہاں سے نکالدیں اور اس سلطنت کا انتظام اپنی مرضی سے کریں۔ شجاع الدولہ نے مصلحت وقت کے لحاظ سے علی بیگ خاں خارجی کو جو نہایت ظریف دوا ماتھا عماد الملک کے پاس بھیجکر لطائف الحیل میں رکھاتھا کہ مخالفت پر آمادہ نہ ہوں۔

انھیں ایام میں نجیب الدولہ نے بھی نواب شجاع الدولہ کو تحریر کیا کہ میں نے احمد شاہ دُرانی کو بلایا ہے مناسب یہ ہے کہ اس وقت میں آپ ہماری مدد کریں کہ یہ بات ہمارے اور آپ کے حق میں بہت مفید ہے شجاع الدولہ جانتے تھے کہ عازی الدین خاں مطیعت اور مفسد ہیں چنانچہ ۱۱۷۱ ہجری میں شاہزادہ ہدایت بخش اور مرزا بابر کو ہمراہ لیکر شجاع الدولہ کی بربادی کے لیے برج آباد کے راستے سے اودھ پر چڑھائی کی تھی اور شجاع الدولہ نے دانائی کر کے نواب سید سعد اللہ خاں سے گڑھی مل کے حافظ رحمت خاں اور دوندے خان اور بخشی سردار خاں اور فتح خان خانسامان کو متفق کر کے اُنکے شر سے نجات پائی تھی اس سبب سے شجاع الدولہ نے عازی الدین خاں کے قول پر اعتماد نہ کیا اور نجیب الدولہ کی رفاقت کو بہتر سمجھا چنانچہ شجاع الدولہ فوراً تیاری کر کے اوائل ربیع الاول ۱۱۷۳ ہجری میں تیس ہزار سوار کے ساتھ نجیب الدولہ کی مدد کو روانہ ہوئے اور بڑی بڑی منزلیں کر کے نواب سید سعد اللہ خاں کے شریک ہو گئے اِس عرصے میں بخشی سردار خاں کی فوج مرہٹوں کے قریب جا پہونچی تھی سردار خاں نے دیکھا کہ مرہٹے گووند راے کی ماتحتی میں گنگا پار اُتر آئے ہیں اور تمالی علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سید صاحب کے حکم کی تعمیل معقول طور پر کی گئی کہ

ایک مہینے سے کچھ زیادہ عرصے مین مرہٹون نے تیرہ سوگانٔون چاندپور نگینہ اور امروہے
کے علاقے کے تباہ کرڈالے سردار خان نے اپنی فوج کو سبل گڑھ کے قریب لیجاکر مرہٹون کو
بڑی جوانمردی سے زور دیا اور کئی جگہ لڑائیان ہوئین لیکن مرہٹون کی جمعیت زیادہ
تھی اسواسطے اُنکی تھوڑی سی فوج کو خیال مین نہ لاتی تھی بلکہ اُن کو مرہٹون نے
سُبل گڑھ مین محصور کرلیا حافظ رحمت خان کے دو رسالہ دار اپنے رسالون کے ساتھ
اُنکے آگے آگے چل رہے تھے وہ جلدی سے سردار خان کی مدد کو پہونچ گئے اُنھون نے
مرہٹون پر جو گوبند راے کے ساتھ تھے حملہ کیا جسکی وجہ سے وہ گنگا کی طرف ہٹگئے
آخرکار نواب سید سعد اللہ خان۔ نواب سید فیض اللہ خان۔ حافظ رحمت خان۔
دوندے خان فتح خان اور شجاع الدولہ چاندپور پہونچ گئے اُنھون نے جس دن
چاندپور سے کوچ کیا مرہٹے کی فوج راہ مین کم کم نظر آئی۔ پانچ کوس چلکر ہلدوہ[1]
پرگنہ چاندپور مین پہونچے تو خبر آئی کہ مرہٹون نے اکثر مقامات پر زور باندھ رکھا ہے
چنانچہ نواب شجاع الدولہ کے بعض لشکریون کو بھی جو عقب مین تھے لوٹ لیا جب
یہ حال معلوم ہوا تو شجاع الدولہ نے اپنی فوج مین سے انوپ گر گوسائین اور
امراؤ گر گوسائین کو مرہٹون کی سرکوبی کے لئے ایک طرف بھیجا اور اپنے خالہ زاد
بھائی میر نجف علی خان کو پانچ ہزار سوارون کے ساتھ اور میر باقر میمونی کو چار ہزار
سوارون کے ساتھ مرہٹون کے پڑاؤ کی طرف روانہ کیا۔ ایک سو مرہٹے زندہ گرفتار
ہوے اور دو سو مارے گئے اور بہت سا مال و اسباب مرہٹون کا اور بے شمار گھوڑے
چھین لیے گئے۔ مرہٹے گوبند پنڈت کی ماتحتی مین تھے گرتے پڑتے گنگا کو عبور کر گئے

[1] ہلدوہ بفتح ہا و سکون لام وضم دال مہملہ وفتح واو و ہاے ساکن ۱۲ خزانۂ عامرہ

اس عرصہ میں اُسکے بہت سے آدمی اور گھوڑے ڈوب بھی گئے اور جو گنگا میں نہ گھس سکے وہ مارے گئے یہ واقعہ جمادی الاولی ۱۱۷۳ہجری (مطابق نومبر ۱۷۵۹ء) کا ہے۔
صبح کو ہلدوہ سے کوچ ہو گیا اور نجیب الدولہ کے پاس پہونچ گئے مگر مرہٹے گنگا پار کا علاقہ تباہ کرتے رہے اور جب افواج اسلام کے سامنے پڑتے پوری سزا اُٹھاتے۔
سید دھیا کی فوج اس ٹکڑے کے ٹوٹنے سے جو روہیلکھنڈ کو بھیجا گیا تھا ایسی کمزور ہو گئی تھی کہ وہ صلح کی خواہاں ہوئی مگر اسوجہ سے زیادہ قوی وجہ یہ تھی کہ نجیب الدولہ اور تمام پٹھانوں اور ہندوستان کے راجوں نے مرہٹوں اور غازی الدین خان کے فساد سے تنگ آکر احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں عرضیاں لکھی تھیں اور استدعا کی تھی کہ حضور اس طرف کا قصد فرمائیں تو عقیدت مند خدمت کو حاضر ہیں احمد شاہ نے بھی مرہٹوں کی زیادتی اور جسارت ایسے بیٹے تیمور شاہ کے ساتھ پاکر اور واقعہ کا الحاح سُنکر اور غازی الدین خان کی بدذاتی اور نمک حرامی کا برتاؤ عالمگیر ثانی کے ساتھ معلوم کرکے قندھار سے ہندوستان کا عزم کیا تھا اور بہت قریب آپہونچے تھے عرضکہ مرہٹوں نے شجاع الدولہ اور روہیلوں سے آشتی کی شرطیں پیش کیں اور ان شرطوں کے موافق باہم صلح ہوئی اور مرہٹے احمد شاہ کے خوف سے صلح کا نام کرکے ۱۷۵۹ء میں بالکل اس ملک سے چلے گئے۔

نواب سید سعد اللہ خاں نواب سید فیض اللہ خان نجیب الدولہ حافظ رحمت خاں بخشی سردار خاں اور فتح خان نے شجاع الدولہ کے سامنے کشتیاں کپڑوں اور جواہر کی اور ہاتھی گھوڑے اور زر نقد پیش کیا اور ان سرداروں نے شاہ کی آمد آمد کی خبر سُنکر جلدی سے شجاع الدولہ کو رخصت کر دیا اس خیال سے کہ احمد شاہ جب آجائیں گے

توشجاع الدولہ کو بھی رخصت حاصل ہوسکے گی۔ ۹ جمادی الاولی ۱۱۷۳ ہجری کو شجاع الدولہ لکھنؤ داخل ہوگئے اور ان سرداروں نے عرضیاں اس مضمون کی کہ نواب شجاع الدولہ کسی قدر علیل ہوگئے تھے اور اُن کے ملک مین فساد پیدا ہوگیا تھا اسلیے اودھ کو رخصت کردیے گئے احمد شاہ کی خدمت مین روانہ کین اور آپ شاہ سے ملنے کی غرض سے وہین ٹھہرے رہے اور بخشی سردار خان اور فتح خان خانسامان کو ملک روہیلکھنڈ کے انتظام کے لیے بھیجدیا۔

جنگ پانی پت مین روہیلون کی کارروائی

احمد شاہ دُرانی دہلی کے لوٹنے اور متھرا کے قتل عام کے بعد اپنے بیٹے تیمور شاہ کو مع جہان خان کے لاہور مین چھوڑ گئے تھے جبکہ ۱۷۵۸ء مین رگناتھ راؤ اور شمشیر بہادر بالاجی راؤ کے بھائی نے جہان خان اور تیمور شاہ کو پنجاب کی حکومت سے خارج کیا تو احمد شاہ دوبارہ پنجاب کو قبضے مین لانے کی غرض سے اپنی قلمرو سے روانہ ہوے اور پشاور تک اٹک کے کنارے کنارے کوچ و مقام کرتے ہوے ماہ محرم ۱۱۷۳ھ مطابق ستمبر ۱۷۵۹ء مین اٹک پار اُترکر پنجاب مین داخل ہوے وتّاسیندھیا نجیب الدولہ سے صلح کا نام کرکے احمد شاہ دُرانی کے مقابلے کو روانہ ہوا اور عماد الملک جو اُسکی کُمک کے لئے دِلّی سے آرہے تھے وہ احمد شاہ دُرّانی کے خوف سے سورج مل کی پناہ مین چلے گئے۔

اگرچہ مرہٹون کے رفیق جاٹون نے اِس زمانے مین اُنکی مدد نہ کی تھی مگر باوصف اسکے اسّی ہزار سوار جرار اُنکے لڑائی کے میدان مین موجود تھے۔ یہ سوار اسپ سے

دو گروہوں میں منقسم تھے کہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے کسی قدر فاصلہ تھا انمیں سے ایک گروہ دتا سیندھیا کی ماتحتی میں تھا اور اس فوج کا دوسرا ٹکڑا ملہار راؤ ہلکر کے تحت میں تھا۔ احمد شاہ یہ خبر سنکر کہ مرہٹے روہیلوں کو ایذا دے رہے ہیں اُن کی مدد کے لیے ممالک متحدہ کی طرف روانہ ہوے اور شمالی پہاڑوں کے قریب قریب مسیر کرتے ہوے سہارنپور کے برابر جمنا پار اُتر گئے۔ سرداران روہیلہ شاہ کی آمد کا حال سنکر شکر تال سے کوچ کرکے احمد شاہ کے لشکر میں پہونچ گئے شاہ نے حسب دو آبے کی راہ لی تھی تو اپنی فوج قراولی کو حکم دیدیا تھا کہ متعارف راستوں سے دتا کے مقابل سفر کرے جو نجیب الدولہ سے صلح کرکے احمد شاہ کے مقابلے کو روانہ ہوا تھا۔ دتا مذکور حد سرہند پہونچا تو فوج شاہی قراولی سے مقابلہ ہوا اور اس فوج نے مرہٹوں کو پسپا کردیا۔ دتا نسادکا فتیلہ لئے احمد شاہ کی فوج کے ارد گرد جنگ کرتا ہوا دلی کو لوٹا اسے اپنے بازؤں میں یہ طاقت نہ دیکھی کہ اُن شیروں کے ساتھ سینہ بسینہ ہوکر لڑے۔

گل رحمت مین بیان کیا ہے کہ احمد شاہ سرداران روہیلہ کو ہمراہ لیکر لونی کے رستے سے دلی کی طرف روانہ ہوے اور جمنا کو عبور کرنے کے لیے وزیرآباد کے مقام پر پہونچے اور اپنے سواروں کو حکم دیا کہ روہیلوں کے لشکر کے ایک ایک پیدل کو اپنے پیچھے بٹھالیں چنانچہ اس طرح فوج دریا پار اُتری۔ چونکہ ملکی لوگ مرہٹوں کی دست اندازیوں سے سخت بیزار تھے اور اُنکو بُرا سمجھتے تھے اسلئے احمد شاہ کے کوچ ومقام سے اُنکو واقف نہ کیا یہان تک کہ بقول مؤلف سیر المتاخرین احمد شاہ جمنا کو عبور کرکے اپنی فوج قراولی سے جاملے اور دتا کی لڑائی کا جو میدان باولی میں کہ دہلی کے قریب ہے موجود تھا حکم دیا فوج نے دتا کو گھیر لیا اُسے مایوس ہوکر

اپنے بھتیجے جھنکو کو تھوڑے سے آدمیون کے ساتھ بھگا دیا تاکہ دکن پہونچکر سارا حال بیان کرے اور جمادی الاولی ۱۱۷۳ھ ہجری مین خود دتا اور اُسکی فوج کے دو تہائی حصے عین میدان مین مارے گئے لیکن حسین شاہی مین بیان کیا ہے کہ مرہٹون نے جمنا کے تمام گھاٹون پر دہلی تک مورچے لگا کر انتظام کر دیا تھا جب بادشاہ نے اُترنا چاہا تو روکا۔ دتا اور جھنکو دریا کو عبور کر کے روہیلون پر ٹوٹ پڑے۔ روہیلون پر یہ وقت بہت سخت تھا کہ یکایک بادشاہ کے حکم سے زنبورکون نے باڑھ ماری اور پھر تلوار چلنے لگی دتا دریا کے درمیان مین مارا گیا جسکا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور مین لے گئے اور جھنکو زخمی ہو کر بھاگ گیا۔ ملہار راؤ ہلکر سکندرہ مین پڑا ہوا تھا وہ چنبل کے جانب جنوبی مُلک مین بھاگنے لگا۔ یہ ٹکڑا اسلئے سیدھی راہ سے منحرف ہوا تھا کہ مسلمانون کی رسدون کو لوٹے کھسوٹے لیکن مراد اُسکی پوری نہوئی کہ پندرہ ہزار دُرانیون نے شاہ پسند خان اور شاہ قلندر خان کی ماتحتی مین اُسکا تعاقب کیا یہ لوگ نارنول سے روانہ ہوے اور ستر کوس ایک دن رات مین چلکر دہلی پہونچے اور ایک روز یہان آرام کر کے آدھی رات کو جمنا اُترے صبح ہوتے ہوے سکندرہ پہونچکر ملکر کو جا دبایا اور تباہی کے قریب پہونچا دیا ہلکر گھبرا کر تین سو آدمیون کے ساتھ گھوڑون کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر بھاگا باقی فوج اور سردار قتل و اسیر ہوے۔

حسین شاہی مین لکھا ہے کہ احمد شاہ جسدن دہلی مین داخل ہوے تو لشکریون نے شہر کے لوگون پر بڑی تعدی کی چنانچہ فرح بخش مین ذکر کیا ہے کہ ہزارون خوبصورت عورتین اور لڑکے لڑکیان شریفون کی دُرانیون اور روہیلون نے باندی غلام بنانے کو قید کر لین اور ہزارہا آدمی مارے گئے اور اُن قیدیون کو بطور تحائف کے ایران

توران سمرقند اور بخارا اور کوہستان وغیرہ کو کھچا حسین شاہی میں ہے کہ تین دن تک شہر لٹتا جو تھے دن شاہ نے حکم دیا کہ تمام سپاہ شہر سے باہر نکلکر ٹھہرے۔

گل رحمت میں بیان کیا ہے کہ احمد شاہ دلی سے کوچ کر کے مرہٹوں کے تعاقب میں میوات کی طرف چلے جب بادشاہ کی فوج کالا پہاڑی پر پہونچی تو اس مقام پر راجہ جے نگر کا وکیل راجہ کی طرف سے پیش کش اور عرضی جسمیں اطاعت شعاری کا بیان تھا لیکر شاہ کے پاس آیا اور خبر دی کہ جسکو بدہ سیلکھنڈ کے شاہ کرنے کے لیے گیا ہے شاہ نے یہ خبر سُنکر روہیلوں کو تو اپنے لشکر میں چھوڑا اور خود چند ہزار سوار لیکر مرہٹوں کا تعاقب کیا۔ دھول کوٹ اور کانڑہ کے قریب مرہٹوں کے سر پر جا پہونچے اور اُنکو تباہ و برباد کر دیا۔ اُن کا تمام مال واسباب لوٹ لیا مرہٹے شکست کھا کر بھاگ گئے بعد اسکے احمد شاہ شہر کول کو گئے۔

۴۔ ذیحجہ ۱۱۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸ اجولائی ۱۷۵۷ء کو مقام کول میں نواب احمد خان بنگش نے پانچ ہزار جوانوں کی جمعیت سے شاہ سے ملاقات کی اور شاہ نے کول کا جو سورج مل جاٹ کی حکومت میں تھا اٹری آتی سے محاصرہ کیا یہ مقام سابق میں تامت گڑھ کہلاتا تھا سورج مل نے اسکا نام رام گڑھ رکھا تھا جیسا کہ حسین شاہی سے ثابت ہے سدرہ روز کے بعد روہیلوں کے سردار بھی وہاں پہونچ گئے تھوڑے سکھ قلعہ داری تھوڑا سا مقابلہ کر کے حافظ رحمت خان کی معرفت اطاعت کرلی اور شاہ نے اُس قلعہ کی حفاظت نواب سید سعد اللہ خان کے سپرد کر دی۔ نواب سید سعد اللہ خان اُس قلعہ کے معائنہ کو گئے جنکے ہمراہ فرح بخش کا مؤلف بھی سیر کو گیا تھا سارا علاقہ کول۔ اور جلیسر اور فیروز آباد اور شکوہ آباد اور خورجہ اور سکار یہ راور سعد آباد

اور اٹاوہ اور کوڑہ اور کٹرا وغیرہ کا سرداران روہیلکھنڈ کو احمد شاہ نے دیدیا۔ نواب سید فیض اللہ خان کا دل سیر شکوہ آباد کی گل گشت کی ہوا مین لہلہایا اُنھون نے بادشاہ سے اجازت حاصل کی۔ اور نواب سید سعد اللہ خان بھی سیر و شکار کی غرض سے جلیسر و فیروز آباد کو احمد شاہ سے رخصت لیکر گئے۔ برسات کا موسم آگیا احمد شاہ نے انوپ شہر کے قریب دریاے گنگا کے کنارے چھاؤنی ڈالدی۔ اور نواب سید سعد اللہ خان نواب سید فیض اللہ خان سامان کی درستی کے لیے جو خراب و خستہ ہو گیا تھا۔ روہیلکھنڈ کو آگئے اور سامان کو درست کرانے لگے۔

جب دتا سیندھیا اور ملہر کی درانیون کے ہاتھ سے کامل شکستون کی دربار دکن مین خبر پہونچی تو بالاجی پیشوا کا چچیرا بھائی سداشیو راؤ جو بھاؤ کے لقب سے چاردانگ ہندوستان مین مشہور ہے مرہٹون کے دربار سے مامور ہوا اِس زمانے مین مرہٹون کی قوت غایت عروج پر تھی اور اُنکی قلمرو کی وسعت یہان تک پہونچی تھی کہ شمال مین سرحد اُسکی کوہ ہمالیہ اور دریاے اٹک اور جنوب مین جزیرہ نماے دکن کے عین سرے تک یعنی سمندر تک پھیلی ہوئی تھی اور حدود مذکورہ مین جو ملک اُنکی حکومت سے خارج تھے وہ اکثر اُنکے باجگذار تھے۔ یا اُنکی دستبرد سے پامال تھے یہ ساری قوت بالاجی کے قبض و قدرت مین تھی مرہٹون کی قوت کی ترقی پر اُنکی حکومت کے کارخانے ترقی کو پہونچ گئے تھے یہانتک کہ اُنکی فوج نری لُٹیرون کی جماعت نرہی تھی بلکہ اُس مین عمدہ عمدہ تنخواہ دار اور چُنے سوار اُنکی حکومت کے ملازم تھے اور دس ہزار پیادے عمدہ قواعد دان تھے اگرچہ پیادون کی فوج اُس فوج کی پوری پوری نقل نہ تھی جو اور ریاستون مین یورپ والون کے تحت حکومت ہوتی تھی

مگر باوصف اسکے ایسے پیادوں کی وجہ سے نہایت عمدہ تھی جو پہلے وقت میں
ہندوستان میں پائی جاتی تھی علاوہ اسکے اُنکے توپخانے کا سلسلہ اُس بادشاہی
توپخانے سے بہت شایستہ تھا جس سے مرہٹے ایک عرصے تک ترسان اور لرزاں
رہتے تھے۔ مرہٹوں کی قوم کو جاہ وحشمت کی حیثیت اور شان وشوکت کی روسے
جو بات حاصل تھی بھاؤ کے قدر ووقار بڑھانے کی غرض سے خاص اس موقع
پر صرف کی گئی اور سیندھیا اور ہلکر کی تباہی اُسکے آمادگی پر آمادگی زیادہ ہوئی
اُنکا پورا ارادہ یہ تھا کہ بڑے جد وجہد اور سعی وہمت سے ہندوستان خاص کی فتح
وکشایش میں کھلی چوٹ ایسی لگاؤ کہ قصہ ہی پاک ہو جائے بالاجی کا جوان بیٹا
اور علانیہ وارث اُسکا سواس راے اور بڑے بڑے برہمن اور چیدے چیدے مرہٹے سردار
اُسکے ہمراہ ہوے اور بہت سے راجپوتوں کے گروہ اُسکی مدد اور اعانت کی نظر سے
راہ مین اُس سے ملتے گئے بھرت پور کے راجہ سورج مل نے بھی بیس ہزار جاٹوں کے
ساتھ اُسکی مدد کی۔ راجہ سورج مل نے جو ایک دراز عرصے سے مرہٹون کی رفاقت
میں لڑنے بھڑنے کا عادی ہوگیا تھا بھاؤ کو اس موقع پر یہ مشورہ دیا کہ آپ ایسے
پیادوں اور بھاری بھاری اسبابون کو ہمارے ملک میں چھوڑ دیں کہ وہ مضبوط
قلعوں میں محفوظ و مامون رہین گے اور سوارون کو ہمراہ لیکر آگے باگ اُٹھائیں اور
مرہٹوں کے طریقے کے مطابق اپنے دشمنوں کو تنگ پکڑین اور لڑائی کو یہانتک
طول دیں کہ دُرّانی لوگ جو کئی مہینے سے ہندوستان میں آئے ہوئے ہین آب وہوا
کی ناموافقت سے مجبور ہو کر اپنے پہاڑوں میں لوٹ کر چلے جائیں اگرچہ اور
مرہٹون نے تائید اس معقول مشورے کی کی مگر بھاؤ نے یک لخت اسکو رد کیا۔

اسلیے کہ وہ ایسی فتح کو جو ایسے وسیلے سے حاصل ہو اپنے بڑے پلے کے حسابون کمتر سمجھتا تھا اور اپنے قاعدہ دان پیادون کی فوج اور تو پون کو بڑی بھاری منزلت دیتا تھا بلکہ بھاؤ نے سورج مل کے جواب مین یہ کہا کہ "تو ایک چھوٹا سا زمیندار ہے بڑے بڑے ملکون کی تدبیرون اور انتظامون کی لیاقت نہین رکھتا" حاصل یہ کہ وہ بڑی دھوم دھام سے دلّی کی جانب بڑھا جسپر تھوڑے سے دُرّانی قلعبند اور شریک اُنکے محسن الملک یعقوب علی خان کی ماتحتی مین قابض ومتصرف تھے۔ یہ یعقوب علی خان شاہجہان پور مین رہا کرتے تھے اور احمد شاہ کے وزیر شاہ ولی خان کے چچا زاد بھائی تھے روہیلون نے اُنکو اپنی طرف سے سفارت پر احمد شاہ کے پاس سنہ ۱۱۷۰ھ مین دہلی بھیجا تھا اور پھر ۱۱۷۳ھ مین سفیر بناکر شاہ ولی خان وزیر اعظم احمد شاہ کے پاس بھیجا تھا وزیر نے بادشاہ سے ملاقات کراکے دلی کی قلعہ داری پر مقرر کرادیا تھا۔ عماد الملک غازی الدین خان عالمگیر ثانی کو قتل کراکے اور محی السنۃ بن کامبخش بن اورنگ زیب کو شاہجہان ثانی کے لقب کے ساتھ اُن کے تخت پر بٹھا کے خود جاٹون کی عملداری مین بھاگ گئے تھے محیط شہر پناہ کے بڑے طول طویل ہونے سے توپ کے کسی برج کی حفظ وحراست سے غفلت برتی گئی تھی کہ مرہٹون کا ایک گروہ اُسپر چڑھ گیا اگرچہ محصورین نے تھوڑی دیر تک قلعہ کو بچائے رکھا مگر توپون کی مارا مار سے اطاعت قبول کی۔

بھاؤ نے مزار اقدام نبوی کے ظروف طلائی ونقرئی اور مقبرہ شاہ نظام الدین اولیا اور محمد شاہ کی قبر کے عود سوز اور شمعدان اور قندیلون کو اور محل کی آرائش کے

ساما نوں کو اٹھوا لیا دیوان خاص کی بنا کار نقرئی چھت کو بھی اکھڑوا کر ٹکسال مین ڈھلوا لیا اور تخت شاہی پر بھی قبضہ کر لیا اور بادشاہی زیورون کو بھی دبا لیا ملکہ اُسے یہ تجویز کی تھی کہ بسواس رائے کو ہندوستان کا بادشاہ بنائے اور اُسکی بادشاہی کا اعلان کرائے مگر لوگون کے سمجھانے سے اُسکو جست تک کے لیے ملتوی رکھا کہ درانیوں کو اٹک پار اُتار دے۔ ان تمام ناشائستہ حرکتوں کے دیکھنے سے سورج مل متغیر ہو کر سخت گھبرایا چنانچہ اُسنے خفیہ شجاع الدولہ سے صلاح کی اور علانیہ بھاؤ سے بھی رفاقت نہیں توڑی اور اُس سے یہ کہا کہ اب یہ لڑائی اس طرح کی ہو گئی ہے کہ تمام مسلمان ہند متفق ہو گئے ہین بہتر یہ ہے کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤن تاکہ وہاں سے آپکے لشکر میں غلہ وغیرہ رسد بھیجوا تا رہون بھاؤ نے سورج مل کو رخصت کر دیا[۱]

احمد شاہ درانی برسات کے پورے ہونے تک انوپ شہر مین پڑے رہے جو اودھ کی سرحد پر واقع تھا اور ایک بڑے عہد و پیمان کے بڑے معاملے کی صورت سے خاص اودھ میں گئے تھے اسلئے اُنکو یقین کامل تھا کہ سارے روہیلے اُنکے شریک ہو گئے لیکن شجاع الدولہ کی طرف سے متردد تھے شجاع الدولہ نے اپنے مطالب اور اغراض کی ضرورت سے دونوں فریق سے الگ تھلگ رہنا مناسب تصور کیا اور احمد شاہ کی شرکت سے وہ موروثی عداوت مانع تھی جو اُنکے باپ صفدر جنگ اور احمد شاہ مین مقام سرہند پر ۱۱۶۱ہجری میں علانیہ واقع ہوئی تھی۔ احمد شاہ اس غرض سے انوپ شہر تک ٹھہر گئے تھے کہ شجاع الدولہ کو اپنے

---

۱ دیکھو عماد السعادت ۱۲

رعب وداب سے دبا بیٹھے چنانچہ اُنکے بڑھنے اور نجیب الدولہ کے سمجھانے سے جنکو احمد شاہ نے بصیغۂ رسالت بھیجا تھا شجاع الدولہ راہ پر آئے اور احمد شاہ سے موافق ہوگئے۔ ایک مورخ اس مقام پر لکھتا ہے کہ "اس کا باعث حافظ رحمت خان اور نواب احمد خان بنگش ہوے" یہ واقعہ ۱۱۷۳ہجری مطابق ماہ جولائی ۱۷۶۰ء مین واقع ہوا۔ باوصف اسکے کہ احمد شاہ سے موافقت ہوگئی لیکن شجاع الدولہ نے اس غرض سے خط وکتابت کا سلسلہ مرہٹون سے قائم رکھا کہ مصلحت کا مقتضا ہوگا تو صلح کی جائیگی اور علاوہ اسکے یہ بات اُنکی وہ مفید ذریعہ بھی تھی کہ مرہٹون اور احمد شاہ کے درمیان صلح کے پیک وپیام آتے جاتے تھے۔

عبد الصمد خان ملازم احمد شاہ درّانی اور قطب شاہ اور مومن خان وغیرہ ملازمان نواب سید سعد اللہ خان کو نجیب الدولہ نے چکلہ سرہند کے انتظام کے لیے مقرر کر دیا تھا تاکہ رسد جمع کر کے احمد شاہ کے لشکر مین پہونچاتے رہین یہ لوگ فوج مرہٹہ سے شکست پاکر کنجپورے مین جو دلّی سے شمالی وغربی جانب ۵۳[۱] کوس کے فاصلے پر واقع ہے پناہ گزین ہوے۔

احمد شاہ بارش کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور رہے مگر بڑے بڑے تنگ آگئے یہان تک کہ برسات ابتک نہ گذر چکی تھی کہ اُنھون نے چھاونی توڑی اور انوپ شہر سے دلّی کو راہی ہوے۔ مرأت آفتاب نما مین لکھا ہے کہ احمد شاہ نے نجیب الدولہ اور نواب احمد خان بنگش اور حافظ رحمت خان اور دوندے خان کو اپنے لشکر کا ہراول کیا۔ اور اُنکی مدد پر شجاع الدولہ کو رکھا اور جب اُنھون نے

[۱] مساکن فلسفی مین یون ہی ہے مگر فرح بخش مین سات میل کا فاصلہ بتایا ہے۔

یہ سنکر بھاؤ چیدہ چیدہ فوج لیکر کنجپورہ واقع ساحل جمنا کی طرف روانہ ہوا تو
شاہ نے بڑی شتابی سے کڑے کڑے کوچ کئے۔ نجابت خان زمیندار کنجپورہ
دربردہ مرہٹوں سے موافقت رکھتا تھا اُسنے عبدالصمد خان وغیرہ کو یہ صلاح
دی کہ وہ مرہٹوں سے میدان میں لڑیں اور آپ قلعہ کی محافظت میں مشغول رہا
پٹھان تھوڑے تھے مگر نجابت خان کے اغوا سے میدان میں نکل آئے اور
جنگ کی مرہٹوں کی کثرت تھی اسلئے پسپا ہوکر قلعہ کی جانب لوٹنے لگے
نجابت خان نے دروازہ بند کرلیا اور قلعہ پر سے اُنکو مارنے لگا آخرکار یہ مجبور ہوکر
پھر مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑکر مارے گئے احمد شاہ جب دہلی کے قریب
جمنا کے کنارے پہونچے تو اُسکو بڑی طغیانی پر پایا۔ اور پایاب کی جستجو اور تلاش
میں چلے گئے یہانتک کہ کنجپورہ کے محاذات پر جا پہونچے اور وہاں اس خبر کو
سُنکے نہایت آزردہ ہوئے کہ مرہٹوں نے کنجپورہ پر قبضہ کیا اور قلعہ بند
دُرّانیوں اور روہیلوں کو ٹھکانے لگا دیا غرضکہ احمد شاہ اس بےعزتی سے کہ گویا وہ اُنکے
سامنے واقع ہوئی ایسے بھڑکے کہ ۱۴ ربیع الاول ۱۱۷۴ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو
باغپت کے گھاٹ پر جو دلّی سے شمال و غربی جانب ۱۴ کوس کے فاصلے پر ہے ایسی راہ سے
جمنا پار ہوئے جو کہیں سے پایاب اور کہیں سے تیرنے کے قابل تھی اگرچہ اُنکے بہت سے ساتھی
اس دلیرانہ کام میں جان سے گئے مگر دشمنوں پر اُنکا ایسا رعب پڑا کہ وہ اُنکی رسائی سے باہر چلے جانے پر
مجبور ہوئے یہانتک کہ تمام توپخانہ بادشاہی بھی دلی سے اُٹھاکر پانی پت کو
چلے گئے اور وہاں پہونچکر لشکر کے آس پاس اُسکی حفظ و حراست کے لیے دمدمے
اور مورچے بنائے اور لڑائی کا سامان درست کیا اور ایک چوڑی گہری خندق سے

اُسکو گھیرا اور اپنے بھاری توپخانے کی حفظ وحمایت مین رکھا جس مین بقول مؤلف جمین شاہی ڈیڑھ ہزار توپین تھین۔

بھاؤ کی فوج مین تنخواہ دار سوار و پیادون کی تعداد ستر ہزار تھی جنمین سے نو ہزار اور بقولے بارہ ہزار باقاعدہ پیدل فوج ابراہیم خان گاردی کے زیرحکم تھی جسکے پاس چقماق دار بندوقین تھین اُسکی فوج قواعد دان ہونے کی وجہ سے اُس کالقب گاردی تھا یہ انگریزی لفظ ہے یہ شخص فرانسیسون کی ملازمت چھوڑکر چلا آیا تھا۔ اِس سردار کے اختیار مین منجملہ دوسو توپون کے بہت سی توپین ایسی تھین جنکے ذریعہ سے شہر اور قلعون کی فصیلین توڑی جاتی ہین۔ اور بہت سے بانون کے ذخیرے تھے جو مرہٹون کا بڑا پیارا ہتیار تھا اور لٹیرے سوار اور اُنکے ساتھی سوارون کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی۔ مگر کاشی راے شجاع الدولہ کا ملازم جوکئی بار مرہٹون کے لشکر مین خطوط لیکر گیا تھا ساری جمعیت کو پانچ لاکھ بتاتا ہے اور بعض کہتے ہین کہ بھاؤ کی فوج بہت سے ہمراہیون سمیت تین لاکھ کے قریب تھی۔

نواب سید فیض اللہ خان اور نواب سید سعد اللہ خان بادشاہ سے اجازت لیکر رام پور اور آنولے مین آگئے تھے اور یہان ساز و سامان کی درستی مین مصروف تھے جو ایک سال کے سفر مین ضائع ہوگیا تھا اور یہان سے یہ دونون رئیس حافظ رحمت خان اور دوندے خان وغیرہ کے اخراجات کی خبرگیری بھی کرتے تھے سامان کی درستی کے بعد جب یہ خبر آئی کہ مرہٹون سے مقابلہ شروع ہوگیا تو نواب سید سعد اللہ خان اور نواب سید فیض اللہ خان روہیلکھنڈ سے روانہ ہوے

نواب سید سعد اللہ خاں تو حسن پور پہونچکر علیل ہو گئے اِسلئے وہیں ٹھہر گئے اور
نواب سید فیض اللہ خان لمبے لمبے کوچ کر کے احمد شاہ کے لشکر میں داخل ہو گئے
اور شاہ کے حضور میں ندر پیش کر کے معام کیا اُسدن سے بادشاہ کی نظر عنایت اُنپر
زیادہ ہوگئی فرح بخش میں اِسی طرح لکھا ہے رام پور کے کتب خانے میں ایک قلمی نسخہ
ہے اُسیر احوال الاخیار کا نام لکھا ہوا ہے اُس میں احمد شاہ دُرّانی کی اس لڑائی
کے حالات ہیں اُس سے اور تاریخ مظفری اور سیر المتاخرین اور خزانۂ عامرہ سے
نواب سید سعد اللہ خاں کا اس لڑائی میں شریک ہونا پایا جاتا ہے لیکن معتبر قول
مؤلف فرح بخش کا ہے جو وہاں موجود تھا۔ روہیلہ سرداروں میں سے یہ لوگ بھی شاہ
کے لشکر میں موجود تھے۔ نجیب خاں نجیب الدولہ۔ حافظ رحمت خان دوندے خان
عبدالستار خاں۔ سید معصوم شیخ کبیر ملا حسن شاہ اشرف خان اور عنایت خاں ابن حافظ
رحمت خاں بھی دو سو جوانوں کے ساتھ طلب شاہ کے لشکر میں پہنچ گیا اور حافظ صاحب کی عزت
شاہ کا سلام حاصل ہوا۔ روہیلکھنڈ گزیٹیر میں لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں اُس زمانے میں بیمار تھے
اور دوسرے اپنی ماں کی موت کی وجہ سے بہت پریشان تھے اِسواسطے اُنھوں نے دوندے خاں اور
عنایت خان اپنے بیٹے کو روہیلوں کی فوج دیکر احمد شاہ ابدالی کے شریک ہونے
کو بھیجا تھا یہ بات صحیح نہیں حافظ رحمت خان شاہ کے ساتھ موجود تھے فرح بخش
کا مؤلف نواب سید فیض اللہ خاں کے ہمرکاب اِس معرکے میں شریک تھا وہ چشم دید
سب حال بیان کرتا ہے اُسنے حافظ صاحب کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ اور
مرأت آفتاب نما۔ سیر المتاخرین اور واقعات دُرّانی سے بھی اُنکی شرکت ثابت ہے
گلستان رحمت میں تو اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ میدان جنگ میں حافظ صاحب کو

اپنی والدہ کے انتقال کی خبر پہونچی تمام رئیس اُن کے پاس تعزیت کو آئے اور خودشاہ نے اپنے وزیر اعظم کو اپنی طرف سے تعزیت کے لیے بھیجا تیسرے روز اپنے پاس بلاکر اپنی زبان سے تعزیت کی رسم ادا کی اور تسلی کے کلمات ارشاد کیے۔ حافظ رحمت خان کو اِس صدمے سے بخار آگیا اور چوتھے روز سرسام کے عارضے مین مبتلا ہو گئے مگر پھر جلد آرام ہو گیا لیکن کمزوری باقی رہی۔ اِسلئے اُنھون نے اپنے لشکر کے مورچون کی نگرانی دوندے خان اور عنایت خان کے سپرد کردی اور کبھی افاقہ ہوجاتا تھا تو خود بھی سوار ہوکر دیکھ بھال کو چلے جاتے تھے۔

بخشی سردار خان اور فتح خان خانسامان کو ملک روہیلکھنڈ کے انتظام کے لیے چھوڑدیا گیا تھا اگر یہ دونون سردار یہان نہ رہ جاتے تو ایک پیسہ بھی یہان کے زمینداروں سے وصول نہوتا اور سرداران روہیلہ جو برس روز تک احمد شاہ کے لشکر مین رہے بھوکون مرنے لگتے اِسلیے یہ دونون سردار اِس جنگ مین شریک نہ تھے۔

دُرّانیون کے بیان سے احمد شاہ کی اُس فوج کی تعداد جو اٹک سے پار اُتر آئی تھی تریسٹھ ہزار قائم ہوتی ہے مگر نادر شاہ اور پچھلے وقتون مین زمان شاہ کی فوج سے مقابلہ کرنے اور ایشیا والون کی تقسیمات افواج کی غلطی تعداد سے یہ قیاس مین آتا ہے کہ وہ تعداد مبالغہ سے بیان کی گئی ہے علاوہ اسکے بہت سی تخفیف اُن قلعہ بندگروہون کے نہونے سے اصل افغانی فوج مین واقع ہوئی ہوگی جنکو پنجاب وغیرہ پر احمد شاہ چھوڑکر آئے تھے اور کسی قدر لڑائیون مین مارے جانے اور گرمی برسات مین مرنے سے بھی فوج مین کمی پڑی ہوگی۔

غرضکہ قیاس میں یہ آتا ہے کہ احمد شاہ کی فوج کے چالیس ہزار سے زیادہ پٹھان
جو اس حملہ میں شریک و شامل تھے قرار دیے جائیں چنانچہ گل رحمت میں بھی لکھا ہے
کہ احمد شاہ کی ابدالی فوج تیس ہزار سوار تھی اور تیس ہزار پیادہ و سوار سرداران
روہیلکھنڈ کے تھے اور پندرہ ہزار فوج نجیب الدولہ کے ساتھ تھی اور آٹھ ہزار سپاہ
شجاع الدولہ کے ہمراہ تھی اور پانچ یا چھ ہزار فوج احمد خاں بنگش کے ہمراہ تھی
ان میں سے روہیلے پٹھانوں کی فوج بڑے کام کی تھی مگر پیادوں کی فوج کا بڑا حصہ
عام ہندوستانیوں سے مرکب تھا عماد السعادت میں جو لکھا ہے کہ شجاع الدولہ
کے ساتھ تیس ہزار سوار اور دس ہزار پیادے تھے یہ تعداد مبالغہ آمیز ہے بلکہ
کاسی راے تو کہتا ہے کہ شجاع الدولہ کے پاس دو ہزار پیادے اور دو ہزار سوار تھے
اور اُسی کا بیان ہے کہ دُرانی خاص اپنی چالیس توپیں رکھتے تھے مگر دُرانیوں کے
بیان کے خلاف اور قیاس سے بعید ہے محققین کی رائے یہ ہے کہ احمد شاہ کی
فوج میں تیس توپوں کے قریب قریب تھیں جو مختلف المقدار گولوں سے بھری جاتی
تھیں جن میں سے اکثر ہندوستانی رفیقوں کی تھیں۔ علاوہ اُسکے چند توپیں
فصیل شکن بھی تھیں۔

چونکہ احمد شاہ کی فوج تعداد کثرت میں قلیل تھی اسلیے دشمن کی فوج پر
حملہ نہ کر سکتی تھی چنانچہ اُنھوں نے پڑاؤ ڈالا اور فوج کے چاروں طرف
خندق کھدوائی اور جبکہ عام لڑائی کا واقع ہونا اس طرح ملتوی رہا تو بھاؤ کی
اُمیدوں کی صورت معقول طرح سے نہ بندھی چنانچہ اُسے گوبند راے بندیلے کو

---

۵۱ دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آروِن صاحب ۱۲ ۵۲ دیکھو گل رحمت ۱۲

یہ حکم دیا کہ جمنا کے نیچے کی دھار پر جو فوج اُس سے فراہم ہوسکے فراہم کرے غرضکہ وہ سردار دس بارہ ہزار سوار اپنے ہمراہ لیکر دُرّانیون کے پیچھے سے پہونچا مگر احمد شاہ کی فوج سے دُور دُور اسلئے رہا کہ آفتون سے محفوظ و مامون رہے اور مرہٹون کی مانند ایسی طرح ملک مین پھیلا کہ تمام رسدون کو روکنا شروع کیا اور گمان غالب ہے کہ بھاؤ نے اور بھی گروہ اپنے سوارون کے بھیجکر مسلمانون کی طرف رسد پہونچنے سے روکنے کا انتظام کیا ہوگا اسلئے کہ بہت عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ مسلمانون کا لشکر رسدون کی کمی کوتاہی سے نہایت تکلیفین اُٹھانے لگا۔ اگرچہ دُرّانی ایسی لوٹ مار کی لڑائی کے عادی نہ تھے جیسی مرہٹون کی دوڑ دھوپ سے پیش ہوتی تھی مگر اُنھون نے اِس نقصان کو اپنی فوج کے ٹکڑون کے کوچ و مقام سے پورا کیا۔

خزانۂ عامرہ اور سیر المتاخرین مین لکھا ہے کہ ۲۸۔ ربیع الثانی ۱۱۷۴ہجری کو احمد شاہ نے مرہٹون کے توپخانے پر حملہ کیا۔ جہان خان اور شاہ پسند خان اور نجیب الدولہ کو ہراول لشکر مقرر کیا انکے پیچھے شجاع الدولہ احمد خان بنگش حافظ رحمت خان۔ دوندے خان اور نواب سید فیض اللہ خان کو مقرر کیا۔ اور اُنکے عقب مین احمد شاہ ابدالی خود مع وزیر کے رہے۔ مرہٹے مقابلے کو نکلے اور ایک بان کی زد کے فاصلے سے کھڑے ہوے اور لڑائی ہونے لگی۔ ظہر کے وقت سے لڑائی شروع ہوئی تھوڑا دن باقی رہتے نجیب الدولہ کے ہمراہی بندوقین مارتے ہوے مرہٹون کے مورچون مین گھس گئے۔ بلونت راؤ بھاؤ کا سالا مارا گیا۔ آج ہی لڑائی کا فیصلہ ہوجاتا۔ رات کے حائل ہوجانے سے لڑائی ختم ہوگئی اور

رو سے پہلے چیرہ دستی کرکے مرہٹوں کے لشکر میں سے نکلکر اپنے لشکر میں داخل ہوگئے واقعات دُرّانی میں لکھا ہے کہ نجیب الدولہ کے چھ ہزار سپاہی اس لڑائی میں کام آئے مگر یہ تعداد مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے۔

نواب احمد خان بنگش کے پاس چھ ہزار جوان تھے اور اُن کا توپخانہ ابراہیم خان گاردی کے توپخانے کے مقابل تھا ایک رات تاریکی شب میں ابراہیم خاں نے یہ دیکھکر کہ نواب احمد خاں کے زیر حکم فوج کم ہے یہ حکم دیا کہ ہم اُس پر شبخون ماریںگے تھوڑی رات باقی رہے اسنے نواب احمد خاں کے مورچے پر یک بیک آ ٹرنے کی کوشش کی لیکن نواب احمد خان کی سب توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور بعض بعض پر چادریں بھی تھیں۔ چونکہ موسم جاڑے کا تھا جا بجا الاؤ لگے تھے اور اُس پر متعلقین لشکر تاپ رہے تھے اُنھوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آہٹ سُنکر ایک دوسرے سے کہا کہ مرہٹے ہم پر آتے ہیں یہ کہکر اور پھوٹے ٹھیکرے میں الاؤ میں سے آگ نکالکر توپوں کے پیالوں میں ڈالدی اور سب توپیں یکبارگی چل گئیں بہت سے دشمن ہلاک ہوے اور باقی بھاگ کھڑے ہوے۔

نواب سید فیض اللہ خان کے مورچے میں اُنکے سردار رضی خان عرف روری خان آکزئی کے رسالے کا مورچہ خاص مشرق نواب صاحب کے تمام افسران کے مورچوں سے آگے تھا ایک روز نواب سید فیض اللہ خان نے رضی خان سے کہا کہ تمھارا مورچہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے اور مرہٹوں کے شب خون مارنے کی خبر ہے مبادا کہ اس شبخون میں تمھارے مورچے والے پسپا ہو جائیں اور بادشاہ کے سامنے اس کا تہتک ہو۔ رضی خاں نے جواب دیا کہ میرے بھائی بند

اور سپاہی بہت ہوشیار رہتے ہین اگر ایسا اتفاق ہوگا تو میرا گھوڑا رات بھر تیار رہتا ہے مین خود بھی اُس وقت جا کر اُن کا شریک ہوجاؤنگا"۔ نواب صاحب کے جتنے بڑے بڑے افسر تھے وہ سب رات کے وقت نواب صاحب کے خیمے مین اُنکے پلنگ کے پاس سوتے تھے ایک روز اخیر شب کو ابراہیم خان گاردی کا بھائی فتح خان فوج اور توپخانہ لیکر شب خون مارنے کے ارادے سے لشکر احمد شاہ کی طرف آیا اور روہیلون کے مورچون پر آپڑا سب سے پہلے رضی خان کے مورچے پر لڑائی شروع ہوئی رضی خان بھی نواب سید فیض اللہ خان کے خیمے سے نکلکر اپنے مورچے مین پہونچ گئے اور احمد شاہ بھی اس شب خون کا حال سُنکر اپنے خیمے سے باہر تشریف لے آئے اور مہتابین روشن ہوگئین۔ اس شب خون مین تین سو مرہٹے مارے گئے اور اُنکی چند توپین چھوٹ گئین اور فتح خان بھاگ گیا اور ستر آدمیون کے قریب رسالہ رضی خان کے سپاہی کام آئے اور وہ خود بھی زخمی ہوے لڑائی سے فارغ ہوکر جب نواب سید فیض اللہ خان رام پور واپس آئے اور رضی خان بھی اُن زخمون سے صحت پاچکے تو نواب صاحب نے اس صلے مین خلعت دیا جسمین ایک نارنجی دوشالہ اور کمخواب کا ایک انگرکھا تھا اور ایک ملک موضع پتھر کھیڑہ مین عنایت کی[۱]

اُسی زمانے مین احمد شاہ ابدالی کو خبر ملی کہ گووند پنڈت دس ہزار سوارون کے ساتھ بہت سا خزانہ اور رسد اور غلہ ہمراہ لیے ہوے جمنا کے اُس پار شاہ درے پر

---

[۱] زبانی حکیم محمد اعظم خان مؤلف اکسیر اعظم و قرابا دین اعظم و محیط اعظم وغیرہ ابن حکیم شاہ اعظم خان ابن رضی خان ۱۲

محاذی دہلی کے پہونچا ہے اور اُس کا ارادہ ہے کہ کچھ دیر کے مقام پر جمنا کو
عبور کرکے بھاؤ کے لشکر میں داخل ہو جائے احمد شاہ نے پانچ ہزار سوار اپنے لشکر
کے اور پانچ سو سوار رسالہ عنایت خاں ابن حافظ رحمت خاں کے رہبری کے لیے
اُسکے ساتھ مقرر کرکے اپنے وزیر اعظم کے بھتیجے عطائی خان اور ایک دوسرے سردار
کریم داد خاں نامی کے زیر حکومت گوبند پنڈت کی تباہی کے لیے روانہ کیے یہ دونوں
سردار اُن سواروں کو لیکر شاہ کے لشکر سے ڈیڑھ پہر دن رہے غازی الدین نگر
کو روانہ ہوئے جو وہاں سے چالیس کوس پر تھا رات بھر کی منزل مار کر سورج کے
نکاس پر گوبند راے کی فوج کو یکایک جا دبایا۔ اور اُسکو تہ تیغ کر ڈالا یہاں تک
کہ خود گوبند راے مارا گیا دوسرے دن پہر دن رہے لشکر میں عطائی خان
واپس آگیا۔

احمد شاہ نے جہان خاں کو چھ ہزار سوار دیکر حکم دیا کہ مرہٹوں کی رسدوں کو
گرفتار کرے اور شاہ پسند خاں کو چھ ہزار سوار دیکر حکم دیا کہ مرہٹوں کے گرد و پیش
کے دیہاتوں کو پندرہ پندرہ کوس تک برباد کر دے تاکہ مرہٹوں کے لشکر میں
رسد وہاں سے نہ پہونچ سکے اور بہادر خاں کو چھ ہزار سوار دیکر حکم دیا کہ مرہٹوں کی
نگرانی کرے کہ خندق سے باہر نہ نکل سکیں۔ ان سواروں سے اور اُن مرہٹوں سے
جو رسد لانے کے لیے نکلتے تھے کئی بار معاملہ ہوا اور مرہٹے زخمی و خستہ ہو کر خندق
کے اندر گھس گئے اور آخر کار اُن کا خندق سے نکلنا بہت کم ہو گیا اور پھر شاہ نے
یہ حکم جاری کر دیا کہ جو مرہٹے کا سر کاٹ کر لائے گا پانچ روپے انعام کے پائے گا
اس کا یہ اثر ہوا کہ چار پانسو کے قریب روزانہ اُنکے سر آنے لگے جب کمی پڑنے لگی

توفی سر دس روپے مقرر کر دیے یہانتک کہ جب مرہٹون نے خندق سے باہر نکلنا چھوڑ دیا توفی سر ایک اشرفی مقرر کر دی۔

جبکہ درّانیون کو کھلے میدان پر قبضہ حاصل ہوا تو بھاؤ اپنی دشواری و پریشانی کو بہت جلد معلوم کرنے لگا۔ مرہٹون کے لشکر مین رسد پہونچنے کے سارے ذریعے مسدود ہو گئے اور جبکہ اُنھون نے پانی پت کو کھا پی کر صاف کیا جو اُنکے لشکر مین واقع ہوا تھا تو غلے کے نہونے سے بڑے بڑے صدمے اُٹھائے جبکہ حال ایسی نوبت کو پہونچا تو منجملہ دونون فریق کے کوئی فریق اُس نازک وقت کے ظہور و وقوع مین سعی و کوشش کرنے سے قاصر نہ تھا جسمین پورا فیصلہ ہو جائے چنانچہ دونون فوجون کی کچھ کچھ چھیڑ چھاڑ آپس مین جاری تھی مرہٹون نے درّانیون پر تین بھاری دھاوے کیے۔ اور رسد کی بار برداریان اس بات پر ہمیشہ آمادہ تھین کہ مرہٹون کے لشکر مین داخل ہون چنانچہ اُن مین سے ایک بار برداری جو دلی سے خزانہ بھر کر لائی تھی پٹھانون کے ہاتھون مین پڑی لیکن باقی بار برداریون کو آلا سنگھ جاٹ اور سورج مل اور راجپوت سرداروں نے خفیہ خفیہ مرہٹون کے لشکر مین پہونچا دیا اور جن دشواریون کو بھاؤ اُٹھائے جاتا تھا اُنکی وسعت اور ترقی روز افزون کا حال اُسکے دشمنون پر مخفی و مستور نہ تھا ہان ان دشواریون مین احمد شاہ کے ہندوستانی رفیق ایسے مضطر ہو گئے کہ احمد شاہ کو منتون کے مارے تنگ کیا اور ایک تصفیہ کی لڑائی کے ذریعہ سے تکلیفون کا اختتام اور آفتون کا انقطاع چاہا لیکن احمد شاہ کا یہ جواب تھا کہ "یہ لڑائی کا مقدمہ ہے تم لوگ اُسکے اونچ اور نیچ سے واقف نہین ہو۔ باقی معاملون مین تم لوگون کو اختیار حاصل ہے

مگر اس جائے کو میری مرضی پر چھوڑ دو۔"

کھائی کے سامنے ایک لال ڈیرا احمد شاہ نے کھڑا کرایا تھا جس میں سورج کے نکاس پر اشراق کی نماز پڑھتے تھے اور شام کو کھانا کھاتے تھے اور دن بھر گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کے پہروں کو مختلف مقاموں میں دیکھتے بھالتے اور دشمن کو چھیڑتے چھاڑتے رہتے تھے اور کبھی کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا تھا کہ پچاس ساٹھ میل سے کم سوار ہو کر نہ پھرتے تھے اور رات کو اُن کا یہ کام تھا کہ پانچ ہزار سواروں کا گشت دشمن کی جانب کو جہاں تک قرب اُس کا ممکن ہوتا قائم کرتے تھے اور سارے لشکر کی گشت اور تفریق کرتے تھے۔ ہندوستانی سرداروں کو آرام کی اجازت دیتے تھے اور بلا تکلف یہ کہتے تھے کہ آپ صاحب کمال اطمینان سے بیٹھے رہیں کہ کوئی آفت تم کو نہ پہونچے گی۔

اُس زمانے میں خرابی دپریشانی کے ہجوم و کثرت سے بھاؤ اسقدر تنگ ہو گیا تھا کہ اُسے جیدنار کاشی رائے کی معرفت شجاع الدولہ سے یہ چاہا کہ اُسکی دُرّانیوں سے صلح کرا دیں اور جبکہ اُسکی درخواست احمد شاہ کو سُنائی گئی تو اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ میں صرف مدد و معاون ہوں رائے دینا میرا کام نہیں یہاں لڑائی پر قابو رکھتا ہوں اُسمیں دوسرے کا دخل نہیں۔ ہندوستانی سرداروں کو اختیار حاصل ہے کہ وہ دشمن سے اپنی مرضی کے موافق خط و کتابت جاری کریں۔"

چنانچہ بہت سے ہندوستانی سردار صلح پر مائل ہوئے اور شجاع الدولہ نے بھی صلح ہی کو نہایت پسند کیا مگر نجیب الدولہ نے ہرگز نہ مانا اور صلح کی درخواستوں کا ہمیشہ مقابلہ کیے گئے اور اُس بربادی کو باقی لوگوں کے دلوں پر جمانے میں

کامیاب ہوے جو احمد شاہ کے ایسی صورت مین چلے جانے پر پیش آنے والی تھی
کہ مرہٹون کی قوت کمال کو پہونچ گئی تھی۔

اب یہ سوچنا دشوار ہے کہ مرہٹون کے بڑے بھاری گروہ کی اُسوقت مین
کیا حالت ہوگی جبکہ وہ حصار کی سخت عفونت مین مرغیون کے مانند ایک کھانچے
کے اندر محصور تھے اور مرے ہوے اور مرنے والے جانوردن اور بھوکی پیاسی بیگناہ
بھیڑ مین پڑے تھے اور اُن خرابیون کی تکمیل کے خوف سے مرنا چاہتے تھے
جنکو وہ ابھی اُٹھا رہے تھے اور جبکہ نہایت تنگ آگئے تو چرکٹون کے ایک گروہ
کو بہت سے ہمراہیون سمیت رسد لانے کی غرض سے روانہ کیا لیکن اس گروہ کو
پٹھانون نے دیکھ پایا۔ چنانچہ بہت سے لوگ اُسکے مارے گئے۔

بعد اسکے سردار اور سپاہی جمع ہوے اور بھاؤ کے ڈیرے کے گرد کھڑے ہوکر
کہا کہ "اب کھانے پینے کو باقی نہین رہا جو کچھ گدام تھا وہ صرف ہوگیا بھوکون
مرنے سے لڑائی کی جوکھون اُٹھانی آسان ہے" بھاؤ نے اتفاق کیا اور سب نے
پان کھا کر مرنے تک لڑنے کی قسم کھائی بعد اسکے ساری فوج کو حکم سنایا گیا کہ
کل سورج کے نکاس سے پہلے پہلے دھاوا ہوگا بھاؤ نے عین وقت پر شجاع الدولہ
کے کارندے کاشی راے کو خاص اپنے ہاتھ سے یہ لکھکر بھیجا کہ "اب کنارون تک
پیالہ لبریز ہوگیا اور ایک بوند کی گنجائش باقی نہین رہی اگر کچھ بن پڑے
تو اب کرنا مناسب ہے ورنہ صاف جواب دینا چاہیے بعد اسکے لکھنے پڑھنے کا
وقت ہوچکا" کاشی راے اُس رقعہ کے مضمون کو پچھلی رات مین اپنے آقا
شجاع الدولہ کو سُنا رہا تھا کہ کاشی راے کے جاسوس یہ خبر لائے کہ مرہٹے

مسلح ہورہے ہیں شجاع الدولہ فی الفور احمد شاہ کے ڈیرے پر گئے اور جو کی پہرے والوں سے کہا کہ بادشاہ کو جگانا چاہیے۔ احمد شاہ اندر سے ہتیار لگائے باہر نکلے جو پہلے ہی سے تیار بیٹھے تھے چنانچہ اُس گھوڑے پر سوار ہوکر جو ہمیشہ اُنکے دروازے پر تیار کھڑا رہتا تھا فوج مخالف کی جانب کو چلے اور اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم سنایا۔ جو بات پہلے پہل اُنھوں نے کی وہ یہ تھی کہ کاشی راے کو بلایا اور اس خبر کے مخبر کی نسبت سوال و جواب کرنے لگے اور یہ تحقیق اُنھوں نے اُس وقت کی تھی کہ وہ آگے بڑھتے جاتے تھے یہانتک کہ لشکر سے ایک میل کے قریب اُن سے کئی دُرانی سلے جو غنیمت لادے لاتے تھے اور اُنھوں نے یہ عرض کیا کہ بادشاہ کے اقبال سے مرہٹے بھاگ گئے احمد شاہ نے یہ خبر سُنکر کاشی راے سے خطاب کیا کہ "اب جواب اسکا کیا ہے"۔ مگر گفتگو کے درمیان ہی میں مرہٹوں نے توپوں کی مار مارنے اپنے آنے کی خبر احمد شاہ کے کانوں میں پہونچائی۔ احمد شاہ اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہوے حقہ پیتے تھے کہ توپوں کی آواز سے چوکنا ہوکر حقہ دور کردیا اور بڑے اطمینان اور متانت سے شجاع الدولہ سے یہ فرمایا کہ "تمھارے ملازم کی خبر کو سچا پاتا ہوں" بعد اسکے فوج کو جلد آگے بڑھنے کا حکم سنایا۔ اور جبکہ صبح کھلنے لگی اور کچھ کچھ چیزیں نظر آنے لگیں تو مرہٹوں کی قطاروں کو ٹہر ٹہر کتے ہوے آہستہ آہستہ حسب قاعدہ اپنے بڑھتے دیکھا کہ توپخانہ آگے آگے چلا آتا ہے احمد شاہ نے اُنکے مقابلے پر فوج کو آراستہ کیا اور نواب سید فیض اللہ خان۔ دوندے خان اور عنایت خاں خلف حافظ رحمت خان وغیرہ کی فوجوں کو اپنی فوج کے داہنے بازو پر رکھا۔

اور نواب احمد خان بنگش کو یہ حکم دیا کہ چونکہ تمھاری فوج کم ہے لہذا تم عورتون کی
حفاظت کرو احمد خان نے غصے مین آکر جواب دیا کہ یہ کام محلیون کا ہے میرا
کام میدان مین لڑنے کا ہے تب شاہ نے اُن کو داہنے بازو کی طرف بھیجا
اور آپ لال ڈیرے مین جا بیٹھے جو اب فوج کے پیچھے رہ گیا تھا۔
مسلمانون نے توپون سے بہت کچھ کام نہ لیا اور جبکہ مرہٹون کی توپین بہت
قریب آگئین تو اُن کے گولے مسلمانون پر گذرنے لگے۔ ابراہیم خان گاردی
نے لڑائی کو شروع کیا جس نے بھاؤ کے پاس آکر یہ عرض کیا تھا کہ آپ
اکثر اِس بات پر ناراض ہوتے تھے کہ مین اپنے سپاہیون کی برابر تنخواہ
دلانے مین ہمیشہ جھگڑتا تھا اب آپ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ تنخواہ آپ سے
بے فائدہ نہین لی گئی بعد اسکے اُس نے ایک نشان سنبھالا اور اپنے
سپاہیون کو گولیان مارنے سے روکا اور سانگینون سے لڑنے کا حکم دیا چنانچہ
وہ روہیلون پر ٹوٹے جن کے قاعدہ دان نہونے سے اُنکی دلیری و دلاوری
نے خود اُنھین کو ضرر پہونچایا اور ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ قتل عظیم
کے بعد اُنکی صف ٹوٹ گئی اور بعضے روہیلے بھاگنے لگے حافظ رحمت خان
اِس جنگ مین علالت کی وجہ سے شریک نہ ہوسے تھے ان روہیلون کے
پیچھے احمد خان بنگش تھے یہ بھاگے ہوسے روہیلے اُن کی طرف پہونچے
احمد خان نے لعن وطعن کر کے اُن کو روک لیا اور نواب احمد خان بنگش نے
داروغہ مشرف خان کو احمد شاہ کے پاس بطلب مدد بھیجا جب قاصد پہونچا
تو شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ نے کہا کہ احمد خان کے مقابل کچھ دشمن کی فوج

زیادہ نہیں ہے بلکہ عنایت خان ولد حافظ رحمت خاں کے مقابل دشمن کی بہت فوج ہے اس لیے احمد خاں کو کوئی ضرورت کمک کی نہیں ہے البتہ عنایت خاں کو زیادہ کمک کی حاجت ہے۔ احمد خاں بنگش تمام اپنی سپاہ اور روہیلوں کو جمع کر کے اپنے ساتھ لیکر خود بھی عنایت خاں کی مدد کو آگے بڑھے۔ عنایت خان نے اُسکے پہونچنے سے پیشتر ہی نہایت جوانمردی کے ساتھ ابراہیم خاں پر حملہ کر دیا تھا جس سے ابراہیم خان زخمی ہوا۔ مگر اسی ہزار کے قریب مرہٹے اُسکی کمک کو آ گئے جس سے مخالف غالب رہے اور بہت سے روہیلے مارے گئے اور باقی پیچھے کو ہٹنے لگے اور پریشان ہو گئے لیکن عنایت خاں اور نواب سید فیض اللہ خان اور دوندے خاں اور شیخ کبیر اور سید معصوم وغیرہ سردار اپنی اپنی جگہ قائم رہے یکایک اس مصیبت کے وقت میں احمد خاں بنگش اپنی فوج اور روہیلوں کے ساتھ جو بھاگ رہے تھے اور جن کو احمد خاں نے جمع کر لیا تھا مدد کو پہونچ گئے جس سے لڑائی سنبھل گئی۔ روہیلوں کی صفوں کے ٹوٹنے اور اُنکے بھاگنے کی خبر حافظ رحمت خاں کو جو سرداروں نے پہونچا دی تھی۔ اسلیے وہ بذات خاص پالکی میں سوار ہو کر چار ہزار سپاہ کے ساتھ میدان جنگ کو روانہ ہوئے جو ڈیروں سے دو کوس کے فاصلے پر تھا روہیلوں کے شکست کھانے سے وزیر اعظم کا داہنا بازو کھل گیا تھا جو دُرّانی فوج کے قلب پر حکمرانی کرتے تھے اور بھاؤ اور بسواس راؤ نے بارہ فوج سے حملہ کیا تھا اس حملے میں وزیر کا برادر زادہ عطائی خاں اُسکے برابر مارا گیا اور دُرّانیوں کے پاؤں اُکھڑنے لگے وزیر اپنے گھوڑے سے اُترے اور چند ہمراہی دُرّانیوں سمیت اپنی جگہ پر قائم رہے

اور مرنے کا ارادہ کیا۔ وزیر کے پیچھے شجاع الدولہ کھڑے تھے مگر دھول کے
اُڑنے سے کچھ محسوس نہ ہوتا تھا کہ کیا معاملہ واقع ہو رہا ہے اور جبکہ شجاع الدولہ
نے وزیر اعظم کے آدمیون کی بولی اور اُن کے گھوڑون کے ہنہنانے کو
یکایک تھوڑے ہوتے پایا تو کاشی راے کو تفتیش و تفحّص کے لیے آگے کو بھیجا
چنانچہ کاشی راے نے وزیر اعظم کو زرہ بکتر پہنے پا پیادہ اور نہایت غضبناک
پایا کہ وہ اپنے لوگون کو اُنکے بھاگ جانے پر بُرا بھلا کہہ رہے ہین۔ اور
اُن کو صفون پر لانے مین مصروف ہین۔ جبکہ اُن کی نظر کاشی راے پر پڑی
تو اُنھون نے اُس سے یہ بات کہی کہ تو شجاع الدولہ کی خدمت مین پہونچکر
بہت جلد یہ بات کہہ کہ اگر شجاع الدولہ ہماری مدد اِس وقت نکرینگے تو مین
جان سے مارا جاؤنگا۔ مگر شجاع الدولہ لڑائی مین شریک اُن کے نہوے۔
یہ معاملہ احمد شاہ پر مخفی نہ تھا وہ تیز نظر عقل کی دوربین لگائے دیکھ رہے
تھے اور جہان موقع دیکھتے تھے ویسی مدد وہان پہونچاتے تھے۔ چنانچہ
وہ فالتو فوج جو اُنھون نے منگائی تھی وزیر اعظم کی بربادی اور تباہی کی
روک تھام کے لیے عین وقت پر پہونچی اور اب لڑائی جم کر ہونے لگی۔ مگر
باوصف اِسکے اب بھی مرہٹون کا پلہ بھاری تھا۔ یہان تک کہ احمد شاہ نے
اپنے بھگوڑون کو گھیر گھار کر جمع کیا اور اُن مین سے جنھون نے لڑنے سے
انکار کیا اُنکے قتل کا حکم سُنایا بعد اِسکے خاص اپنی صف کو آگے بڑھنے کا
حکم دیا اور جب ہی یہ ہدایت کی کہ ہماری فوج کا ایک ٹکڑا ہمارے بائین
بازو والا گھوم کر نکلے اور دشمن کے بازو پر ٹوٹ پڑے یہ تدبیر اُنکی بہت

راس آئی اسلیے کہ اگرچہ عین قلب لشکر مین بڑے زور و شور سے لڑائی ہو رہی تھی جہان بھاؤ اور بسواس رائے گھوڑون پر سوار کھڑے تھے اور فریقین کے سپاہی تیرون اور تبرون اور تلوارون بلکہ بڑے بڑے کھانڈون سے لڑتے بھڑتے اور مارتے مرتے تھے مگر یک لخت ایسا اتفاق ہوا کہ گویا کسی سحر و طلسم کے زور سے سارے مرہٹے بھاگ نکلے اور لڑائی کے کھیت کو کشتون کے پشتون سے معمور چھوڑ گئے - حافظ رحمت خان کو راستے مین مرہٹوں کی فراری کی خبر ملی جھٹ سے میدان جنگ مین پہونچکر اپنے بیٹے اور سردار ملا کو زندہ پایا - دُرّانیوں اور روہیلون نے بڑے جوش و خروش سے بھگوڑون کا پیچھا کیا اور کسی کو پناہ نہ دی اور اسی باعث ایسا بھاری قتل پڑا کہ حد قیاس سے خارج ہے چنانچہ ہر جانب کو پندرہ پندرہ بیس بیس میل تک تعاقب کیا گیا ادھر نظر کرتے تھے تو مرہٹوں کی لاشین ہی نظر آتی تھین - اور جو مرہٹے تیر در سدون کی مار سے بچے رہے وہ دہاتیون کے ہاتھ سے مارے گئے اور جو دُرّانیون اور روہیلوں کے پالے پڑے وہ نہایت بیرحمی سے قتل ہوے بلکہ نجیب الدولہ کی ترغیب سے جنکو بیدہیا کی بڑی ڈھونڈ بھال کرائی گئی جسکو ایک دُرّانی سردار نے چھپا رکھا تھا اور گرفتاری کے اندیشے سے اُسکو بھگا دیا تھا - ابراہیم خان گاردی شجاع الدولہ کی دار و گیر مین مقید تھا جسکو حوالے کرنے پر اُن کو نجیب الدولہ نے مجبور کیا اور لعنت ملامت کے لیے اپنے سامنے بُلایا بعد اسکے وزیر اعظم کی سپردگی میں رکھا گیا جہاں زخمون کی تکلیف سے ایک ہفتے کے اندر اندر مر گیا بسواس راے کی لاش پائی گئی اور ایک میر کے

دھڑ پر بھاؤ کی لاش کا یقین کیا گیا مقتولون کی کل تعداد دو لاکھ کے قریب بیان کی گئی ہے۔ بڑے بڑے مرہٹے سردار اُن سردارون کے سوا کام آئے یا زخمی ہو گئے جو تھوڑی سی فوج کی حکومت پر دلّی مین چھوڑے گئے تھے۔ مہاجی (مادھوجی) سیندھیا مشہور بہ پٹیل جو بعد اسکے ایک بڑی ریاست کا بانی ہوا عمر بھر کے لیے لنگڑا ہو گیا۔ اور نانا پھڑنویس جسنے پیشوا کی حکومت کو ایک مدّت تک پائے سے گرنے نہ دیا ہزار دشواری سے جان بچا لیگیا اور ملہار راؤ ہلکر جس کا مورچہ نجیب الدولہ کے مورچے کے مقابل تھا نجیب الدولہ کے اغماض کی وجہ سے جس کے ساتھ اُنکی موافقت تھی اپنے سب ہمراہیون کے ساتھ نکلکر کرنال کی طرف چلا گیا کیونکہ اُس سے اور نجیب الدولہ سے یہ عہد و پیمان ہو چکا تھا کہ اگر فتح مرہٹون کو حاصل ہوگی تو نجیب الدولہ کے حال سے تعرض نہ کیا جائیگا اور اگر مسلمانون کو فتح ہوگی تو ملہار راؤ سے تعرض نہوگا۔ اس لڑائی مین عنایت خان اور دوندے خان نے بڑی جوانمردی دکھائی تھی یہ جنگ عظیم ۷ جنوری[91] سنہ ۱۷۶۱ء مطابق ۶ جمادی الاخری[92] سنہ ۱۱۷۴ ہجری کو بدھ کے دن واقع ہوئی تھی ؎

گیارہ سو چوہتّر مین ایک بدھ پڑا سجے بار ا
چھٹی جمادی الثانی کو شہ جیتا بھاؤ ہا را

علاوہ سرداران اور نوابون کے مسلمان رسالہ دارون اور جماعہ دارون اور دفعدارون مین سے کوئی متنفس ایسا باقی نہ رہا کہ کئی ہاتھی اور گھوڑے اور خچّر اُسکے ہاتھ نہ لگے عورتین اور بچّے اتنے بے شمار قید ہوے کہ مؤلف فرح بخش

---

۹۱ دیکھو تاریخ فرخ آباد مولفہ آروِن ۱۲ ۹۲ دیکھو سیر المتاخرین ۱۲

کہتا ہے کہ مجھے اُس ہنگامے کا خیال کرتے ہوئے دل کے رونگٹے کھڑے
ہوتے ہیں۔ رتھ اور چھکڑے اور پالکی نہ احمد شاہ کی طرف کے لشکر میں تھی کیونکہ
عورتیں جس قدر تھیں وہ کجاووں میں بیٹھتی تھیں اور نہ مرہٹوں کی طرف اسلئے
کہ اُن کی عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں۔ اس معرکے میں گھوڑے ہاتھی
اور خچر بھی اتنے مارے گئے کہ جانور اُنکے گوشت نہیں کھا سکتے تھے مرہٹوں
کے لشکر میں سوائے کھانے کے سامان کے اور ہر قسم کا اسباب موجود تھا خیمے
اور بازار مالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مرہٹوں کے گھوڑے دانے گھاس
کے نہ ملنے سے بالکل بیکار ہو رہے تھے چلنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔
جام جہان نما میں بیان کیا ہے کہ علاوہ زر و جواہر کے پچاس ہزار گھوڑے
دو لاکھ گائیں۔ اور کئی ہزار اونٹ اور پانسو فیل مرہٹوں کے کیمپ میں سے
ہاتھ آئے بیس ہزار مرہٹے جاٹوں اور راجپوتوں کے ملک میں مدت تک
برہنہ بھیک مانگتے پھرے آخر کار سورج مل جاٹ نے ہر ایک کو ایک کمبل
اور دو روپیے دے کر دکن کو روانہ کر دیا۔ اور دوسرے راجپوت سرداروں
نے بھی یہی سلوک کیا اور بارہ ہزار مرہٹوں کو شجاع الدولہ نے دو دو روپیے
دلا دیے جو کالپی کی طرف چلے گئے۔ مرہٹوں کو ایسی بھاری شکست کبھی واقع
نہیں ہوئی تھی جس سے بڑی افسردگی پژمردگی اُن میں پھیلی اور سارے مرہٹوں
پر مایوسی و غمگینی چھا گئی۔

بعد اس فتح کے احمد شاہ دلی کو گئے اور نواب سید فیض اللہ خاں حافظ
رحمت خان اور دوندے خان وغیرہ بھی شاہ کے ہمراہ دلی کو گئے

احمد شاہ کچھ دنون یہان رہے سلطنت ہند شاہ عالم کے لیے مقرر کی اور شجاع الدولہ کو وزیر بنایا۔ اور نجیب الدولہ کے لیے امیر الامرائی مقرر کی اور دونون سے سفارش کی کہ آپس مین صلح اور موافقت رکھین اور نجیب الدولہ کو حکم دیا کہ دہلی مین رہین اور جب تک شاہ عالم واپس نہون مرزا جوان بخت کو اُن کا نائب سمجھین۔

اور بعض کہتے ہین کہ نجیب الدولہ کو وزیر اعظم مقرر کیا اور حافظ رحمت خان کو اپنی جانب سے بادشاہ کے پاس وکیل مطلق یا مختار کل مقرر فرمایا۔ اور نواب احمد خان والی فرخ آباد کو منصب بخشی گری پر ممتاز کیا اور عنایت خان کو خطاب نوابی عطا کیا بلکہ بقول مؤلف گلستان رحمت ہفت ہزاری منصب اور خلعت اور اسپ اور طوغ اور نوبت بھی دی تھی اور شجاع الدولہ کو صوبۂ اودھ کی طرف رخصت کر دیا اور آپ ۱۶ شعبان ۱۱۷۴ھ ہجری کو اپنی فتح سے فائدہ اُٹھائے بدون اپنی قلمرو کو چلے گئے۔

سرداران روہیلکھنڈ کو احمد شاہ کا شکوہ آباد اور اٹاوہ اور کوڑہ وغیرہ میان دوآب کا مرہٹون کا مُلک دے دینا

فرح بخش مین لکھا ہے کہ احمد شاہ نے علاقۂ شکوہ آباد وغیرہ نواب سید فیض اللہ خان کو انعام مین دیا تھا اور کڑا اور کوڑے کا علاقہ نواب سید سعد اللہ خان کو عطا کیا تھا اور اٹاوہ وغیرہ حافظ رحمت خان کو دیا تھا۔

دو ندے خاں کو جو علاقہ دیا تھا وہ سورج مل جاٹ کے ملک میں تھا اور احمد شاہ نے اُس کا قصور معاف کر دیا تھا اسلیے دوندے خاں کے حصّے میں کچھ نہ پہونچا تو نواب سید فیض اللہ خاں نے اپنا علاقہ انھیں دیدیا اور نواب سید سعد اللہ خاں نے کوڑے وغیرہ کا علاقہ جسکی آمدنی تیس لاکھ روپے سالانہ تھی شجاع الدولہ کے تفویض کر دیا (انتہٰی)

گل رحمت میں بیان کیا ہے کہ شاہ نے اٹاوہ عنایت خاں کو اور شکوہ آباد دوندے خاں کو دیا تھا اور اخبار حسن میں کہا ہے کہ شاہ نے عنایت خاں کو ملک اٹاوہ اور میں پوری اور شکوہ آباد عطا کیا تھا یہ علاقے ملک دوآب میں واقع ہیں۔ تاریخ فرخ آباد میں آروں صاحب نے لکھا ہے کہ اٹاوہ اور بھیونڈ اور شکوہ آباد ریاست فرخ آباد کے علاقے تھے کہ بموجب صلح نامہ ۱۱۶۵ھ کے جو صفدر جنگ اور نواب احمد خان کے درمیان منعقد ہوا تھا مرہٹوں کے تفویض ہوئے تھے اس جنگ کے بعد احمد شاہ درانی نے حافظ رحمت خان کو عطا کر دیے اس لیے ہمیشہ کے واسطے ملک فرخ آباد سے نکل گئے۔

بہرصورت یہ محالات چونکہ دینے والے کے قبضے میں نہ تھے اس لیے بجائے عطیہ کے یہ سمجھنا چاہیے کہ فتح کرنے کی اجازت دی گئی اور اُن پر قبضہ کرنا خالی از دقت نہ تھا۔ حافظ رحمت خاں نے اٹاوے کے علاقے پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے ۱۱۷۵ھ ہجری میں ملا محسن خان کو دس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا ملا محسن جب اٹاوے کے پاس پہونچے تو مالا پنڈت اور کشنا جو گبند

سکے مارے جانے کے بعد سے اٹاوے کے حکمران تھے اٹاوے سے نکلکر راستے
مین ملا محسن خان سے مقابل ہوے لڑائی ہوئی شکست کھا کر بھاگ گئے ملا محسن
نے امر گڑھ تک اُن کا تعاقب کیا اور اُن کو بھگا کر اٹاوے کی طرف آئے تو
اہل شہر نے امان چاہی۔ ملا محسن خان نے قلعے کے پاس مقام کیا۔ قلعدار
نے اول قلعہ خالی کرنے سے انکار کیا آخر مجبور ہو کر قلعہ اُن کے حوالے
کیا۔ ملا محسن خان نے قلعہ مین داخل ہو کر حافظ رحمت خان کو فتح کا حال
لکھا اور انتظام مین مصروف ہوے جن زمینداروں نے سرکشی کی اُن کو سزا
دی اور جا بجا تھانے قائم کردیئے چار پانچ کچّی گڑھیان گروادین مگر بعضے زمیندار
نہایت مضبوط مقامون مین تھے۔ اُن کے پاس آدمی زیادہ تھے اور اُنکے
رہنے کی جگہ گنجان جنگل تھے اِس واسطے اطاعت نہین کرتے تھے۔
ملا محسن خان نے حافظ رحمت خان سے استدعا کی کہ مدد بھیجین۔ اُنھون نے
شیخ کبیر کو پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ مدد کو روانہ کیا اور دونون سردارون نے
اُس ضلع کا بخوبی انتظام کر لیا۔ دوندے خان نے شکوہ آباد اور فیروزآباد
پر قبضہ کر لیا۔

اسی سال راجپوتانے کی طرف ایسا کال پڑا کہ اس ملک کی بیشتر مخلوق اپنا
وطن چھوڑ کر روہیلکھنڈ مین چلی آئی چنانچہ اُن کی نسل کے لوگ اب تک
مارواڑی اور میواتی قومون کے نام سے اِس ملک مین موجود ہین تو حافظ
رحمت خان نے اُن لوگون سے دو برس تک پیلی بھیت کے گرد مٹی کی شہر پناہ
بنانے کا کام لیا پھر اِس چار دیواری کو توڑ واکر پختہ شہر پناہ بنوائی۔

نواب شجاع الدولہ اور شاہ عالم کی فرخ آباد پر فوج کشی کی کوشش۔ نواب سید فیض اللہ خان حافظ رحمت خان۔ دوندے خان وغیرہ سرداران روہیلکھنڈ کا نواب احمد خان والی فرخ آباد کی مدد کے لیے روانہ ہونا آخر کار نواب سید سعد اللہ خان کی مداخلت سے صلح ہو جانا

سنہ ۱۱۷۶[1] ہجری مین راجہ اندرگر گوسائیں کا چیلہ امراؤ گر گوسائین نواب شجاع الدولہ کی ایک آشنا طوائف[2] کو لکھنؤ سے لے بھاگا تھا اور بارہ ہزار ناگے سپاہی لے کر فرخ آباد مین چلا آیا تھا۔ شجاع الدولہ نے ایک خط عتاب آمیز نواب احمد خان رئیس فرخ آباد کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ اُمراؤ گر کو اپنے یہاں سے نکالدو اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو حق دوستی کے خلاف ہوگا اور اس سے فتنہ بھڑک اُٹھے گا نواب احمد خان نے جواب لکھا کہ مین سوائے خدائے کریم کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ جو کچھ آپ کے دل مین ہو کیجیے۔ میں نے امراؤ گر کو خط بھیج کر یہین بُلا یا تھا آپ چلا آیا ہے اور جب آگیا ہے تو جواب دینے کے کیا معنی شجاع الدولہ یہ جواب دیکھکر بے حد رنجیدہ ہوے۔ مگر چند مہینے تک اُس کا کچھ حال نہ کھلا۔

---

[1] دیکھو گل رحمت ۱۲ [2] دیکھو فرح بخش ۱۲

۱۱۸۵ہجری مین شجاع الدولہ نے شاہ عالم کو یہ ترغیب دی کہ حضور فرخ آباد کے نواب احمد خان بنگش پر فوج کشی کرین اور خود بھی ساتھ ہوے۔ شجاع الدولہ کو یہ خبر پہونچتی تھی کہ فرخ آباد مین فقط چار پانچ ہزار فوج ہے اور باقی فوج جا بجا پرگنات پر تعینات ہے اُنھون نے مشہور کیا کہ جن زمینداروں نے مالگزاری نہین دی ہے مین اُن سے روپیہ وصول کرنے جاتا ہون کچھ فوج دوآبہ کی طرف بڑھی اور اثناے راہ مین موسے نگر ضلع فرخ آباد کو جو دریاے جمنا پر واقع ہے لوٹ لیا۔ خاص لشکر تھوڑے عرصے تک خواجہ پل کی سرا مین قیام پذیر رہا۔ شجاع الدولہ فیض آباد سے آہستہ آہستہ اپنے ملک کے اندر کوچ کرتے ہوے پرگنہ بلہور[1] مین نانامئو گھاٹ تک پہونچے۔ لشکر تو اُترکر قنوج کی طرف جو نواب احمد خان کے علاقے مین تھا بڑھا۔ لیکن شاہ عالم اور شجاع الدولہ مکن پور مین ایک بنگلہ اور باغ مین مقیم رہے۔ یہ باغ نواب احمد خان کا تھا اور مدار باڑی کے نام سے مشہور تھا۔ جو مواضعات کہ قنوج اور مکن پور کے آس پاس تھے سب لوٹ لیے گئے۔ نواب احمد خان نے یہ خبر سُنکر مقابلے کے لیے تیاری کی اور بریلی بداون۔ بسولی۔ اوجھیانی اُترچھینڈی۔ آنولہ۔ اور رام پور وغیرہ سے مدد طلب کی۔ اُس وقت حافظ رحمت خان اپنی حدود کے قریب پرگنہ مہرآباد مین جو اب ضلع شاہجہان پور سے متعلق ہے مقیم تھے۔ نواب احمد خان نے

---

[1] اب ضلع کانپور مین ہے۔ یہ پرگنہ قنوج کے مشرق مین ہے ۱۲

بخشی مجد الدولہ کو اُن کے پاس بھیجا اور اعانت کو سے حریفی سے بچانے
کے واسطے مدد مانگی حافظ رحمت خاں اس خوف سے کہ اگر نواب
احمد خاں کو شکست ہوئی تو میرے اور دوسرے خاں کے علاقے کو جو
میاں دو آب میں واقع ہے یعنی اٹاوہ وشکوہ آباد وغیرہ مدکو نہایت
ضرر کا اندیشہ ہے نواب احمد خاں کو مدد دینے میں بسر گرمی تمام مستعد
ہوگئے اُنھوں نے جواب دیا کہ مجھکو اس کی خبر پہلے ہی پہونچ چکی ہے
اور اسی واسطے اپنی حدود پر مقیم ہوں۔ سب طرح سے شرکت کے واسطے
حاضر ہوں۔ مگر کٹھیر کا نام ہے کہ ملک آباد ہے لیکن تمام رعایا بھوکی ہے
حاصل خاک نہیں بلکہ سچ وہ ہیں کہ جس کا کچھ حساب نہیں اور میرے پاس
اس وقت کچھ نہیں میری سپاہ کو تنخواہ نہیں ملی ہے اگر روپیہ ملے تو
میں اور نواب سید سعد اللہ خاں۔ نواب سید فیض اللہ خان ملا سردار خان
دوندے خان۔ اور فتح خاں وغیرہ سب مدد کریں گے اور اگر روپیہ
نہ ہو سکے گا تو میں اپنی فوج سے حاضر ہوں۔ جب بخشی نے آکر
نواب احمد خاں سے اپنی ملاقات کا حال بیان کیا تو اُنھوں نے
بخشی مدکور کے ہاتھ دو لاکھ روپے بھیجدیے اور کہلا بھیجا کہ تم یہ اپنے صرف میں
لاؤ اور اقرار کیا کہ جب نواب سید سعد اللہ خان وغیرہ آجائیں گے
تب اور بھی روپیہ دیا جائے گا جس وقت روپیہ پہونچا اُس وقت حافظ
رحمت خاں فرخ آباد کی جانب روانہ ہوگئے۔ اور اپنے نائب مقیم اٹاوہ
شیخ کبیر کو بھی لکھ بھیجا کہ اپنی کل فوج لے کر بی الفور کالی ندی کی طرف

روانہ ہون اور خداگنج کے نیچے مقام کرین۔ فرح بخش مین لکھا ہے
کہ اس وقت نواب سید سعد اللہ خان کی طبیعت علیل تھی سل کے
عارضے مین مُدت سے بتلا تھے خود تو نہ گئے مگر نواب سید فیض اللہ خان
اور دوندے خان اور بخشی سردار خان ان کی صلاح سے روانہ ہو گئے
جن کے پاس اسی نوّے ہزار فوج بتاتے ہین۔ آرون صاحب کی تاریخ
فرخ آباد سے نواب سید سعد اللہ خان کا جانا بھی ثابت ہے مگر معتبر
قول مؤلف فرح بخش کا ہے۔ جب حافظ صاحب شہر فرخ آباد مین
پہونچے تو ان کا خیمہ فرخ آباد کے قلعہ مین استادہ ہوا۔ ذوالفقار گڑھ
کے نیچے شہر کے پاس ایک پل کشتیون کا نواب احمد خان کے حکم
سے تیار ہوا اور فتح خان۔ ملّا سردار خان۔ دوندے خان اور نواب
سید فیض اللہ خان مع فوج کے اُس کے ذریعہ سے اُترے اور نواب
احمد خان نے اپنی اور تمام معاونون کی فوج کو ہمراہ لے کر مخالفون
کی جانب کوچ کیا اور روشن خان اور امراؤ گر کو یہ حکم دیا کہ پانچ ہزار
جوان ساتھ لے کر کالی ندی کے کنارے خداگنج کے نیچے شیخ کبیر کے
جا کر شریک ہون۔

عماد السعادت مین لکھا ہے کہ روہیلے سردار چونکہ نواب سید
سعد اللہ خان کی وجہ سے بظاہر شجاع الدولہ سے بھی دوستی رکھتے تھے
اور باہم رسل و رسائل جاری تھے اُن کی تحریر و تقریر کے بھروسے پر
شجاع الدولہ نے اپنے سالے سالار جنگ کو گفتگو کے طے کرنے کے لیے

پٹھانوں کے لشکر میں بھیج دیا۔ سالار جنگ نے شجاع الدولہ کا پیام بیان کیا پٹھانوں نے اس کا نامناسب جواب دیا یہ جواب سنکر سالار جنگ نے واپسی کا ارادہ کیا تو روہیلوں کی ایک جماعت نے دوندے خاں کے اشارے سے سالار جنگ کے خیمے کو گھیر لیا نواب شجاع الدولہ سمجھ گئے کہ سالار جنگ کو قید کرلیا ہے اس عرصے میں نجیب الدولہ جو دہلی میں تھے براہ سکینٹ ملک دوآبہ کی طرف شجاع الدولہ کی مدد کے لیے تیزی سے چلے آتے تھے اور سی گیہ ضلع ایٹہ میں پوری میں جو چھوٹا سا قصبہ ہیں بیوا اور رچھیرا سنو کے درج آباد سے ۱۱ میل کے فاصلے پر واقع ہے آ موجود تھے اور راستے میں جس قدر مواضعات نواب بنگش کے تھے خراب و تباہ کرڈالے۔

نواب احمد خاں نے الرسائی سو خان کھانے کے ایک سوبجیں کہار بہمراہی شاہ محمد خاں جامہ دار اور گلتیہ خان سوٹے والے کے بھیجے اور پیام دیا کہ کھانا تو نجیب الدولہ کے خرچ کے واسطے ہے اور بلکہ آنکی سپاہ کی خدمت کے لیے ہے کیونکہ بھائی بھائیوں میں تکلف نہیں ہوا کرتا نجیب الدولہ نے غصے ہو کر کہا کہ کھانا یہاں سے اٹھاؤ اور اسپر اپنے نواب کا فاتحہ پڑھو۔

ہمارے نزدیک نجیب الدولہ کا احمد خاں کے ملک میں ویرانی پھیلانا صحیح نہیں معلوم ہوتا اور اگر ایسا ہو بھی تو جو لوگ پولیٹکل مذاق سے

له اب یہ اٹہ سکینٹ کہلاتا ہے ضلع ایٹہ میں ہے ۱۲

بھرہ رکھتے ہین اُن کے نزدیک نجیب الدولہ کی یہ کارروائی کتنی مستحسن اور کیسی وقت کے مناسب تھی دو چار گانون کے برباد کردینے اور چار پانچ کھیتون کے رونڈ ڈالنے اور دعوت کے پہونچتے وقت دو چار نرم گرم باتین کرنے سے اُنھون نے کتنا بڑا کام نکال لیا جس بات کا فیصلہ ہتیار سے ہوتا ہزارون آدمیون کی جانین جاتین وہ ایک دو چٹکلون مین بلند پرواز نواب سے حاصل کرلین اور اپنے مطلب کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ نواب نجیب الدولہ کا دل اپنے بھائی پٹھانون سے ملا ہوا تھا گو زبان شجاع الدولہ کی طرف تھی اور اُنھون نے در پردہ بلکہ علانیہ جتا دیا کہ پٹھان سب ایک ہین آپ اُن سے ہرگز عہدہ برآ نہوسکین گے بلکہ بیان آئندہ سے صاف معلوم ہوجائے گا کہ جتنی کارروائی نجیب الدولہ نے کی وہ پٹھانون کے مفید ہے خواہ تو نواب شجاع الدولہ دل مین سمجھ کر خاموش ہورہے ہون یا اپنی کم فہمی سے نواب نجیب الدولہ کو پٹھانون کے مقابلہ مین اپنا دلی خیر خواہ اور دوست سمجھ گئے ہون۔

بہر صورت دوسرے دن نجیب الدولہ نبی گنج سے کوچ کرکے کالی ندی کے کنارے خدا گنج مین شیخ کبیر اور امرائے گوشائین اور روشن خان سے ایک میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوئے۔ نجیب الدولہ نے شیخ کبیر کو پیغام بھیجا کہ مین تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہون اُنھون نے جواب دیا کہ میری تمھاری شمشیر بدست ملاقات ہوگی۔ شجاع الدولہ کی مدد کو آئے ہو اور ہم سے ملاقات کی تمنا رکھتے ہو دوسرے روز نجیب الدولہ

بعد ملاقات کئے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے اور قنوج میں پہونچے
اور بادشاہ اور شجاع الدولہ سے ملاقات کی اور شجاع الدولہ سے کہا کہ
میرے آنے مین دیر ہو گئی اس لیے تمام روہیلے نواب احمد خاں کے
پاس آکر جمع ہو گئے۔ پس اب مناسب یہ ہے کہ صلح کر لی جائے کیونکہ
میرے ساتھ کے روہیلے بھی اُن روہیلوں سے لڑنے مین کوتاہی
کرین گے اور بالفرض میں نے لڑائی شروع بھی کر دی تو چونکہ آپ کا
قدم درمیان میں ہے قوم و مذہب کے تخالف کی وجہ سے جو آپ مین
اور اُن میں موجود ہے دیدہ و دانستہ قصور کرین گے اگر آپ کی مرضی ہو
تو سرداران روہیلکھنڈ کو لعنت ملامت کر کے راہ راست پر لے آؤن
اور اس شرط پر کہ امراؤ گر کو فرخ آباد سے رخصت کر دیا جائے۔ اور
سالار جنگ کو یہان آپ کے پاس پہونچا دیا جائے احمد خاں سے
صلح قرار دون۔ شجاع الدولہ نے منظور کر لیا اور تین روز کے بعد
نجیب الدولہ اپنی سپاہ کو لے کر فرخ آباد کی طرف بڑھے۔ یہ سنکر شیخ کبیر
نے اُنھیں پیغام بھیجا کہ خبردار آگے نہ بڑھنا کل مین تمھاری کچھ مدارات
کرنے والا ہون" نجیب الدولہ نے جواب دیا مین لڑنے نہین آیا ہون
مین حافظ رحمت خان سے ملاقات کرنے آیا ہون" شیخ کبیر نے جواب دیا
کہ اس صورت میں تم کو اجازت ہے مگر بے فوج جاؤ۔ نجیب الدولہ
اپنی فوج چھوڑ کر آگے بڑھے اور کالی ندی اُتر کر اپنے خیمے کھڑے کیے
دوسرے روز پھر روانہ ہوئے کینیوں کے پُل سے دریائے گنگا پار ہوئے

نواب سید فیض اللہ خان ۔ فتح خان ۔ حافظ رحمت خان ۔ ملا سردار خان ۔
اور دوندے خان سے ملاقات کی۔ نجیب الدولہ کے خسر دوندے خان نے
اُن کو ملامت کی کہ قوم پٹھان کے برخلاف تم نے شجاع الدّولہ کی
رفاقت اختیار کی اس کا اُنھون نے یہ جواب دیا کہ جب مرہٹون نے
سُکّرتال مین مجھپر حملہ کیا تھا اُس وقت شجاع الدولہ نے بڑے نازک
وقت مین میری مدد کی تھی۔ پھر نجیب الدولہ نے دوندے خان سے ترشروئی
کے ساتھ کہا کہ تم نے سالار جنگ کو یہان کیون روک لیا ہے تمام رات
مشورے مین گذری۔ نجیب الدولہ نے کہا کہ اگر روہیلے نواب احمد خان
کی مدد سے کنارہ کشی کرین تو بعد فتح ان کو بنگش کا ایک ثلث مُلک
مرحمت ہوگا۔ بعض کہتے ہین کہ یہ بات خود شجاع الدولہ نے بھی حافظ رحمت خان
کو تحریر کی تھی۔ مگر حافظ رحمت خان نے جواب دیا کہ مین اپنے دوست
احمد خان کا ساتھ نہ چھوڑون گا آخر تصفیہ اسپر ٹھہرا کہ شجاع الدولہ اور نواب
احمد خان مین صلح ہونا چاہیے اس شرط پر کہ نواب احمد خان امراؤ گر کو
اپنے یہان سے علیحدہ کردین اور سالار جنگ کو نجیب الدولہ کے ہمراہ
شجاع الدولہ کے پاس پہونچا دیا جائے۔ حافظ رحمت خان نے اقرار کیا
کہ کل مین نواب احمد خان کی ملاقات کو جاؤن گا۔ جب حافظ صاحب
نواب احمد خان کے پاس پہونچے تو اُنھون نے نواب کو اس خوش خبری کی
مبارکبا ددی نواب نے پوچھا کہ "یہ مبارکبا دکیسی ہے" حافظ رحمت خان
نے جواب دیا کہ ہمین بے جنگ فتح نصیب ہوئی۔ ہماری تیاریون سے

شجاع الدولہ نے حرف کہا کہ نجیب الدولہ کو صلح کی غرض سے کھیجا ہے۔ احمد خاں نے جواب دیا کہ جو کچھ تمھاری رائے ہوگی میں تو اُس پر رضامند ہوں مگر اِس بارے میں عماد الملک سے مشورہ لینا ضرور ہے" چنانچہ وہ سب غازی الدین خاں عماد الملک کے لشکر میں گئے۔ اُنھوں نے کہا کہ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ اُمید کامیابی نہ دیکھکر مائل صلح ہوئے ہیں لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جب کبھی موقع ملا اُن کے نزدیک نقض عہد کوئی بات نہیں ہے۔ حافظ رحمت خان نے کہا یہ بالکل صحیح ہے مگر ایسا اتفاق ہوگا تو اُن کو جیسی اس وقت سزا دی جاسکتی ہے اُس وقت میں بھی ممکن ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ صلح مبارک ہے" تب عماد الملک نے کہا کہ اگر تمھاری یہی رائے ہے تو مجھے بھی اتفاق ہے"

اب معاملہ صلح کا یوں طے ہوا کہ جو کچھ طے پایا تھا حافظ رحمت خان نے اُس کی اطلاع نجیب الدولہ کو دی اور کہا کہ صرف بادشاہ سلامت کے موجود ہونے کے سبب سے افغان صلح منظور کرتے ہیں ورنہ اُن کو کسی حال میں صلح منظور نہ تھی آپ کو لازم ہے کہ وزیر سے کہیے کہ فی الفور پٹھانوں کی حدود سے چلے جائیں۔ نجیب الدولہ نے کہا کہ تم خود چل کر شجاع الدولہ کو واپس جانے کی ترغیب دو حافظ صاحب نے جواب دیا کہ میں نواب احمد خاں کا شریک ہوں بلا اجازت نواب کے کیسے جا سکتا ہوں" نجیب الدولہ نے کہا کہ تم نے اُنکی شرکت کیوں اختیار کی حافظ رحمت خان

نے کہا کہ دوسرے برادر بھی اُن کے معاون ہین۔ نواب سید سعد اللہ خان کی کل فوج کی مدد احمد خان نے حاصل کرلی ہے اور اُسکے کل اخراجات اپنے خزانے سے ادا کیے ہین اور آج کی تاریخ تک سات لاکھ روپیہ دیا ہے۔ خیر مین کل احمد خان کے پاس جاؤنگا اور اُن سے اجازت حاصل کرون گا احمد خان نے کچھ تعرض نہ کیا۔ دوسرے روز حافظ رحمت خان اور نجیب الدولہ روانہ ہوے اور سالار جنگ کو نجیب الدولہ اپنے ساتھ لیتے گئے حافظ صاحب نے خداگنج پہونچکر شیخ کبیر کو اپنے ساتھ لیا اور بادشاہ کی خدمت مین حاضر ہوے۔ پھر نواب شجاع الدولہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ آپ کو لازم ہے کہ مشرق کی طرف واپس جائین۔ غرضکہ شجاع الدولہ اور بادشاہ نے مشرق کو کوچ کیا اور واپس گئے جب کوڑے مین پہونچے نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خان نے رخصت چاہی نجیب الدولہ دلی کو روانہ ہوے اور حافظ رحمت خان اپنی لشکرگاہ کو واپس آئے دوسرے روز دوسرے روہیلہ سردار بھی نواب احمد خان سے رخصت ہوگئے۔

عماد السعادت مین لکھا ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۱۱۶۴ ہجری کا ہے مگر نواب سید سعد اللہ خان کے سنہ وفات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سنون مین غلطی ہے۔ کیونکہ وہ سنہ ۱۱۶۵ یا ۱۱۶۶ ہجری مین فوت ہوے ہین۔

تنبیہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ آرون صاحب کی تاریخ فرخ آباد سے یہ بات ثابت ہے کہ نواب سید سعد اللہ خان بذات خاص بھی اس مدد مین شریک تھے۔ مگر فرح بخش کے مؤلف کا بیان ہے کہ نواب سید سعد اللہ خان

ضلالت کی وجہ سے بدایوں سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے اور معاملہ صلح بھی دوسری طرح اس کتاب میں مذکور ہے وہ یہ کہ نواب سید سعد اللہ خاں کو حسب حکم معلوم ہوئی کہ بغیر لڑائی اور کشت و خون ہوئے طرفین نہیں رک سکتے تو صلح کرانے کے لیے خود سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ آنولے سے جاکر بدایوں پہونچے تھے کہ حالت بگڑنے لگی بدایوں سے شجاع الدولہ کو تحریر کیا کہ اہم لڑنا خوب نہیں مناسب یہ ہے کہ جنگ ٹال دی جائے اور اپنے ملک کو لوٹ جائیے' شجاع الدولہ نے جواب میں لکھا کہ میں آپ کی رائے سے باہر نہیں ہوں مگر دوندے خاں کو پہلے یہاں بھیج دینا چاہیے۔ نواب سید سعد اللہ خان نے سکرات کی حالت میں دوندے خان کو لکھا بلکہ غلام رسول خاں کے بیٹے اور منشی سیر مل کو بھی دوندے خان کے پاس بھیجا کہ نواب شجاع الدولہ کے پاس پہونچکر نزاع باہمی مٹا دیں۔ دوندے خاں بموجب تحریر نواب سید سعد اللہ خاں کے اور نواب سید فیض اللہ خاں اور حافظ رحمت خاں اور بخشی سردار خاں کی صلاح سے دریائے گنگا کے ساحل سے کوچ کر کے شجاع الدولہ کے پاس قنوج میں پہونچے۔ نواب شجاع الدولہ نے تین چار کوس سے استقبال کیا دوندے خان بادشاہ کے سلام کو بھی حاضر ہوئے خلعت اور جیغہ اور سرپیچ اور مالائے مروارید اور ہاتھی اور گھوڑا اور نوبت بادشاہ نے عطا کی۔ اور اُن کے بیٹے فتح اللہ خاں کو نوابی کا خطاب دیا دوندے خاں نے بادشاہ اور شجاع الدولہ کا دل احمد خاں کی طرف سے صاف کرنے میں بڑی کوشش کی اور بادشاہ مع شجاع الدولہ کے قنوج سے

چلے گئے۔ دوندے خان نے رخصت حاصل کی اور براہ فرخ آباد احمد خان سے ملتے ہوے روہیلکھنڈ کو چلے آئے۔ بادشاہ نے حافظ رحمت خان اور نواب سید فیض اللہ خان کو اپنے پاس بُلا بھیجا۔ یہ دونون ساحل گنگا سے کوچ کرکے بادشاہ کے حضور مین پہونچے خلعت اور گھوڑا اور ہاتھی ہر ایک کو مرحمت ہوا۔ اور حکم ہوا کہ اٹاوہ اور کونچ اور جالون وغیرہ سے مرہٹون کو نکال دو چنانچہ اُنھون نے برس روز تک وہان رہ کر تمام ملک مین شاہی تھانے بٹھا دیے پھر روہیلکھنڈ کو لوٹ آئے۔

لیکن مجھے تعجب ہے کہ اٹاوہ تو حافظ رحمت خان کے پاس تھا اُس مین بادشاہی تھانے کیون بٹھائے گئے اور نہ اُس وقت ملک دوآبہ مین کہین مرہٹون کا قبضہ تھا۔

گل رحمت مین لکھا ہے کہ حافظ رحمت خان نے اپنے بیٹے عنایت خان کو شجاع الدولہ کے ہمراہ کر دیا تھا اور یہ کہہ دیا تھا کہ جس قدر تھانے احمد خان کے ملک سے شجاع الدولہ کے آنے کی وجہ سے اُٹھ گئے ہین وہ بٹھا دے اور آپ اٹاوے کو جو وہان سے قریب تھا چلے گئے اور وہان کا انتظام کرنے لگے۔ کامیت کے زمیندار جو جمنا کے پار تھا ان دنون فساد برپا کر رہے تھے اُنکی سرکوبی کے لیے حافظ رحمت خان نے فوج بھیجی اور عنایت خان احمد خان کے تھانے بٹھاتا ہوا شجاع الدولہ کے ساتھ لکھنؤ کو گیا اور وہان سے لوٹا تو راہ مین حافظ صاحب کا خط ملا کہ تم سیدھے کامیت کو چلے جاؤ اور وہان کے زمینداروں کو سزا دے کر انتظام کرو۔ عنایت خان کامیت گیا اور وہان کے

قلعہ کو فتح کیا اور اس جگہ ٹری سختی سے قبضہ حاصل کیا پٹھان قلعہ میں گھس پڑے اور اس میں ایک متنفس کو زندہ نہ چھوڑا۔ پٹھانوں کی طرف بھی جانوں کا بہت نقصان ہوا ۱۳۴ آدمی مارے گئے اور چار سو زخمی ہوئے۔ دوسرے روز عنایت خان یہاں سے اٹاوہ کو حافظ صاحب کے پاس روانہ ہوئے۔

نواب سید سعد اللہ خان کی وفات

فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ جب کہ بدایون میں نواب سید سعد اللہ خان کا حال بہت متغیر ہوا اور زندگی کی اُمید جاتی رہی تو نواب موصوف فتح خان خانساماں اور اپنے بھائی سید محمد یار خان کو ساتھ لیکر علاج کی غرض سے آنولے کو واپس چلے آئے اور ضعف کی وجہ سے تین دن میں اتنا راستہ طے کیا۔ آنولہ پہونچکر ۵ شعبان ۱۱۷۴ھ ہجری کو اس جہان فرگ سے وداع دیا جیساکہ فرح بخش میں ہے لیکن جام جہان نما اور گل رحمت میں اُن کا سال وفات ۱۱۷۵ھ ہجری لکھا ہے حافظ صاحب ابھی اٹاوے کے انتظام میں مصروف تھے۔

فرح بخش کے مؤلف نے نواب سید سعد اللہ خان کی موت سل کی بیماری سے لکھی ہے اور مستجاب خان گلستاں رحمت میں کہتا ہے کہ شراب خانہ خراب کی کثرت سے ایسی جان عزیز کو ضائع کیا اور توفیق ان دونوں قولوں میں ممکن ہے کہ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے سل کی بیماری پیدا ہو گئی ہو

بہرکیف مرنے کے بعد اُن کی قبر آنولے مین نواب سید علی محمد خان کی قبر
کے پاس بنائی گئی اُترچھینڈی کا قلعہ اُن کی یادگار مین ناتمام باقی رہ گیا۔
نہایت شجاع اور سخی تھے اعلیٰ درجے کے شہسوار تھے دو پہر مین چالیس
پچاس کوس کی مسافت طے کر لیتے تھے اور تکان بالکل معلوم نہین ہوتی تھی
ان کو لڑکپن سے اقسام طوائف کی طرف میلان خاطر اور التفات خاص
تھا اور اُن کی بے قیدی اور آزادی فصل بہار پر تھی۔ ۳۷ سال کی عُمر
پائی کوئی بیٹا نہین چھوڑا۔ ایک بیٹی نظام بیگم نامی جو دُر بیگم عرف شاہ بیگم
بنت دوندے خان کے بطن سے تھی یادگار چھوڑی۔

اُن کی حیات مین عجیب الدولہ عرف کلو خان بن نجیب الدولہ کے ساتھ
اس لڑکی کی منگنی ہوگئی تھی اُن کے انتقال کے بعد شاہ بیگم نے بڑی
دھوم دھام سے اس لڑکی کی شادی کی۔ چودہ ہاتھی کمخواب اور زربفت کی
جھولوں اور طلائی سازوسامان کے ساتھ اور بہت سے عمدہ گھوڑے اور اونٹ
اور رتھ اور چھکڑے جہیز مین دیے اور بہت سا زروجواہر دیا۔ حکیم محمد اعظم خان
مرحوم مؤلف اکسیر اعظم اپنے بزرگون کی زبان سے سُنی ہوئی بات بیان کرتے
تھے کہ بیگم نے ایک ماہ سے زیادہ برات کو مہمان رکھا تھا ہر روز تمام
براتیون کو نئی قسم کا کھانا کھلایا جاتا تھا اور ہر ایک براتی کو پہننے کے
لیے ایک نیا جوڑا بھی روزانہ دیا جاتا تھا تمام شہر آنولہ اور اُس کے اطراف کے

---

[۱] فرح بخش مین اسی طرح لکھا ہے مگر گلشن نوبت سے علیم خان علیم الدولہ نام معلوم ہوتا ہے ۱۲ [۲] دیکھو فرح بخش ۱۲

کو دن میں کھانڈ ڈلوادی گئی تھی راس لیے حالص پانی شہر سے کوس ڈیڑھ کوس پر دستیاب ہوتا تھا اور نئی بات یہ ہے کہ اس شادی میں صرف مٹی کے مدار حقے اٹھارہ ہزار روپے کے صرف میں آئے تھے اسی لیے مؤلف فرح بخش کہتا ہے کہ ہندوستان میں اس وقت تک کسی امیر بادشاہی نے اس دھوم کے ساتھ شادی نہ کی تھی۔

۱۱۶۷ھ ہجری میں اس لڑکی کے ایک بیٹا مقام عوت گڑھ میں (جو میرٹھ سے جانب شمال میں کوس کے فاصلے پر ہے اور اُس میں نجیب الدولہ نے قلعہ تیار کرایا تھا اور اس جگہ سے شمال و عربی طرف چار کوس کے فاصلے پر سہارن پور واقع ہے) پیدا ہوا تھا۔ اُس کا نام غلام عوت رکھا گیا اور رجب کا انتقال ہو گیا یہ لڑکا بھی صغر سنی ہی میں مرگیا تھا جیسا کہ فرح بخش میں ہے۔

قانون حامداں میں بیان کیا ہے کہ شاہ عالم نے سید سعد اللہ خاں کو نواب سعد اللہ خاں بہادر کا خطاب دیا تھا اور اُسکے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خاں کے انتقال کے بعد اُنکی بیگم آنولے میں مسند نشین ہوئی تھی اور بارہ برس تک ریاست کی تھی مگر یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا اسلیے کہ نواب سید علی محمد خاں کے خاندان میں آج تک کوئی عورت مسند نشین نہیں ہوئی۔

سیر المتاخرین میں جو لکھا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خاں حافظ رحمت خان کے داماد تھے یہ غلطی ہے وہ دوندے خاں کے داماد تھے۔ نواب سید سعد اللہ خان کی وفات کے بعد حافظ رحمت خاں اور دوندے خان نے پھر اُنکے کسی بھائی کو آنولے میں بٹھایا

متفرق واقعات شجاع الدولہ کا انگریزون سے مقام پٹنہ اور بکسر مین جنگ کرنا۔ حافظ رحمت خان کا شجاع الدولہ کی مدد کے لیے کچھ فوج اپنے بیٹے عنایت خان کی ماتحتی مین بھیجنا اور ان لشکرون کا انگریزون کے ہاتھ سے منہزم ہونا

۷۔ رمضان سنہ ۱۱۷۶ ہجری کو جمعرات کے دن بریلی مین ایسی آگ لگی کہ آدھے شہر کے قریب جلکر خاک ہوگیا۔ چودہ سو (۱۴۰۰) آدمی اس ہنگامے مین جلکر مر گئے اسکے بعد دوبارہ شہر کی جلی ہوئی عمارتین بننے لگین تو سنہ ۱۱۷۸ ہجری مین ایک ہولناک زلزلے کے صدمے سے بہت سی عالیشان عمارتین گر کر تباہ ہوگئین اس زلزلے کے باعث جابجا زمین شق ہوگئی تھی حوض اور تالابون کا پانی اُڑ اُڑ کر سوکھی زمینون پر جا گرا تھا۔ اور تالاب بالکل خشک رہ گئے تھے۔ اس زلزلے کا صدمہ ملک اودھ مین بھی محسوس ہوا تھا۔ اس زلزلے کی شدت اور زیادتی کے برابر اس دو تین سو برس پہلے تک کا کوئی حادثہ سننے مین نہین آیا۔

سنہ ۱۱۷۶ ہجری مین عنایت خان کا مہمت علاقہ اٹاوہ کے قبضے سے فارغ ہوکر اپنے باپ حافظ رحمت خان کے ہمراہ بریلی آیا اور یہان سے ویسے ہی شجاع الدولہ کی امداد کے واسطے انگریزون کے مقابلے کو لشکر لیکر جانا پڑا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ سنہ ۱۷۶۳ع مین میر جعفر علی خان دوبارہ بنگال اور بہار اور اڑیسہ کے نواب ہوے اور میر قاسم علی خان والی مرشد آباد نے انگریزون کے ہاتھ سے اپنا ستیاناس ملا کر شجاع الدولہ سے مدد چاہی تو شجاع الدولہ نے سنہ ۱۱۷۷ ہجری مین

حافظ رحمت خاں کو اس مضمون کا خط لکھا کہ ان دنوں انگریزوں نے قاسم علی خاں صوبہ دار بنگالہ کو شکست دیکر اُسکے تمام ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور قاسم علی خاں امداد کی اُمید پر ہمارے پاس آئے ہیں چونکہ ہمارا آپکا معاملہ واحد ہے اسلیے آپ ایک عمدہ فوج جاری کمک کے لیے بھیجیں حسب کئی خط اس مضمون کے آئے تو حافظ صاحب نے عنایت خاں کو چھ ہزار فوج کے ساتھ جیسا کہ گلستان رحمت میں مذکور ہے اور بقول مؤلف سیر المتاخرین تین ہزار فوج کے ساتھ اور عماد السعادت کی روایت کے مطابق پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا اور کئی نامور رسالہ دار اُسکے ہمراہ کیے جیسے مستقیم خاں اور سردار خاں اور سیف الدین خاں اور رحمت خاں اور جان محمد خاں تنقیح الاخبار کے مؤلف نے غلطی سے یہ لکھدیا ہے کہ چونکہ عنایت خاں دو تین ہزار سوار اور اسی قدر پیادوں کے ساتھ اپنے باپ سے روٹھکر شجاع الدولہ کے پاس پہلے سے چلا گیا تھا اسلیے وہ بھی شجاع الدولہ کا شریک ہوا۔

شجاع الدولہ ان دنوں الہ آباد میں تھے جب عنایت خاں الہ آباد کے قریب پہونچا تو شجاع الدولہ نے راجہ بینی بہادر کو استقبال کے لیے بھیجا اور خود بھی سوار ہوکر دو کوس پر پیشوائی کی اور عنایت خاں کو اپنے ہمراہ الہ آباد کو لے گئے اور یہ تمام فوجیں دوسرے دن سارس کی طرف چلیں سیر المتاخرین کا مؤلف کہتا ہے کہ شجاع الدولہ کے ساتھ آدمیوں کا ایسا ہجوم تھا کہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے مگر سرداروں کی بے خبری اور ربط وضبط نہ ہونے کی وجہ سے بڑی ابتری تھی یعنی لشکر میں ایک دوسرے کو قتل کرتا اور اسباب لوٹ لیتا تھا کوئی کسی کا خبر گیر نہ تھا اور جو کوئی ذرا

بھی لشکر سے الگ ہوتا تو وہ لُٹ جاتا بلکہ جان سے بھی جاتا۔

عنایت خان کی فوج کے ایک پٹھان نے گاے ذبح کی اور اُس کو اپنے ڈیرے پر لیے جاتا تھا راستے مین شجاع الدولہ کی فوج کے ناگون نے اُس پٹھان پر حملہ کیا اُسکا گھوڑا زخمی ہوا۔ یہ خبر سُنکر دوسرے پٹھان مدد کو پہونچ گئے اور اُس پٹھان کو بچالیا۔ عنایت خان نے اپنی فوج کے پٹھانون کو حکم دیا کہ ناگے کو جہان پاؤ مار ڈالو چنانچہ دوسرے دن صبح کے وقت پٹھانون کا ایک گانون پر گذر ہوا جس کو تین سو ناگے محاصرہ کیے ہوے لوٹ رہے تھے پٹھان ان ناگون کے قتل پر پل پڑے ناگے بھی مقابلہ کرنے لگے اور آخر کار مغلوب ہو کر بھاگ نکلے۔ اس موقع پر اڑھائی سو ناگے کام آئے۔ پٹھانون کی طرف سے صرف دو آدمی کام آئے اور بارہ مجروح ہوے جیسا کہ گل رحمت مین ہے۔ اور اخبار حسن مین کہا ہے کہ پچاس روہیلے کام آئے تھے۔ جب اِس واقعہ کی خبر راجہ ہنی بہادر کو ہوئی جو شجاع الدولہ کے لشکر کا مُدار المہام تھا تو وہ اُسی وقت سوار ہو کر عنایت خان کے ڈیرے پر آیا اور معذرت کرنے لگا۔ دوسرے روز شجاع الدولہ نوب گر ملقب بہ راجہ ہمت گر بہادر اور امراؤ گر کو جو گوسائیون اور ناگون کے سردار تھے اپنے ہمراہ لیکر عنایت خان کے ڈیرے پر آئے اور صفائی کراوی اور یہ قرار پایا کہ آیندہ سے ناگے پٹھانون کے لشکر سے ایک منزل پیچھے رہین۔

ناگا گوسائیون کا فرقہ ہے جو برہنہ رہتے تھے یہانتک کہ ستر عورت بھی نہین کرتے اس لیے ناگا کہلاتے اور اپنی جانون کو فقراے ہنود مین شمار کرتے تھے اور سپاہگری کا پیشہ کرتے تھے بارہ ہزار ناگے شجاع الدولہ کے

لشکر میں قزاقی کے لیے جمع تھے۔ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ امراؤ گر شجاع الدولہ کے پاس سے چلا گیا تھا ان واقعات میں اُسکا ہونا کہیں کل رحمت سے معلوم ہوتا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ پھر نواب شجاع الدولہ کے پاس آ گیا تھا۔

ماہ رمضان ۱۱۷۷ہجری کے وسط میں شجاع الدولہ اور شاہ عالم بادشاہ اور میر قاسم علی خاں اور عنایت خاں وغیرہ بنارس میں داخل ہوئے اس مقام پر راجہ بلونت سنگھ زمیندار بنارس کا سفیر عنایت خاں کے پاس آیا اور ظاہر کیا کہ راجہ بلونت سنگھ نے کبھی صفدر جنگ اور شجاع الدولہ سے ملاقات نہیں کی تھی مگر ہر طرح ہمیشہ مطیع رہتا تھا اب اُسکی استدعا یہ ہے کہ نواب سے اُسکی ملاقات کرا دیں عنایت خاں نے شجاع الدولہ سے یہ ذکر کیا۔ شجاع الدولہ مدت سے چاہتے تھے کہ راجہ بنارس ہمارے دربار میں حاضر ہو۔ اس لیے اُنھوں نے بخوبی اطمینان کر دیا اور راجہ کی حاضری کی اجازت دی بلونت سنگھ عنایت خاں اور ہمت بہادر کے اعتماد پر شجاع الدولہ کے پاس حاضر ہو گیا یہ شخص بڑا مالدار تھا۔ لوگ اس کی دولت کو کروڑوں سے متجاوز بتاتے تھے۔ یہ بھی دو تین ہزار سوار اور چند ہزار پیادوں کے ساتھ شجاع الدولہ کے ہمراہ ہوا۔

۱۳ رمئی ۱۷۶۴ء مطابق ۱۰ ذیقعدہ ۱۱۷۷ہجری کو عنایت خاں پٹنے کی لڑائی میں شجاع الدولہ کا شریک رہا۔ اس جنگ میں شجاع الدولہ نے راجہ ہمت بہادر اور راجہ بلونت سنگھ کو میمنہ پر رکھا اور عنایت خاں اور انوپ گر ملقب به راجہ ہمت گر بہادر اور امراؤ گر گوسائیوں کو میسرہ پر مقرر کیا اور

شجاع قلی خان مشہور بہ میان عیسیٰ اور شیخ دین محمد اور شیخ غلام قادر قدوائی کو ہراول مین تعین کیا۔ اور مرزا علی خان اور سالار جنگ اور میر نعیم خان اور علی بیگ خان اور میر محمد باقر میمونی اور کراچی بیگ خان و کریم بیگ خان و عاشور بیگ خان و فتح علی خان درانی وغیرہ رسالہ داران ایرانی و تورانی کو اپنے ساتھ لیکر قلب لشکر مین کھڑے ہوے اور سیدھے ہاتھ کو تھوڑے فاصلے پر قاسم علی خان نے اپنی فوج جمائی جسکے ہراول مین شمرو فرانسیس کا توپخانہ تھا۔ اور شاہ عالم یہان سے کئی کوس پر صفون کے پیچھے رہے اور قدم بقدم آگے بڑھنے لگے۔ انگریزون نے گولہ باری شروع کی۔ شجاع الدولہ نے عالی جاہ کو پیام دیا کہ ہمارے ساتھ خود شریک جنگ ہون یا شمرو کو بھیجدین مگر اُنھون نے لیت و لعل کیا اور اپنی جگہ سے نہ ہلے اسکے بعد دونون گوشائیون نے حملہ کیا مگر انگریزی توپون سے نہ بڑھنے دیا۔ پھر عنایت خان نے دھاوا کیا اور مغلوب ہوکر لوٹ آیا۔ پھر تمام فوج نے حملہ کیا تھوڑے سے انگریزی تلنگے ہاتھ آگئے جن کا اسباب لوٹ لیا مگر انگریزی توپون کی مار مار نے سب کا مُنھ پھیر دیا۔ شیخ دین محمد پسر متبنا ے شیخ مجاہد اور اُسکا بیٹا محمد شاہ مارے گئے۔

تاریخ مظفری مین لکھا ہے کہ اس لڑائی مین عنایت خان نے بڑی بہادری سے انگریزی لشکر پر دھاوا کیا تھا۔ عنایت خان انگریزی مورچون کے قریب پہونچکر ایک نشیب مین گھوڑے سے اُتر گیا اور سواران مغلیہ کے حملے کا انتظار کرنے لگا جبکہ انگریزی توپون کی آتشباری سے ناگون کا مُنھ پھر گیا تو مغلیہ سوارون کی ہمت آگے بڑھنے کو نہ بندھی عنایت خان نے کئی بار

کہلا بھیجا کہ سواران مغلیہ حملہ کریں اور ادھر سے میں حملہ کروں اور شجاع الدولہ نے بھی بہت کوشش کی لیکن سواران مغلیہ نے دھاوا نہ کیا بلکہ پھلواڑی کی طرف جو پیچھے چار کوس کے فاصلے پر تھا بھاگنے لگے۔ شجاع الدولہ نے اس فساد کا یہ حال دیکھ کر کہا کہ میری رائے میں پھلواڑی چلنا چاہیے عنایت خاں بھی مجبور ہو کر دو گھڑی وہاں رہے اسی جگہ سے چلا آیا اور کچھ بھاری توپیں جو سیاہ دلدل سے چھوٹ گئی تھیں ان کو کھچوا کر اپنے ساتھ پھلواڑی کو لے گیا عنایت خاں کے ہمراہیوں میں سے میر محمد خاں مار گولی سے مارا گیا اور رستم خاں زخمی ہوا حیات خاں پھر رات گئے پھلواڑی میں ہو سکا اور آخر ماہ جون میں شجاع الدولہ کا لشکر بکسر میں پہنچ گیا برسات کا موسم آ گیا تھا اسلیے پٹنے کو گھیرے رکھنا مصلحت نہ سمجھا اور یہ ارادہ کیا کہ برسات کے بعد جو کچھ کرنا ہو گا کیا جائیگا۔

عنایت خاں نے روہیلکھنڈ کو رخصت چاہی چلتے وقت قاسم علی خاں نے پانچ ہاتھی اور کئی قیمتی جواہرات ریشمی کپڑے اور زردوزی کے کپڑے اور دوسرے تحائف حافظ صاحب کے لیے عنایت خاں کے حوالے کیے عنایت خاں بکسر کی شکست سے پہلے بریلی کو لوٹ آیا حافظ رحمت خاں نے بھانجے حامد لوٹ آنے کے دیر میں واپس آنے پر اعتراض کیا۔

شجاع الدولہ کا بکسر میں انگریزوں کے ہاتھ سے شکست پا کر روہیلوں کے پاس پناہ گزینی کے لیے اپنے اہل و عیال اور مال کو بھیج دینا

۲۳ر اکتوبر سنہ ۱۷۶۴ء کو بکسر میں جنگ ہوئی انگریزی فوج کا سپہ سالار

میجر منرو تھا اس جنگ مین انگریزی فوج مین کل سات ہزار بہتر آدمی تھے جن مین
سے آٹھ سو باون گورے اور باقی کل ہندوستانی سوار و پیادے تھے اور بیس
توپین تھین۔ شجاع الدولہ کے پاس لشکر مین اکثر ساٹھ ہزار آدمی بتاتے ہین
اور جنھون نے اسکا تخمینہ بہت ہی کم کیا ہے وہ چالیس ہزار سے کم نہین کہتے
اس لشکر مین سے دو ہزار نے میدان کارزار مین راہ عدم لی اور سردارون مین
میان عیسیٰ اور مرتضیٰ اور غلام قادر خان اور غلام یٰسین خان اور عبد الرزاق
اور علی اکبر خان اور محمد رضا خان مارے گئے ۱۳۳ توپین انگریزون کے ہاتھ
آئین۔ انگریزی لشکر کے آٹھ سو سینتالیس آدمی مقتول و مجروح ہوے۔ خود
نواب کی سپاہ جو لٹیری تھی اُسنے بل چل دیکھی تو ٹڈیون کی طرح اُمنڈ پڑی
اور تمام لشکر کو چاٹ کر دم مین صفایا کر دیا۔ شجاع الدولہ کے اس ٹڈی دل
فوج کے شکست پانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ راجہ بلونت سنگھ زمیندار بنارس
جو وزیر کا شریک تھا اس لڑائی مین انگریزون سے مل گیا نواب کا مورچہ جو
اُسکے سپرد تھا اُس مین انگریزی لشکر کو بلا لیا تھا۔ اُسے انگریزون کے حق مین
لطیفۂ غیبی کہو یا تائید الٰہی یا نواب کی بدبختی کا پھل سمجھو۔ شجاع الدولہ لکھنؤ کو
بھاگ گئے مگر اُن کو بکسر کی شکست کے بعد اپنے مُلک پر اتنا اطمینان نہ تھا کہ
وہ اپنے اہل و عیال اور دولت کو یہان رکھتے اسلیے اِن سب کو بریلی بھجوا دیا۔
جارج نامے کا ناظم اسی مطلب کو یون ادا کرتا ہے ؎

سوی فیض آباد و لکھنؤ نخست — فرستاد مردان در دین درست
درین ہر دو جا داشت وابستگان — فراوان ہمش گنج بودہ نہان

کرا احسانے تہور علی بر بد + زہ اندرون ہیچگوں تصور بد
بسالار آں شہر اندر دیرگاہ + خود اندر دوستی داشت کشودہ راہ
شمردہ مرا اورا انگہسان خویش + فرستاد گنج و ستستاں خویش

عجیب اتفاق یہ ہے کہ بکسر کی شکست کے بعد میر قاسم علی خاں نے بھی روہیلکھنڈ میں پناہ لی تھی شجاع الدولہ نے بکسر میں انگریزوں کے ہاتھ سے شکست پائی تو میر قاسم علی خاں عالی جاہ اُس مہلکہ سے نکل کر آلہ آباد میں پہونچے اور اپنے متعلقوں کو جو وزیر کے لوٹے کھسوٹے وہاں پڑے تھے ساتھ لیکر روہیلکھنڈ میں چلے آئے اور اتر جھیڈی میں جو آنولے سے تین کوس کے فاصلے پر ہے نواب سید سعد اللہ خاں کی دوستی کی وجہ سے اُنکی حویلی میں پانچ برس تک مقیم رہے پھر یہاں سے راجا ملے گوہد کے پاس چلے گئے۔ جیسا کہ فرح بخش سے ثابت ہے۔ گلستان رحمت میں لکھا ہے کہ نواب قاسم علی خاں اتر جھیڈی میں نواب سید سعد اللہ خاں کے پاس بارہ مہینے تک رہے یاد رکھو کہ اس وقت میں نواب سید سعد اللہ خاں زندہ نہ تھے اُن کا انتقال ۵ رشعبان ۱۱۷۸ ہجری یا ۱۱۷۹ ہجری کو ہو چکا تھا اور شجاع الدولہ نے ربیع الاول ۱۱۷۸ ہجری مطابق اکتوبر ۱۷۶۴ء کو بکسر میں انگریزوں کے ہاتھ سے شکست پائی تھی۔ شجاع الدولہ کا ارادہ یہ تھا کہ اگر روہیلے مدد کریں تو پھر انگریزوں سے لڑوں۔

مسٹر اسٹرٹ نے دو پلٹنوں سے اودھ کی دار السلطنت پر قبضہ کر لیا اور اُس کے تمام اطراف و جوانب کا انتظام شروع کر دیا گو کورٹ ڈائرکٹرز نے

کبھی یہ ارادہ نہین کیا کہ کسی رئیس یا نواب کے ملک پر قبضہ کرے مگر دشمنون نے انگریزی سلطنت کے قدم یہان جما دیے۔ فرانسیسون کے ساتھ لڑائی۔ سراج الدولہ والی مرشدآباد کی بے وفائی۔ شجاع الدولہ کی اولوالعزمی نے انگریزی کمپنی کی صورت اور حقیقت کو بدل دیا اور تاجر سے حاکم بنا دیا۔

راجہ جواہر سنگھ پسر سورج مل جاٹ والی بھرتپور کی نجیب الدولہ پر چڑھائی روہیلون کی نجیب الدولہ کی امداد مین کارروائی شجاع الدولہ کا روہیلون کے پاس مدد حاصل کرنے کے لیے آنا۔ روہیلون کا کمک سے جان بچانا۔ آخرکار شجاع الدولہ کا انگریزون کی اطاعت قبول کرلینا

سنہ ۱۱۷۸ ہجری مطابق سنہ ۱۷۶۴ء موافق سمبت ۱۸۲۱ بکرمی مین راجہ جواہر سنگھ پسر سورج مل جاٹ والی بھرتپور نے نجیب الدولہ سے اپنے باپ کا بدلہ لینے کی غرض سے دہلی پر عزیمت کی۔ چونکہ اُس زمانے مین سکھون کی فوج کی بہادری وجوانمردی کی شہرت تھی اسلیے کھیل سنگھ وجرسا سنگھ سکھ سردارون کو ۳۵ ہزار سوارون کی جمعیت سے فی سوار ایک روپیہ یومیہ پر طلب کیا اور سمرو فرانسیس کو جو اپنے آقاے قدیم کے ساتھ نمک حرامی کرکے علیحدہ ہوگیا تھا نوکر رکھا اور ملہار راؤ ہلکر کو شامل کیا اور نجیب الدولہ پر جو دہلی مین مقیم تھے۔

چڑھائی کی عازی الدین خاں عماد الملک بھی جواہر سنگھ کے ہمراہ تھے۔
نجیب الدولہ نے روہیلہ سرداروں کو مدد کرنے کے لیے تحریر کیا اس لیے
حافظ رحمت خاں بریلی میں عنایت خاں کو چھوڑ کر اور خود مع دوسرے خان
دحتی سردار خاں اور فتح خاں خانساماں کے نواب سید فیض اللہ خاں اور
اُنکے بھائی سید محمد یار خاں کے ہمراہ روہیلکھنڈ سے روانہ ہوئے مولوی
قدرت اللہ نے جام جہاں نما میں کہا ہے کہ یہ سرداران روہیلہ خود
نجیب الدولہ کی کمک کی غرض سے چلے تھے کسی مصلحت سے دارانگر میں
قیام کر دیا اور تین مہینے تک وہاں پڑے رہے لیکن فرح بخش اور
گلستان رحمت سے مستفاد ہوتا ہے کہ نجیب الدولہ کے ملک اور اُنکے متعلقین
کی حفاظت کے لیے گئے تھے۔ دارانگر ہو کر گنگا کے پل کی تیاری کا
بند و بست کرنے لگے اور ساتھ چھ ہزار سواروں کو کشتی کے ذریعہ سے گنگا
کو عبور کرا کے حکم دیا کہ سکھوں کی یورش کی نجیب الدولہ کے ملک میں روک
تھام کریں چنانچہ سکھوں سے اوران سواروں سے دو تین مرتبہ مقابلہ ہوا
اور سکھوں نے شکست پائی
جب انگریز کے ذریعہ سے نجیب الدولہ اور جواہر سنگھ میں مصالحت ہوگئی
اور نجیب الدولہ کی تحریر سرداران روہیلکھنڈ کے پاس صلح ہو جانے کی
آپہونچی تو یہ سردار دارانگر سے معاودت کرکے جس پور کو چلے گئے اور یہ ابھی
یہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ شجاع الدولہ بکسر میں شکست پاکر بریلی آئے۔
عنایت خاں نے شہر سے دور نکل کر استقبال کیا اور اُنکو بریلی میں لاکر بڑی

عزت کے ساتھ مہمانداری کی۔ منتخب العلوم اور عماد السعادت مین جو لکھا ہے
کہ شجاع الدولہ بکسر مین شکست پاکر عنایت خان کے ساتھ بریلی چلے گئے
یہ صحیح نہین کیونکہ عنایت خان بکسر کی جنگ مین شجاع الدولہ کے ساتھ نہ تھا
بکسر کی شکست سے پہلے بریلی کو لوٹ آیا تھا۔ غرضکہ شجاع الدولہ نے مدد کے
واسطے عنایت خان سے کہا اور اُسکو حافظ صاحب کے پاس حسن پور کو
روانہ کیا۔ عنایت خان نے پیشتر سے حسن پور پہونچکر بیان کیا کہ شجاع الدولہ
بریلی آئے ہین حسن پور آنے والے ہین۔ چنانچہ شجاع الدولہ نے اپنے اہل و
عیال کو سالار جنگ کے ہمراہ بریلی چھوڑا اور خود تمام خدم وحشم کے ساتھ
قصبۂ حسن پور کو روانہ ہوے۔ روہیلہ سردارون نے دو کوس کے فاصلے سے
بڑے تپاک کے ساتھ اُنکا استقبال کیا اور اپنی فرودگاہ پر لیگئے اور بظاہر
ہر ایک نے اُنکی بخوبی تعظیم وتکریم کی اور پھر اُنکے ساتھ اپنی اپنی ریاستون کو
لوٹے۔ دوندے خان اور شجاع الدولہ بسولی کو چلے گئے۔ اور نواب سید
فیض اللہ خان رام پور کو اور حافظ رحمت خان بریلی کو اور صاحبزادہ سید محمد یار خان
اور سردار خان بخشی اور فتح خان خانسامان آنولے کو روانہ ہوے۔ شجاع الدولہ
نے راجہ بینی بہادر کو صلح کے پیغام کے لیے انگریزون کے پاس بھیجکر اتنی مہلت
حاصل کرلی کہ غازی الدین خان عماد الملک اور مرہٹون کے سردار ملہار راؤ
اور روہیلون سے کمک مل جائے اور نجیب الدولہ کو بھی کمک کے لیے لکھا
تھا مگر اُنھون نے جواہر سنگھ جاٹ کی مخالفت کا عذر کیا۔

لہ دیکھو گل رحمت و فرح بخش لیکن جام جہان نما مین لکھا ہے کہ سنبھل مین شجاع الدولہ سرداران روہیلہ سے ملے

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ روہیلوں میں سے سوائے حافظ رحمت خاں
کے کسی نے نواب شجاع الدولہ سے موافقت نہ کی اسلیئے نواب شجاع الدولہ
یہاں آکر خوش ہوئے بلکہ ہمیشہ خطرناک رہتے تھے کئی بار روہیلوں نے چاہا
کہ اُنکو لوٹ لیں لیکن اس وجہ سے کہ اب بھی ستر ہزار سپاہ اُنکے ہمراہ تھی کسی کی
ہمت نہ پڑتی تھی حافظ رحمت خاں اس مشورے میں روہیلوں کے شریک تھے
پر سارا فساد دوندے خاں کا تھا جس کو حافظ رحمت خان منع کرتے رہتے تھے۔
ایک دن ایک روہیلے کی شجاع الدولہ کے ایک لشکری سے تکرار ہو گئی اُس
لشکری نے روہیلے کے کئی لکڑیاں ماریں روہیلے نے اپنی جمعیت میں پہونچکر
سارا حال بیان کیا تین ہزار کے قریب روہیلے جمع ہو گئے دوندے خاں بھی
اُنکے شریک حال تھے دوندے خاں اور سپاہ روہیلہ نے یہ چاہا کہ نواب
شجاع الدولہ پر حملہ کریں۔ نواب شجاع الدولہ کو جب اس مشورے کا حال
معلوم ہوا تو اپنی فوج میں تیاری کا حکم دیدیا اس خیال سے کہ مبادا روہیلے
اُن کو غافل پاکر تباہ کردیں حافظ رحمت خاں نے عنایت خان کو نواب
شجاع الدولہ کے پاس بھیجا اور آپ روہیلوں کے جتھے میں جاکر اُنکو بہت کچھ
ملامت کی اور دوندے خاں کو بھی سمجھایا اور سب کی کمریں کھلوائیں پہر دن
چڑھے سے عصر تک یہی جھگڑا رہکر ختم ہوا۔

بعد اسکے حافظ رحمت خاں نے شجاع الدولہ سے کہا کہ آپ کا یہاں رہنا
مناسب نہیں آج میں نے اُن کو سمجھا دیا کل کو کیا ہوگا اس سے بہتر یہ ہے
کہ آپ یہاں سے فرخ آباد کی طرف تشریف لے چلیں میں بھی آپ کے ساتھ

چلتا ہون (انتہیٰ کلامہ) پھر مجھے تعجب ہے کہ آثرالامرا مین یہ کیون لکھا ہے کہ جب شجاع الدولہ نے بکسر کی شکست کے بعد حافظ رحمت خان کے پاس پناہ لی تو حافظ صاحب نے اُن کو طرح طرح سے خفت پہونچائی اور جو کچھ مال اُنکے پاس باقی تھا اُسکے چھین لینے کی فکر کی۔

جام جہان نما مین بیان کیا ہے کہ چونکہ انگریزون کی جلادت کا تمام مین شہرہ ہوگیا تھا اس لیے روہیلون نے وزیر کو مدد دینا قبول نہ کیا۔ فرح بخش مین مذکور ہے کہ شجاع الدولہ نے سرداران روہیلکھنڈ سے بہت کچھ چاہا کہ میرے مددگار بنکر انگریزون سے جنگ کرین سب نے جواب صاف دیا کہ انگریزون سے بے سبب لڑنا اور جھگڑا پیدا کرنا اور فتنۂ خوابیدہ کو جگانا عقل کے خلاف ہے ہم سے یہ نہوسکیگا مگر حافظ صاحب بہادر جو حلم و حیا اور مروت کے دریا تھے شجاع الدولہ کی خاطر سے اُن کے ہمراہ فرخ آباد کو روانہ ہوے حافظ صاحب نے شجاع الدولہ سے یہ کہدیا تھا کہ یہان کسی سے امید رفاقت کی نہین فرخ آباد مین چل کر جو کچھ آپکی مرضی ہوگی اُسکا انتظام کیا جائیگا نواب احمد خان بنگش بھی نہایت عقیل اور کارآزمودہ ہین اگرچہ نواب صفدر جنگ سے اور اُن سے صفائی نہ تھی اور آپ کے ساتھ بھی خط وکتابت نہین ہے لیکن جبکہ آپ وہان چلینگے تو یقین ہے کہ وہ آپ کے جانے کو فخر سمجھین گے اور اچھی طرح مہمانداری کرینگے اور عمدہ مشورے دینگے بلکہ عجب نہین کہ خود بھی اپنی سپاہ کے ساتھ شریک ہون اور عماد الملک بھی وہان موجود ہین وہ بھی شرکت کرین تو عجب نہین جب آرام کی جگہ

اور اطمینان کا شبہ یہاں نظر آیا تو شجاع الدولہ نے اس مشورے کو پسند کیا اور فرخ آباد کو روانہ ہوئے اور اپنے عیال و اطفال کو اپنے چچا شیر جنگ کے ہمراہ دہلی میں چھوڑ گئے روہیلے شیر جنگ کے آدمیوں کو رات دن لوٹتے کھسوٹتے اور دق کرتے رہتے تھے شجاع الدولہ فرخ آباد میں ان واقعات کو سن سن کر صبر کرتے تھے[1] گزیٹیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ بڑی نے دلی کے ساتھ حافظ رحمت خاں نے تین ہزار روہیلوں کو لیکر آگے سے کوچ کیا اُن کے پیچھے شجاع الدولہ روانہ ہوئے[2] اور دریائے گنگا کے کنارے ڈیرہ کیا۔ حافظ رحمت خاں پہلے نواب احمد خاں کے پاس گئے اور اُنکو بخوبی سمجھا کر استقبال کو لائے نواب احمد خاں گنگا پر کشتیوں کا پل تیار کراکے دوسرے روز شجاع الدولہ کی ملاقات کو آئے۔ اور مہمانی کی رسم ادا کی اور رسمِ دلجوئی کی دوسرے روز شجاع الدولہ خود بھی احمد خاں سے ملنے کو گئے اور جواہر اور کپڑے اور ہاتھی گھوڑا تواضع کیا پھر دونو مل کر عماد الملک کے پاس گئے اُن کے پاس اس وقت ملک و مال کچھ نہ تھا شجاع الدولہ سے عماد الملک نے پگڑی بدلی جب شجاع الدولہ نے احمد خاں سے کمک کے لیے درخواست کی تو اُنھوں نے عذر[3] لنگ کیا۔

فرخ بخش کے مؤلف کا بیان ہے کہ فرخ آباد میں نواب احمد خاں اور عماد الملک اور نواب شجاع الدولہ اور حافظ صاحب کے مشورے ہوئے مگر آخر کار سوائے حافظ صاحب کے کسی نے رفاقت نہ کی۔ اور ہمت بہادر اور

[1] دیکھو تاریخ مظفری ۱۲ [2] دیکھو منبع العلوم و عماد السعادت و قیصر التواریخ ۱۲

[3] مسمی لوچ مصنف ۱۲

امرا۱ؤگر گوشائیون نے بھی جو مدتون کے نمک خوار تھے نمک حرامی کر کے ترک رفاقت کی شمرو اور موشیر لاک فرانسیسیون کو شجاع الدولہ نے میر قاسم علیخان سے توڑ کر اپنے پاس بلا لیا تھا اور اُنکے ہاتھ سے اُنکے قدیمی آقا کو بہت ذلت پہونچائی تھی اس کا بدلہ منتقم حقیقی نے یہ دیا کہ اس بُرے وقت مین اُنھون نے شجاع الدولہ کو بھی چھوڑ دیا بلکہ شمرو کا تو یہان تک ارادہ تھا کہ اُنکو لوٹ لے لیکن حافظ رحمت خان کی زجر و توبیخ سے اُسکا ارادۂ فاسد کارگر نہوا۔

شجاع الدولہ نے عماد الملک کی صلاح سے ملہار راؤ ہلکر کو تیس۲ ہزار سوار کے ساتھ تیس ہزار روپے روز پر جیسا کہ تنقیح الاخبار مین بیان کیا ہے بلایا اور عماد السعادت مین لکھا ہے کہ ملہار راؤ کو پینتالیس ہزار سوارون کے ساتھ مالوے سے بلایا اُسنے شجاع الدولہ کی دعوت قبول کی اور عماد الملک بھی چند آدمیون کو ساتھ لیکر تماشائیون کی طرح ساتھ ہوے۔ شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خان اور عماد الملک گنگا کو عبور کر کے مشرق کی جانب روانہ ہوے اس عرصے مین ملہار راؤ آپہونچا اور وزیر اپنے لشکر اور مددگارون کو ساتھ لے کر کوڑۂ جہان آباد کی طرف چلے گئے کرنیل کارنگ اور میجر فلپ سے ۳ مئی ۱۷۶۵ء کو کوڑے کے قریب خفیف سی لڑائی ہوئی۔ مرہٹے انگریزی توپون کے سامنے نہ ٹھہر سکے کوّون کی طرح اُڑ گئے عماد الملک بیچارے کیا کرتے وزیر کے پاس سپاہ تھی مگر یکسر کی شکست کا خوف اُس کے دل سے دور نہین ہوا تھا حافظ رحمت خان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا مگر

---

۱ دیکھو گل رحمت ۱۲ ۲ دیکھو فرح بخش ۱۲

گلستاں رحمت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں اول شجاع الدولہ کے ساتھ میاں دوآب تک گئے اور آخر کار امداد سے انکار کیا لیکن اُس کی تحریر کا منشا حافظ صاحب کو شکست سے بچانے کا ہے۔ ماثر الامراء سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں دریائے گنگا کے کنارے متصل فرخ آباد تک شجاع الدولہ کے ہمراہ رہے اور نواب احمد خاں کے ہاں اُنکو پہونچا کر آپ اپنی ریاست کو لوٹ گئے۔ لیکن فرح بخش اور گل رحمت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آخر تک حافظ رحمت خاں وہاں موجود رہے۔

الغرض شجاع الدولہ دوسری بار شکست کھا کر دریائے جمنا کو عبور کر کے قلعۂ کالپی میں پناہ گزیں ہو گئے اور تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیا۔ انگریزی افسروں نے خیال کیا کہ وزیر تو قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں اور کشتیوں پر قبضہ کر لیا ہے اب دریا سے کیسے اُتر سکتے ہیں اور بغیر عبور کے لڑائی ممکن نہیں آخر کار جوار کے سیٹوں کے گٹھے جمع کر کے اور سن کے رسّوں سے بندھوا کر اور سن کو بنا کر اور دھان یعنی چانولوں کے پرال کو ایک گز اُسپر بچھوا کر ایک دمدمہ اس طرح تیار کر لیا اور ایک توپ اور چند گولہ انداز اُسپر بٹھا کر قلعۂ کالپی پر گولہ باری کرائی وہ قلعہ کچھ ایسا مضبوط نہ تھا اسلیے شجاع الدولہ بے استقلال ہو کر وہاں سے بھاگ کر پھر فرخ آباد میں پہونچے اور افاغنہ وغیرہ سے چارہ کاری کی جستجو کرنے لگے ہر ایک صلاح دیتا تھا اگرچہ کہ دلی بات کسی کی نہ تھی وزیر کے دل میں ٹھنی نہ تھی۔ آروں صاحب نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں اور نواب احمد خاں نے اُنکو صلح کی ترغیب دی۔ نواب

احمد خان نے جو طول طویل تقریر شجاع الدولہ سے انگریزون کے ساتھ مصالحت کرنے اور اُن سے ترک عداوت کے باب مین کی تھی وہ کتاب سیر المتاخرین مین درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "تم انگریزون کے پاس تنہا چلے جاؤ اُنکے سارے کام عقل و جوانمردی کے ساتھ ہین یقین ہے کہ تمسے کچھ دغا نہ کرینگے اور تمھارے اکرام و احترام مین سعی کرینگے۔ یہ روہیلے تمکو توقع رفاقت مین رکھین گے اور کچھ نہ کرینگے یون ہی مضحکہ اُڑائینگے" یہ بات شجاع الدولہ کی بھی سمجھ مین آگئی۔ اور حافظ رحمت خان نے اپنی طرف سے منشی ٹیک چند کو پانسو سوارون کے ہمراہ شجاع الدولہ کے ساتھ کر کے بطور سفارت کے انگریزون کے پاس بھیجا۔
شجاع الدولہ ۹ مئی ۱۷۶۵ء کو دس بارہ سوار ساتھ لیکر کارنگ صاحب کے لشکر مین پہونچ گئے۔ صاحب مذکور نے استقبال کیا اور شجاع الدولہ نے بھی پالکی سے اُتر کر اُن سے معانقہ کیا۔ اور صاحب کے خیمے مین آئے۔ اُنھون نے اور شتاب راے نے نذر پیش کی اور مہمانداری اور ضیافت کے تمام لوازمات ادا کیے۔ ۲۰ اگست کو شجاع الدولہ کے ساتھ مجلس منعقد ہوئی۔
شجاع الدولہ کا اقتدار و اعتبار بالکل جاتا رہا تھا۔ انگریزون کے اختیار مین تھا کہ اُنکی ساری ریاست اور ملک کو خود چھین لیتے۔ یا اُن کو جن شرائط پر چاہتے ملک دیتے۔ لیکن وہ ایسے ہمایون بخت تھے کہ اُنکی ریاست گئی گنوائی قائم رہی۔ اُنھون نے انگریزون کی عنایت کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس فیاضی کی تعریف کی کہ اس قدر ملک اُنکو عطا ہوتا ہے۔ بناے مصالحہ اِن امور پر قرار پائی کہ شجاع الدولہ اپنے ملک پر جو اُنکے قبضے مین پیشتر تھا فرمانروائی

کریں فقط اکہ آباد اور کوڑے کے اضلاع بادشاہ کو مدد معاش کے لیے دیدیے جائیں۔ پچاس لاکھ روپے اخراجات جنگ کے عوض میں شجاع الدولہ انگریزوں کو بارہ مہینے میں ادا کریں اور نصف اس وقت نقد دیں۔ یہ عہد وپیماں بھی ٹھہرے کہ آپس میں ہم ایک دوسرے کے دوست اور دشمن کو دوست اور دشمن سمجھیں اور کسی پر اگر دشمن کا زور آن پڑے تو دوسرا اُسکی اعانت کرے اور جو وہ اعانت میں طلب کرے اُسکے مصارف کے واسطے صاحب فوج کو روپیہ دے۔ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کو صلح ہو جانے کے مضمون کا خط ٹیک چند کے ہاتھ بھیجا اور اپنے قبائل کو طلب کیا حافظ صاحب نے جو فرخ آباد میں مقیم تھے عامل بریلی کو لکھا کہ تم سامان سفر کا سدوست کرکے حفاظت کے ساتھ اودھ کو بھیجدو چنانچہ شجاع الدولہ کے اہل وعیال بریلی سے اختیار خاں عامل کرور کی حفاظت میں لکھنؤ کو بھیجے گئے۔

ملہار راؤ کا پھپوند کو محاصرہ کر لینا۔ حافظ صاحب کا اُسکے مقابلے کے لیے فرخ آباد سے روانہ ہونا ملہار راؤ کا محاصرہ اُٹھا لینا۔ اور دوسرے واقعات وانتظامات

ابھی حافظ صاحب فرخ آباد سے روانہ ہونے پائے تھے کہ یکایک خبر پہونچی کہ ملہار راؤ اٹاوے کی طرف گیا ہے۔ اُسنے پھپوند پہونچکر محمد حسن خاں ابن مُلّا محسن خاں سے جنگ کا کھیت ڈالدیا۔ مرہٹوں سے محمد حسن خاں کی

فوج کا بڑا کشت و خون ہوا- اُن کے آدمی بھی خوب جان توڑ کر لڑے اور وہ بھی
سمجھے ہوے تھے کہ مرہٹے دال خورون کے سامنے سے بھاگے تو کالا منھ لیکر
جاوینگے اُدھر سے مرہٹون کو بھی اپنے نام کی لاج تھی خوب بڑھ بڑھ کر تلوارین
مارین اور ایسے جوش دکھائے کہ آخر دال نے گوشت کو دبا لیا اور روہیلے
محصور ہو گئے۔ حافظ صاحب بھی جلدی سے روانہ ہو کر شمشیر گنج پہونچگئے
یہان پہونچکر معلوم ہوا کہ محمد حسن خان کا محاصرہ پھپوند مین ملہار راؤ نے کر لیا
ہے۔ اور شیخ کبیر اٹاوے سے اُنکی مدد کو چلے ہین۔ حافظ رحمت خان سوارون
کی فوج اپنے ساتھ لے کر پھپوند کی طرف جلدی سے بڑھے اور دو پہر مین چونتیس
کوس چل کر پھپوند مین داخل ہو گئے ملہار راؤ اُنکی روانگی کا حال سُنکر پہلے
سے پھپوند کا محاصرہ اُٹھا کر جمنا کو اُتر گیا تھا حافظ رحمت خان نے چند روز
یہان مقام کیا اور موضع ایلہ کے سرکشون کا قتل عام کرا کے باقی رعایا کو
مطیع کیا اور پھپوند کی خدمت جمشان خان کے سپرد کی اور اوریا کی خدمت
پر محمد حسن خان کو مقرر کیا اور اٹاوے مین شیخ کبیر کو چھوڑ کر برسات کے شروع
ہونے سے قبل روہیلکھنڈ کو لوٹ آئے۔

سنہ ۱۱۸۳ ہجری مطابق سنہ ۱۷۶۹ع مین حافظ صاحب نے اُن سوداگرون سے
جو اُنکے ملک سے ہو کر گذرتے تھے محصول لینا موقوف کر دیا- کئی اہلکارون
نے عرض کیا کہ اس مین کئی لاکھ روپے کا نقصان ہوگا حافظ صاحب نے فرمایا
کہ ہمنے عمداً اس دنیوی نقصان کو اجر اُخروی کے لیے قبول کیا ہے۔
پیلی بھیت کی کچی شہر پناہ کو تڑوا کر پختہ دیوار بنوائی جس کا دو دو

اڑھائی میل کے قریب تھا اسی زمانے میں حافظ صاحب دھالی کی طرف جو گنگا کے کنارے واقع ہے دورے کو گئے اور یہاں سے ایک جامع مسجد اور ایک حویلی اور بازار اور حمام قلعہ کی جلال آباد میں تیاری کے لیے حکم صادر کیا اور ایک مہینے تک گنگا کے کنارے مقیم رہے۔

حافظ رحمت خان کا کوڑے کو حسب الطلب شاہ عالم بادشاہ کے جانا ملا محسن خان کی وفات۔ اور دوسرے واقعات

۱۱۸۰ھ[1] ہجری میں شاہ عالم کوڑے کو گئے اور وہاں سے امرا اور سرداروں کے حاضر ہونے کے لیے فرمان جاری کیے تو حافظ رحمت خاں بھی حسب الطلب روانہ ہوئے اور گنگا کو عبور کر کے فتح گڑھ میں مقام کیا۔ نواب احمد خان بنگش یہ خبر سن کر جریدہ ملاقات کو آئے اور ضیافت بھیجی دوسرے دن حافظ صاحب بازدید کے لیے احمد خاں کے یہاں گئے۔ کئی دن فتح گڑھ میں قیام ہوا پھر کوڑے کو روانہ ہوئے کیونکہ شاہ عالم یہیں مقیم تھے۔ جب حافظ صاحب کوڑے کے قریب پہونچے تو بادشاہ نے میر الدولہ اور ذوالفقار الدولہ نجف خاں اور کرنیل مارکر کو استقبال کی غرض سے بھیجا ان سرداروں نے ایک کوس نکل کر پیشوائی کی اور حافظ صاحب کے خیمے میں اترے اور پہر بھر تک بات چیت کر کے رخصت ہوگئے۔ دوسرے روز حافظ رحمت خان

[1] دیکھو گلستان رحمت صفحہ ... الاخبار

بادشاہ کے لشکر کو روانہ ہوے اور بادشاہ کے سلام سے باریاب ہوے بادشاہ نے اُنکی عزت افزائی کی اور وکالت مطلق کا خلعت جس منصب پر قدیم سے مقرر تھے اپنی طرف سے بخشا۔ دوسری ملازمت مین حافظ رحمت خان کے تین بیٹے ارادت خان۔ حافظ محمد یار خان۔ اور غلام مصطفےٰ خان بھی ہمراہ تھے انکو بھی بادشاہ نے خلعت دیے۔ اور مستقیم خان اور فتح خان اور عبدالستار خان کو بھی بادشاہ نے خلعت عطا کیے۔

گل رحمت کے مؤلف کے باپ نے جس کا نام محمد یار خان ہے اسی زمانے مین کلام مجید کے حفظ سے فراغت پائی تھی۔ بادشاہ نے اُسے تسبیح خانے مین بلاکر بٹھاکر پانچ آیتین سُنین اور ایک فیل کا پاٹھا عنایت کرکے فرمایا کہ تمکو منصب و خطاب بھی دینگے چنانچہ حافظ محمد یار خان تھوڑے دنون کے بعد اپنے وکیل کی معرفت حصول منصب و خطاب کے لیے بادشاہ کی خدمت مین پیش ہوا اور معمولی نذرانہ پیش کرکے اُس اعزاز کا خواستگار ہوا بادشاہ کے حکم سے اہلکارون نے منصب پنجہزاری ذات اور دو ہزار سوار کا اور پالکی جھالردار اور خطاب معظم الدولہ حشمت جنگ کی یادداشت لکھ کر حوالہ کی۔ جب یہ یادداشت پہونچی تو حافظ صاحب نے ڈیڑھ ہزار سوار و پیادون کا رسالہ محمد یار خان کے سپرد کردیا جب بادشاہ نے سنہ ۱۱۸۵ ہجری مین الہ آباد کو معاودت کی تو حافظ رحمت خان نے کوڑے سے رخصت پائی اور اُن کو خلعت و شمشیر اور گھوڑا اور ہاتھی بادشاہ نے عطا کیا۔

حافظ صاحب روہیلکھنڈ کو چلے آئے جب بریلی پہونچے تو

ملا محسن خان اماں ربی نے انتقال کیا حافظ صاحب نے اُنکے عہدے پر اُنکے بیٹے حسن خاں کو رسالدار اور جاگیر کا مالک کر دیا۔ محسن خاں آغا رس تساں میں رہ کر ہندوستاں میں آئے تھے اور مدت تک طالب علمی کرتے رہے حصول علم کے بعد نواب سید علی محمد خاں کی سرکار میں عہدہ پایا نواب نے ان میں قابلیت دیکھی اور اخلاص کی صفتیں پائیں اور کوئی کوئی خدمت بھی ان سے اچھی بن آئی چنانچہ مدتریں درجہ فقر و طالب علمی سے عرش المراتب سرداری تک جلد ترقی کر گئے نواب سید علی محمد خاں کے انتقال کے بعد حافظ رحمت خاں نے اپنی سرکار میں لے لیا۔

حافظ رحمت خاں نے پیلی بھیت پہونچکر ۱۱۶۸ھ ہجری میں ایک عظیم الشان جامع مسجد دہلی کی جامع مسجد کے نقشے کے مطابق تعمیر کرائی جو حافظ صاحب کے محلات کے قریب سا گرہال پر بنائی گئی تین لاکھ اور کئی ہزار روپے اُس کی تیاری میں صرف ہوئے یہ مسجد دہلی کی مسجد سے کسی قدر چھوٹی ہے اور اینٹ کی بنائی ہے

مرہٹوں کی ہندوستان کی طرف آمد اور روہیلوں کے ملک میانہ دوآبہ گنگا و جمنا پر حملہ۔ روہیلوں کا اُنکے مقابلے کے لیے جانا مگر کامیاب نہونا آخر کار راٹاوہ اور شکوہ آباد سے روہیلوں کی حکومت کا اُٹھ جانا

۱۷۶۱ء مطابق ۱۱۷۴ھ ہجری میں پانی پت کے مقام پر شاہ ابدالی نے

مرہٹون نے شکست عظیم پائی تھی۔ اور مدت تک وہ خانگی جھگڑون اور نربدا کے جنوب مین لڑائی مین مصروف رہے اسلیے آٹھ سال سے زائد تک اضلاع شمالی اُنکی پائمالی سے محفوظ رہے اور فقط سنہ ۱۷۶۴ء مین تھوڑے عرصے کے واسطے جواہر سنگھ والی بھرت پور کے ساتھ دہلی مین یا سنہ ۱۷۶۵ء مین شجاع الدولہ کے ساتھ جنگ کوڑہ مین یا کچھ دنون کے بعد پھپوند مین تو البتہ مرہٹے معلوم ہوتے تھے لیکن سنہ ۱۷۶۹ء مطابق سنہ ۱۱۸۳ ہجری مین نرائن راؤ پسر بالاجی راؤ ولد باجی راؤ پیشوا کی فوج تعدادی پچاس ہزار اور بقولے ایک لاکھ دریاے چنبل کے پار ہوئی۔ یہ فوج زیر حکم بیساجی (یا بسواجی) پیشوا اور رام چند گنیش اور تکو ہلکر اور مادھوجی عرف مہاجی (یا مہاجیت) سیندھیا کے تھی۔ اس فوج نے پہلے راجگان راجپوتانہ سے بقایا زر چوتھ وصول کیا۔ بعد ازان سمت ۱۸۲۶[ل] بکرمی مین بھرت پور کے قریب اُنسے اور جاٹ راجاؤن سے ایک جنگ ہوئی جس مین مرہٹے فتحیاب ہوے اور ستر لاکھ روپے پر معاملہ طے ہوا جس کے عوض مین زر تحصیل جمنا پار کے علاقون کا بھرت پور والون نے مرہٹون کو دیدیا۔

بعد اسکے مرہٹے دلی کی جانب بڑھے اور نجیب الدولہ نے اس خیال سے کہ اگر مرہٹے دلی مین آئے تو خرابی پیدا کرینگے زمانہ سازی کی راہ سے اپنی فوج لیکر اُنسے دوآبے مین ملاقات کرکے صلح کرلی اور اُنکی توجہ دہلی کی طرف سے ہٹانے کے لیے اُنکو یہ مشورہ دیا کہ جواہر سنگھ ولد سورج مل جاٹ والی بھرت پور کا ملک فتح کرنا چاہیے اور اول یہ تجویز کی کہ ہم دونون کی فوجین متفق ہو کر

ل؎ تاریخ راجپوتانہ ۱۲

فرخ آباد میں کوچ کریں۔ ابتدائے ۱۱۷۴ھ ہجری مطابق ۱۷۶۰ء عیسوی میں نجیب الدولہ دہلی سے روانہ ہوئے اور سرداران روہیلکھنڈ کو بھی لکھا کہ مرہٹوں کی سرکوبی کرنی چاہیے۔

نواب سید فیض اللہ خاں۔ حافظ رحمت خاں۔ دوندے خاں نے سید محمد یار خاں ابن نواب سید علی محمد خاں۔ سردار خان بخشی اور فتح خاں خانساماں یہ سنکر کہ بھاؤ سیداشیو راؤ گنگا کے یہاں کے لیے ادھر آرہا ہے اُس کی ملاقات کے لیے اپنی اپنی ریاستوں سے کوچ کرکے سہسواں کے گھاٹ پر پہونچے اور کچھ دنوں اُسکی ملاقات کے انتظار میں ٹھہرے رہے جب یہ معلوم ہوا کہ یہ خبر واہی تھی تو دوندے خاں نے مشورے کے وقت آواز بلند کہا کہ مجھ میں مرہٹوں کے مقابلے کی تاب و طاقت نہیں۔ اگر وہ شکوہ آباد اپنی مرضی سے چھوڑ دیں تو میں اُسیر قبضہ رکھونگا ورنہ میں دست بردار ہوں اور سہسواں سے کوچ کرکے بسولی کو چلے گئے کیونکہ اُن کا دل ٹوٹ گیا اور شکست کی بدنامی کو غنیمت سمجھے۔ حافظ رحمت خاں نے کہا کہ جب تک حیات باقی ہے میں محالات جلکلہ اٹاوہ اور شکوہ آباد کو نہ چھوڑونگا اس عرصے میں بایاب خاں اور محمد عاقل خاں نواب احمد خاں بنگش والی فرخ آباد کی طرف سے مقام سہسواں میں آئے اور یہ پیغام لائے کہ مرہٹوں نے ادھر یورش کی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اور آپ متفق ہوکر اُن سے جنگ کریں اب توقف کرنا مناسب نہیں۔

جب حافظ صاحب کو یہ خبر پہونچ گئی کہ مرہٹوں اور نجیب الدولہ کی

فوجین جمنا کو عبور کر گئین تھی حافظ صاحب نے یہ تمام باتین نواب سید فیض اللہ خان
سے بیان کین اور کہا کہ اب ہمکو نواب احمد خان کی مدد کے لیے روانہ ہونا مناسب
ہے گو نواب موصوف کا کوئی علاقہ گنگا کے پار نہ تھا مگر حافظ صاحب کی خاطر
سے عین شدت[1] بارش مین سہسوان سے کوچ کر کے فرخ آباد کی طرف روانہ
ہوے۔ قادر چوک تک پہونچے تھے کہ یہان خبر ملی کہ نجیب الدولہ تپ محرقہ
مین علیل ہوکر کوئل مین مرہٹون کے لشکر سے رخصت ہوکر دہلی کو لوٹ گئے
راستے مین ضلع میرٹھ مین ہاپڑ کے مقام پر اکتوبر ۱۷۷۰ع مین اس جہان سے
رحلت کی۔ اُنکے بڑے بیٹے ضابطہ خان مرہٹون کے لشکر مین ہین اس خبر کو
سُن کر حافظ صاحب نے قادر چوک مین توقف کیا اور عبد الستار خان اور
سید احمد وغیرہ رسالہ دارون کو پندرہ ہزار فوج کے ساتھ احمد خان کی کمک
کے لیے روانہ کیا۔ گزیٹیر مین لکھا ہے کہ یہ تمام روہیلے راستے مین کسی بات پر
ناراض ہوکر باغی ہوگئے۔

نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خان بادشاہ کی جانب سے مرہٹون کے
کمپو مین وکیل مقرر کیے گئے تھے جب اُن کو باپ کے مرنے کی خبر پہونچی تو
اُنھون نے مرہٹون سے رخصت چاہی مرہٹون نے نہ چھوڑا ضابطہ خان
نے حافظ الملک کو لکھا کہ جو کچھ نجیب الدولہ نے اس کام مین سوچا تھا مین اُس
سے منفعل ہون اور مجبورًا مرہٹون کے پاس ہون بہتیر اُنسے رخصت چاہتا
ہون تاکہ اپنے باپ کے ملک کو چلا جاؤن وہ نہین چھوڑتے۔ آپ جلدی

---

[1] دیکھو فرح بخش ۱۲

فرخ آباد پہنچ کر احمد خاں بنگش سے مرہٹوں کی صلح کرا دیجیے امید کہ اس تقریب سے بیری مخلصی بھی ہو جائیگی۔ جب حافظ صاحب کو یہ خبر پہنچی کہ مرہٹے پٹیالی تک آپہونچے ہیں جو فرخ آباد سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے تو حافظ صاحب جو فرخ آباد کو بڑھے اور گنگا کے پیچھے پیچھے پھرتے ہوئے گنگا کے مشرقی کنارے بسرخ گڑھ کے مقابل اپنے ملک کی سرحد پر خیمہ زن ہوئے تھی سردار خاں بھی سہسواں سے آنولے کو چلے گئے تھے نواب احمد خاں اُس وقت نابینا ہو گئے تھے اسلیے وہ خود نہ آسکے مگر حید معتمد اور صیانت بھیجی۔ پھر حافظ رحمت خاں اور نواب سید فیض اللہ خاں اور نواب احمد خاں میں مشورہ ہو کر ایک پل کشتیوں کا دریائے گنگا پر بننے لگا اور کشتی کے ذریعہ سے حافظ صاحب نے حریدہ گنگا کو عبور کیا اور فرخ آباد پہونچے اور احمد خاں کی تسلی کر کے لوٹ آئے اور بیس ہزار سوار و پیادے دریائے گنگا کے پار بھیجے یہ سپاہ فتح گڑھ اور فرخ آباد کے درمیان میں مقیم ہوئی۔ اور مورچے سامنے اور مرہٹوں سے کبھی کبھی جنگ قراولی ہوتی رہی اور ہراول سے ہراول ٹکر کھاتا رہا۔ نواب احمد خاں کی صلاح سے حافظ رحمت خاں نے اپنے بھانجے خاں محمد خاں کو مرہٹوں کے لشکر میں سفارت صلح کے لیے بھیجا جو تکو کے ڈیرے پر پہونچا اور نواب ضابطہ خان کے چھڑانے اور احمد خاں کے ملک سے مرہٹوں کے چلے جانے کی بات گفتگو شروع ہوئی مرہٹوں نے اٹاوہ اور شکوہ آباد مانگا۔ یہ دونوں مقام فرخ آباد میں شامل تھے اور ۱۷۵۲ء سے مرہٹوں کے پاس اُن روپیوں کی بابت جو صفدر جنگ کے

ذمے اُن کا تھا مکفول کیے گئے تھے اور یہ قرض بعوض اُس نوکری کے تھا۔ جو مرہٹون نے نواب احمد خان کے مقابلے پر فوج کشی کے زمانے مین کی تھی اور باراس قرضے کا خرچۂ جنگ کے طور پر احمد خان بنگش کے دوش پر ڈالا گیا تھا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد سے یہ مقامات حافظ رحمت خان اور دوندے خان کے قبضے مین آ گئے تھے تو ہمیشہ کے واسطے ملک فرخ آباد سے نکل گئے تھے۔ مرہٹون نے کہا کہ جبتک یہ دونون علاقے ہم کو نہ دیے جائینگے ہم صلح نہین کرینگے اور نہ ضابطہ خان کو رخصت کرینگے خان محمد خان یہ جواب سُن کر ضابطہ خان کے معتمد چیت رام کے ہمراہ واپس آیا اور حافظ صاحب سے مرہٹون کا جواب بیان کیا۔ چیت رام نے ضابطہ خان کی طرف سے حافظ صاحب سے کہا کہ اگر آپ مرہٹہ سردارون کو اٹاوہ دینے کے لطائف الحیل مین رکھکر مجھکو رخصت کرا دین تو بڑا احسان ہو۔ حافظ رحمت خان نے اُنکی استدعا کے بموجب خان محمد خان کو پھر مرہٹون کے لشکر مین بھیجا جس نے طول طویل گفتگو کے بعد نواب ضابطہ خان کے رخصت کر دینے پر مرہٹون کو کسی قدر آمادہ کر لیا۔ ابھی اُنھون نے صریح اجازت نہین دی تھی کہ اس عرصے مین نجیب الدولہ کی تمام فوجین نجیب آباد اور غوث گڑھ سے ضابطہ خان کی مطلوبہ آپہونچین اور اُس علاقے مین مرہٹون کے لشکر سے دس کوس کے فاصلے پر مقام کیا۔ ضابطہ خان اپنی سپاہ کی آمد کا حال سُنکر پچھلی رات کے وقت لشکر مرہٹہ سے جریدہ اور خفیہ نکلے اور اپنی فوج سے جا ملے۔ خان محمد خان جو اُن کے ہمراہ تھا اُسکو راستے سے حافظ صاحب کے

پاس رخصت کردیا۔ ضابطہ خاں نجیب آباد کو چلے گئے اور مرہٹوں کو یہ ثابت ہوا کہ ضابطہ خاں نے یہ کام حافظ صاحب کے ایماسے کیا ہے اور اس غصّے کی وجہ سے حافظ صاحب کی فوج سے جو فرخ آباد کے متصل پڑی ہوئی تھی جنگ قراولی شروع کردی اس فوج میں حافظ صاحب کے ایسے افسر تھے جو ناتجربہ کار تھے عمدہ اور تجربہ کار افسر یہاں موجود نہ تھے جو افسر موجود تھے وہ عیاشی اور آرام طلبی کی وجہ سے لڑائیوں میں تن دہی نہیں کرتے تھے اسلیے حافظ صاحب کی فوج مغلوب ہونے لگی اور مرہٹوں کے مقابلے میں اپنی جگہ جی چرانے لگی ایک دوسرے کا منھ دیکھتا تھا حافظ صاحب یہ حالات معلوم کرکے گنگا کے کنارے سے خود کوچ کرکے فتح گڑھ کو چلے گئے مرہٹے حافظ صاحب کی توجہ اُدھر مصروف دیکھ کر نواب احمد خاں کے ملک سے اُٹھ کر اٹاوے کی طرف چلے گئے۔ خاک ہند کو انسان کے بے ہمت بے حوصلہ کام چور عیش جو آرام طلب بنانے میں کیمیائی تاثیر ہے روہیلے اگرچہ افغانستانی تھے مگر ہندوستان میں رہنے سے ان میں اتنی کم ہمتی آگئی تھی کہ مرہٹوں کے مقابلے میں جی چُراتے تھے حافظ صاحب اپنی سپاہ کی بُزدلی کی وجہ سے اُن کا تعاقب نہ کرسکے فتح گڑھ ہی میں پڑے رہے مرہٹوں کے تھانے حافظ صاحب کے علاقے میں قائم ہوگئے۔ ایک دن حافظ صاحب نے عبدالستار خاں اور سید احمد شاہ اور مولوی غلام جیلانی خاں اور شاہ اشرف خاں وغیرہ افسروں کو اپنی فوج میں سے منتخب کرکے مرہٹوں کے ایک تھانے پر جو جلال آباد میں تھا حملہ کرنے کا حکم دیا باوجودیکہ مرہٹے تھوڑے سے تھے

مگر حافظ رحمت خان کے سوار پسپا ہو گئے۔ مرہٹون نے قلعۂ اٹاوہ کا بھی محاصرہ کر لیا جہان کے قلعہ دار شیخ کبیر تھے۔ حافظ صاحب نے عنایت خان کو انتظام کے لیے بریلی سے طلب کیا۔ اس عرصے مین دوندے خان کا خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ اٹاوے کی طرف مرہٹون کا تعاقب کرنا مناسب نہین وہ ملک ہماری ریاستون سے دور ہے اُس پر قبضہ قائم رکھ سکنا مشکل ہے۔ مین تو شکوہ آباد سے دست بردار ہوا آپ اٹاوہ چھوڑ دیجیے اور مرہٹون سے لڑنے کے لیے سپاہ روانہ نہ کیجیے حافظ رحمت خان کے افسران ہمراہی جو لڑائی سے دل ہارے ہوے تھے اُنھون نے دوندے خان کی راے کی تائید کی۔ مگر عنایت خان کسی طرح اِس صلح پر راضی نہ تھا اور کہتا تھا کہ یہ مہم آپ میرے تفویض کیجیے حافظ رحمت خان نے کہا کہ سپاہ ہمراہی پر اعتبار نہین ہے مجھے یقین ہے کہ لڑائی کے وقت یہ لوگ تجھے تنہا چھوڑ دینگے۔ عنایت خان نے جب حافظ صاحب کا پورا پورا میلان صلح کی طرف پایا تو ناخوش ہو کر بریلی کو چلا گیا۔

حق یہ ہے کہ اگر لشکر روہیلہ کے لوگ حواس درست رکھتے یا حافظ صاحب کو خدا توفیق دیتا کہ اپنی باگ روک کر کھڑے ہو جاتے تو اُن لٹیرون کا مار لینا اور ہٹا دینا کچھ بڑی بات نہ تھی۔

حافظ صاحب نے اپنے افسرون کی صلاح سے مرہٹون کے وکیلون سے کہا کہ تم اپنے سردارون سے کہدو کہ وہ صلح نامہ لکھ کر اور اُس پر اپنی مُہر لگا کر شیخ کبیر کے حوالے کر دین اور اٹاوے پر قبضہ کر لین اور حافظ صاحب نے

اپنی طرف سے شیخ کبیر کو لکھ بھیجا کہ مرہٹوں سے عہد نامہ لیکر قلعہ اُنکے حوالے کردو
اور تم ہمارے پاس چلے آؤ ساتھی یہ تحریر شیخ کبیر اور مرہٹوں کے پاس پہونچی
تھی کہ مرہٹوں نے قلعۂ اٹاوہ کے پاس پہونچکر لڑائی شروع کردی۔ شیخ کبیر
مورچے قلعہ کے باہر ہوا کر مرہٹوں سے مقابلہ کرنے لگے چار دن لڑائی رہی
ہر بار مرہٹے چھاتی پر دھکا کھا کر اُلٹے پھرے شیخ کبیر بڑے زور شور سے جواب
دے رہا تھا اور بار بار مرہٹوں کا مُنھ پھیر دیتا تھا مرہٹوں نے جب سمجھ لیا کہ
یہ قلعہ بزور شمشیر فتح نہیں ہوسکتا تو شیخ کبیر کے پاس وکیل بھیج کر پیام دیا
کہ حافظ صاحب نے ہمکو اٹاوہ اور شکوہ آباد دینے پر صلح کرلی ہے یقین ہے
کہ تمکو بھی اُنکا حکم پہونچا ہوگا پھر اُنکے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتے شیخ کبیر
نے جواب دیا کہ بیشک اُنکا حکم مجھکو پہونچا ہے لیکن چونکہ تم بزور قلعہ کو لینا
چاہتے ہو اسلیے میں مقابلہ کرتا ہوں۔ اب اگر معاملے کے ساتھ لینا منظور
ہے تو مضائقہ نہیں ایسا کرو کہ صلح نامہ اپنی مُہروں سے مرتب کرکے میرے
پاس بھیجدو اور جس قدر غلہ وغیرہ سامان قلعہ میں موجود ہے اُس کی قیمت
میرے پاس پہونچا دو اُس وقت قلعہ تمھارے حوالے کردونگا چنانچہ بہت سی
گفتگو کے بعد ایک لاکھ روپیہ قیمت رسد کی بابت اور صلح نامہ مرہٹوں
نے شیخ کبیر کے پاس بھیجدیا بعد اسکے شیخ کبیر نے وہ قلعہ خالی کردیا اور قلعہ
سے تین کوس پر ڈیرے کردیے۔

دوسرے دن مہاجی سیندھیا کے داماد ادھرجی اور اُس کے وکیل
جمن بیگ کو ہمراہ لیکر شیخ کبیر حافظ صاحب کے پاس جا پہونچے ادھرجی

اور چمن بیگ کی اُن سے ملاقات کرائی۔ اُنھون نے صلحنامہ مہاجی سیندھیا
اور تکو ہلکر اور رام چندر گنیش کا حافظ صاحب کی خدمت مین پیش کیا اور صلح
مستحکم ہوگئی حافظ صاحب نے خلعت اور اسپ اُن دونون سردارون کو
مرحمت کیے اور تھوڑے دنون کے بعد اُن کو رخصت کر دیا۔ شیخ کبیر نے
حافظ صاحب سے صاف طور پر کہدیا کہ مرہٹون کی بہت کثرت ہے
کسی طرح اُن سے مقابلہ ممکن نہین بہتر یہ ہے کہ گنگا پار کے علاقے سے دست بردار
ہوجانا چاہیے۔ حافظ صاحب نے نواب سید فیض اللہ خان سے کہا کہ مرہٹون
کی فوج وہ کثرت سے ہے اور ہماری سپاہ کی بے دلی اور نافرمان برداری کی
یہ حالت ہے اس صورت مین جنگ مین عہدہ برآ ہونا معلوم اس لیے
ہم محالات چکلۂ اٹاوہ سے دست بردار ہوتے ہین۔ پس نواب سید
فیض اللہ خان اور صاحبزادہ سید محمد یار خان اور صاحبزادہ سید نصر اللہ خان
خلف نواب سید عبد اللہ خان اور حافظ رحمت خان نے آٹھ مہینے کے بعد
وہان سے کوچ کیا۔ اور مئی ۱۷۷۰ء مین اپنی اپنی ریاستون مین داخل ہوگئے
اور فتح خان اور سردار خان جو اُسیت مین تھے وہ بھی وہان سے چلکر اپنے اپنے
مقامات مین آگئے۔ مگر حافظ رحمت خان دوندے خان کی علالت کا حال
سنکر اُنکی عیادت کے لیے بسولی کی طرف چلے ابھی راہ مین تھے کہ اُنکا انتقال ہوگیا

دوندے خان صاحب کا انتقال

روہیلون کی پارٹی کو نجیب الدولہ کے انتقال سے تو ایک صدمہ

ہوچکا تھا دوسرا صدمہ یہ ہوچکا کہ ایک اور رکن اُن میں سے یعنی عزت الدولہ دلاور الملک دوندے خاں بہادر بہرام جنگ ۲ر محرم ۱۱۸۵ہجری کو عارضہ صرع سے رہگرائے ملک آخرت ہوئے۔ جام جہاں نما اور اخبار حسن میں سال وفات یہی لکھا ہے اور عماد السعادت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۴ہجری میں دوندے خاں نے رحلت کی بہر صورت انکی وفات نجیب خاں کی وفات کے بعد ہوئی ہے ستر برس کی اور بعض کے نزدیک سا ٹھ برس کی عمر پائی خاک روہ سے اُٹھ کر شجاعت کا نام روشن کردیا حسن بہادری اور بے جگری سے اُنھوں نے تلواریں ماریں لکھتے ہوئے قلم کا سینہ پھٹا جاتا ہے

حسن خاں ابن محمود خاں ابن شہاب الدین خاں ککے بیٹے تھے قوم کے بڑیچ تھے ۱۱۱۰ہجری میں پیدا ہوئے تھے اخبار حسن میں لکھا ہے کہ نواب سید علی محمد خاں کی دولت کے آغاز میں ملک کشمیر میں آئے اور منتخب العلوم سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد خاں کی رفاقت میں موجود تھے اور جب راجہ کمایوں نے داؤد خاں کو مروا ڈالا تو یہ نواب سید علی محمد خاں کو ہمراہ لے کر نواب عظمت اللہ خاں فاروقی کے پاس چلے آئے نواب سید علی محمد خاں انکی بہت عزت کرتے تھے۔ انکی جوانمردی سے بہت سے کام ظہور میں آئے۔ مزار انکا سوتی میں ہے یہ شخص روہیلوں میں نہایت با وقار صاحب تمکین تھے مزاج ان کا بہت مستقیم تھا عہد کے بڑے پابند تھے انکے مرتے ہی روہیلوں کے اعتبار کا پردہ چاک ہوگیا اور روز بروز انکی دولت و قوت میں سستی پیدا ہونے لگی۔ تین بیٹے جوان چھوڑے

محب اللہ خان عظیم اللہ خان ۔ فتح اللہ خان ۔ کچھ دنون بھائیون مین ملک و مال اور توپخانے کی تقسیم کی بابت تنازع رہا۔ اخبار حسن مین لکھا ہے کہ حافظ رحمت خان نے دوندے خان کے تمام ملک و مال کو مساوی تین حصون پر تقسیم کرکے ایک حصہ محب اللہ خان کے لیے مقرر کیا اور ایک فتح اللہ خان کے لیے اور ایک عظیم اللہ خان کے لیے اور بہوجی یعنی زوجۂ دوندے خان کو عظیم اللہ خان کے شریک کر دیا۔ مگر فرح بخش سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تقسیم پر عمل درآمد نہوا۔ آخر کار ملک و دولت اور توپخانے کے دو حصے قرار پائے مراد آباد وغیرہ محب اللہ خان کے حصے مین آئے سنبھل وغیرہ فتح اللہ خان کو ملا۔ دیوان کا مل کی شوم طبعی سے تمام علاقہ ویران ہوگیا تھا اسلیے سوائے زیرباری سپاہ کے اور کچھ ان بھائیون کے ہاتھ نہ لگا عظیم اللہ خان کو صرف تھوڑے سے گانو ن دیے گئے جسکی آمدنی سے وہ گذراوقات کرتے۔ حافظ رحمت خان بسولی پہونچے تو دوندے خان انتقال کر چکے تھے۔ حافظ صاحب چہلم تک بسولی مین رہے اور بہوجی یعنی زوجۂ دوندے خان کی تسلی کرتے رہے۔ پھر یہان سے نجیب الدولہ کی تعزیت کے لیے نجیب آباد کو روانہ ہوے۔

نجیب الدولہ کی وفات کے بعد اُنکی اولاد کے واقعات

نجیب خان خلف اصالت خان ولد عنایت خان عمرخیل نواب سید علی محمد خان بہادر کے عہد مین افغانستان سے اپنے چچا بشارت خان

کے پاس آئے تھے اُنکے ذریعہ سے نواب صاحب کی سرکار میں ملازم ہوئے تھوڑے سے سوار اور پیادوں کے افسر کردیے گئے ۱۱۶۵ ہجری میں دہلی میں ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کے مقابلے میں جوامردی و شجاعت ظاہر کی تو نجیب الدولہ خطاب اور جاگیر پائی ۔ اور یہانتک ترقی کی کہ امیرالامرائی کے مرتبے کو پہونچ گئے اور بیس ہزار پٹھانوں کے مالک ہوگئے آزاد صاحب نے تاریخ فرح آباد میں لکھا ہے کہ نجیب الدولہ شجاع الدولہ کے پگڑی بدل بھائی تھے اُنھوں نے اپنے بڑے بیٹے ضابطہ خاں کا بیاہ نواب سید علی محمد خاں بہادر کی بیٹی کے ساتھ کیا تھا جو نواب سید فیض اللہ خاں کی حقیقی بہن تھیں ۔ نجیب خاں خطاب نجیب الدولہ مشہور و معروف اور بڑی قابلیت اور عمدہ لیاقت کے سردار تھے ۔ احمد شاہ دُرّانی نے اُنھیں دلی کا امیرالامرا مقرر کیا تھا ۱۱۸۴ ہجری میں نجیب الدولہ نے ضلع میرٹھ میں ہاپڑ کے قریب قصا کا جام پیا ناظمِ ملک بقا (۱۱۸۴) اُن کی تاریخ وفات ہے دوسری تاریخ یہ ہے ؎

رمیں راشیوہ شیوں نیاست | فلک راگریہ و ندان نماست
نداں قدوسیاں داد ندایں رمز | نجیب الدولہ واصل باخدا شد

اُنکے تین بیٹے تھے ۔ ضابطہ خاں ۔ کلو خاں ۔ ملو خاں ۔ ضابطہ خاں جو مرہٹوں کے کیمپ میں بادشاہ کی طرف سے وکیل مقرر تھے جب اُنکو اپنے باپ کے مرنے کی خبر پہونچی تو اُنھوں نے وہاں سے رخصت حاصل کرنے میں بڑی جلدی کی اور جو صرورت اُس وقت کیمپ کو درپیش تھی

اُسکی طرف اپنی جاگیر پر قبضہ کرنے کے شوق مین توجہ نہ کی۔ مرہٹون کو یا تو اُس وقت اُن کے ہونے کی ضرورت تھی یا اُن کی گھبراہٹ کے باعث کسی لالچ کے خیال سے اُن کو روک لیا اور کیمپ سے علٰحدہ ہونے کی اجازت نہ دی حافظ رحمت خان کو جو اس معاملے کی خبر ہوئی تو اُنھون نے اُن کی رہائی کے بارے مین مرہٹون کو بہت لالچ دیا مگر مرہٹے ملک درمیان دوآب کے سوا کسی بات پر نہ جمتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز اندھیری رات مین ضابطہ خان موقع پاکر مرہٹون کے کیمپ سے نکل آئے اور اُنکی فوج جو نجیب آباد وغیرہ سے اُن کے لینے کو آرہی تھی اُسمین جاکر شامل ہوگئے۔ اور نجیب آباد پہونچ کر اپنے باپ کے تمام مُلک و دولت پر قبضہ کرلیا اور اپنے دونون غیر حقیقی بھائی کلّو خان اور ملّو خان کو جو دوندے خان کی بیٹی کے بطن سے تھے باپ کے مُلک و دولت سے بالکل محروم کر دیا۔

کلّو خان نے مجبور ہوکر قصبۂ نگینہ پر اکتفا کیا اور وہین رہنے لگا جب ضابطہ خان کو یہ حال معلوم ہوا کہ دوندے خان جو کلو خان کے نانا تھے مر گئے۔ محب اللہ خان اور فتح اللہ خان دوندے خان کے بیٹون مین خود باہم ناچاقی ہے اور کلّو خان کے افعال اور اعمال کی وجہ سے اُسکے تمام ساتھی بیدل ہو رہے تھے کوئی دل سے اُسکا شریک و رفیق نہ تھا ضابطہ خان نے یہ تمام قدرتی سامان مہیا پاکر اپنے چچا افضل خان کو فوج دے کر کلو خان پر بھیجا کہ اُس کو نگینے سے نکال دین۔ اسی عرصے مین حافظ رحمت خان دوندے خان کی تعزیت کے مراسم ادا کرکے

خان محمد خاں اور رائے ٹیک چند منشی کے مشورے سے بسولی سے کوچ کر کے نجیب آباد کو گئے تھے حافظ صاحب نے صابطہ خاں سے ملاقات کر کے اُنکو بہت کچھ سمجھایا کہ بھائیوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیے۔مگر ضابطہ خاں نے حافظ صاحب کا کہنا نہ مانا اور بظاہر اسی نے قصوری اور اُنکی سرتابی کی شکایت کرتے رہے۔باوجودیکہ پچاس لاکھ روپے کی آمدنی کا ملک اُنکے پاس تھا مگر ایک لاکھ روپیہ کا علاقہ بھائیوں کو دینے پر رضامند نہ تھے۔حافظ صاحب تو نجیب آباد سے بریلی کو چلے آئے۔افضل خاں لشکر لے کر نگینہ پہونچ گیا اور کلو خاں کا محاصرہ کر لیا محمد خاں پسر ملا سردار خاں بختی اُن دنوں اپنے باپ سے ناراض ہوکر اور شاہ عالم خاں بن ٹرہ خاں حافظ رحمت خاں سے ناخوش ہوکر دونوں اُس علاقے کی طرف چلے گئے تھے اور دونوں کلو خاں کے پاس پہونچکر اُس کے شریک ہوگئے اور دونوں خوب لڑے چونکہ یگانگی رکھتے تھے اسلیے کوئی زیادہ خونریزی کے درپے نہ تھا۔افضل خاں نے کلو خاں کو چکنی چپڑی باتوں سے راضی کر کے گرفتار کر لیا۔محمد خاں کا تمام مال واسباب اور شاہ عالم خاں کا ہاتھی وغیرہ سامان سب لُٹ گیا۔صابطہ خاں نے کلو خاں کو قید کر دیا اور کچھ یومیہ گذارے کے لیے مقرر کیا۔کلو خاں کی بی بی نواب سید سعد اللہ خاں کی بیٹی تھیں وہ وہاں سے اپنی ماں کے پاس آنولے کو چلی آئیں یہ بیان گل رحمت کے مؤلف کا ہے مگر بعض یہ ہے کہ اُسے نواب سید سعد اللہ خاں کی وفات کے ضمن میں لکھا ہے کہ اُنکی بیٹی کے ایک لڑکا ۱۱۸۳ ہجری میں کلو خاں سے

غوث گڑھ مین پیدا ہوا تھا اور زوجہ کا انتقال ہوگیا تھا اور یہان یہ کہا ہے کہ کلو خان کی گرفتاری کے بعد اُن کی زوجہ اپنی والدہ کے پاس چلی گئین اور یہ واقعہ نجیب الدولہ اور دوندے خان دونون کی وفات کے بعد کا ہے دوندے خان نے ۱۱۸۴ہجری مین انتقال کیا تھا۔ اور نجیب الدّولہ ۱۱۸۴ہجری مین فوت ہوے تھے۔

اخبار حسن مین لکھا ہے کہ ضابطہ خان نے تھوڑے دنون کے بعد اپنے دونون سوتیلے بھائیون کو حافظ رحمت خان کی سفارش سے رہا کر کے اُنکے گذارے کے لیے جاگیرین مقرر کردین۔

بادشاہ اور مرہٹون کی ضابطہ خان کے ملک پر چڑھائی۔ ضابطہ خان کا منہزم اور برباد ہوکر روہیلون کے پاس پناہ ڈھونڈھنا۔ اور روہیلون کا بھی دہشت زدہ ہوکر دامن کوہ مین چھپ جانا

احمد شاہ ابدالی نے مرہٹون کو پانی پت مین شکست فاش دے کر دہلی مین شاہ عالم کو شہنشاہ ہند قرار دیا تھا شاہ عالم الٰہ آباد مین رہتے تھے سرکار کمپنی نے اُن کو الٰہ آباد اور کوڑے کا علاقہ دلا دیا تھا اور چھبیس لاکھ روپے سالانہ خراج دینا منظور کیا تھا۔ مگر اس بادشاہ کو دہلی کا شوق لگا ہوا تھا اور وہ اپنے باپ دادا کے تخت پر بیٹھنے کا بڑا اشتیاق رکھتے تھے مگر کچھ انگریزونکے

احسانات کا پاس کرتے تھے کچھ نجیب الدولہ کے اختیارات سے ڈرتے تھے اسلیے وہ اس ارادے کو پورا نہ کرتے تھے۔

مرہٹے اب پھر زور پکڑ گئے تھے اور مغربی اضلاع ہند کو غارت کرتے تھے اور اُس کا یہ ارادہ تھا کہ روہیلوں کو جنھوں نے احمد شاہ ابدالی کی مدد کی تھی سزا دے رائی ویں۔ اس مطلب کے حاصل کرنے کو انھوں نے یہ تجویز کی کہ شاہ عالم کو دلی کے تخت پر بٹھائیں۔ ۱۱۸۴ھ کے شروع میں نجیب الدولہ کا رشتۂ حیات منقطع ہو چکا تھا۔ ہر چند گورنمنٹ انگریزی نے شاہ عالم کو منع کیا مگر اُنھوں نے نہ مانا اور مرہٹوں کے ساتھ دلی جانے کو تیار ہوے۔

جام جہاں نما میں مولوی قدرت اللہ صدیقی متوطن قصبۂ مئوئی معروف قصبہ کاکر نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے حافظ رحمت خاں کو بھی طلب کیا کہ آکر شریک دولت ہوں جو کہ اُنکی دولت اُوبار کے قریب پہونچ چکی تھی بادشاہ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ اور گل رحمت کا مؤلف کہتا ہے کہ بادشاہ کے فرمان کا مضمون یہ تھا کہ "ہمارا ارادہ دہلی جانے کا ہے تم بھی ہمارے پاس آؤ اور ہمراہ چل کر جشن میں شرکت کرو اور اگر تم نہ آسکو تو نواب ضابطہ خاں کو اپنی طرف سے لکھ بھیجو کہ بلا توقف دہلی سے دست بردار ہو جائیں اور اگر وہ تعمیل نہ کریں اور معاوت پر آمادہ ہوں تو تم اُن کی مدد نہ کیجیو کیونکہ تم سے کبھی نافرمانی ظہور میں نہیں آئی ہے"۔

حافظ صاحب خود تو بادشاہ کے پاس نہ گئے مگر نواب ضابطہ خاں کو لکھ بھیجا کہ دہلی کو چھوڑ دیں اور بادشاہ کی اطاعت کریں اور نواب سید

فیض اللہ خان بھی اُن کو سمجھانے کے لیے نجیب آباد پہونچے اور نواب ضابطہ خان کو بہت کچھ سمجھایا مگر اُن پر اثر نہ ہوا۔

مرہٹے اور دلّی کے امرا بادشاہ کو بشان و تجمل دلی کو لے گئے جب یہ سب دلی کے قریب پہونچے تو ضابطہ خان کی سپاہ جو قلعۂ دہلی کی حفاظت کرتی تھی گھبرا کر قلعہ خالی کر کے نجیب آباد کو چلی گئی۔ ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو شاہ عالم دلّی مین جا کر تخت نشین ہوے۔

نواب ضابطہ خان نے جب یہ خبر سنی کہ بادشاہ نے دہلی پر قبضہ کر لیا تو فوج جمع کر کے دلّی پر حملہ کرنے کے ارادے سے نجیب آباد سے حرکت کی حافظ رحمت خان کو جب اُنکے اس ارادے کا پرچہ لگا تو شیخ کبیر کو حکم دیا کہ بہت جلد نجیب آباد پہونچکر نواب ضابطہ خان کو دلّی کے قصد سے باز رکھین اور حافظ صاحب آپ تھوڑی سی سپاہ ساتھ لے کر شہر فرخ آباد کو نواب احمد خان بنگش کی تعزیت کے لیے گئے۔ جب فتح گڑھ پہونچے تو بخشی فخر الدولہ مدار المہام ریاست فرخ آباد ملنے کو آیا اور ضیافت لایا اور اپنے ہمراہ حافظ صاحب کو فرخ آباد مین لے گیا۔ حافظ صاحب نے رسم تعزیت ادا کی۔ فرخ آباد مین حافظ صاحب کا ایک معتبر رسالہ دار سید احمد نامی اپنے غلام کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حافظ صاحب نے اُسکے رسالے کی خدمت اُس کے بڑے بیٹے سید قاسم کے سپرد کی۔

اس وقت شاہ عالم مرہٹون کے قبضے مین تھے مرہٹے جو چاہتے تھے کرتے تھے وہ صرف برائے نام بادشاہ تھے اُنکا نام صرف ایک بچاؤ کے

واسطے تھا اور یہ مرہٹے ملک چھینے جاتے تھے۔

مرہٹوں نے بادشاہ کو صلاح دی کہ وہ روہیلوں کا ملک فتح کریں خاصکر مرہٹوں کو ضابطہ خاں کے ایسے قبضے میں سے دھوکے کے ساتھ نکل جانے کا سخت ملال تھا۔ علاوہ اسکے شاہ عالم جو بھی ضابطہ خاں سے خفا ہو گئے تھے اور جنگی کی جو تفتیح الاخبار وغیرہ میں یہ لکھی ہے کہ بادشاہ کی مسند نشینی کی تقریب پر ضابطہ خاں نے ایسا وکیل نہیں بھیجا تھا بلکہ بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ ضابطہ خاں فوج جمع کر رہے ہیں اور دلی پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں اسلیے بادشاہ غصہ ہوئے اور حکم دیا کہ ضابطہ خاں کی تنبیہ کے لیے فوج کی تیاری ہو۔ بادشاہ نے ضابطہ خاں کے راہ راست پر آنے کے لیے اُسکے پاس کئی تنقے بھیجے مگر وہ بادشاہ کے احکام کو خیال میں نہ لائے بلکہ مقابلے کے لیے تیاری کرنے لگے۔ ملہار راؤ اور نجیب الدولہ میں چونکہ بہت موافقت تھی اسلیے ہلکر کا بیٹا تکوجی ضابطہ خاں کا دوست تھا اُسنے بادشاہ سے سفارش کی کہ اُن کا قصور معاف ہو مگر بادشاہ نے قبول نہ کیا۔

ابھی حافظ صاحب فرخ آباد میں مقیم تھے کہ مادھوجی[1] سیندھیا اور

---

[1] مہاجا سیندھیا کا نام اصل میں مادھوجی ہے مگر کتب تواریخ میں مہاجی مشہور ہو گیا ہے اور مادھوجی کے اصل ہونے پر دلیل یہ ہے کہ وقائع عالم شاہی میں واقعات ۱۱۹۹ ہجری میں لکھا ہے کہ ایک مقام میں بادشاہ کی طبیعت علیل ہو گئی جب صحت پائی تو مادھوجی صدقہ لایا اُس وقت بادشاہ نے یہ دوہا لکھکر بطور تبرک کے اُسکی دستار میں رکھدیا۔ ایک دہال سے کھوٹے کے پرے تمہارے بس۔ مادھو اسی کچھو آوے تم کو جس جو۔ مادھوجی اصل کہلاتا تھا اور اُسکا نام مادھو راؤ تھا مادھو مخفف ہو کر اُسکے ساتھ لفظ جی جو تعظیمی کلمہ ہے ملا دیا ۱۲ منہ

تکوجی ہلکر اور بیساجی اور نجف خان نے ضابطہ خان کے ملک پر چڑھائی شروع کردی۔اس جنگ کے حال مین جنگ نامۂ ضابطہ خان کے نام سے ایک مثنوی مولوی محمد اکرم ولد مولوی محمد نور شیخ صدیقی نے لکھی ہے جس کے دو شعر یہ ہین ؎

نہ جانو اُسے تم کہ وہ فوج ہے — وہ دریاے عُمّان کی اک موج ہے
حواس اُس کے ایسے ہوے باختہ — کہ شاہین سے جیسے چھپے فاختہ

دسوین شوال ۱۱۸۶ہجری روز یکشنبہ کو بادشاہ قلعہ سے نکلے چونکہ تکوجی دربردہ ضابطہ خان سے موافقت رکھتا تھا اس لیے بادشاہ اُس سے مطمئن نہ تھے۔ اُسکو حکم دیا کہ بادشاہی لشکر سے دس کوس آگے رہے۔ نواب سید فیض اللہ خان جو اب تک ضابطہ خان کے پاس تھے وہ اُنکے پاس سے چلے آئے اور گنگا کے اس پار مقیم ہوگئے۔شیخ کبیر بھی ان کے پاس پہونچکر ٹھہرے اور پھر جریدہ گنگا کو عبور کرکے ضابطہ خان کے پاس گئے اور اُنکو حافظ صاحب کا پیغام پہونچایا کہ "بادشاہ کا مقابلہ نکرنا چاہیے بلکہ اطاعت کرنی چاہیے"۔ضابطہ خان نے نہ مانا اور یہی جواب دیا کہ "مین ضرور مقابلہ کرونگا"شیخ کبیر اپنے قیام گاہ کو واپس آئے۔نواب ضابطہ خان نے ساٹھ ہزار کے قریب سپاہ جمع کرلی تھی اُنھون نے کچھ فوج گنگا کے گھاٹون کی حفاظت کے لیے مقرر کی اور اپنے خزانے اور اہل وعیال کو نجیب آباد مین رکھا اور سُکّرتال کو مضبوط کرکے خود اُسمین مع اپنی فوج کے پناہ گزین ہوے اور اپنے بھائیونکو چاندپور نگینہ وغیرہ کے پرگنونکی طرف تھوڑی سی فوج کے ساتھ رسد رسانی کے لیے متعین کیا۔مرہٹون اور نجف خان نے

صابطہ خاں کو شکرتال میں محصور کرلیا اور اس مقام کے مفتوح کرنے کے لیے بہت کچھ زور آزمائیاں کیں مگر فتح نہ ہوسکا تو مرہٹوں نے یہ تدبیر کی کہ تھوڑی فوج سکرتال کے مقابل چھوڑی تاکہ یہ بات رہے کہ سب فوج ادھر ہی ہے اور کل فوج کے ساتھ نجیب آباد پر حملہ کرنے کی غرض سے پایاب گھاٹوں کی تلاش میں پھرنے لگے۔ اور اُس وقت میں گنگا بھی کئی جگہ سے پایاب ہوگئی تھی۔ اس وقت صابطہ خاں نے روہیلکھنڈ کے رئیسوں کو لکھا کہ ابھی تک مرہٹے گنگا کی پایابی سے خبردار نہیں ہوئے ہیں۔ اسلیے بہتر یہ ہے کہ گھاٹوں کا انتظام کرلیا جائے تاکہ اُنکی یورش اور فساد سے میں بھی محفوظ رہوں اور آپ بھی محفوظ رہیں اگر مرہٹے گنگا کی پایابی سے مطلع ہوگئے تو گنگا اُتر کر سارے ملک کا ستیاناس کردینگے اور مجھ سے فرصت پاکر آپ پر چڑھائی کرینگے۔
ان سرداروں نے صابطہ خاں کی تحریر کے مطابق تیاری کرکے گنگا کے گھاٹوں کی حفاظت کے لیے فتح خاں کو روانہ کیا اور بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ شیخ کبیر اور نواب سید فیض اللہ خاں بھی اُنکی مدد کے لیے گئے تھے اور گل رحمت میں اُن کے جانے کی جو وجہ لکھی ہے وہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں۔ نواب صابطہ خاں نے سکرتال کے تلے گنگا پر ایک پل کشتیوں کا تیار کرلیا تھا اُسی کے ذریعہ سے رسد اُن کے پاس پہونچتی تھی صابطہ خاں اُسی پل سے گنگا کو عبور کرکے فتح خاں کے لشکر میں آئے اور دونوں کا یہ مشورہ قرار پایا کہ گنگا کے گھاٹوں کا انتظام کرنا چاہیے پھر اس طرح انتظام کیا کہ شکرتال کی برابر سے گنگا کے اوپر کے گھاٹوں پر ایسی فوج کو بیس تیس کوس

تک تعینات کردیا۔ اور سعادت خان اور صادق خان آفریدی اور کلو خان اور ملو خان اور کرم خان رَزّڑ اور پائندہ خان اور امان خان وغیرہ اُن گھاٹون کی حفاظت پر فوجون کے ساتھ مقرر ہوے اور فتح خان کی فوج سکرتال کے تلے کے گھاٹون پر متعین ہوئی۔

مرہٹون کو اس انتظام سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ گنگا ضرور عبور کے قابل ہوگئی ہے۔ اور عبور کی کوشش مین متوجہ ہوے۔ چنانچہ مسیاجی اور مہاجی سیندھیا نے ۷ ذیقعدہ کو آدھی رات کے وقت بادشاہ سے اجازت لے کر کوچ کے نقارے بجوائے اور ۸ تاریخ کو نجف خان کی فوج کو ہمراہ لے کر کئی گھاٹون کے سامنے سے اس طرح گذرے کہ اُن گھاٹون کے محافظون کو یہ یقین ہوگیا کہ مرہٹے ادھر سے نکل گئے اوپر کو جارہے ہین اور ان گھاٹون کے سپاہی یہ سمجھکر کہ اب مرہٹے یہان نہین رہے بے غم ہوگئے۔ اور بہت سے سپاہی ادھر اُدھر دوستون سے مُلاقات کو نکل گئے گھاٹون پر تھوڑے تھوڑے سپاہی رہ گئے کہ یکایک مرہٹے لوٹ پڑے اور اُنیسوین ذیقعدہ کی رات کو ناہر سنگھ گوجر کی رہنمائی سے بھینس گھاٹہ کے گھاٹ سے اُترنے کا قصد کیا اس گھاٹ پر سپاہی کم تھے اور جو چلے گئے تھے وہ جمع نہو سکے اسلیے جس قدر سپاہی موجود تھے اُن کو کرم خان رَزّڑ اور بہادر خان جمع کرکے مزاحمت کے لیے ایک ٹیلے پر کھڑے ہوگئے اور دو تین اور بھی سردار قریب کے گھاٹون کے یہ خبر سُنکر تھوڑی تھوڑی سپاہ کے ساتھ مدد کو آگئے۔ مرزا نجف خان اول اپنی فوج کو بڑھا کر گنگا مین گھُس پڑا

ابھی پانی میں تھا کہ پٹھانوں نے بان اور بندوقوں کے فیر شروع کیے۔ مرزا
نجف خاں کے ساتھ رسورک موجود تھے اُن کو حکم دیا کہ کھڑے ہو کر باڑھ
مارو۔ ایک پہر جنگ رہی اول کرم خاں مردانگی کے ساتھ جنگ کر کے
مارا گیا پھر صادق خاں روہیلوں کی سپاہ کا افسر کام آیا تیسرا افسر سعادت خاں
آرمدی یہ حالت دیکھ کر ہاتھی سے اُتر پڑا اور یہ بھی مارا گیا۔ اس کے مارے
جاتے ہی روہیلوں کے پاؤں اُکھڑنے لگے مگر یہ لوگ بھی عجیب شدید الحرص
قوی الطمع ہوتے ہیں اپنے افسروں کے مقتول ہوتے ہی آپس میں لوٹ مار
شروع کر دی یہ عالم ہوا کہ جس کسی پڑی ہوئی تھی تمام مال و اسباب لوٹ کر اور کچھ زخمی
اور کچھ مقتول ہو کر باقی ماندہ بھاگ گئے اور بیٹے اور نجف خاں بھی گنگا میں سے پیچھے کو
لوٹ گئے اور عبور کیا مگر یہ خبر تمام گھاٹوں پر پھیل گئی اور تمام سپاہ پر کچھ ایسی ہیبت
چھا گئی کہ بغیر کسی صدمہ اور نقصان پہونچنے کے جا بجا سے بھاگنے لگے۔

جب پٹھاں گھاٹوں پر سے بھاگ گئے تو بادشاہ گنگا سے اُترے مرزا
نجف خاں نے سعادت خاں اور کرم خاں کے سر نذر کیے ملبوس خاص
اور ڈھال اور مالائے مروارید بادشاہ نے عطا کی اور دوسروں کو بھی انعام
دیا اور بادشاہ نے اُسی وقت سیاحی اور سیندھیا کو حکم دیا کہ گنگا کو عبور کر کے
پتھر گڑھ کا محاصرہ کرلیں ایسا نہ ہو کہ ضابطہ خاں کا مال و اسباب قلعہ سے
نکل جائے اور نجف خاں کی صلاح سے ضابطہ خاں کا تمام مال و اسباب ضبط
کرلیں اور ضابطہ خاں کی ناموس کی پردہ داری اور احتیاط رکھیں سکرتال
کی سپاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُسے بھی آپس میں لوٹ مار مچا کر

راہ فرار اختیار کی مگر ضابطہ خان کے مال واسباب پر اس لیے ہاتھ نہ ڈالا کہ اُن کے ساتھ کسی قدر خاص خاص جان نثار موجود تھے علاوہ اس کے شرم حضوری بھی دامنگیر تھی۔ ضابطہ خان بہت پریشان ہوے فتح خان خود بھی سکرتال کے مقابل گنگا کے اس پار فوج لیے ہوے پڑے تھے اُنکو ضابطہ خان نے خبر کی اور اپنے پاس بُلایا فتح خان سکرتال مین پہونچے تو یہ حال دیکھکر وہ بھی بڑے پریشان ہوے اور ضابطہ خان کو صلاح دی کہ اب دو تین گھڑی دن باقی ہے کل صبح کو آپ بھی میرے لشکر مین چلے آئیے۔ میدان مین مرہٹون سے جنگ کرینگے اور فتح خان اپنے لشکر کو لوٹ گئے مگر انکی سپاہ نے بھی ضابطہ خان کے لشکر کے بھاگ جانے کا حال سن لیا تھا اسلیے اُنھون نے بھی وہی وتیرہ اختیار کیا۔ اور تمام لشکر مین بھاگڑ پڑ گئی جب فتح خان کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بیٹے سے کہا کہ تیرا بھائی تھوڑے سے سوارون کے ساتھ نواب ضابطہ خان کی ملاقات کو گیا ہے تو جا کر اُسے لوٹا لا۔ یہ گھوڑے پر سوار ہو کر کچھ سپاہی ساتھ لیکر چلا پل کے کنارے تک پہونچا تھا کہ ہمراہیون نے اُسکو لوٹ لیا۔ یہ بیچارہ پھٹے کپڑے ننگے سر باپ کے پاس آیا فتح خان کے پاس جس قدر آدمی رہ گئے تھے اُن کو جمع کر کے روہیلکھنڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ رستے مین ایک گانون مین ایک بنیے سے اور فتح خان کے سپاہی سے سودے سلف مین تکرار ہو گئی سپاہی نے بنیے کے مکان کے پیچھے سے چھپر کو آگ دیدی اس آتش زدگی سے رستے کے بہت سے گانون جل کر خاک ہو گئے۔

مؤلف سیر المتاخرین سے ایک معتمد آدمی فتح خان کے ساتھیون مین سے

بیان کرتا تھا کہ فتح خاں کی جماعت پر مرہٹوں کا خوف اتنا غالب تھا کہ رات کے وقت ان کے دس ہزار سوار و پیادے ایک مقام پر پہونچے جہاں پر ایک کھیت میں ارنڈ کے درخت تھے دور سے اُن درختوں کو مرہٹوں کے پرے سمجھ کر لرزنے لگے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے۔ جب جاسوس یہ خبر لائے کہ یہاں مرہٹے نہیں ہیں ارنڈ کے درخت کھڑے ہیں تو ہوش بجا ہوئے اور آگے کو بڑھے۔

گل رحمت میں لکھا ہے کہ خف خاں اور مرہٹے گنگا کو اُتر کر نجیب آباد پر حملہ آور ہوئے ضابطہ خاں سکرتال کے تلے گنگا کو عبور کر کے نواب سید فیض اللہ خاں کے پاس گئے اور مرہٹوں کی نجیب آباد پر یورش کرنے کی خبر سنائی نواب موصوف نے کہا کہ میں صرف تمکو سمجھانے کے لیے آیا تھا جبکہ تمنے میری رائے نہ مانی تو تم جاؤ اور تمہارا کام جانے۔ ضابطہ خاں کو اس جواب نے اور خائف کیا اور اپنے لشکر کی طرف جو سکرتال میں مقیم تھا لوٹے۔ گنگا کے کنارے مخالف کی فوج کا ہجوم دیکھا تو مجبور ہو کر پھر نواب سید فیض اللہ خاں کے پاس آئے جو رام پور کو روانگی کے ارادے سے سوار ہو رہے تھے چنانچہ اُنکے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو کر روہیلکھنڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ الیٹ کا بھی یہی بیان ہے کہ نواب ضابطہ خاں نواب سید فیض اللہ خاں کے ساتھ رام پور کو چلے گئے اخبار جس سے بھی اس بات کی صحت ہوتی ہے کہ نواب ضابطہ خاں نواب سید فیض اللہ خان کے ہمراہ کٹھیر کو آئے تھے۔ مگر بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ نواب ضابطہ خان بذات خود بھاگے تھے۔

جب ضابطہ خان کی روانگی کی خبر سکرتال مین جا پہونچی تو
اُن کے جتنے سپاہی وہان موجود تھے اُن مین تلاطم مچ گیا اور آپس مین لوٹ
مار کرکے جسکو جدھر راستہ ملا بھاگ نکلے۔ مرہٹون کی جس قدر سپاہ سکرتال کے
مقابل پڑی ہوئی تھی وہ سکرتال مین گھس آئی اور اُسکو لوٹ لیا جب اُن مرہٹون کو
جو نجیب آباد کے قریب پتھر گڑھ کے فتح کرنے مین مصروف تھے اس واقعہ
کی خبر پہونچی تو بہت خوش ہوے۔ نجیب آباد کی سپاہ نے ابھی تک اس امید
پر مقابلہ جاری رکھا تھا کہ سکرتال سے مدد آجائے جب یہان کی سپاہ کو
سکرتال کے مغلوب ہوجانے کی خبر پہونچی تو اُس نے بادشاہ سے امان چاہی
اور قلعہ بادشاہی ملازمون کے سپرد کردیا۔ نجیب الدولہ کے تیس برس کے
جمع کیے ہوے خزائن اور اسباب اور کارخانون کی ضبطی کے علاوہ مرہٹون
نے دو تین کروڑ روپے جبراً رعایا سے وصول کیے اور نجیب الدولہ کی قبر کو
غصّے کے باعث سے اکھیڑ ڈالا اور ضابطہ خان کی اہل و عیال اور اُن کے
بیٹے غلام قادر خان کو حراست مین لے لیا اور اُن کے لیے اپنے لشکر مین علٰحدہ
خیمہ کھڑا کرکے روزینہ مقرر کردیا۔ اور تمام توپ خانہ بھی جس مین دو سو[1] توپین
تھین اُٹھا لیا۔

بادشاہ اور مرہٹون سے جو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ تمام مال اور روپیہ لوٹ کا
بالمناصفہ باہم تقسیم ہو مرہٹون نے اُسکی تعمیل نہ کی اس لیے بادشاہ کا دِل
اُن سے کھٹا ہوگیا۔ توپخانہ اور خزانہ اور ہاتھی گھوڑے اور عمدہ اسباب تو

---

[1] دیکھو تاریخ سلاطین متاخرین ہند ۱۲

مرہٹوں نے اپنے پاس رکھا اور ناکارہ اسباب بادشاہ کے حصے میں دیا۔ ذوالفقار الدولہ جھگڑنے لگے مگر بادشاہ نے اغماض مناسب سمجھا اور قرار دیا کہ دلی کی واپسی کے بعد اس قوم کو دکن کی طرف رخصت کر دینگے اور دوسرے ممالک کی تسخیر دوسرے وقت پر موقوف رکھینگے اسکے بعد مرہٹوں کے غول نے کٹھیر چاروں طرف پھرنے لگے اور ضابطہ خاں کے ملک کو لوٹ لاٹ کر خراب کر دیا اور جبکہ اُن کو یہ خبر ہوگئی کہ ضابطہ خاں رام پور کی طرف چلے گئے تو اُنھوں نے ملک کٹھیر کا ارادہ کیا۔

جس وقت فتح خاں خانساماں نے بخشی سردار خاں۔ فتح اللہ خاں۔ محب اللہ خاں اور سید محمد یار خاں ابن نواب سید علی محمد خاں کو یہ خبر پہونچائی کہ مرہٹوں اور نجف خاں نے گنگا کو عبور کر کے ضابطہ خاں کے تمام ملک کو پائمال کر ڈالا تو اِن روہیلوں پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ بغیر کسی صدمہ اور نقصان پہونچنے کے اپنے تمام عیال واطفال مال واسباب کو لاد کر اپنے اپنے مقام کو چھوڑ کر بریلی کو چلے گئے۔ حافظ صاحب نے فرخ آباد سے واپسی کے وقت مقام تلہر میں ضابطہ خاں کی شکست کی خبر سُنی تو جلدی سے بریلی کو آئے یہاں تمام رئیسوں کو جمع اور مضطر دیکھا اُنکی تسلی اور دلدہی کی اور حافظ صاحب نے اُنسے کہا کہ اس طرح بے لڑے بھڑے دامن کوہ میں چلا جانا مناسب نہیں مرہٹے ادھر نہیں آتے ہیں اور اگر آئے بھی تو ہم بادشاہ سے اور اُس سے معاملے اور صلح کی بات چیت کرینگے اگر ماں لیا

سلہ دیکھو گل رحمت ۱۲

توبہتر ہے ورنہ لڑائی کرینگے۔ مگر سب نے متفق ہوکر یہ کہا کہ بریلی اور پیلی بھیت مین کوئی جنگی قلعہ نہین۔ ہماری سب کی خوشی یہ ہے کہ اہل وعیال کولے کر دامن کوہ مین چلے جائین۔ حافظ صاحب بھی راضی ہوگئے۔ اورجب شیخ کبیر بریلی پہونچ گئے توپیلی بھیت کو روانہ ہوے اور عنایت خان کو پیلی بھیت کی حفاظت کے واسطے چھوڑا اور خود اُن سب کو لے کر ترائی کی طرف چلے گئے اور نانک متے مین جا پہونچے جو پہاڑ کے دامن مین ہے اور پیلی بھیت سے شمال کی جانب بارہ کوس کے فاصلے پر ہے یہان مورچے تیار کراکے خود تو یہان رہے اور تمام سردارون اور رسالہ دارون کے اہل وعیال کو گنگاپور کے جنگل مین جو نانک متے سے پانچ کوس کے فاصلے پر پہاڑ کی جانب ہے بھیجدیا۔ کیونکہ یہان جنگل گنجان تھا اس لیے یہ مقام نہایت محفوظ تھا۔ مگر روہیلون کا خوف سراسر بے سود تھا کیونکہ مرہٹون کی فوج ان ضلعون مین بالکل نہین آئی پس فرح بخش مین جو یہ لکھا ہے کہ بادشاہ اور مرہٹے تین مہینے تک مرادآباد کے علاقے مین رہے برسات کے قریب آجانے کی وجہ سے بغیر نامہ وپیام معاملہ کے دہلی کو چلے گئے یہ صحیح نہین اسلیے کہ بادشاہ نجیب آباد سے دہلی کو لوٹ گئے تھے۔ مرہٹے نجیب آباد کے علاقے کو لوٹتے کھسوٹتے پھرتے رہے آگے نہین بڑھے جیسا کہ گزٹیر اور مرأت آفتاب نما مین مصرح ہے۔

اس کے بعد نواب ضابطہ خان بھی نواب سید فیض اللہ خان کے ہمراہ جنگل کی راہ سے یہان آگئے مگر ہملٹن لکھتا ہے کہ "نواب ضابطہ خان بذات خود مقام لال ڈوانگ کو بھاگ گئے کیونکہ ان لوگون کا قدیمی پناہ گاہ تھا

مقام اسی جگہ تھا لیکن مقام لال ڈانگ کا جانا غلط ہے بلکہ متے اور گنگا پور کے جنگل میں قیام کیا تھا واسے ضابطہ خاں بھی امروہہ اور مراد آباد ہوتے ہوئے یہاں آپہونچے[1]

روہیلوں کا مرہٹوں سے مقابلے کے لیے نواب شجاع الدولہ کو اپنا مددگار بنانا اور چالیس لاکھ روپے بابت مدد ہی کے شجاع الدولہ کو دینے کے لیے حافظ رحمت خان کا اقرار کرنا اور ایک تمسک لکھ دینا

جس وقت ضابطہ خاں نے شکست پائی تو روہیلکھنڈ کے سرداروں پر ایک سناٹے کا عالم ہوگیا اور وہ حیران رہ گئے اور انھوں نے جان لیا کہ یہ نامبارک آغار ہے دیکھیے اس کا انجام کیا ہوتا ہے اسلیے اُن سب نے ایک رائے ہوکر یہ ارادہ کیا کہ شجاع الدولہ کو اپنا طرفدار بنائیں کیونکہ روہیلکھنڈ میں مرہٹوں کی ریاست جمنے سے اُنکو بھی بڑا خوف تھا۔

اب شجاع الدولہ نہایت مضطرب و بیتاب ہوئے اور جنوری ۱۷۷۲ء عیسوی میں انگریزی کمانڈر انچیف سر رابرٹ بارکر سے جو الہ آباد کی راہ پر تھا اور شجاع الدولہ کی امداد کے لیے کمشنٹ فوج کا افسر تھا ملاقات کرنی چاہی اور ۲ جنوری کو وہ فیض آباد مین اُس سے ملے اور اُسکے آگے بیان کیا کہ میں بڑی خرابی اور سرگردانی میں ہوں اگر روہیلو کو

---

[1] دیکھو فرح بخش ۱۲

مرہٹون نے روہیلکھنڈ سے نکال دیا تو ایک زبردست قوم سے ڈانڈا میننڈا مل جائیگا جس سے ہر وقت اندیشہ اور خوف رہیگا اور اگر روہیلے اپنے بچاؤ اور حفاظت کے واسطے مرہٹون کے شامل ہو گئے تو وہ دو دشمنون سے اور زیادہ خوف و خطر کا اندیشہ ہے ان خرابیون اور برائیون سے نجات پانے کے لیے مین نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ مین سپاہ لے کر روہیلون کے ملک کی سرحد پر جا پڑتا ہون وہان کچھ اپنی سپاہ کا خوف دکھاؤنگا اور کچھ اور حکمت عمل مین لاؤنگا۔ تھوڑا ملک روہیلون سے بادشاہ کے لیے لونگا کچھ ملک اپنی سرحد کی حفاظت کے لیے اور کچھ روپیہ لونگا اُس مین سے کچھ مرہٹون کو دونگا کہ وہ روہیلکھنڈ چھوڑ کر چلے جائین۔ کچھ روپے اپنے پاس رکھونگا۔ غرض یون بادشاہ اور مرہٹون سے مصالحت روہیلون کی دولت اور ملک سے خریدونگا۔ مگر میرے یہ تمام مقاصد دلی جب تک حاصل نہین ہونگے کہ میرے ساتھ انگریز نہ ہونگے یعنی اُن کے بغیر روہیلے میری بات کا اعتبار نہ کرینگے اور نہ اُسکو مانینگے کیونکہ حافظ رحمت خان شجاع الدولہ کو خدائی کا بے ایمان جانتے تھے اگر وہ قرآن کا جامہ پہن کر آتے تو بھی اُنھین جھوٹا جانتے۔

جرنیل صاحب نے پریسیڈنسی کو شجاع الدولہ کی تدابیر سے مطلع کیا اُسپر ۱۳۔ فروری کو ہیسٹنگز صاحب گورنر نے جواب لکھا کہ شجاع الدولہ کی تدابیر منظور ہین وہ جو تم سے مدد مانگین اُنھین دو۔ جب شجاع الدولہ نے اپنی درخواستین روہیلون کے پاس بھیجین تو اُنھین ملک دینا پسند نہوا۔

اور اتنا وقت اس عہد و پیماں کی گفتگو میں گذر گیا۔ کہ تیس ہزار مرہٹوں نے گنگا پار کا ملک تاخت و تاراج کیا اور ضابطہ خاں کے ملک پر قبضہ کر لیا شجاع الدولہ بھی مرہٹوں اور بادشاہ کی یورش کا حال سن کر اپنے ملک کی حفاظت کے لیے فیض آباد سے کوچ کر کے شاہ آباد ضلع ہردوئی کے مقام پر جو اُنکی سرحد پر واقع تھا ٹھہرے۔ جنرل رابرٹ بارکر بھی مع انگریزی فوج کے اُنکے ساتھ تھا۔ ضابطہ خاں کو جب یہ حال معلوم ہوا کہ شجاع الدولہ اپنے ملک کی سرحد پر شاہ آباد میں مقیم ہیں تو گنگا پور میں چار روز قیام کر کے نہایت مضطربانہ شجاع الدولہ کے پاس اس غرض سے چلے گئے کہ وہ سیندھیا کی قید سے اُنکے متعلقین کو رہا کرا دیں شجاع الدولہ نے ضابطہ خاں کو یہ جواب دیا کہ میں حافظ رحمت خاں سے دو مدد گفتگو کر کے مرہٹوں سے اس بات میں تحریک کرونگا۔ ضابطہ خاں نے حافظ صاحب کو متواتر خط لکھے کہ آپ یہاں تشریف لائیے جنرل صاحب نے شجاع الدولہ پر روہیلوں کی حمایت کرنے کا تقاضا بہت کیا اور کہا کہ اُن کا ضعیف ہونا مرہٹوں کا قوی ہونا ہے پھر اگر اُن کی مزاحمت جرید بھی لے جائینگی تو روہیلوں کا ضعف قوت اُن کو دوبارہ لائیگا اور جس ملک پر جا ہینگے وہ قبضہ کر لینگے اس اثنا میں شجاع الدولہ نے مرہٹوں سے عہد و پیماں کی گفتگو شروع کی وہ شرطین ایسی غضب کی تھیں کہ جنرل صاحب بھی سنکر گھبرا گئے اور شجاع الدولہ کو اُنھوں نے لکھا کہ ان شرائط پر صلح ہرگز نہ کریں۔ مرہٹوں نے شجاع الدولہ کی صلح کی شرائط کو ایسا لغو اور پوچ جانا کہ ہر دفعہ اُس میں کچھ رد و بدل کی

اور اخیر کو یہ گفتگو ہی موقوف ہو گئی۔ اِس عرصے مین جرنیل صاحب کے
پاس سلیکٹ کمیٹی کی چٹھی آئی کہ ہم کو بہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ برسات شروع
ہونے سے پہلے مرہٹے اپنے ملک کو واپس چلے جائینگے اور روہیلون کے ملک
مین وہ کسی طور سے نہ ٹھہرینگے کچھ اُنکو دینا اسلیے کہ چلے جائین عبث ہے"
جبکہ یہ افواہ مشہور ہونے لگی کہ مرہٹے سنبھل۔ مرادآباد اور امروہے پر غالب
ہو چکے ہین مگر ابھی رام گنگا کو عبور نہین کیا ہے تو حافظ رحمت خان نے
عنایت خان کو لکھا کہ "تم شجاع الدولہ کے پاس جاکر مدد کے لیے اور نواب
ضابطہ خان کی اہل و عیال کی رہائی کے واسطے اُن سے مشورہ کرو" عنایت خان
پیلی بھیت سے شاہ آباد پہونچا اور شجاع الدولہ کے سامنے مرہٹون کے
نقض عہد کا تمام حال بیان کیا۔ شجاع الدولہ نے دلجوئی کی اور کہا کہ مین
حافظ صاحب سے دوبدو گفتگو کرکے مدد دینے کا اقرار کرونگا۔ اس مجمل
جواب سے شجاع الدولہ عنایت خان کو ٹال کر اس فکر مین ہوے کہ مجھکو
روہیلون کی مدد کرکے مرہٹون سے لڑنا بہتر ہے۔ یا ایسی ضعیف حالت
مین روہیلکھنڈ پر قبضہ کرنا مفید ہے۔ مگر جب بارکر صاحب سے صلاح
کی تو انھون نے کہا کہ روہیلون کی مدد کرنا بہتر ہے اور انھون نے بھی
اس کام مین معاونت کی اور کپتان ہارپر کو جو شجاع الدولہ کے پاس گورنر
کی طرف سے بطور رزیڈنٹ کے رہتا تھا عنایت خان کے ہمراہ حافظ صاحب
کو بلانے کے واسطے بھیجا کپتان ہارپر حافظ صاحب کے پاس آیا تو انھون نے

سلہ دیکھو قیصر التواریخ ۱۲

محمت خاں کو ایک منزل تک اُسکے استقبال کے لیے بھیجا اور جب وہ روہیلوں کے کیمپ میں پہونچا تو آپ نے لب فرش تک استقبال کرکے معانقہ کیا۔

ہاربر صاحب نے جرنیل صاحب اور شجاع الدولہ کے خطوط حافظ صاحب کو دیے۔ حافظ صاحب تیں چار ہزار سپاہ کے ساتھ کپتان کے ساتھ ابتدائے ۱۱۸۶ہجری میں شجاع الدولہ کے پاس شاہ آباد کو روانہ ہوے جبکہ اُس کے قریب جا پہونچے تو جرنیل صاحب نے تین کوس سے استقبال کیا اور ضیافت کی۔ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں سے جرب و سیر باتیں کرکے جرنیل صاحب کے روبرو اس مضمون کا اقرارنامہ لکھالیا کہ شجاع الدولہ لڑکر یا صلح کرکے مرہٹوں کو روہیلکھنڈ سے نکالدیں اگر مرہٹے برسات کے سبب سے بالفعل ملک سے چلے جائیں اور اگلے جاڑوں میں پھر وہ لوگ روہیلکھنڈ کا قصد کریں تو اُن کا مقابلہ اور اخراج پھر شجاع الدولہ کے ذمے رہیگا۔ اس کے عوض میں روہیلوں کے سردار چالیس لاکھ روپیے شجاع الدولہ کو یوں ادا کریں کہ جب نواب وزیر شاہ آباد سے کوچ کرکے تمام اُن جاداروں کو جو مرہٹوں کے ہاتھ سے مارے گردی کررہے ہیں اپنے گھروں میں آباد کردیں تو دس لاکھ روپیے اُن کو دیے جائیں اور تیس لاکھ باقی روپیے تین برس میں ادا کیے جائیں اور سال ۱۱۸۱ فصلی سے شروع ہو اس اقرارنامے پر سر رابرٹ بارکر کے دستخط گنگی کے واسطے کرائے گئے۔ یہ اقرارنامہ ۱۷ ارجون ۱۷۷۲ء کو تیار ہوا۔

عہدنامہ وزیر سلطنت شجاع الدولہ وسرداران روہیلہ جو فریقین نے لیکر اپنے پاس رکھا

اول یہ کہ دوستی ہمارے درمیان مقرر ہوئی اور ہم حافظ رحمت خان اور ضابطہ خان ودیگر سرداران روہیلہ خرد وکلان نے وزیر شجاع الدولہ سے منظور کرکے وعدہ کیا ہے کہ ہم اس تحریر کے مضمون کے مطابق عمل مین لائینگے اور اس عہدنامے سے ہرگز متجاوز نہ ہونگے اور ہم اُن کے دوستون کو اپنے دوست اور اُن کے دشمنون کو اپنے دشمن تصور کرینگے اور ہم اور ہمارے وارث تمام عمر پابند اس قول واقرار کے رہین گے۔ اور ہم شامل ہوکر وزیر سلطنت کے مُلک کی حفاظت کرینگے اور اپنے ملک کی بھی اور اگر کوئی دشمن خدانخواستہ ہمارے ملک یا وزیر کے ملک پر حملہ کریگا تو ہم سرداران روہیلہ اور وزیر متفق ہوکر اُس کے مقابلے مین کوشش کرینگے اور وزیر سلطنت نواب ضابطہ خان کی بہبودی کے واسطے جو صلاح دینگے اُس کے سرانجام مین بھی ہم سب سرداران روہیلہ متفق ہوکر سعی کرینگے۔ ہم دونون فریق خدا اور اُس کے پیغمبر اور قرآن شریف کی قسم کھاتے ہین کہ ہم بدل مطابق اس قول وقسم کے عمل کرینگے اور کبھی اس عہدنامے سے تجاوز نہ کرینگے۔

یہ عہدنامہ قسم سے مستحکم ہوکر جنرل سر رابرٹ بارکر کے روبرو مُہر سے مکمل ہوا۔
المرقوم ۱۱ ربیع الاول ۱۱۸۶ ہجری مطابق ۱۳ جون ۱۷۷۲ء

چالیس لاکھ روپیوں کا تمسک جو حافظ رحمت خان نے لکھکر شجاع الدولہ کے حوالے کیا

چونکہ وزیر سلطنت شجاع الدولہ تمام سرداران روہیلہ کو اُس کے ملک پر قابض کردینگے اُس کو اختیار ہے کہ چاہے صلح سے یا جنگ سے اس امر کا سرانجام کریں اب اگر مرہٹے جنگ یا صلح ہونے کے بغیر دریا کا عبور کرینگے اور موسم بارش کے باعث خاموش رہ کر برسات گذر جانے کے بعد روہیلوں کے ملک میں فساد برپا کرینگے تو فساد کا رفع کرنا وزیر کے متعلق ہوگا۔ سرداران روہیلہ بعد ازاں امور مذکورہ بالا اقرار کرتے ہیں کہ وہ چالیس لاکھ روپے حسب شرائط ذیل دینگے یعنی چونکہ مرہٹوں نے فساد برپا کر رکھا ہے تو وزیر شاہ آباد سے روانہ ہوکر ایسے مقامات میں جائیں جو اُن کے نزدیک ضروری ہوں تاکہ متوسلان روہیلہ جنگل سے آکر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہوں۔ جب ایسا ہوگا تو دس لاکھ روپے نقد منجملہ رقم مشروطہ دیے جائینگے اور باقی تیس لاکھ روپے تیس سال میں شروع ۱۱۸۷ہجری سے ادا کیے جائینگے یہ عہدنامہ روبرو جنرل سر رابرٹ بارکر کے مُہر سے مکمل ہوا۔

سر رابرٹ بارکر نے سلیکٹ کمیٹی کو چھٹی لکھی کہ بین کل حافظ رحمت خاں اور وزیر سے ملا اور میرے سامنے تمام عہد و پیماں پر مباحثہ ہوا۔ حافظ رحمت خاں نے جو چالیس لاکھ روپے نواب وزیر کو اس بات کے لیے

دینے کا اقرار کیا کہ مرہٹون کو اُن کے ملک سے خارج کردین اور اُن کے
تمام آوارہ گرد خاندانون کو اُن کے گھرون مین آباد کردین۔ ئمین سے بین لاکھ
روپے سرکار کمپنی کے ہاتھ آئینگے اور شجاع الدولہ سے یہ بات بھی ٹھہری ہے
کہ روہیلے اپنا ایفاے عہد نہ کرین تو وہ پچاس لاکھ روپے سرکار کمپنی کو
اس بات کے دینگے کہ وہ مدد کرکے روہیلون کے اُس ملک پر قبضہ کرا دے
جس کا نام حافظ رحمت خان کا ملک ہے۔ اُسپر سلیکٹ کمیٹی نے سر رابرٹ
بارکر کو جواب دیا کہ چالیس لاکھ روپے کے آودے تم اس بات کے لیے
منظور کر لو کہ مرہٹون کا اخراج روہیلون کے ملک سے کیا جائیگا مگر دوسری
شرط شجاع الدولہ کی ہرگز نہ منظور کرنا۔

تنبیہ

اس عہدنامے کے واقعے اور روپیون کی تعداد کو تاریخ کی کتابون
مین مختلف طور پر بیان کیا ہے جو کیفیت اصلی تھی وہ تو ہمنے بیان کردی
اُن مختلف روایات کو بھی رد و قدح کے ساتھ یہان ذکر کرنا ضروری
ہے تاکہ اشتباہ باقی نہ رہے۔

(الف) عماد السعادت مین سفر رام گھاٹ کے ضمن مین بیان کیا
ہے کہ جب مرہٹون کو دکن سے یہ خبر پہونچی کہ نرائن راؤ مارا گیا اور اُسکا چچا
رگھناتھ راؤ جس کا عرف راگھوبے اُسکی جگہ مسند نشین ہوا تو یہ دکن کی
واپسی کے لیے مضطرب ہوئے۔ شجاع الدولہ کو پیام دیا کہ دکن مین یہ
واقعہ گذرا ہے اب ہم یہان نہین ٹھہر سکتے اگر آپ ایسا کرین کہ

ساٹھ لاکھ روپے اپنے پاس سے عطا کریں اور ساٹھ لاکھ روپے روہیلوں سے دلوادیں تو ہم دوآبہ کے ملک کو جو حافظ رحمت خاں وغیرہ سے فتح کیا ہے آپکو دیدینگے۔ اگر روہیلے ساٹھ لاکھ روپے دینے سے انکار کریں تو پھر ہم سے آپ متعرض رہوں ہم اُن سے جو دوصول کر لینگے بلکہ تھوڑے سے عرصے میں ہم اِس مُلک سے اُنکی بیخ و بنیاد اُکھیڑ کر اُنکا ملک بھی آپ کے ہاتھ فروخت کر دینگے۔ شجاع الدولہ روہیلوں کی بربادی مروت سے بعید سمجھے اور حافظ رحمت خاں کو بلا کر نشست و برخاست سمجھایا اور کہا کہ مرہٹوں کو روپیہ دے کر اُن کی آفت کو ٹال دینا چاہیے۔ حافظ صاحب نے ناداری کا عذر کیا اور کہا کہ بہر اقرار حرانی میں چالیس لاکھ روپے بتدریج دے سکتا ہوں۔ ان میں سے نصف آپ دونگا اور نصف دوسرے سرداروں سے دلاؤنگا اسے آپ کروڑ روپے اپنے حرانے سے مرہٹوں کو پہونچادیں ساٹھ لاکھ روپے اپنی جانب سے اور چالیس لاکھ روپے ہماری طرف سے یہ چالیس لاکھ روپے بتدریج ادا کر دونگا شجاع الدولہ نے یہ بات منظور کر لی اور مرہٹوں کو ایک کروڑ روپے دیدیئے۔ منتخب العلوم میں بھی اسی کے مطابق لکھا ہے۔

(ف) مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ حافظ الملک اور دوسرے پٹھان سرداروں نے پچاس لاکھ روپے نقد انگریز اور شجاع الدولہ دونوں کو مرہٹوں کو نکالنے کی بابت دینے کا وعدہ کیا تھا۔

(ج) مؤلف گلستان رحمت نے بیان کیا ہے کہ مرہٹوں نے صلح کو اس شرط پر منظور کر لیا کہ چالیس لاکھ روپے اُنکو دیے جائیں اور اُنکے دلوانے کے

ضامن شجاع الدولہ ہوجائین۔ نواب وزیر نے کہاکہ مین حافظ صاحب کی خاطر سے اِس ضمانت کو قبول کرلونگا اگر وہ مجھکو چالیس لاکھ روپے کا تمسک لکھدین۔ یہ تمسک حافظ صاحب نے اور بھی سردارون کی صلاح لیکر لکھدیا سب نے وعدہ کرلیا کہ ہم روپیہ ادا کرینگے۔ غرضکہ جب شجاع الدولہ نے مرہٹون کو روپیہ دینے کا ذمہ لے لیا تو مرہٹے ملک کٹھیر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حافظ صاحب بریلی آئے اور پانچ لاکھ روپیہ اپنے خزانے سے شجاع الدولہ کے پاس بھیجا اور جب اور سردارون سے روپیہ مانگا تو سب نے افلاس کا عذر پیش کیا اور کچھ نہ دیا۔

(د) جام جہان نما مین ذکر کیا ہے کہ مرہٹے ایک ماہ تک نجیب آباد کے علاقے کو لوٹ لاٹ کر صفر ۱۱۸۶ ہجری مین مرادآباد کے علاقے مین گھس آئے چونکہ برسات کا موسم قریب تھا اور مرہٹون کو ملکداری کا دعوی نہ تھا اور شجاع الدولہ مع لشکر انگریزی کے شاہ آباد مین موجود تھے اُن کے ذریعہ سے مرہٹون نے چالیس لاکھ روپون پر روہیلون سے صلح کرلی اور ربیع الاول مین بادشاہ اور مرہٹے گنگا سے اُتر گئے۔

(س) تنقیح الاخبار مین کہا ہے کہ جب مرہٹون نے ۱۱۸۶ ہجری مین روہیلون پر چڑھائی کی تو ذوالفقار الدولہ نجف خان کی معرفت جو مرہٹون کے ساتھ تھے پچاس لاکھ روپون پر صلح ہوگئی تھی۔ تاریخ مظفری مین بھی یون ہی لکھا ہے۔

(س) اخبار حسن مین تحریر کیا ہے کہ شاہ عالم نے سرداران مرہٹہ کو چالیس لاکھ روپے کے وعدے سے اپنے ہمراہ لیکر نواب ضابطہ خان پر

چڑھائی کی تھی اور جب نواب سید فیض اللہ خاں اور حافظ رحمت خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عرضیاں لکھیں کہ نواب ضابطہ خاں کا قصور معاف فرما دیا جانا چاہیے تو بادشاہ نے جواب دیا کہ چالیس لاکھ روپے دینے کا ہمنے مرہٹوں سے وعدہ کیا ہے اگر اس قدر روپے نواب ضابطہ خاں دیدیں تو قصور معاف ہو سکتا ہے چونکہ نواب ضابطہ خاں میں اتنی استطاعت نہ تھی اسلیے حافظ رحمت خاں اور نواب شجاع الدولہ کی ضمانت سے یہ معاملہ طے ہوا۔ یہ تمام بیانات واقع کے خلاف ہیں یہاں انہی باتوں کو ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

(۱) اس مرتبہ کی یورش میں بادشاہ اور مرہٹوں کی فوج نجیب آباد کے علاقے سے نکل کر کٹھیر میں بالکل نہیں آئی تھی[۱] بس جام جہاں نما میں جو لکھا ہے کہ مرہٹے مراد آباد کے علاقے میں گھس آئے تھے اور فرح بخش میں کہا ہے کہ بادشاہ اور مرہٹے تین مہینے تک مراد آباد کے علاقے میں رہے تھے یہ دونوں قول صحت سے عاری ہیں۔

(۲) بادشاہ نجیب آباد سے دلی کو لوٹ گئے تھے[۲]

(۳) روہیلوں کی جانب سے مرہٹوں کو چالیس لاکھ روپے دینے کا وعدہ نہیں ہوا تھا نہ شجاع الدولہ مرہٹوں کے پاس ان روپیوں کے پہونچانے کے روہیلوں کی طرف سے ضامن ہوئے اور نہ نجف خاں کی معرفت پچاس لاکھ روپیوں پر مرہٹوں اور روہیلوں میں صلح ہوئی تھی۔

---

[۱] دیکھو گل رحمت ۱۵۲ [۲] مرآت آفتاب نما ۱۲۱

(۴) بادشاہ اور مرہٹے نجیب آباد کے ملک کو فتح کر کے دہلی کو اس وجہ سے نہین لوٹ گئے تھے کہ اُن مین اور روہیلون مین معاہدہ اور مصالحت ہو گئی تھی۔ کیونکہ ایسا نہین ہوا تھا۔ بلکہ برسات کے قریب آجانے کی وجہ سے بادشاہ اور مرہٹے معاملے کی بابت نامۂ و پیام کیے بدون ہی ندی نالون کی طغیانی کے خوف سے گنگا پار چلے گئے تھے [1]

(۵) نواب ضابطہ خان کی بادشاہ سے صفائی مرہٹون کی پامردی سے ہوئی تھی۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ نواب ضابطہ خان نے تکو سے مل کر بیساجی اور مہاجی سے تصفیہ کر لیا۔ اور مرہٹون کو بہت کچھ مال و دولت دینے کا وعدہ کیا چونکہ مرہٹے روہیلون کو ملا کر اودھ کے فتح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اسلیے اُنھون نے بادشاہ سے لڑ بھڑ کر نواب ضابطہ خان کی تقصیرات کو معاف کرا دیا [2] اس مین نہ حافظ رحمت خان کا احسان تھا نہ شجاع الدولہ کی منّت۔

(۶) اصل واقعہ یہ ہے کہ حافظ رحمت خان نے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا شجاع الدولہ کو لکھدیا تھا کہ وہ لڑ کر یا صلح کر کے مرہٹون کو روہیلونکے ملک سے نکال دین اور اگر موسم برسات کے بعد پھر وہ لوگ روہیلون کے ملک کا قصد کرین تو اُنکا مقابلہ اور اخراج پھر شجاع الدولہ کے ذمّے رہیگا اسکے عوض مین حافظ رحمت خان تین سال کے عرصے مین چالیس لاکھ روپے شجاع الدولہ کو خرچۂ جنگ کی بابت ادا کرینگے۔ اور اس اقرار نامے پر

---

[1] دیکھو فرح بخش [2] دیکھو مرآت آفتاب نما ۱۲

سر رابرٹ بارکر صاحب انگریزی کمانڈر انچیف کے دستخط گنگی کے لیے کرائے گئے تھے اور یہ اقرار نامہ حافظ صاحب نے اور سرداروں کے مشورے کے بدوں لکھا تھا۔ مؤلف گلستان رحمت نے جو یہ لکھا ہے کہ اور بھی سرداروں کی صلاح لے کر لکھا تھا یہ قول صحیح نہیں۔ اُسے محض اس غرض سے یہ فقرہ لکھا ہے کہ حافظ صاحب کی صفائی اور دوسرے روہیلہ سرداروں کی کج ادائی ثابت ہو۔ فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کو چکنی چپڑی باتوں میں پرچا کر چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک لکھا لیا۔ اور وعدہ کیا کہ میں مرہٹوں سے معاملہ کرا دونگا اور اُنکی جنگ کو اپنے ذمے لیا۔ سبحان اللہ! دکھنیوں کے معاملے کا شجاع الدولہ سے کیا کام مگر حافظ الملک کے ہوش و حواس پیرانہ سالی کی وجہ سے یا اجل کے قریب آجانے کے باعث بے بجا تھے۔ سترے بہترے بدحواس ہو گئے تھے کہ بے سبب اپنے آپ کو سرداران قوم سے مشورہ لیے بغیر شجاع الدولہ اور انگریزوں کے پاس چالیس لاکھ روپیوں کے عوض میں دکھنیوں کی بابت مقید اور مرتہن کرا دیا۔ نہیں تو حافظ صاحب جیسے ذی ہوش کبھی فریب کھا کر اس طرح دام بلا میں گرفتار نہ ہوتے (انتہیٰ کلامہ)

(جام جہاں نما میں مذکور ہے کہ) بادشاہ اور مرہٹے دو مہینے تک کسیا آباد کے علاقے میں رہے برسات کا موسم قریب آجانے سے بادشاہ نے نجف الدین خاں پسر قمر الدین خاں وزیر اعظم محمد شاہ کو سہارنپور کا ناظم[1] مقرر کر کے خود بخود دہلی کو

[1] دیکھو مرآت آفتاب نما۔

لوٹنے کا حکم دیا۔ مہاجی سیندھیا اور تکو نے عرض کیا کہ حضور الٰہ آباد کی طرف چلین
تو انگریزون سے خراج معاملہ بنگالہ و بہار کا خاطر خواہ لے لیا جائے مگر بادشاہ
نے منظور نہ کیا۔ اور سیندھیا نے مخفی عرض کیا کہ یہ لوگ بدعہد ہین بہتر یہی ہے
کہ حضور دہلی کو لوٹ جائین۔ ایک دن بیباجی اور تکو حسام الدین خان کے ڈیرے
مین آئے اور مشرق کی طرف بادشاہ کو چلنے کے باب مین بہت اصرار کیا یہانتک
کہ لڑائی کو مستعد ہو گئے بادشاہ نے حکم دیا کہ ذوالفقار الدولہ اپنے رسالے کے
ساتھ حسام الدین خان کی مدد کو جائین جب مرہٹون کو یہ خبر پہونچی تو حسام الدین خان
سے کہنے لگے کہ بادشاہ مالک ہین جدھر چاہین تشریف لیجائین اور دو تین
کروڑ روپے جو وصول کیے تھے اُسکی تقسیم بالمناصفہ سے انکار کیا اس سے
بادشاہ کا مزاج اُن سے مکدّر ہو گیا بہت سا عذر کیا اور سہارنپور کا علاقہ
بادشاہ کے حوالے کر دیا مگر بادشاہ کا دل صاف نہ ہوا۔ بادشاہ مرہٹون کو
جاٹون کے ملک کے فتح کرنے کا فرمان دے کر ۱۷ ارذیحجہ ۱۳ جلوس روز
دوشنبہ[۱] کو دہلی مین داخل ہو گئے۔

شجاع الدولہ کو مرہٹون کے نکالنے مین اُنگلی بھی نہین ہلانی پڑی حافظ صاحب
ابھی شاہ آباد مین تھے کہ شجاع الدولہ بھی لشکر مرہٹہ اور بادشاہ کی واپسی کی خبر
سُن کر فیض آباد کو کوچ کر گئے اور حافظ صاحب پیلی بھیت کو چلے آئے۔
نواب سیّد فیض اللہ خان بخشی سردار خان۔ فتح خان خانسامان محب اللہ خان
فتح اللہ خان عظیم اللہ خان پسران دوندے خان مرہٹون کے گنگا پار

[۱] دیکھو گل رحمت ۱۲

چلے جانے کی خبر سنکر حافظ صاحب کی واپسی سے قبل اپنے اپنے مقاموں کو چلے گئے۔ مگر صاحزادہ سید محمد یار خاں ابن نواب سید علی محمد خاں حافظ صاحب سے ملنے کی غرض سے پیلی بھیت میں ٹھہر گئے اور جب حافظ صاحب پیلی بھیت آگئے تو یہ اُن سے ملکر آنولہ کو چلے آئے۔
روہیلے چار مہینے تک دامن کوہ میں رہے تھے اس بار ترائی کی آب وہوا نے اُنکی جماعت کے ساتھ ایسا کام کیا کہ شاید بہت بڑی لڑائی سے بھی یہ نوبت نہ ہوسکتی لوگوں کا بیان ہے کہ قریب بیس ہزار آدمیوں کے اُنکی جماعت میں سے بخار کے سر صدقے ہوے گویا بخار نے اُنکے کیمپ کا ٹھیکہ لیا تھا اس واقعہ کی **قضائے مردم** تاریخ ہے[1]
حافظ صاحب نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ جو لوگ مر گئے ہیں اُنکے بیٹوں کے نام اُن کی اسامیوں پر کردیے جائیں اور جن کے بیٹے نہ ہوں اُن کی بیووں سے نارگیر طلب کرلیے جائیں اور جو بیویں بچوں کی کثرت کی وجہ سے نارگیر دینے میں عذر کریں تو خود اُن بیووں کے نام پر اُن کے شوہروں کی تنخواہ بطور مصرف خیر کے مقرر کردی جائے جب سپاہ کی موجودات لی گئی تو کئی ہزار اسامیوں پر بیوہ عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے نام مقرر کیے گئے۔ سودا کے ایک شعر سے مستفاد ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کی سرکار میں پیادے کی تنخواہ تین روپیے اور سوار کی نو روپیے تھی[2]
حافظ یہ چاہے عُہدہ پیسے اُسکے بر آویں پیادہ کو دیکے تین روپیے نو روپیے سوار

---
[1] دیکھو گل رحمت ۱۲

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہین کیونکہ راجپوتانہ کی بعض بعض ریاستون مین
اب بھی سوارون کی ایسی قلیل تنخواہ ہے نہ وہ اپنے ٹٹوون کو دانہ دیتے ہین
نہ پیٹ بھر کر گھاس۔ اور ہمنے خود دیکھا ہے کہ نواب سیّد کلب علی خان کے
عہد تک علی غول کے سپاہیون کی تنخواہ چار چار روپے ماہوار تھی اور سوار
اٹھارہ روپے ماہوار پاتا تھا۔ حالانکہ اس وقت مین غلہ بہ نسبت اُس زمانے
کے بہت گران ہے اور گھوڑا بھی بہت زیادہ قیمت مین ملتا ہے اور دوسری
چیزون کی بھی یہی حالت ہے پس یہی وجہ ہے کہ روہیلون کی فوج ایسے
سپاہیون کے مقابلے سے عاجز ہو جاتی تھی جو لوٹ مار کی وجہ سے خوشحال
رہتے تھے۔ بکسر کی شکست کے بعد سے شجاع الدولہ نے بھی اپنی فوج کو
انگریزون کی دیکھا دیکھی بہتر بنا لیا تھا روہیلے ابتدا مین نواب سید علی محمد خان
بہادر کے جھنڈے کے تلے جمع ہوے تو اُس وقت تعلقات اُنکے ساتھ زیادہ
نہین لگے ہوے تھے اور تاخت و تاراج ملک کی بدولت مالا مال بھی ہو رہے
تھے اس لیے لڑائیون مین جوانمردی و بسالت اِن سے ظہور مین آتی تھی جب
مال و اسباب اور اہل و عیال کے مالک بن گئے اور لوٹ مار کا مال آنا بند ہوا
صرف تھوڑی سی تنخواہ مدد معاش رہگئی تو زبردست لڑائیون پر ہمت ان کی
نہین بندھتی تھی اپنے اہل و عیال کے پالنے اور مال بڑھانے مین دیوانہ وار
کام کاج کرتے رہتے تھے اور جب کبھی علاقے مین نوکری نکل آتی تو وہان کے
آدمیون کے کلیجون مین ہاتھ ڈال ڈال کر مال نکالتے جو کچھ نقد و جنس ہاتھ آتا
سمیٹ لیتے اور اُس مقام کو بے چراغ اور ویران کرنے مین کوتاہی نہ رکھتے۔

شجاع الدولہ کی سفارش سے مہاجی سیندھیا کا ضابطہ خان کی اہل و عیال کو رہا کر دینا۔ اور ضابطہ خان کو بغیر کسی مزاحمت کے اپنے ملک پر قبض و دخل مل جانا

شجاع الدولہ نے اپنی دستار بستہ محمد ایلچ خان کے ہاتھ مہاجی سیندھیا کے پاس بھیجی اور اُس کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ دکن کے سرداران عالی شان عفت و جوانمردی میں شہرۂ آفاق ہیں یعنی یہ لوگ کسی کی ناموس سے کام نہیں رکھتے بلکہ دشمن کی ناموس کی اپنی ناموس سے زیادہ محافظت کرتے ہیں اور یہ لوگ عورتوں اور بچوں پر جور و جفا روا نہیں رکھتے۔ مردوں پر سختی کرتے ہیں۔ اس لیے آپ کو لکھا جاتا ہے کہ ضابطہ خان تقصیر وار ہیں۔ مگر اُن کے خورد بچے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ نواب موصوف اپنی خورد بچوں کی محبت میں آپ کے لشکر میں حاضر ہو جائیں کیونکہ اُنکو وہاں جانے میں ہلاکت کا اندیشہ ہے پس اُنکا آپکے لشکر میں آجانا کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اُن کے زن و فرزند کے قید رکھنے میں کیا فائدہ ہے۔ اسلیے مناسب یہ ہے کہ اپنی قوم کے عمدہ شیوے کی رعایت ملحوظ کر کے اُن قیدیوں کو یہاں بھجوا دیا جائے اس میں آپکی بلند نامی متصور ہے اور اگر کسی وجہ خاص سے اس موقع پر دستور قدیم کی رعایت خلاف طبیعت معلوم ہو تو میری سفارش کو قبول کر کے اُن کو رہائی دیجیے اور اس تحریر کو عالم دوستی میں پہلا امتحان تصور کر کے ہمکو شکر گذار بنائیے۔

فرض کیا کہ نجیب الدولہ نے آپ کی قوم کے ساتھ بدسلوکی کی ہے لیکن آپ اپنی نیک عادت نہ چھوڑئیے۔ سیندھیا نے اس دستار اور تحریر کی بڑی عزت کی اور پیشوائی کر کے اُس دستار کو سر پر رکھ لیا۔ اور نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم نے بھی مستقیم خان اور منووالی کو سیندھیا کے پاس بھیجا تھا سیندھیا شیخ محمد کبیر سے کہ مستقیم خان کے باپ ہین سابقہ معرفت رکھتا تھا۔ ان سفارشون کے پہونچنے پر اُسنے ضابطہ خان اور کلو خان اور ملو خان کے اہل و عیال کو اسباب سفر دے کر رخصت کر دیا جو بریلی مین ضابطہ خان کے پاس پہونچگئے۔ ضابطہ خان ان لوگون کو یہین چھوڑ کر حافظ صاحب سے ملنے کے لیے پیلی بھیت گئے اُنھون نے صلاح دی کہ تم اپنے ملک پر قبض و دخل کر لو۔ چنانچہ ضابطہ خان کئی مہینے کے بعد اپنے بیٹے غلام قادر خان کو اپنے متعلقین کے ساتھ بریلی مین چھوڑ کر جریدہ نجیب آباد کو چلے گئے۔

۱۱۸۶ ہجری مین حافظ رحمت خان نے عظمت خان برادر حقیقی عنایت خان کو اپنے یہان کی چند عورتون کے ساتھ آنولہ کو بھیجا جسکی شادی امیر خان ابن ملک شادی خان ابن شہزاد خان ابن محمود خان عرف موتی خان ابن شہاب الدین خان کی بیٹی سے کی گئی پھر یہ سب لوگ پیلی بھیت کو لوٹ آئے۔

بخشی سردار خان کی وفات اور اُن کے بیٹون کا باہمی نزاع

بخشی سردار خان جو اس قوم مین بہت بزرگ آدمی تھے گنگا پور کے

موریوں میں علیل ہوگئے اُن کا حال متغیر ہونے لگا تو متواتر کوچ کر کے آنولے پہونچے اور اسہال کے مرض میں ۲۴ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ ہجری کو انتقال کیا۔ جیسا کہ احوال جس میں مذکور ہے مگر غالباً اُس کا واقعہ وفات ۱۱۶۱ھ ہجری میں ہوا ہوگا اور یہ امر تاریخی واقعات سے مذکورسے ظاہر ہے۔ انکا سلسلۂ نسب یوں ہے۔ سردار خاں۔ ابن موسیٰ خاں۔ ابن احمد خاں پسر شریف خاں ولد محمد خاں معروف بہ خاں۔ ان کی قوم کمالزئی ہے۔ سردار خاں روہ سے داؤد خاں کے عہد میں ہندوستان میں آئے تو داؤد خاں نے اُنکی بہت عزت کی داؤد خاں کے انتقال کے بعد نواب سید علی محمد خاں نے اپنی رفاقت میں رکھا اور جب نواب کا کٹھیر پر قبضہ ہوگیا تو اُنکو اپنی سرکار کا بخشی مقرر کیا۔ یہ بڑے متقی عابد زاہد شجاع اور سخی تھے نماز کے پابند تھے مرتے دم تک پنجگانہ نماز مسجد میں ادا کرتے رہے۔ تحریر و تدبیر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے عادل و منصف تھے۔ رعایا سے نذرانہ وغیرہ زیادہ مال لینے سے پرہیز کرتے تھے جیسا کہ اور سرداروں کی عادت تھی۔ بخشی صاحب نے سوائے محاصل مقرری کے کسانوں اور زمینداروں سے کبھی زیادہ وصول نہیں کیا۔ دم واپسیں تک حواس درست تھے۔ خبردار و ہوشیار رہے۔ ان کو روہیلوں کی طاقت اور حکومت کی جانب بہت توجہ تھی۔ ہر حالت میں اپنی قوم کے طرفدار و مددگار رہتے۔ سو برس کی عمر پائی انکی قبر آنولے میں ابھی تک موجود ہے۔ اُن کے آٹھ فرزند تھے۔ احمد خاں۔ محمد خاں۔ تہماست خاں۔ سعادت خاں۔ محمد نور خاں۔ عبدالرحمٰن خاں۔ حبیب خاں۔ صغیر محمد خاں

جیسا کہ اخبار حسن مین ہے۔ فرح بخش مین لکھا ہے کہ سردار خان نے سات جوان بیٹے چھوڑے اُن مین فقیر محمد خان اور محمد نور خان کے نامون کی جگہ کلو خان نام لیا ہے۔

سردار خان نے اپنے مرنے سے قبل یہ انتظام کر دیا تھا کہ احکام شرع کے مطابق اپنے بیٹون اور بیٹیون اور عورتون پر علیٰ قدر مراتب مال تقسیم کر دیا اور بڑے بیٹے احمد خان کو اپنا قائم مقام بنایا اور محمد خان کو سپاہ کی بخشی گری دی۔ سعادت خان۔ عبد الرحمن خان۔ حبیب خان اور کلو خان کو اُن دونون بھائیون کے شریک کر دیا۔ شہامت خان جو مرہٹون کی یورش کے وقت سے فرخ آباد کو چلا گیا تھا اُس کو کچھ نہ دیا اُس سے ناخوش مرے۔

محمد خان اور احمد خان مین قدیم سے عداوت تھی اوباشون کی صلاح سے محمد خان بھائی کے ساتھ مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور باپ کی وصیت کو بالاے طاق رکھدیا۔ دونون بھائی جنگ کے لیے فوجین جمع کرنے لگے جب بہت سی سپاہ جمع ہو گئی تو اول محمد خان آنولہ سے فساد کے ارادے پر نکل کر کوٹ سال باہن اور اہرات مین چلا گیا اور قبضہ کر لیا۔ اور مستعد جنگ ہو گیا۔ ابتدا مین حافظ صاحب نے عنایت خان کی سفارش سے محمد خان کو ریاست کا امیدوار کیا تھا۔ جب عنایت خان کی حرکات سے حافظ صاحب کا مزاج اُس سے مکدر ہو گیا تو محمد خان بھی اپنی مراد کو نہ پہنچا حافظ صاحب نے خلعت ریاست خان محمد خان کے ہاتھ صاحبزادہ سیّد محمد یار خان کے پاس بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ احمد خان کو اپنے پاس طلب کر کے

یہ خلعت اُسکو عنایت کردیں۔چنانچہ صاحبزادہ صاحب نے حافظ صاحب کی تحریر کے مطابق اور فتح خاں خانساماں اور عبدالستار خاں اور سید قاسم شاہ بن سید احمد شاہ اور مولوی غلام جیلانی خاں کے مشورے کے موافق وہ خلعت احمد خاں کو مرحمت کردیا۔اور حافظ صاحب نے احمد خاں کی درخواست پر محمد خاں کی سرکوبی کے لیے حکم دیا تھا اِسی لیے اُسی دن اِن سرداروں نے آنولہ سے کوچ کرکے موضع میں ڈیرہ کیا اور اہرات ہوکر محمد خاں کو بطور نصیحت کے کہلا بھیجا کہ باہم بھائیوں میں یہ ہنگامہ آرائی اور خونریزی خانہ ویرانی اور زوال ملک و دولت کا موجب ہے یہی بہتر ہے کہ جو کچھ تمہارے باپ نے مقرر کردیا ہے اُسپر راضی اور شاکر ہوکر آپس میں خوش رہو مگر محمد خاں نے نہ مانا بلکہ زیادہ تر شورش پر کمر باندھی۔

ایک روز صاحبزادہ سید محمد یار خان اور فتح خاں خانساماں ہدایت کے لیے سوار ہوکر محمد خاں کی جمعیت کے پاس گئے اور اُسے بُلاکر سمجھایا مگر وہ سرشار بادۂ نخوت اُنکی نصیحت کو خیال میں نہ لایا بلکہ اپنی فوج کو درست کرکے جنگ پر آمادہ ہوا۔سید محمد یار خاں۔فتح خاں خانساماں۔احمد خاں بخشی۔عبدالستار خاں۔سید قاسم شاہ۔مولوی غلام جیلانی خان وغیرہ رسالدار اور جماعہ دار بھی اپنی اپنی سپاہ تیار کرکے اُس کے مقابلے کو مستعد ہوئے۔

تیر و بندوق اور بان و توپ دونوں طرف سے چلنے لگے فتح خاں خانساماں ایک کوس سے پیادہ ہوگئے اور توپخانے کو سامنے کرکے اتنے گولے مارے کہ محمد خاں کی تمام جمعیت پریشان ہوگئی۔سب سپاہی بھاگ گئے۔چند روہیلے

دو تین گھوڑے اور خچر بان و بندوق سے مارے گئے اور محمد خان کا تمام سامان لُٹ گیا۔ یہ جنگ دریائے سوت کے کنارے پر واقع ہوئی تھی۔ صاجزادہ سید محمد یار خان اور فتح خان محمد خان کو گرفتار کر کے آنولے مین لے آئے مگر یہ قید سخت نہ تھی بلکہ فی الحقیقت مطلق العنانی تھی۔ سید محمد یار خان نے حافظ صاحب کو لکھا کہ "آپ فرمائین تو محمد خان کو بریلی بھیجدیا جائے یا آنولہ ہی مین رکھا جائے" حافظ صاحب نے جواب لکھا کہ "محمد خان کا بریلی بھیجنا مناسب نہین اس لیے کہ آج کل یہان عنایت خان درپے فساد ہے اور محمد خان اُس کا دوست ہے بدکاری اور زشت افعالی مین دونون کا ایک ہی نمبر ہے اگر یہ دونون مل گئے تو اور زیادہ فساد پیدا ہوگا" اور واقع مین محمد خان کی یہ تمام شورش عنایت خان کے اغوا سے تھی۔ اس لیے سید محمد یار خان نے محمد خان کو آنولے مین اپنی حویلی پر مقید رکھا۔ محمد خان یہین کھانا کھاتا اور یہین سوتا تھا محمد خان کی گرفتاری کے بعد احمد خان تمام مقبوضات بخشی پر بخوبی قابض و متصرف ہوگیا اور قرار واقعی تسلّط کر لیا یہ شخص تمام بھائیون کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا تھا اور اپنی سرکار کے رسالہ دارون اور جماعہ دارون کی پرورش مین کوتاہی نہین کرتا تھا۔ شہامت خان احمد خان سے نہ ملا بلکہ اس خیال سے کہ باپ کے ملک و دولت مین سے حصّہ اور میراث ملیگی بہت سے سپاہی نوکر رکھے نوابی کا ٹھاٹ بنایا چندروز ہوہا کر کے زیربار ہوگیا۔ دو ہزار اشرفیان کہ بخشی سردار خان نے دی تھین اور پچاس ساٹھ ہزار روپے کا زیور و اسباب وغیرہ فروخت کر کے دو تین مہینے مین

روہیلوں کو کھلا دیا اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ شخص نہایت سخی و کریم تھا بخشی سردار خاں اس سے اسلیئے ناراض ہوگئے تھے کہ جب مرہٹوں نے پتھر گڑھ وغیرہ کو برباد کردیا اور نواب ضابطہ خاں کے اہل وعیال کو قید کر لیا تو یہ خوف کھا کر اپنے اپنے بھائی اور جورو بچوں کو چھوڑ کر سارا مال و اسباب لاد کر فرخ آباد کو چلا گیا اور وہیا سکونت اختیار کرلی اور ایک مغل کی بیٹی کے ساتھ شادی کرلی بخشی سردار خاں پر اُس کا یہ فعل شاق گذرا چنانچہ اپنی وفات کے وقت اسکو ایک حصہ بھی اپنی اولاد کے زمرے میں نہ دیا مگر اُسنے بھی پرواہ نہ کی۔ بخشی مرحوم کی وفات کے بعد آنولہ کو چلا آیا اور اُس اندوختہ سے جو بخشی کی حیات میں جمع کیا تھا اور اپنی جاگیر کے دیہات کی آمدنی سے خوش وخرم امرا کی طرح رہنے لگا اور باپ کے ورثے اور حصے کی طرف مطلق التفات نہ کیا بلکہ اکثر اوقات محمد خاں اور احمد خاں کو سمجھایا کرتا تھا کہ آپس میں خصومت چھوڑ دو اور ان دونوں بھائیوں کے جھگڑے میں اُسنے کسی کی طرفداری نہ کی اس سے بڑھکر بدقسمتی کیا ہوگی کہ ایک تو مرہٹے خانخراب کر رہے تھے۔ طرہ یہ ہوا کہ روسائے روہیلہ میں بھی باہم نفاق ہوا۔

اس بغاوت کے بعد دوسری بغاوت جسکے باعث حکومت میں بالکل پھوٹ پڑ گئی عنایت خاں کی ہے۔

عنایت خان کا حافظ رحمت خان سے بغاوت کرنا اور مغلوب و خراب ہوکر نہایت حسرت کے ساتھ دنیا کو چھوڑنا

عنایت خان حافظ رحمت خان کا بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا حافظ صاحب کو اُس سے بہت محبت تھی تین چار لاکھ روپے سالانہ اُسکے لاأبالی مصارف کے لیے دیا کرتے تھے۔ حافظ صاحب اپنے تمام بیٹون سے اُس کو زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور بیٹون کے واسطے صرف سو سو دو دو سو روپے درماہے کے مقرر کیے تھے بریلی کی حکومت عنایت خان کے سپرد کردی تھی اور خود اکثر پیلی بھیت مین رہا کرتے تھے اور ضرورت کے وقت بادشاہ یا شجاع الدولہ کے پاس عنایت خان ہی کو بھیجا کرتے تھے۔ عنایت خان اکثر سیر و سیاحت مین رہنا تھا مگر حافظ صاحب اس کے ان افعال سے اغماض کرتے تھے۔ عنایت خان کو اٹاوے کا ملک مرہٹون کے قبضے مین بغیر اُس کی راے کے دینے کا سخت ملال تھا۔

حسن رضا خان ابن کامگار خان ولد اللہ یار خان پسر حافظ رحمت خان نے اخبار حسن مین کہا ہے کہ عنایت خان کو شجاع الدولہ کے ساتھ بہت پیار و اتحاد تھا اور وہ حافظ صاحب کی بربادی اور خانہ ویرانی کے دل سے خواہان تھے۔ اس لیے عنایت خان کو طرح طرح سے ترغیب و تحریص کرکے باپ کے ساتھ مخالفت اور بغاوت پر آمادہ کیا چنانچہ ترائی سے

واپس آنے کے بعد اُس نے حافظ صاحب کو معزول کرنے کی غرض سے فوج
بڑھانا شروع کی جب حافظ صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی سے لوٹے تو عنایت خاں
نے راستے میں اُن سے کہا کہ "سپاہ کے کئی ہزار سوار اور پیادے اس دنیا میں
مر گئے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اُنکی جگہ آزمودہ کار جوان بھرتی کر لوں تاکہ
وقت پر کام آئیں" حافظ صاحب نے کہا کہ میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ جو
سپاہی مرے ہیں اُنکے ورثہ کو اُنکی جگہ نوکر رکھا جائے اگر تمہاری یہی مرضی
ہے تو ایسا کرو کہ جو دو تین ہزار پٹھان نواب حافظ خاں کی ریاست کی
بربادی کی وجہ سے روہیلکھنڈ میں چلے آئے ہیں اور جا بجا ویراں پھرتے ہیں
اُنکو نوکر رکھ لو اور چند روز کے بعد اُنکے لیے جاگیر مقرر کر دی جائے گی۔
عنایت خاں نے عجلت کے ساتھ سپاہ کی بھرتی شروع کی۔ حافظ صاحب
کے بعض مصاحب عنایت خاں کی سخت مزاجی کی وجہ سے اُس سے
کدورت رکھتے تھے۔ اُنھوں نے عنایت خاں کے منصوبے پر کسی نہ کسی
طرح اطلاع پاکر اس معاملے کو حافظ صاحب کے سامنے بیان کیا۔
حافظ صاحب عنایت خاں سے کھٹک گئے اور فوراً اُس کو حکم بھیجا
کہ سپاہ کی بھرتی موقوف کرے عنایت خان نے اُسکے جواب میں عرضی
لکھی کہ "میں اس حکم کے صدور سے قبل دو تین ہزار سوار و پیادے بھرتی
کر چکا ہوں اُنکے لیے تو جائداد مرحمت ہو جائے آگے کو ایک آدمی بھی
نوکر نہ رکھونگا" اُس عرصے میں حافظ صاحب پیلی بھیت سے بریلی میں
آ گئے۔ اُس نااہل ونا خلف بیٹے نے جو جو حرکتیں بریلی میں کیں باپ کو کئی

حرف حرف خبر پہونچی۔ اب اسے محبت پدری کہو خواہ مصلحت ملکی سمجھو باوجود ایسی بے اعتدالیون کے باپ نے ایسی بات نہ کی جس سے بیٹا باپ کی طرف سے ناامید ہوکر اپنی جان ہلاک کردے اور اُسکے پاس ایلچی بھیجا کہ وہ اپنی کارروائی سے کوئی ایسا منتر پھونکے کہ مُرغ وحشی دام مین آجائے اور ایسا کچھ سمجھائے کہ وہ ہٹیلا لڑکا مان جائے اور اس پیامبر کے ہاتھ عنایت خان کو کہلا بھیجا کہ "بالفعل اس جمعیت کو اپنے پاس سے علٰحدہ کردو پھر اس سے زیادہ سپاہ تھارے ساتھ مقرر کردی جائیگی" جو دو کُھلے دغاباز دورخے مکار روباہ بازی سے حافظ صاحب کی دانش گاہ مین نیک بن کر گُھسے ہوے تھے وہ یہ پیغام لیکر عنایت خان کے پاس گئے اور اُنھون نے مفسدہ پردازی کی راہ سے حافظ صاحب کے پیام کو ایسی تقریر مین ادا کیا کہ عنایت خان کا مزاج اور برافروختہ ہوگیا۔ اور اُس نے جواب ناصواب دیا۔ جو حافظ صاحب کے آگے بہت مبالغے سے بیان کیا گیا۔ اور حافظ صاحب کے دل مین کدورت پیدا ہوگئی۔ عنایت خان نے یہ خبر سنکر سلام کو جانا موقوف کردیا اور قلعۂ بریلی مین اژدہام کیا اور باپ سے باغی ہوگیا اور جنگ و پیکار کی باتین کرنے لگا۔ حافظ صاحب نے شفقت پدری کی وجہ سے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ راہ راست پر نہ آیا۔ حافظ صاحب نے اپنی بدنامی اور شہر کی بربادی کے خیال سے عنایت خان کے گرفتار کرنے کا حکم نہ دیا بلکہ اُس کو سمجھاتے رہے اور خیال کرتے رہے کہ اگر میری طرف سے سختی واقع ہوئی تو یہ اپنی جان کو ہلاک کرڈالیگا یا کہین نکل جائیگا خدا چاہیگا تو خود بخود سمجھ کر

اس خیال فاسد سے مارا جائیگا۔ حافظ صاحب یہ باتیں سوچ کر حسب رید (؟) پیلی بھیت کو چلے گئے۔

بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ حافظ صاحب اس وجہ سے پیلی بھیت کو چلے گئے تھے کہ بعض شخصوں نے اُن سے یہ کہدیا تھا کہ عنایت خاں آپکی گرفتاری کا ارادہ رکھتا ہے عنایت خاں یہ سمجھا کہ میرے ڈر سے اور خوف سے حافظ صاحب یہاں نہ ٹھہر سکے اُس نے اور جمعیت بڑھا کر بحوت (؟) بیدا کی ساہوکاروں اور رئیسوں سے جبراً روپیہ وصول کرنا شروع کیا۔ رعایا کو اذیت دینے لگا۔ اُس کے نوکر سر بازار جبر کرتے۔ حویلیوں میں گھس جاتے اور مال واسباب لوٹ لیتے کوئی کسی کی مصیبت کا پرسان نہ تھا۔ رعایا نے آوارگی اختیار کی حافظ صاحب کو عنایت خاں کے ان حالات کی خبر پہونچنے لگی جب عنایت خاں کی شورش نے ترقی کی اور تمام روہیلکھنڈ میں خبر پھیل گئی تو حافظ صاحب نے نواب سید فیض اللہ خان۔ صاحبزادہ سید محمد یار خاں۔ فتح خاں خانساماں۔ عبدالستار خاں۔ اور مولوی غلام جیلانی خاں کو اس حال سے آگاہ کیا۔ نواب سید فیض اللہ خاں ہمیشہ حافظ رحمت خاں کی بہبود کو ملحوظ رکھتے تھے اس لیے اپنی دار الریاستہ سے کوچ کر کے حافظ گنج کے قریب پہونچ گئے حافظ صاحب اُنکے ورود کی خبر سُنکر پیلی بھیت سے حافظ گنج میں آگئے اور باقی سردار بھی اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ لشکر میں پہونچ گئے اور سب کی صلاح سے تراں مجید سادات اور مشائخ اور علما کے ہاتھ عنایت خاں کے پاس بھیج کر تالیف قلب کی

اُسپر کچھ اثر نہوا۔ بریلی کے آس پاس مورچے تیّار کرا کے مستعدِ جنگ ہوا
حافظ صاحب بھی اُسکی شورش سے بہت دل تنگ ہو گئے تھے اس لیے
خود بریلی پر فوج کشی کی اور نکٹیا ندی کے کنارے اپنا کیمپ قائم کیا۔ شیخ کبیر
نے اِس معاملے مین بہت کوشش کر کے لڑائی کو قریب صلح کے پہونچا دیا
تھا۔ مگر اتفاق سے اُسی زمانے مین وہ قضاے الٰہی سے مر گئے یہ دانش و
دین کے پُتلے تھے اور بڑے پکّے مسلمان دیندار تھے نہایت متقی و پرہیز گار
تھے زہد و عبادت کی وجہ سے شیخ کہلاتے تھے ورنہ پٹھان اکُرزئی تھے۔
نواب سید علی محمد خان کے عہد مین افغانستان سے ہندوستان مین آئے
تھے نواب صاحب نے اُن کو نوکر رکھ لیا اور معقول ترقی دی حافظ صاحب
بھی اُنکی بڑی عزت کرتے تھے۔ حافظ صاحب نے اُن کے جنازے پر
نماز پڑھی اور دفن کرنے کے لیے جنازہ بریلی کو بھجوا دیا۔ وہین مدفون ہوے
تین فرزند اُن سے یادگار رہے۔ مستقیم خان۔ عبدالحکیم خان۔ مقیم خان۔
مستقیم خان اپنے دونون بھائیون سے عُمر مین بڑے تھے اسلیے حافظ صاحب نے
شیخ کبیر کی جگہ اُن کو جاگیر اور رسالے پر سرفراز کیا۔

شیخ کبیر کے مرنے سے صفائی کی امید جاتی رہی عنایت خان نے شہر
کو مورچہ بند کر کے خود قلعہ مین جا کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حافظ صاحب
تین چار روز نکٹیا کے کنارے اس غرض سے پڑے رہے کہ عنایت خان
بریلی کے باہر نکلے جبکہ وہ قلعہ سے باہر نہ نکلا تو اُنھون نے قلعہ کی جانب
توپخانہ بھیجکر اُسکو زمین سے اُکھیڑ کر پھینک دینے کا حکم دیا لیکن عنایت خان نے

اپنے ساتھیوں کو یہ حکم دیدیا کہ جب توپ چلے تو حافظ صاحب کے افسرون کے اہل و عیال کو جو بریلی میں رہتے تھے گرفتار کرکے قلعہ کی دیوار پر توپخانے کے سامنے بٹھا دیا جائے یہ حکم سُنتے ہی بریلی کے آدمیوں میں ایک ہل چل مچ گئی اور سب نے افضل خاں اور سلطان خاں برادران نجیب الدولہ[1] کو جو مرہٹوں کی یورش کے وقت میں نجیب آباد سے اپنے اہل و عیال کو لے کر بریلی مین آرہے تھے اور ابھی تک یہیں مقیم تھے حافظ صاحب کے پاس بھیجکر عرض کرایا کہ اگر توپ کا ایک فیر بھی ہوا تو ہم بے حرمت اور برباد ہو جائینگے حافظ صاحب نے اس بات پر اطلاع پاکر گولہ اندازی کا حکم منسوخ کیا اور کپتن گوال وغیرہ افسران توپخانہ کو حکم دیا کہ لشکر میں توپخانے کو واپس لیجاؤ۔ اور کسی دوسرے حیلے کی فکر میں مصروف ہوئے آخرکار یہ تجویز کی کہ عنایت خاں کو کسی ترکیب سے باہر نکال کر سزا دینا چاہیے۔ افضل خاں اور سلطان خاں کے ذریعہ سے عنایت خاں کو یہ فریب دیا گیا کہ پرگنہ سلیم پور جھوکہ اور فریدپور خان محمد خاں کی جاگیر سے نکال کر جسکے ساتھ عنایت خاں کو قلبی عداوت تھی اور در واقع میں یہ باپ بیٹے کی اسی لڑائی پر تھی جتنی کھٹک خان محمد خاں کی تھی عنایت خان کے نام مقرر کرکے سند اُسکے پاس اِس مضمون کی تحریر کے ساتھ بھیجی کہ ہمنے تمھارا قصور معاف کیا اور یہ پرگنہ تمکو جاگیر میں عطا کیا اس تحریر کو دیکھکر پہلے تو عنایت خاں کو دھوکہ معلوم ہوا۔ مگر انجام کار یہ خیال کیا کہ شاید حافظ رحمت خاں نے عاجز آکر یہ امر گوارا کرلیا ہو۔ اس امید پر قلعہ سے نکل کر اپنی نئی عطا کی ہوئی

---

[1] سیر المتاخرین میں انکو نجیب الدولہ کا بیٹا بتایا ہے اور یہ غلط ہے ۱۲

جاگیر پر قبضہ کرنے کو روانہ ہوا۔ اُسکے ساتھ چار پانچ ہزار فوج تھی جیساکہ گل رحمت
مین لکھا ہے اور فرح بخش مین عنایت خان کے ساتھیون کی تعداد دس بارہ ہزار
بتائی ہے۔ اُسکے دو بھائی محمد دیدار خان اور الہ یار خان بھی اُسکی رفاقت مین
تھے۔ اُسنے پہلے سلیم پور کی جانب روانہ ہو کر علاقہ کرور مین کیارہ کے گھاٹ
پر رام گنگا کے کنارے ڈیرہ کیا دوسرے روز رام گنگا کو عبور کرکے کھکڑ وئی
(یا ککروئی) کے قریب ٹھہرا یہ گانون اندھاریا کے کنارے بلیا کی دکھنی سرحد پر
واقع ہے اور یہان سے اُسنے الہ یار خان کو سلیم پور کا روپیہ وصول کرنے کو بھیجا۔
اُدھر حافظ رحمت خان نے احمد خان بخشی۔ عبد الستار خان۔ مستقیم خان۔ قاسم شاہ
اور محب اللہ خان وغیرہ کو یہ حکم دیا کہ عنایت خان کو قید کرلین یا اُس ملک سے
نکالدین تمام سردار فوج لیکر اُسکے پیچھے روانہ ہوے اور عنایت خان کو کہلا بھیجا کہ آج کل حافظ صاحب
تمپر بہت خفا ہین اسلیے صلاح وقت یہ ہے کہ یہان سے کہین چلے جاؤ جبتک حافظ صاحب کی
تمپر خفگی ہے یہان نہ رہو۔ عنایت خان نے سرداران موصوف کی یہ نصیحت نہ سنی اور آمادہ
جنگ ہوا حافظ رحمت خان۔ نواب سید فیض اللہ خان۔ فتح خان خانسامان۔
محب اللہ خان۔ احمد خان بخشی اور عبد الستار خان بھی اپنا لشکر لےکر اُسکے متعاقب
روانہ ہوے اور اس فوج کو بلیا کے علاقے مین سردار نگر کے گھاٹ سے رام گنگا پار اُتارا۔
عنایت خان کی فوج پانچ روز کے عرصے مین موضع ککروئی تک پہونچی تھی۔
حافظ صاحب یہ سمجھے تھے کہ عنایت خان ہماری فوج کی نقل و حرکت کے خوف
سے یہان سے چلا جائیگا اُسنے مطلق پروانہ کی اپنی فوج کو فراہم کرکے لشکر کے
پاس پہونچا غریبون کو لوٹنے اور بدرقین مارنے لگا حافظ رحمت خان کی فوج

بالکل جنگ کے لیے تیار رہتی سارے آدمی گھاس والے اور رسد کی فکر میں لگے
ہوئے تھے اور عنایت خاں کی اس چڑھائی کو کھیل سمجھے ہوئے تھے بلکہ دور سے
تماشا دیکھتے تھے عنایت خاں نے اپنے مقابل کی طرف سے یہ پہلوتہی دیکھ کر
زیادہ جسارت کی اور تیزی کے ساتھ فیر شروع کر دیے کچھ سپاہی زخمی ہو کر
حافظ صاحب کے پاس گئے کہ عنایت خاں نے چڑھائی کی ہے اور لشکر کے
زار ہوکر سپاہیوں کو زخمی کرتا اور لوٹتا ہے اور اِدھر سے کوئی بھی اُسکی طرف
فیر نہیں کرتا حافظ صاحب نے عبداللہ خاں رئیس شاہجہانپور اور احمد خاں
بختی اور عبدالستار خاں اور خان محمد خاں اور سید قاسم شاہ وغیرہ کو حکم دیا
کہ فوراً عنایت خاں پر فیر کریں یہ رسالہ دار حافظ صاحب کا یہ حکم سُنکر
پندرہ ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ سوار ہوئے اور توپ خانہ بڑھا کر
لگا دیا مگر پھر بھی توپیں بغیر گولوں کے سر کرتے تھے ہر ایک کو یہ اندیشہ
تھا کہ اگر عنایت خاں مارا گیا تو قباحت ہوگی۔ مستقیم خاں وغیرہ بالکل جنگ
نہیں کرتے تھے۔ اور محب اللہ خاں وغیرہ صلح کی بات چیت کرتے تھے۔
عنایت خاں نے اپنے سواروں کو دیدار خاں کے ہمراہ دھاوے کا حکم دیا
اور خود عبداللہ خاں کے گروہ پر ٹوٹ پڑا۔ عبداللہ خاں کے بہت سے
آدمی مارے گئے اور اُسکی جماعت کو شکست ہوئی پھر عنایت خاں بختی
احمد خاں کے گروہ پر حملہ آور ہوا اور لڑائی کا تمام زور کمالزئیوں کی طرف
آگیا۔ خود احمد خاں بختی کے بازو پر تلوار کا زخم آیا۔ خان محمد خاں اور
عبدالستار خاں اور مولوی غلام جیلانی خاں اور شاہ اشرف خاں اور

قاسم شاہ وغیرہ حافظ صاحب کے افسر پسپا ہو گئے کمالزئیون کا سارا بازار لُٹ گیا
یہ حالت دیکھ حافظ صاحب ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر خود سوار ہوئے اور نواب
سید فیض اللہ خان اور فتح خان خانساماں بھی تیار ہوے۔ عنایت خان
کے سپاہی بھاگی ہوئی جماعتون کا تعاقب کرتے ہوے ایک ویران گانون مین
پہونچ گئے اور کھنڈرون کی آڑ پکڑ کر بندوقین سر کرنے لگے۔ حافظ الملک
اس گمان سے کہ عنایت خان انھین سپاہیون مین ہوگا تھوڑی سپاہ اور اپنے
بیٹون یعنی ارادت خان اور محبت خان اور حافظ محمد یار خان اور عظمت خان
اور حرمت خان کو ساتھ لے کر اُس گانون کے اتنے قریب جا پہونچے کہ ایک
گولی اُن کی کمان مین جو اُنکے ہاتھ مین تھی لگی اور دوسری گولی اُنکی سواری کے
حوضے پر اور تیسری گولی اُنکے ہاتھی کے پانون مین لگی اور حافظ صاحب کے
کئی سپاہی مقتول و مجروح ہوے۔ اس عرصے مین اُنکا توپ خانہ آ پہونچا
اور اُن لوگون پر گولہ باری شروع ہوئی۔ جب دو تین گولے اِن پیادون
کے قریب پہونچے تو وہ امان چاہنے لگے۔ عنایت خان کمالزئیون کے
لشکر مین جو اُسکے حملے سے بھاگ گئے تھے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بدنصیب
ہمراہیون نے خوب خوب لاگ ڈانٹ سے لڑائی جاری کر رکھی تھی مگر نمک کی
مار کا حربہ کچھ اور ہی ضرب رکھتا ہے۔ قریب تھا کہ عنایت خان مارا جائے
یا بھاگ جائے یا گرفتار ہو جائے کہ اتنے مین محب اللہ خان اُس کے پاس
جا پہونچا اور عنایت خان فوراً اپنے آدمیون سے جدا ہو کر محب اللہ خان
کے ہاتھی پر سوار ہو گیا اور امن مانگی۔ محب اللہ خان نے شتر سوارون کو

حافظ صاحب کے پاس بھیجا کہ عنایت خاں آگیا ہے اور مجھ سے مل گیا ہے
میرے ہاتھی پر سوار ہے اب لڑائی بند کرادینی چاہیے چنانچہ حافظ رحمت خاں
اور نواب سید فیض اللہ خاں نے لڑائی موقوف کرنے کا حکم جاری کیا۔
اور فوج نے کمر کھولدی۔ جب عنایت خاں کے پیادوں کی جان بچ گئی
تو اُس نے محب اللہ خاں سے کہا کہ آج تو میں تمھارے ساتھ نہیں چلتا
اپنے لشکر کو جاؤنگا کل حاضر ہوؤنگا آج چلونگا تو یہ مشہور ہوگا کہ محب اللہ خاں
عنایت خاں کو گرفتار کر لایا اس لیے محب اللہ خاں نے شام کے قریب
بلا مشورہ عنایت خاں کو چھوڑ دیا۔ جب حافظ صاحب سے محب اللہ خاں
نے یہ بات بیان کی تو وہ نہایت خفا ہوئے اور محب اللہ خاں کو ملامت
کی اور عنایت خاں کو لکھ بھیجا کہ "تو آج نامردوں سے جنگ کر کے اُن پر
غالب آگیا کل میرے اور تیرے درمیان لڑائی ہے"۔ عنایت خاں نے اپنے
لشکر میں پہونچکر پھر سامان جنگ درست کیا اور علی الصباح تیار ہو کر
میدان میں آدھمکا ادھر سے بھی فوج تیار ہو کر مقابلے کو روانہ ہوئی افسران فوج
کل کے خجالت زدہ ہو رہے تھے آج ایسا دل کر لڑے اور نواب سید
فیض اللہ خاں کے توپ خانے سے اتنے گولے مارے گئے کہ عنایت خاں
کا تمام لشکر تتر بتر ہوگیا۔ ایک گولا اُس کے کان کے پاس سے نکل گیا
زندگی باقی تھی بچ گیا۔ نواب سید فیض اللہ خاں کے حکم سے سواروں نے
گھوڑے دوڑا کر عنایت خاں کو پکڑ لیا اللہ یار خاں اُسکا بھائی ساتھ تھا۔
مستقیم خاں اُس کو حافظ صاحب کے پاس لے گئے اور اُسکے عفو قصور کی

درخواست کی۔ حافظ صاحب نے کہا اس کو اول نواب سید فیض اللہ خان کے
پاس لے جاؤ وہ جو چاہینگے اُس کے حق مین کیا جائیگا عنایت خان آکر یار خان
کے ساتھ نواب سید فیض اللہ خان کے ڈیرے پر لایا گیا۔ نواب موصوف
اُسکے پہونچنے سے قبل حافظ رحمت خان کے ڈیرے پر چلے گئے تھے۔
حافظ صاحب کی مرضی تھی کہ عنایت خان کی گردن مروا دی جائے مگر نواب
سید فیض اللہ خان نے اُس کی جان بخشی فرمادی۔ نواب سید فیض اللہ خان
حافظ رحمت خان سے مشورہ کرکے اُنکے کئی رسالہ دارون اور اہلکارون
کے ساتھ اپنے ڈیرے پر آئے وہ تو خاموش بیٹھے رہے مگر اہلکارون نے
کہا کہ حافظ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس شرط پر تمھارا قصور معاف ہوگا کہ اپنے
ساتھ کی سپاہ کو برطرف کرکے لوٹ کا مال و اسباب اُن سے واپس دلادو
عنایت خان نے کہا کہ مین یہان ہون۔ اگر مجھے رہا کردیا جائے تو لوٹ
کا اسباب تلاش کرکے واپس لون اہل کار کئی بار حافظ صاحب کے پاس
گئے آئے اور پچھلے پہرے مین آکر یہ کہا کہ "حافظ صاحب نے حکم دیا ہے
کہ تم روہیلکھنڈ سے نکل جاؤ" عنایت خان اپنی تقصیرات کی معافی سے
مایوس ہوکر نواب سید فیض اللہ خان کے ڈیرے سے اُٹھ کر چلا گیا۔ اور
اپنے آدمیون مین پہونچا لوٹ کے سامان مین سے جسقدر ایسی چیزین
تھین کہ وہ ظاہر تھین جیسے گھوڑا ہاتھی اونٹ وہ اپنے آدمیون سے لیکر
حافظ صاحب کے لشکر مین بھیجدین۔ اور روہیلکھنڈ کے رہنے مین اپنی
خفت سمجھا اس لیے تمام متعلقین اور دونون بھائیون اور آدمیون کو ساتھ لیکر

بغیر کسی سامان اور سدو دست کے شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا شجاع الدولہ
نوراہی میں جو نیض آباد سے سات کوس کے فاصلے پر ہے مقیم تھے ۔
عنایت خاں کی حرص کر اپنے بیٹے سعادت علی اور مرتضی خاں بڑیچ اور
ہمت بہادر کو پیشوائی کے لیے بھیجا۔ عنایت خاں شجاع الدولہ کے
لشکر میں پہونچا اور رات کو مرزا علی کے ڈیرے میں آرام کیا دوسرے دن
شجاع الدولہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے خلعت اور شمشیر اور جیغہ اسکو
اور اسکے بھائیوں کو بخشے اور اسکی بہت خاطر کی اور عنایت خاں کے
آنے کو غنیمت سمجھے۔ اس لیے کہ شجاع الدولہ حافظ رحمت خاں کے ملک
کے فتح کرنے کی تاک میں تھے۔ چنانچہ ایک دن شجاع الدولہ نے عنایت خاں
پر اپنا مافی الضمیر اس طرح ظاہر کیا کہ ہمارا اس قدر قلیل ملک ایک لاکھ
فوج اور کارخانوں کے مصارف کے لیے کافی نہیں اس لیے ہمارا ارادہ
ہے کہ کوئی نیا ملک فتح کریں اور یہ اشارہ حافظ صاحب کے ملک کے
فتح کرنے کی طرف تھا عنایت خاں معرسحن کو پہونچ گیا اور اپنے ڈیرے
پر آ کر دونوں بھائیوں سے بیان کیا کہ بالفعل یہاں رہنا مناسب نہیں
شجاع الدولہ روہیلکھنڈ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ شجاع الدولہ نے
نوراہی سے کوچ کیا تو عنایت خاں ساتھ تھا لکھنؤ داخل ہوئے اور یہاں آٹھ ہزار روپیے
عنایت خاں کو بھیجا اور کہلا بھیجا کہ تھوڑے دنوں کے بعد تمھارے مصارف کے لیے جاگیر
مقرر کر دونگا اور ایک ہفتے کے بعد شجاع الدولہ نے یہاں سے مہدی گھاٹ کی طرف کوچ کیا
عنایت خاں بدوں رخصت حاصل کیے اسکے لشکر سے جدا ہو کر روہیلکھنڈ کی طرف

روانہ ہوا اور دونون بھائی اور چند مصاحبون کے ساتھ جو پینتیس سوارون سے زیادہ نہ تھے بریلی مین پہونچا۔ یہ بیان گل رحمت کے مؤلف کا ہے۔
لیکن فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ عنایت خان کے حال پر شجاع الدولہ نے ذرا بھی التفات نہ کیا برس روز تک فیض آباد مین بڑی سختی سے گذر کی آخر کار مجبور ہو کر پھر بریلی مین آیا۔ حافظ صاحب نے قلعہ کے اندر نہین اُترنے دیا۔ اسلیے خان محمد خان کی حویلی مین جسکی مان عنایت خان کی پھوپھی تھی اپنی پھوپھی کے پاس ٹھہر گیا۔ انجام کار سنگ مثانہ کے مرض مین مبتلا ہو گیا۔ اسی اثنا مین انور خان برادر عبد الستار خان کا آنولہ مین انتقال ہو گیا تو عنایت خان تعزیت کے لیے آنولہ کو گیا وہان مثانے مین ورم آگیا۔ دو تین دن کے بعد بریلی واپس آیا تپ بھی آنے لگی چند روز کے بعد عالم شباب مین کہ اکتیس برس کی عمر تھی اجل کا متقاضی گریبان پکڑ کر کھینچتا کھینچتا دار بقا کو لے گیا۔ نہایت گستاخ۔ بے ادب۔ مغرور۔ تکبر فروش اور اکھڑ تھا ایک زمانے سے لڑائی باندھے بیٹھا تھا خود پسند اور خود رائے اتنا تھا کہ اپنی عقل کے سامنے کسی کو سمجھتا ہی نہ تھا رعونت اور خود بینی نے دماغ کو عجب بلندی پر پہونچا دیا تھا۔ حافظ صاحب کہ مقدس اور پاک باطن تھے پانچون وقت کی نماز کے بعد اُسکے مرنے کے لیے دعا کرتے کہ اے رب العزت تو اُسکو جوانی مین موت دے اور پھر کبھی اُس کا روے منحوس مجھکو نہ دکھلائیو۔ اللہ تعالی نے ایسا ہی کیا کہ جب عنایت خان بریلی پہونچا تو اُس زمانے مین حافظ صاحب رام گھاٹ پر مرہٹون کے

مقابلے کے لیے پڑے ہوے تھے اسلیے عنایت خاں کو دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ بلکہ جب صمد خاں بریلی کے حاکم نے عنایت خاں کی وفات کی خبر حافظ صاحب کو بھیجی تو انھوں نے نہ اُسکی تعزیت کی نہ فاتحہ اُس کے لیے پڑھی۔

مرہٹون کا بادشاہ کو دبا کر ضابطہ خانکی اُنسے صفائی کرادینا

۱۱۸۵ہجری میں نواب ضابطہ خاں تکوجی سے ملے اور اُس سے وعدہ کیا کہ میں تمکو کئی لاکھ روپے دونگا اگر بادشاہ سے میرا قصور معاف کرادو تکوجی نے حامی بھرلی اور نواب ضابطہ خاں نے تکوجی کی معرفت سیاجی اور مہاجی سے بھی تصفیہ کرلیا۔ مرہٹوں کی کثرت سے بادشاہ نہایت پریشانی میں مبتلا تھے جب اُس کو یہ خبر پہونچی تو مرزا نجف خاں کو بخشی چہارم کرکے فوج کے بڑھانے کا حکم دیا۔ حسام الدولہ نے بادشاہ کو سمجھایا کہ مرہٹوں سے لڑکر عہدہ برآ ہونا مشکل ہے مگر سیف الدین محمد خاں نے عرض کیا کہ سیاجی اور مہاجی سیدھا حضور کے مطیع ہیں اور تکوجی سے مخالفت رکھتے ہیں اُنکے سامنے تنہا تکوجی کیا کرسکتا ہے اور طرح طرح سے باتیں بناکر تکوجی کی طرف سے بادشاہ کو صریح مخالف کردیا نجف خاں نے کئی ہزار جوان بھرتی کرلیے مگر ابھی پوری تیاری ہونے نہ پائی تھی کہ تکوجی ضابطہ خاں کو لے کر دتی کی طرف بڑھا اور بادشاہ سے اُن کے عفو قصور کی درخواست کی مگر پذیرا نہ ہوئی اس لیے تکوجی بادشاہ کے ساتھ لڑائی پر تل گیا۔ ذوالفقار الدولہ نجف خاں نے بادشاہ کے حکم سے دلی کے باہر مقابلے کو فوج جمع کی۔

منشی منولال شاہ عالم نامہ مین لکھتا ہے کہ حسام الدولہ نے مرہٹون کو خفیہ کہلا بھیجا تھا کہ بادشاہ سے بدون لڑے بھڑے ضابطہ خان کی صفائی نہ کراسکوگے اسلیے تم لڑائی شروع کردو مین عین وقت پر مورچے خالی کردونگا۔ تکوکے شریک بیساجی اور مہاجی سیندھیا بھی ہوگئے۔ مرہٹون کی تمام فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی (اور بعض نے ڈیڑھ لاکھ بتائی ہے) بادشاہی مختصر سالشکر اُن کا نقطۂ مقابل کب ہوسکتا تھا لڑائی شروع ہوئی حسام الدولہ کا مورچہ جھروکہ کے پاس تھا اُسنے خالی توپین جھڑوانا شروع کین اور مورچہ خالی کردیا مرہٹون کی فوج شہر کے دروازے تک بڑھ گئی اور دو خاص بادشاہی ہاتھی کھول لیے نجف خان مستعدی سے لڑتا رہا اور شام تک لڑائی جاری رہی۔ چار گھڑی رات گئے نجف خان بادشاہ کے پاس گیا اور حسام الدولہ کی شکایت کی حکم ہوا کہ کل شہرپناہ کو مضبوط رکھنا چاہیے اور سبقت نہ کرنا چاہیے۔

شاہ نواز خانی مین مذکور ہے کہ اتفاق سے بادشاہی بارودخانے کے ایک صندوق مین مرہٹون کی طرف سے گولہ آکر لگا اور عین معرکے مین بارودخانہ اُڑگیا۔ چار سو آدمی جل کر ہلاک ہوے اسلیے مرہٹے حملہ کرکے سعداللہ خان کی حویلی تک پہونچ گئے دن بھریون ہی لڑائی رہی اگرچہ آج مرہٹون کو کامل فتح حاصل نہ ہوئی مگر پلہ انھین کا بھاری تھا۔ شہرپناہ ابھی تک محفوظ تھی کہ رات ہوگئی۔ دوسرے دن صبح کو پھر لڑائی شروع ہوئی اب ظاہر تھا کہ شہرپناہ کسی طرح اُن کے ہاتھ سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔ اس لیے

حسام الدولہ نے بادشاہ کو اس پر راضی کیا کہ وہ مرہٹوں اور نواب ضابطہ خاں
سے صفائی کر لیں۔ ذوالفقار الدولہ اس صلاح میں شریک نہ تھے حسام الدولہ
نے مرہٹوں کے وکیل کو بلا کر کہا کہ ظل سبحانی تمہاری گستاخی سے ناخوش ہیں
اور مہاجی اور تکو کو کہلا بھیجا کہ اپنی تقصیرات کا عذر بادشاہ سے کرو اور اپنے
اعمال پر پشیمانی ظاہر کرو۔ اُنھوں نے ایک عرضی معذرت آمیز حسام الدولہ
کی معرفت بادشاہ کے حضور میں بھیجی ۲۔ شوال ۱۱۸۵ ہجری روز یک شنبہ کو
مرہٹوں کے مطالبات کی فرد پر بادشاہ کے دستخط ہوئے۔ اور پھر دوں رے
مہاجی اور تکو اور حسام الدولہ نواب ضابطہ خاں کے ہاتھ باندھ کر بادشاہ
کے حضور میں لے گئے اور قصور معاف کرایا اور منصب امیر الامرائی اور
سہارن پور کی جاگیر دلا دی۔ کوڑے اور الہ آباد کے صوبوں کی سند مرہٹوں
نے اپنے لیے بادشاہ سے لکھا لی۔ مگر ناظم شاہی نے بادشاہ کے اس حکم کی
تعمیل نہ کی اور ان دونوں مقاموں کو انگریزوں کے حوالے کر دیا شجاع الدولہ
اور انگریزوں کو بادشاہ کی یہ کارروائی ناگوار گذری اور ہیسٹنگز صاحب
گورنر نے بھی اس ناخوشی کی وجہ سے وہ چھبیس لاکھ روپے دینا بند کیے جو
بادشاہ کو بنگال اور بہار اور اوڑیسہ کی دیوانی کے عوض میں خراج کے طور پر
دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مرزا نجف خاں جو بادشاہ کے حکم سے مرہٹوں کا مقابل
تھا صلح کی خبر سن کر میدان جنگ سے چلا آیا اور اپنی حویلی میں بیٹھ رہا
بادشاہ نے حسام الدولہ کے ورغلانے سے اُسکی خرابی کی یہ صورت کی
کہ مرہٹوں کو جو روپیہ صلح کے وقت دینا ٹھہرا تھا مرزا نجف خاں سے اُسکے

وصول کر لینے کے لیے مرہٹون کو حکم دے دیا۔ مرہٹون نے نہایت سختی کے ساتھ مرزا کو پیام دیا کہ یہ روپیہ ادا کرو۔ نجف خان کے پاس گو جمعیت کم تھی مگر اپنی آبرو کی حفاظت کے لیے مرہٹون سے لڑنے کو آمادہ ہوے۔ مرہٹون نے اس وقت نجف خان سے بگاڑ مصلحت کے خلاف سمجھ کر مرزا خلیل کی معرفت تھوڑے سے روپے پر صلح کر لی۔

۷ر جنوری ۱۷۷۳ء کو سلیکٹ کمیٹی نے کلکتہ مین نواب ضابطہ خان اور مرہٹون کی صفائی کے مقدمے مین یہ راے ظاہر کی کہ شجاع الدولہ اور روہیلون کی نسبت یہ لکھتے ہین کہ "وہ مرہٹون سے مل گئے اور اس سبب سے مجھے بڑا خوف ہے کہ مبادا میرے ملک پر حملہ آور ہون۔ انگریز میری مدد کرین ہمارے نزدیک ظن غالب ہے کہ روہیلون کے سردار کبھی مرہٹون کے ساتھ مل کر اُن کی قوت زیادہ نہ کرینگے جو مآل کار خود اُن کے ہی حق مین زہر ہو گی اس وقت مصلحتاً اُنھون نے اپنے تئین بچانے کے لیے مرہٹون سے منافقانہ صلح کر لی ہو گی۔"

مرہٹون کی روہیلکھنڈ پر چڑھائی شجاع الدولہ اور انگریزون کا روہیلون کی مدد کرنا

ضابطہ خان کی صفائی کے بعد بیساجی پیشوا اور مہاجی سیندھیا اور تکوجی ہلکر نے نجف خان کے تین ہزار روپے روزا اور بقولے پانچ ہزار روپے روز مقرر کر کے اپنے ساتھ لیا اور روہیلکھنڈ کے سردارون کو بھی اپنے ساتھ

ملا ما چاہا تھا کہ شجاع الدولہ کے ملک پر یورش کریں مگر حافظ رحمت خاں
مرہٹوں کو ایسا بے ایمان جانتے تھے کہ وہ ہزار قسمیں کھاتے تب بھی
حافظ صاحب اُنکی بات کا اعتبار نہ کرتے تھے[1]

تفصیل اس اجمال کی گلستان رحمت سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ
مہاجی سیندھیا اور تکوجی ہلکر کا سفیر آیا اور اُسنے حافظ رحمت خاں سے کہا
کہ "ہمارا ارادہ ہے کہ شجاع الدولہ کے ملک پر حملہ کریں اگر آپ ہمارے ساتھ
ہو جائیں تو جو ملک ہاتھ لگے گا وہ آدھا ہمارا اور آدھا تمہارا ہے۔ اگر آپ
کسی طرف نہ بولیں اور گنگا پار ہونے میں ہمارے سامنے مقابلہ کرنے نہ آئیں اور ہمارے
سفر میں حارج نہ ہوں تو ہم چالیس لاکھ روپے کا تمسک جسکے ضامن شجاع الدولہ
ہیں واپس دیدیں۔ اور اگر دونوں شرطیں آپ کو نہ منظور ہونگی تو ہم آپ کے
ملک کو لوٹیں کھسوٹینگے اور آبادی کو ویرانہ بنائیں گے۔" اسپر حافظ رحمت خاں
نے جواب دیا کہ "میں نے یہ عہد کیا ہے کہ کبھی بیں کافروں کے ساتھ ملکر مسلمانوں
سے نہیں لڑونگا اس لیے میں تمہاری شرائط ترغیب اور تحریص میں نہیں آتا
اور اپنے عہد کو نہیں توڑتا اور اسکا پھل خواہ کیسا ہی کڑوا ہو چکھنے کو میں موجود
ہوں" اور شجاع الدولہ کو سارے اس ماجرے کی اطلاع دی اور لکھا کہ میں
سپاہ لے کر بہت جلد میدان جنگ میں جاتا ہوں اور یہ صلاح بتلائی کہ
تمام گھاٹوں کا انتظام کرلینا چاہیے اور اُسکے ساتھ یہ بھی درخواست کی کہ
وہ چالیس لاکھ روپے کا تمسک واپس کیا جائے جسکا اب تک روپیہ

---

[1] دیکھو تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب ۱۲

مرہٹون کے پاس نہین بھیجا گیا ہے اور نہ آیندہ ایسی حالت مین مرہٹون کے پاس بھیجا جائے گا اس پر نواب وزیر نے سید شاہ مدن کو اپنا وکیل بنا کر حافظ صاحب کے پاس بھیجا اور اس احسان اور منت کا شکریہ ادا کیا کہ سارے حال سے مجھے اطلاع دی اور لشکر لے کر آپ میری امداد کو آتے ہین اور وعدہ کیا کہ مرہٹون کو شکست ہونے کے بعد وہ تمسک واپس کیا جائیگا (انتہی)

یہان یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چالیس لاکھ روپے کا جو تمسک حافظ رحمت خان نے شجاع الدولہ کو دیا تھا اُس کا روپیہ مرہٹون کو دینا نہ ٹھہرا تھا نہ اس قسم کا کوئی عہدنامہ مرہٹون کے ساتھ ہوا تھا اور نہ یہ تمسک شجاع الدولہ نے مرہٹون کے حوالے کیا تھا۔ صحیح روایت یہ ہے کہ حافظ رحمت خان نے مرہٹون کے اخراج کے لیے خود شجاع الدولہ کو چالیس لاکھ روپے تین سال کے عرصے مین معاوضۂ امداد کے طور پر دینے کا اقرار کیا تھا۔

بہر صورت مرہٹون کی فوج سنہ ۱۱۶۵ ہجری[1] مین روہیلکھنڈ مین گھس آئی اس باران کی یورش بدایون اور سنبھل اور مرادآباد کے علاقے مین تھی۔ روہیلکھنڈ گزٹیر مین لکھا ہے کہ پہلے مرہٹون نے ایک پیام روہیلون کے پاس اُس معاہدے کے روپون کے ادا کرنے کا جو لال ڈانگ کے محاصرے کے وقت صفدر جنگ سے ہوا تھا کہلا بھیجا یہ پیام گویا لڑائی کے واسطے ایک بہانہ تھا۔ اور فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ مرہٹون نے اُس تمسک کے

---

[1] جام جہان نما سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر صفر ۱۱۶۵ ہجری مین مرہٹے مرادآباد کے علاقے مین گھس آئے تھے۔ سالون اور مہینون کا کتابون مین بہت اختلاف ہے ۱۲

چالیس لاکھ روپیوں کے وصول کرنے کا حیلہ کھڑا کیا۔ جو شجاع الدولہ نے رہیلوں سے لکھا لیا تھا اور اپنے وکیل حافظ رحمت خاں کے پاس بھیج کر ان روپیوں کا تقاضا کیا اور درحقیقت پایاب گھاٹوں کی تلاش میں مصروف تھے روہیلوں کی طرف سے اس کا کچھ جواب نہ گیا اور حافظ رحمت خاں۔ صاحبزادہ سید محمد یار خاں فتح خاں خانساماں اور احمد خاں بخشی اور محب اللہ خاں ایسا فوجی ساماں تیار کرکے روانہ ہوئے اور مسولی میں جاکر ٹھہر گئے۔ احمد خاں بخشی کی جاگیر میں اہرات کا علاقہ تھا اسلیے اُسکو آگے کو بھیجدیا تاکہ وہ رام گھاٹ پر پہونچکر گھاٹ کا بندوبست اور کشتیوں کی حفاظت رکھے اور مرہٹوں کی فوج کو گنگا کے عبور کرنے سے روکے احمد خاں گھاٹ کے قریب پہونچکر اسدپور میں ایک محفوظ جگہ کی تلاش میں تھا۔ کہ یکایک ۲۷ ذیحجہ ۱۱۸۶ ہجری کو مرہٹوں کے ایک رجمنٹ نے گنگا اُتر کر اُسکی فوج پر حملہ کیا احمد خاں نے اُس وقت حافظ رحمت خاں کے پاس مدد طلب کرنے کو پیام بھیجا جو اسدپور تین کوس کے فاصلے پر چار پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ پڑے ہوئے تھے وہ پیام پہونچ ہی نہ پایا تھا کہ تکوجی ہلکر اپنی فوج کے ساتھ مرہٹوں کی مدد کو آگیا۔ اور احمد خاں کو گھیر لیا احمد خاں کی فوج نے اسدپور کی عمارت اور باغات میں متحصن ہوکر مقابلہ کیا اور صبح سے تیسرے پہر تک مرہٹوں کی فوج سے لڑائی جاری رکھی جب سپاہ روہیلہ بہت زخمی ہوئی اور ماری گئی تو احمد خاں نے مصلحت اس میں سمجھی کہ تکوجی کو ملاقات کا پیام دیا

سلہ دیکھو کتاب مرآت آفتاب نما و گل رحمت وغیرہ ۱۲

اور گھوڑے سے آدمیون کے ساتھ تکو کے لشکر مین چلا گیا تکو نے احمد خان کا توشہ خانہ اور تمام مال واسباب اور بتیس ہاتھی اور تین سو گھوڑے ضبط کر لیے احمد خان کے گھوڑے بے مثل تھے۔ اس سب سامان اور احمد خان کو گنگا پار اپنے کیمپ مین بھیجدیا مگر فوج کے کسی آدمی کا مال واسباب نہین لوٹا۔ اب مرہٹون کے غول اطمینان کے ساتھ اس علاقے مین پھرنے لگے حافظ رحمت خان نے شجاع الدولہ کو متواتر تحریر کیا کہ آپ حسب وعدہ مدد کیجیے۔ اور چونکہ مرہٹون کی یہ چڑھائی شاہ عالم بادشاہ کی مرضی کے خلاف تھی اسلیے اُنھون نے بھی شجاع الدولہ کو درپردہ لکھا کہ اس قوم کا استیصال کر دینا چاہیے۔ بادشاہ کا دل مرہٹون سے مکدر ہو گیا تھا مگر وہ اُن کے ہاتھ سے مجبور تھے اس لیے ذوالفقار الدولہ نجف خان کو اس جنگ مین بادشاہ کی جانب سے مرہٹون کا شریک ہونا پڑا۔ افاغنہ علی محمد خانی کے فتح کر لینے کے بعد اب کی بار مرہٹون کا ارادہ خاص شجاع الدولہ اور انگریزون کے ملک پر چڑھائی کرنے کا تھا[1]

شجاع الدولہ کو جس وقت مرہٹون کی یورش کی خبر پہونچی اُسی وقت اُنھون نے اپنی رفیق انگریزی حکومت سے مدد طلب کی اُس کے جواب مین سر رابرٹ بارکر اپنا برگیڈ لیکر اودھ پہونچا اور وہان سے شجاع الدولہ اپنی فوج لے کر انگریزی فوج کے ساتھ دو منزلیان کرتے ہوے روہیلکھنڈ کی جانب روانہ ہوے روہیلکھنڈ مین پہونچکر یہ حالت معلوم ہوئی کہ

---

[1] دیکھو مرآت آفتاب نما ۱۲

احمد خاں بستی ہلکر کی فوج میں گرفتار ہو گیا اور مرہٹوں کی فوج مع اپنے توپخانے کے گنگا پار اتر آئی اس فوج کا بڑا افسر سپاجی پنڈت تھا حافظ رحمت خاں بھور بسولی میں ہیں احمد خاں کی امداد کے واسطے آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے ہیں اس کا منشا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مجھسے سے اپنی جان بھی بچے اور شجاع الدولہ کے معاہدے کے روپوں کے ادا کرنے میں بھی کوئی صحت ہاتھ لگ جائے جیسا کہ رہیلکھنڈ گزیٹیر میں ہے لیکن مستجاب خاں کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں احمد خاں کی رہائی کے واسطے بسولی سے روانہ ہو گئے تھے اور مرہٹوں کی ایک ٹولی کو شکست بھی دے چکے تھے۔ گل رحمت کا مؤلف کہتا ہے کہ جب احمد خاں گرفتار ہوا ہے تو حافظ صاحب اسد پورے تین کوس کے فاصلے پر چار پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ مقیم تھے اور ایک دن وہ دو ہزار سپاہ کے ساتھ اپنے مقام سے کوچ کر کے اسد پور پہونچے اور ایک ٹیلے پر اترے جہاں سے مرہٹے دو کوس کے فاصلے پر مقیم تھے۔ حافظ صاحب نے عصر و مغرب کی نمازیں پڑھیں پھر اپنے کیمپ کو لوٹ گئے۔ اسی اثنا میں محب اللہ خاں دو تین ہزار سپاہ کے ساتھ اور مستقیم خاں تین چار ہزار پیادہ و سوار کے ساتھ اور دوسرے رسالہ دار اور جماعہ دار آئے اور اب دس بارہ ہزار سپاہ حافظ صاحب کے پاس جمع ہو گئی دوسرے دن شجاع الدولہ کے قریب پہونچ جانے کی خبر آئی جب شجاع الدولہ کی سپاہ اور انگریزی فوج یہاں پہونچ گئی تو مرہٹوں نے گنگا پار اتر آئے اور احمد خاں کی گرفتاری کی خبر معلوم ہونے سے انکو زیادہ کوشش کرنا پڑی اور انگریزی فوج مرہٹوں کی زیادہ پیش قدمی کو

روکنے کے لیے آگے بڑھی۔ مرہٹون کے چار ہزار سوار رام گھاٹ سے تھوڑی دور دیناپور[۵۱] کے گھاٹ پر گنگا کو عبور کرنے کی فکر مین مشغول تھے لیکن انگریزی فوج کے پہونچتے ہی وہ لوگ دکھنی کنارے کو بھاگ گئے اور انگریزی فوج نے دریا کے کنارے کنارے اُن کا تعاقب کیا۔ اس جگہ سے بیساجی پنڈت اور ہلکر کی فوج علٰحدہ علٰحدہ ہوگئی یعنی ہلکر کی فوج اس سے پہلے مراد آباد کی طرف روانہ ہوچکی تھی۔ اور بیساجی کی فوج گنگا کے دکھنی کنارے پر رہگئی۔ اسد پور کے پاس پہونچکر مرہٹون کی فوج مین سے ایک گولہ انگریزی لشکر مین آیا اُسکے جواب مین ادھر سے ایسے گولے مارے گئے کہ اُنکی توپ بند ہوگئی اور مرہٹون نے اپنا کیمپ اُٹھا کر دوسری طرف کا راستہ لیا[۵۲]۔ اُسکے دوسرے روز حافظ رحمت خان شجاع الدولہ سے آکر ملے اور جے پورہ مین کہ اوپ شہر کے مقابل گنگا کے کنارے ہے ٹھہرے[۵۳]

عماد السعادت مین لکھا ہے کہ اس سفر مین نواب شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خان دونون کے ہاتھی برابر رہتے تھے اور حافظ رحمت خان نواب شجاع الدولہ کو نواب سلامت کہکر خطاب کرتے تھے اور نواب شجاع الدولہ اُن کو حافظ جیو کہتے تھے اور یہ بات قرار پائی کہ انگریزی فوج بیساجی کی فوج کے تعاقب مین روانہ ہو اور شجاع الدولہ مع حافظ رحمت خان کے ہلکر کی جماعت کا تعاقب کرین اس صلاح کے بموجب سر رابرٹ بارکر

---

[۵۱] ہملٹن نے غریق پور لکھا ہے مگر آج کل دیناپور مشہور ہے ۱۲ [۵۲] دیکھو گزیٹیر ۱۲ ۱۲

[۵۳] دیکھو گل رحمت وغیرہ ۱۲

اسی فوج نے کر رام گھاٹ کے روبرو کشتیوں کے ذریعہ سے گنگا کو عبور کر کے میاجی سدت کے تعاقب میں روانہ ہوا اور ایک ایسے مقام سے جہاں گھوڑے کی ذم مبلہ تر ہوسکتی تھی گنگا کے عبور کرنے کی فکر میں تھا اور اُسکے ساتھ پندرہ ہزار سوار تھے صوبہ علی خاں شجاع الدولہ کا فوجی افسر بھی برق پلٹن کے ساتھ انگریزی فوج کا شریک تھا میاجی بغیر کسی مقابلے کے ایسا بھاگا کہ بدایوں کی آخری حد تک کہیں نہ ٹھہرا جس قدر اُس کا مال واسباب انگریزی فوج کے ہاتھ لگا وہ لوٹ لیا اور دوسرے دن سرحد بدایوں تک یہ فوج اُسکا پیچھا کرآئی۔ یہاں پر شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں آپس کے شکوک کے باعث یا معاہدے کے روپوں میں جھگڑا ڈالنے کے واسطے خاموش بیٹھے رہے اور اپنی فوج کو کسی جانب بھی بڑھانے کی کوشش نہ کی جب انگریزی فوج میاجی کے تعاقب سے واپس آئی تو اُن کے دنے کا کام بھی اُسی کو پورا کرنا پڑا۔ چنانچہ سررابرٹ بارکر نے اپنی فوج کو سنبھل کی جانب بڑھا کر مرہٹوں کی جماعت کو بغیر کسی مقابلے کے روہیلکھنڈ چھوڑنے پر مجبور کیا یہ بیان روہیلکھنڈ گزیٹیر کلاں ۱ گلستان رحمت۔ گل رحمت اور فرح بخش وغیرہ فارسی کی تاریخوں کے خلاف ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ مہاجی سیندھیا کا انگریزی فوج اور شجاع الدولہ کی سپاہ نے تعاقب کیا۔ اور تکو کی فوج کا پیچھا حافظ رحمت خاں نے کیا۔ مگر تکو اس تیزی سے نکل گیا کہ حافظ رحمت خاں کی سپاہ جو تھکی ماری ہوئی تھی اُس کا تعاقب نہ کر سکی تکو سیدھا سنبھل پہونچا اور اُس کو تاخت وتاراج کر کے اپنی سپاہ کو

---

۱ دیکھو عماد السعادت ۱۲

مراد آباد اور رام پور کو لوٹنے کے لیے بھیجا۔ نواب سیّد فیض اللہ خان یہ خبر سُنکر اپنے عیال و اطفال کو رام پور سے لیکر دامن کوہ کی طرف چلے گئے۔ مرہٹون نے مراد آباد کے رستے کے مقامات لوٹ لیے۔ عماد السعادت مین لکھا ہے کہ حسن پور کو بھی جلا دیا۔ حافظ الملک نے جب مراد آباد پر یورش کا حال سُنا تو مستقیم خان اور ملا سید خان کو فوج دے کر اُن کے تعاقب کا حکم دیا۔ اور آپ سنبھل کی طرف تکو کے تعاقب مین گئے۔ مرہٹون نے روہیلون کی فوج کی رُوانگی کا حال سُنکر رام پور کی لوٹ کا ارادہ ملتوی کر دیا مگر مراد آباد کو تباہ کر دیا۔ اور دوندے خان کے دیوان کائمل کو قید کر کے رات کو مراد آباد مین رہے اور دوسرے دن وہان سے چلے گئے اور غرۂ محرم ۱۱۸۵ھ ہجری کو قصبہ اہار کے گھاٹ سے گنگا کو اُتر گئے۔ جسقدر سپاہ روہیلون کی گھاٹون کی حفاظت کے لیے متعین تھی اُسے خبر بھی نہ ہوئی ایسی ہوشیاری سے مرہٹے نکل گئے اور خود تکو جسکے متعاقب سنبھل کی طرف حافظ رحمت خان تھے پھپوند کے قریب گنگا کو عبور کر کے مہاجی سے مل گیا۔ حافظ صاحب سنبھل کا ارادہ فسخ کر کے پھپوند کی طرف تکو کے پیچھے گئے اور دریاے گنگا کے کنارے ٹھہر گئے اور چند مقامون کے بعد وہان سے معاودت کر کے شجاع الدولہ کے پاس آگئے۔

اس کام کو پورا کر کے ۱۷۷۰ء مین شجاع الدولہ روہیلکھنڈ سے فیض آباد کو واپسی کے ارادے سے رام گھاٹ پر اس نیت سے ٹھہر گئے کہ بعض روہیلہ سرداروں سے موافقت پیدا کر لین۔ اور انگریزی فوج کے سپہ سالار نے یہ ارادہ کیا کہ روہیلکھنڈ مین سے اپنی فوج کو سفر کرا کے اپنے مقام کو لوٹے چنانچہ اُسنے اس بات کی حافظ صاحب سے اجازت لیکر اُن حکام ضلع کے نام

ادھر سے انگریزی فوج کا گذر ہوتا اس مضمون کے پروانے لکھا لیے کہ مزاحمت نہ کریں اور رسد پہونچائیں چنانچہ انگریزی فوج آنولہ بریلی اور شاہجہاں پور کی راہ ہوتی ہوئی مشرق کو چلی گئی۔

احمد خاں بخشی نے تکو کو ستر ہزار روپے اور دیوان کامل نے ساٹھ ہزار روپے دیے تو رہائی پائی۔ تکو نے احمد خاں کو چلتے وقت ایک ہاتھی اور ایک پالکی دی احمد خاں اپنے لشکر میں پہونچا اور حافظ صاحب سے ملکر اور ساتھ چل کر نواب شجاع الدولہ کے پاس گیا جو ابھی رام گھاٹ پر پڑے ہوئے تھے اور اُن سے عہد و پیمان دین ایمان کی قسم کے ساتھ کرکے رخصت ہوا شجاع الدولہ نے احمد خاں کو اپنی طرف سے نوابی کا خطاب دیا اور خلعت اور ہاتھی اور پالکی عطا کی احمد خاں کدھٹہ ضلع اہرات میں جو رام گھاٹ سے قریب ہے لشکر روہیلہ سے آملا کیونکہ حافظ صاحب رام گھاٹ سے چل کر یہاں ٹھہر گئے تھے اور یہاں کئی مقام ہوگئے۔

احمد خان بخشی اور حافظ رحمت خان مین مخالفت

مرہٹوں کی مہم سے فارغ ہوکر روہیلوں کا کیمپ مقام کدھٹہ میں قائم ہوا۔ یہاں حافظ رحمت خاں احمد خاں کے ذمے ڈھائی لاکھ روپے سالانہ مقرر کرنے لگے ان میں سے پچاس ہزار روپے تو نواب سید سعد اللہ خاں کی بیگم کے لیے اور دو لاکھ روپے صاحبزادہ سید محمد یار خاں کے مصارف کے لیے

سلہ دیکھو درج بخش اور گل رحمت میں کدھٹہ لکھا ہے ۱۲

یہ دولاکھ روپے جدید مقرر ہوتے تھے اسلیے احمد خان سواے اُس رقم کے جو بخشی مرحوم کے وقت سے مقرر تھی زیادہ کا دینا قبول نہین کرتا تھا اور حافظ صاحب کے مقابلے کو آمادہ ہوا اور حافظ صاحب کی مداخلت کے خیال سے کمالزئیون کی تالیف قلوب شروع کی۔ تاکہ جس قدر کمالزئی نواب سید فیض اللہ خان اور صاحبزادہ سید محمد یار خان اور حافظ رحمت خان اور پسران دوندے خان اور صاحبزادہ سید نصر اللہ خان ابن نواب سید عبد اللہ خان اور فتح خان خانساماں کی سرکار مین نوکر ہین وہ وقت پر شرکت کرین۔ سواے حافظ صاحب کے کسی کی یہ مرضی نہ تھی کہ معمول سے سوا احمد خان کے ذمے ایک کوڑی کا بھی اضافہ ہلو۔ محب اللہ خان اور فتح اللہ خان نے برملا کہدیا کہ قبول نکرنا چاہیے آج تمپر ہے تو کل ہمپر اس واقعہ کے پیش آنے کا اندیشہ ہے۔ رخنے کے انسداد کی یہی تدبیر ہے کہ صاف انکار کر دینا چاہیے اگر حافظ صاحب نمانین تو لڑائی پر مستعد ہونا چاہیے۔ اِن دنون نواب سیّد فیض اللہ خان رام پور مین تھے اُن کو اخون محمد سعید خان بخشی نے کئی عرضیان بھیجین جنکا مضمون یہ تھا کہ کمالزئیون کا تمام جتھا احمد خان کی رفاقت کو آمادہ ہے اور تمام آدمی لڑنے مرنے کو مستعد ہین اور حافظ صاحب کسی طرح اپنے عزم سے باز نہین آتے خدا جانے اس قضیے کا کیا انجام ہوگا اور بھی کئی دولت خواہون نے اس مضمون کی تحریرین روانہ کین۔ نواب سید فیض اللہ خان نے اپنے افسرون سے صلاح کی کہ اس معاملے مین کیا کرنا چاہیے حافظ صاحب ہمارے بھائی سید محمد یار خان کے معاملات کی درستی مین کوشش کرتے ہین اگر حافظ صاحب کی طرفداری

کی جائے تو احمد خاں سے جنگ ستدبی ہے اور بلوائی پٹھان تمام روہیلکھنڈ میں خونریزی پھیلا دینگے اور اسکی بدنامی دور دور تک پھیلیگی اور اگر احمد خاں کی طرف سے سچی بات کہی جائے تو حافظ صاحب ناخوش ہونگے اور بھائی صاحب کو بھی کمال صدمہ ہوگا۔ یہی بہتر ہے کہ ہم اس جھگڑے سے الگ تھلگ رہیں۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ نواب سید فیض اللہ خاں خود جا کر اس نزاع کو رفع کرادیں چنانچہ نواب سید فیض اللہ خاں سوار ہوکر مقام کدہٹہ کو گئے حافظ رحمت خاں صاحبزادہ سید محمد یار خاں۔ فتح خاں خانساماں۔ احمد خاں بخشی اور محب اللہ خاں وغیرہ نے بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا دو تین دن تردد میں گذر گئے پھر یہ تصفیہ پیش ہوا۔ نواب سید فیض اللہ خاں نے احمد خاں اور حافظ رحمت خاں کو خوب سمجھایا کسی نے نہ مانا آخرالامر نواب سید فیض اللہ خاں بہادر نے حافظ صاحب اور صاحبزادہ سید محمد یار خاں کی رعایت کی اور احمد خاں کو یہ سمجھایا کہ جو کچھ حافظ صاحب کی اور صاحبزادہ سیّد محمد یار خاں کی مرضی ہے اُس کو قبول کرنا چاہیے چونکہ احمد خاں نواب سید فیض اللہ خاں کی مرضی کا پابند تھا اُسے قبول کرلیا خان محمد خاں نے بھی بہت کچھ چرب زبانی سے اُس کو شیشے میں اُتارا اور اُس سے ڈھائی لاکھ روپے سالانہ ادا کرنے کی بابت ایک تحریر لکھا کر اور مہر وصاد کرا کے خان محمد خاں کے ہاتھ حافظ صاحب کے پاس بھیجدی سپاہ سفر سے بہت تھک گئی تھی اس تصفیے کے ہوجانے سے سب خوش ہوئے اور جیٹھ سمت ۱۸۰۳ بکرمی کا مہینہ بھی ختم ہونے کے قریب تھا اور جو بارسے

سپاہ کو فیصلے کا ہوجانا بہت اچھا معلوم ہوا اور سب رئیس اپنے اپنے مقام کو چلے گئے۔حافظ صاحب اپنے تمام خدم وحشم کو بریلی روانہ کرکے جریدہ بداون کو مزارات اولیاء اللہ پر فاتحہ خوانی کے لیے گئے۔ اور ہفتے کے بعد بریلی چلے گئے۔

اسی سال یعنی ۱۱۸۰ھ ہجری مین عبدالستار خان خلف صدر خان ابن حبیب خان قوم کمالزئی کا انتقال ہوگیا فصول فیض اللہ خانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم شفائی خان مؤلف کتاب شفاء الجمیل ان کے ملازم ومعالج تھے۔ ان کا باپ صدر خان افغانستان سے روہیلکھنڈ مین داؤد خان کے پاس آیا تھا۔نواب سیّد علی محمد خان کی رفاقت مین بھی رہا۔انھین کے عہد مین انتقال کیا۔ سات بیٹے چھوڑے تھے۔ نواب سید علی محمد خان نے عبدالستار خان کو اُن کے باپ کے رسالے پر مقرر کیا۔نواب موصوف کے انتقال کے بعد حافظ رحمت خان کی سرکار مین رسالہ دار مقرر رہا۔ اور حافظ رحمت خان نے عبدالستار خان کو پرگنۂ فریدپور جاگیر مین دیا۔ عبدالستار خان سے دو بیٹے باقی رہے۔بڑے بیٹے عبدالجبار خانکو حافظ صاحب نے باپ کی جگہ رسالہ دار کردیا۔ اور پرگنۂ فریدپور کی معافی بحال رکھی۔

حافظ صاحب بریلی سے پیلی بھیت کو چلے گئے اور اپنے دو بیٹون کی شادی کا سامان کیا کٹرے مین برات لے جاکر کمالزئی خان کی بیٹی کے ساتھ ذوالفقار خان کی شادی کی۔اور بسولی جاکر محب اللہ خان کی بیٹی کے ساتھ حرمت خان کی شادی کی۔

احمد خاں نے آنولہ میں ہو بیٹھ کر سپاہ کی فراہمی شروع کی دس ہزار کے قریب سوار و پیادے بھرتی کرکے اپنی حفاظت اور خودداری میں مصروف ہوا۔ تمام سردار خاں کا کل اندوختہ جس قدر بھائیوں کی تقسیم سے باقی رہا تھا ایک سال میں خرچ کر ڈالا۔ پچاس ہزار روپیہ اقساط کے موجب نواب سید سعد اللہ خاں کی بیگم کو تو بھیجدیا اور صاحبزادہ سید محمد یار خاں کو دو لاکھ روپے میں سے ایک کوڑی بھی نہ دی بلکہ سات ہزار روپے سالانہ جو حقی مرحوم دیا کرتے تھے وہ بھی بند کر لیے۔ اس کسی کی یہ مجال نہ ہوئی کہ احمد خاں سے دو لاکھ روپے کا مطالبہ کرے۔ سید محمد یار خاں نے یہ باتیں دیکھ کر آنولے کی سکونت بھی چھوڑ دی ٹانڈے میں جو آنولے سے قریب ہے رہنے لگے اور وہاں بیٹھے ہوئے اپنی بے استعدادی اور احمد خاں کے جاہ و حشم پر خون جگر کھاتے تھے۔ اگر ان میں کچھ بھی استعداد ہوتی یا رفقا اور ملازم تہ دل سے شریک ہوتے تو یہ بھی احمد خان کے ساتھ مقصود نہ کرتے۔ خرابی یہ تھی کہ ان کے زیادہ تر نوکر کمالزئی اور امانزئی تھے مگر اخون زادہ محمد سعید خاں برادر زادہ اخون محمد رحیم خاں ان کا بڑا دلسوز۔ دولت خواہ اور نمک حلال تھا۔

فتح خان خانساماں کی وفات اور اُنکی اولاد میں فسادات

سفر رام گھاٹ سے واپسی کے بعد ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۸ء ہجری میں فتح خاں کے بائیں طرف فالج گرا تین چار برس بیمار رہے کہ کام کاروبار کچھ نہ

دست قضا نے طے کیا۔ یہ داؤد خان کے چیلے تھے قوم کے برہمن تھے۔
داؤد خان کے عہد مین حالت طفلی مین مشرف باسلام ہوے۔ داؤد خان
ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ نواب سید علی محمد خان نے جب روہیلکھنڈ
مین ریاست جمائی توان کو اپنی سرکار کا خانسامان بنایا۔ اور اپنے چھوٹے
بیٹون یعنی نواب سید سعد اللہ خان سید اللہ یار خان سید محمد یار خان اور
سید مرتضیٰ خان کی اتالیقی پر مقرر فرمایا۔ یہ نہایت نیک ذات عالی ہمت
اور خوش سیرت تھے خدا ترسی اور رحم و شفقت ان کے خمیر مین رچی ہوئی
تھی کسی کا دکھ دیکھ نہ سکتے تھے۔ روہیلکھنڈ مین صدہا مسجدین۔ کنوین
مہانسرائین اور قریب بیس پلون کے لاکھون روپون کے صرف سے تعمیر کرائے
نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا پل بنا چاہ بنا مسجد و محراب کا
نہایت سخی دریا دل تھے ان کے زمانے مین کوئی شخص ہندوستان کے
اندر سخاوت مین ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ مہینے مین چار بار فقرا و مساکین کو خیرات
دیا کرتے تھے فی آدمی ایک روپے سے چار آنہ تک دیتے تھے آٹھ ہزار روپے کے قریب
ہر مہینے مین تقسیم کیا کرتے تھے اور روزانہ دہلی سے جو مسافر آوارہ ہو کر پورب
کو جاتے اُن کو سو سو روپے دیا کرتے تھے شریف آدمیون کی زیادہ خاطر
کرتے تھے۔ ایسے شخص کو المضاعف دیتے تھے۔ اُن کی قبر آنولے مین ہے
چھ بیٹے چھوڑے۔ احمد خان۔ اعظم خان معظم خان عظیم خان۔ دلیر خان۔
ذوالفقار خان۔ عظیم احمد اور ارشاد احمد ان کے بیٹون مین سے کسی کا نام
نہ تھا۔ روہیلکھنڈ گزیٹیر مین غلطی سے احمد خان کو ارشاد احمد اور عظیم خان کو

علیم احمد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
فرح بخش میں لکھا ہے کہ ابھی فتح خاں کی حالت نزع تھی کہ احمد خاں اور اعظم خاں میں باپ کے ملک و دولت کی تقسیم کے بارے میں تنازع شروع ہو گیا اور فساد پیدا ہونے لگا۔ نواب سید فیض اللہ خاں کا منشا یہ تھا کہ ملک و مال خاندان کا یک جائی رہے اُس کی ریاست خراب نہ ہو احمد خاں رئیس بنایا جائے اعظم خاں کے نام بخشی گری قرار پائے اور دونوں متفق ہو کر محالات سے آمدنی وصول کر کے سرکارات کے روئے معمول کے موافق ادا کرتے رہیں۔ سپاہ اور تمام سامان ملکداری سارہے اس جائداد سے دو لاکھ روپے نواب سید فیض اللہ خاں کو اور باسٹھ ہزار روپے صاحبزادہ سید محمد یار خاں کو اور پچاس ہزار روپے نواب سید سعد اللہ خاں کی بیگم صاحبہ کو پہونچتے تھے۔ لیکن خان محمد خاں نے حافظ صاحب کے مزاج کو فتح خاں کی جانب جرالی کی طرف مائل کر کے ایسا قرار دیا کہ دو حصے تمام جاگیر کے کیے جائیں اس وجہ سے جھگڑا اور دونوں بھائیوں میں حرحتہ [illegible] نواب سید فیض اللہ خاں یہ حال سنکر رام پور سے بریلی کو گئے اور صاحبزادہ سید محمد یار خاں بھی ٹانڈے سے کوچ کر کے اُن کے شریک ہو گئے ان دونوں صاحبوں کی یہ مرضی تھی کہ احمد خاں باپ کا قائم مقام ہو اور سب ریاست کا مالک وہی تسلیم کیا جائے مگر حافظ صاحب کی مرضی یہ معلوم ہوئی کہ ملک کے دو حصے کیے جائیں تو انھوں نے بھی یہی رائے دیدی۔ آنولہ۔ سوبہ۔ کھیرگاتوہ احمد خاں کو ملے۔ بدایوں اور اوسیت اعظم خاں کے

حصے مین آئے۔ اس تقسیم کے بعد بھی دونون بھائیون کا جھگڑا ختم نہ ہوا اور چھری کٹاری کا بازار گرم ہونے پر نوبت آگئی۔ اعظم خان نے آنولہ مین پہونچکر خانسامان کی پالکی کے چوب اور کلس طلائی لے لیے اور تمام خزانہ اور سامان چھکڑون مین لدوا کر بدایون کو پہونچا دیا اور سارا توپ خانہ کہ بدایون مین تھا اور ہاتھی کہ اوسیت مین تھے اُنپر بھی قبضہ کر لیا۔ احمد خان کو کچھ نہ دیا بلکہ اُس کے علاقے پر بھی دست درازی کا ارادہ کیا۔ تمام ہاتھیون مین سے صرف ایک ہتھنی احمد خان کے پاس بھیجدی۔ احمد خان نہایت عقیل اور متحمل تھا اُسنے اغماض صریح کرکے سکوت کیا بلکہ ابلہ فریبی کی راہ سے گرمجوشی کرنے لگا۔ اعظم خان نے احمد خان کے تغافل کو کمزوری پر محمول کرکے یہ سمجھ لیا کہ اس مین کچھ ہمت نہین ہے مجھ سے دب گیا ہے۔ اس سے علاقہ بھی نکال کر باپ کے ملک سے بھگا دینا چاہیے ایک دن احمد خان نے آنولے سے کوچ کیا اور کھر گانوہ کے علاقے مین انتظام کی تقریب سے خیمے استادہ کرائے اور موقع پاکر سوار ہو کر بدایون پہونچ گیا۔ تمام توپ خانہ بدایون سے اُٹھا کر آنولہ مین لے آیا اور ملازمان اعظم خان کی ایسی گوشمالی کی کہ کسی نے دم نہ مارا۔ اعظم خان پہلے سے احمد خان کا مدمقابل نہ تھا لیکن خان محمد خان کے اغوا سے حافظ صاحب نے خانسامان کے ملک کو نصف نصف تقسیم کرکے نصف ملک پر اعظم خان کو قبضہ دلا دیا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ روپے نواب سید فیض اللہ خان کے اور پچاس ہزار روپے نواب سیّد سعد اللہ خان کی بیگم کے احمد خان کے ذمے مقرر ہوے۔ اور پچاس ہزار روپے نواب سیّد

فیض اللہ خاں کے اور ساٹھ ہزار روپے صاحبزادہ سید محمد یار خاں کے اعظم خاں کے ذمے قرار پائے تھے مگر احمد خاں اس تقسیم سے خوش نہ تھا نواب سید فیض اللہ خاں کے پاس خاطر سے خاموش تھا اور حافظ رحمت خاں اور نواب سید فیض اللہ خاں کی کوشش سے ایک لاکھ روپے نقد جانسا خاں کے مال میں سے صاحبزادہ سید محمد یار خاں کو پہونچے تھے۔ اخبار حسن کے مؤلف نے اس تمام معاملے میں احمد خاں کو ملزم ٹھہرایا ہے اسکا بیان ہے کہ احمد خاں جانسا خاں کی سب اولاد میں بڑا تھا اسلیے باپ کا قائم مقام ہوا مگر ریاست کا کام اچھی طرح انجام نہ دیسکا اور جانسا خاں کے متعلقین کی پرورش اور سرگیری میں کوتاہی کرنے لگا اسلیے حافظ الملک کی تحریر سے تمام بیٹوں کے لیے علیحدہ علیحدہ جاگیر تقسیم ہوئی لیکن اس تقسیم سے یہ ہوا کہ ان کی باہمی نزاع طے ہوجاوے فرح بخش لکھنے مؤلف نے صرف دو بھائیوں پر تقسیم لکھی تھی اسے تمام بھائیوں پر تقسیم پانا بیان کیا ہے ان دونوں بیانوں میں بڑا فرق ہے مگر مؤلف فرح بخش کا قول معتبر ہے کہ یہ اسکے سامنے کا معاملہ ہے۔

شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خان مین جنگ پیدا ہونیکے اسباب

گلستان رحمت میں لکھا ہے کہ جب رام گھاٹ کی مہم مین مرہٹوں کو شکست ہوجانے کے بعد نواب وزیر اودھ میں گئے تو حافظ رحمت خان نے اپنے سفیر والیسی تمسک کے لیے اُن کے پاس بھیجے اُنھوں نے کانوں پر ہاتھ دھرا کہ میں نے وعدہ ایسی تمسک کا نہیں کیا مجھپر یہ تہمت ہے۔ شاہ مدن

(جنکی معرفت شجاع الدولہ نے مرہٹون کی چڑھائی کے وقت واپسی تمسک کا وعدہ کیا تھا) گواہی کے لیے بلائے گئے۔ اُنھون نے بھی کہا کہ واپسی تمسک کا وعدہ کیا گیا ہے۔ غرض سفیر حافظ صاحب کے بے نیل مرام چلے آئے۔ اور سارا حال حافظ صاحب کے گوش گذار کیا۔ اُس وقت شجاع الدولہ پرگنات اٹاوہ اور شکوہ آباد سے مرہٹون کو نکال رہے تھے کہ حافظ صاحب نے اُنکو لکھا کہ "یہ پرگنے بادشاہ نے مجھکو جاگیر مین دیے ہین مین لشکر لیکر اُنکا بندوبست کرنے جاتا ہون۔ مجبوری سے مرہٹون کے ہاتھ مین چلے گئے تھے" اسکا جواب شجاع الدولہ نے یہ دیا کہ "آپ کا دعویٰ ان پرگنون پر کچھ نہین ہے مین ان کو اُسی طرح اپنے قبضے مین رکھونگا جیسے اور ملک مرہٹون کا فتح کرکے اپنے قبضے مین رکھا ہے"۔ اسپر پھر حافظ صاحب نے کچھ لکھا اُسپر اُنھون نے جواب لکھا کہ "پرگنون کی بابت پھر سوچونگا اور جواب دونگا بالفعل تینتیس لاکھ روپے بابت تمسک کے ادا کیجیے"۔ یہ فقط بہانہ ملک روہیلکھنڈ پر قبضہ کرنے کے لیے تھا اور اُنھون نے سپاہ کو جمع کرنا شروع کیا۔ حافظ رحمت خان نے اس کا جواب یہ دیا کہ جس قدر روپیہ آپ نے مرہٹون کو دیا ہے وہ مجھ سے لے لیجیے اسوقت حافظ صاحب کی حالت اچھی نہ تھی بڑے بڑے سردار اُنکے لڑائیون مین مارے گئے تھے جو باقی تھے اُنپر اعتبار نہ تھا۔ شجاع الدولہ نے حافظ صاحب کی درخواست منظور نہ کی انتہی۔ اس بیان مین شاہ مدن کا شجاع الدولہ کے منھ پر کہنا کہ واپسی تمسک کا وعدہ کیا گیا ہے سچ نہین معلوم ہوتا۔

یہ شاہ مدن پیرزادے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی

اولاد میں سے ہیں۔ نہایت دانا اور خوش خلق تھے۔ ابتدا میں صفدر جنگ کی مصاحبت میں رہتے تھے اور اُن کے ہر ایک مشورے میں شریک ہوتے تھے صفدر جنگ کی وفات کے بعد اُنہوں نے خان بہادر خان ناظم بنگالہ کے پاس چلے گئے وہاں بھی عزت کے ساتھ رہے جب بنگالے میں انقلاب حکومت ہوا تو پھر اودھ میں چلے آئے شاہ آباد ضلع ہردوئی میں جو شاہ جہاں پور کے متصل ہے رہنے لگے اور شجاع الدولہ سے توسل پیدا کر لیا۔ شجاع الدولہ اُنکی عزت کرتے تھے۔ پھر خالص پور میں جو لکھنؤ سے پانچ کوس پر ہے سکونت اختیار کر لی کیونکہ شاہ آباد کی سکونت میں اُن کی نسبت شجاع الدولہ کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ روہیلوں کی دوستی اور جنبہ داری رکھتے ہیں۔ شاہ جی کے ہاں ہر سال حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا عرس ہوا کرتا تھا ہندوستان کے شہروں سے ہزارہا علما، طلبا، مشائخ پیرزادے آتے اور شریک ہوتے اس سب کی آمد و رفت کے مصارف شاہ صاحب کے یہاں سے ادا کیے جاتے اور اُن کو کھانا دیا جاتا تین روز تک بڑا انبوہ رہتا اور صبح سے شام تک آدمیوں کو حسن تقسیم ہوتی رہتی تھی کئی نقال اس کام پر مقرر رہتے تھے۔ بہت سے مانگنے اور بیراگی بھی اس میں شریک ہوتے تھے ایسے لوگوں کو سوائے خوراک کے کھنگ۔ چرس اور لوٹا بھی ملتا تھا تیس ہزار کے قریب آدمی جمع ہوتے تھے روہیلے بھی اُن کی پیرزادگی کی وجہ سے ہیبت کھتے بھیجے رہتے تھے۔

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں کو شجاع الدولہ سے ملال

پیدا ہو جانے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دوآبہ گنگا و جمنا کے درمیان کا جسقدر ملک حافظ رحمت خان کا مرہٹون نے دبالیا تھا اور مرہٹے دکن کو چلے گئے تھے تو رجب ۱۱۸۶ ہجری مطابق اکتوبر ۱۷۷۲ء مین اُسپر شجاع الدولہ نے قبضہ کرلیا تھا جبکہ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خان کو لکھا کہ آپ وہ چالیس لاکھ روپے جو مرہٹون کی بابت آپ کے ذمے ہین ادا کیجیے تو حافظ رحمت خان نے جواب دیا کہ مین تمام ملک روہیلکھنڈ کا مالک نہین ہون دوسرے سردار بھی یہان کے رئیس ہین اول آپ اُن سے طلب کرین مین نے اُنکو بہت کچھ سمجھایا وہ میری بات پر عمل نہین کرتے اُن روپئون مین سے میرے حصے مین بیس لاکھ روپے ہین تو اُس کا تقاضا آپ کو مجھپر کرنا مناسب نہین کیونکہ ملک دوآبہ پر جو میرا تھا اُس پر آپ نے قبضہ کر لیا ہے اور مین خاموش ہو رہا ہون اس قدر ملک اس تھوڑے سے روپے مین گران نہین ہے مین ایک روپیہ بھی نہین دونگا آپ کا جو ارادہ ہو کیجیے مین مقابلے کو حاضر ہون" قوانین دستگیری مین حروف تاکید کی بحث مین حافظ رحمت خان کے اُس خط کے دو فقرے نقل کیے ہین جو اُنھون نے شجاع الدولہ کو جواب مین لکھا تھا اُنسے حافظ رحمت خان کی رائے کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ دل سے صلح کے خواہان تھے جنگ پر مجبوراً آمادہ تھے وہ فقرے یہ ہین "اگر با صلح کیشان ہمرنگ رحکم اللہ واگر باستیزہ وجنگ بسم اللہ"

کتب تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شجاع الدولہ کو روہیلون سے موروثی عداوت تھی اور جو کسی وقت وہ اُن کے شریک

ہو جاتے تھے تو وہ کسی خاص مصلحت اور تقاضائے وقت کے سبب سے ہوتا تھا مگر بالحال سفر رام گھاٹ میں جو کہ روہیلوں نے شجاع الدولہ کے ساتھ عہد پرتاؤ نہیں کیا تھا اور چالیس لاکھ روپے کے دینے میں حیلہ حوالہ کرتے تھے اسلئے اُسکے دل میں انکی طرف سے کینۂ دیرینہ تازہ ہو گیا تھا ۔؎

اس کے علاوہ دو امر تو ایسے واقع ہو گئے تھے جنھوں نے شجاع الدولہ کو روہیلوں کے خون کا پیاسا کر دیا تھا اولوالعزمی ۔ ملک گیری ۔ بہانہ جوئی ۔ بے مروتی تو اس کے خمیر میں پڑی ہوئی تھی روہیلوں کے ضعف اور انگریزوں کے بیخ بولادی کی مدد نے اُن کو روہیلوں کی بیخ کنی پر کمر بستہ کر دیا تھا ادھر روہیلوں کا اتفاق بھی آپس کے نفاق کی وجہ سے پاش پاش ہو گیا تھا

شجاع الدولہ کی عداوت بڑھ جانے کی ان دو وجہوں میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ جب ۱۱۸۰ہجری مطابق ۱۷۷۰ء میں نواب مظفر جنگ خلف نواب احمد خان بنگش والی فرخ آباد اودھ کی سلطنت کا خراج گذار ہو گیا اور شجاع الدولہ کو ساڑھے چار لاکھ روپے اُسکی ریاست سے ملنے لگے اور رحمت خان مظفر جنگ کا مدار المہام فرخ آباد سے لشکر لیکر اکتوبر ۱۷۷۰ء میں شجاع الدولہ کا ارادہ فتح کرنے میں شریک ہوا اور نواب مظفر جنگ بھی بذات خود آمادہ ہو گیا ۔ تو حافظ رحمت خان نے مظفر جنگ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ تم پر کیا مصیبت آئی تھی جو شجاع الدولہ کی اطاعت کر لی اور ایک مغل کے خراج گذار بن کر اپنے بزرگوں کا نام ڈبو دیا ۔ کاش تمھاری جگہ نواب احمد خان کے لڑکی پیدا ہوئی ہوتی اگر تم فرخ آباد سے نہ نکلتے اور اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تو شجاع الدولہ ایسے اُس لشکر اور حشم و حشم کے ساتھ تمھارا کچھ بھی نہ کر سکتے اگر وہ فرخ آباد کا قصد کرتے

لائف حافظ رحمت خاں صفحہ ۱۲۱

تو ایک لاکھ پٹھان تمھاری مدد کو مستعد تھے اس قدر خوف اور بزدلی کیون
کی فتح وشکست خُدا کے اختیار مین ہے۔ خدا بخشے تمھارے باپ نواب
احمد خان نے اپنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ نواب صفدر جنگ سے جنکی
مدد کو تمام ہندوستان موجود تھا مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوے۔ افسوس تم پر
کہ تمنے اپنے باپ کی روح کو صدمہ دیا۔ اور ہم لوگون کو بے اعتبار کر دیا۔" نواب
مظفر جنگ نے وہ خط شجاع الدولہ کے پاس بھیجدیا جو اُسے دیکھکر بہت آزردہ ہوے۔
دوسری وجہ جو عداوت پیدا ہونے کے لیے بڑی قوی تھی وہ ایک
خط ہے جس کا بیان مختلف کتابون مین طرح طرح سے کیا گیا ہے اور کچھ
نہین معلوم ہوتا کہ اصل کیا ہے۔ مؤرخین نے اسکے باب مین ایسا لکھا ہے
جس کے پڑھنے سے میری عقل حیران وسرگردان ہے۔
(الف) عماد السعادت مین لکھا ہے کہ منیر الدولہ رضا قلی خان حاکم
الہ آباد نے حافظ رحمت خان اور دوسرے سرداران روہیلہ سے خط وکتابت
کر کے اُن سے دوستی پیدا کر لی اور نواب شجاع الدولہ کا وہ خط جو اُنھون
نے بکسر کی شکست کے بعد قبل صلح کے انگریزون کے ساتھ مدد دینے کی
بابت حافظ رحمت خان کو لکھا تھا کسی حکمت عملی سے طلب کر لیا اور اُس کے
سنہ ہجری کو بدل دیا یعنی بجاے ۱۱۷۸ھ کے ۱۱۸۶ھ بنا کر اپنا رسوخ اور کمال
خیر خواہی جتانے کے لیے ہیسٹنگز صاحب گورنر کے پاس بھیجدیا جسکا مضمون
یہ تھا کہ اگر آج آفت ہمارے نصیب ہے تو کل کو تمھارے نصیب ہوگی یہ خیال

[1] دیکھو عماد السعادت ۱۲

ہر گز یہ کرنا چاہیے کہ یہ ملک ہم ہی سے مخصوص ہے اگر نصاریٰ کا ہاتھ یہاں پہنچے گا
تو ایک مسلمان سردار کو بھی ہندوستان میں نہ چھوڑیں گے اسلیے صلاح یہ ہے
کہ ہم اور آپ متفق ہو کر اس گروہ کو قبل اس سے کہ ان کو قوت حاصل ہو جائے
تباہ کر دیں ابھی فتنے کی ابتدا ہے اگر ان کو زور پیدا ہو گیا اور ہندوستان میں
پاؤں انھوں نے جمالیا تو اُن کا یہاں سے اکھڑنا مشکل ہو جائیگا اسلیے
اُن کا جلد استیصال کرنا چاہیے اگرچہ آپ کا ہمارے ساتھ شریک ہونا آپکی
بھی سلامتی کا باعث ہے لیکن میں روہیلوں کو خرچ حرب میں پچاس لاکھ
روپے اپنے پاس سے دونگا اور آپ کی ذات کے سوا کہ آپ نیک صفات
آدمی ہیں دوسروں کا قول قابل اعتبار نہیں۔ جب تک وہ لوگ عہدنامہ
اپنی طرف سے مہر و نشان کے ساتھ مرتب کر کے نہ دینگے اُن کا قول مسموع ہوگا۔
دوندے خاں آپ کے بھائی اگرچہ خوب آدمی اور شجاع نے نظیر ہیں لیکن عقلمند
نہیں اسلیے اُنکی بات قابل اعتبار نہیں جب تک اُن کی مہری تحریر قسم اور
ایمان کے ساتھ مؤکد نہ ہوگی اُن کی بات کی صداقت تسلیم نہیں کرونگا۔

ہیسٹنگز صاحب گورنر اس خط کے مضمون سے بے صبر آشفتہ ہوئے
اور شجاع الدولہ کو ایک خط شکایت آمیز لکھ کر اس بات کی تحقیق کے لیے کلکتہ
سے بنارس کو روانہ ہوئے۔ نواب شجاع الدولہ بھی عین برسات میں بنارس
کو گورنر سے ملنے کے لیے چلے اور جب کہ بنارس میں یہ دونوں پہونچ گئے تو
شجاع الدولہ نے محمد ایلچ خاں کی معرفت گورنر کے پاس صفائی اور خیر خواہی کے
پیام بھیجے۔ گورنر نے وہ خط اپنے ایک معتمد کے ہاتھ شجاع الدولہ کے پاس بھیجا۔

شجاع الدولہ اپنی مُہر دیکھ کر بہت خجل ہوے دریاے حیرت مین ڈوب گئے آخر محمد ایلچ خان کے ذہن مین یہ بات آئی کہ شجاع الدولہ سے کہا کہ آپ گورنر کو کہلا بھیجیے کہ واقعی یہ خط میرا ہے مگر مین نے حافظ رحمت خان کو اُس وقت مین لکھا تھا جبکہ میرے اور سرکار کمپنی کے درمیان مین صلح نہ ہوئی تھی معاہدے کے پہلے جو کچھ لکھا اُس کا مضائقہ نہین یہ پُرانا خط تاریخ بدل کر دشمنون نے ہمارے اور آپ کے درمیان فساد پیدا کرنے کو بھیجدیا ہے اور دلیل اُسپر یہ ہے کہ دوندے خان حافظ رحمت خان کے چچازاد بھائی کا اس مین ذکر ہے۔ حالانکہ دوندے خان حاکم بسولی ۱۱۸۴ہجری مین فوت ہو چکے ہین اور اس خط مین ۱۱۸۶ہجری مرقوم ہین دوندے خان کی تاریخ وفات سے مقابلہ کر لیا جائے اگر یہ خط دوندے خان کی وفات سے پہلے لکھا گیا ہے تو جسنے یہ خط پیش کیا ہے اُسکا قول درست ہے اور اگر دوندے خان کی وفات کے بعد لکھا گیا ہے تو اُس سے دریافت کرنا چاہیے کہ سوا اِن دوندے خان کے جو بسولی کے حاکم تھے کیا کوئی اور بھی ایسے دوندے خان ہین جو امرا اور وزرا کے خطوط مین لکھنے کے لائق ہین۔ جبکہ نواب شجاع الدولہ نے اس مضمون کا خط لکھ کر گورنر کو بھیجا تو گورنر کا دل صاف ہو گیا۔ گورنر کلکتہ کو چلے گئے۔ شجاع الدولہ فرخ آباد کو روانہ ہوے مگر حافظ رحمت خان کی طرف سے بہت ملال تھا کہ منیر الدولہ کو یہ خط کیون دے دیا۔ حافظ رحمت خان یہ خوب جانتے تھے کہ منیر الدولہ شجاع الدولہ کے دشمن ہین۔ منتخب العلوم اور قیصر التواریخ مین بھی اس بیان کو اسی طرح بطور اختصار کے لکھا ہے۔

(ب) انتخاب یادگار مین ہے کہ انگریزون کے ساتھ شجاع الدولہ کی صلح ہو گئی تھی مگر بکسر کی شکست کا داغ کسی طرح دل سے نہ مٹا اس لیے خفیہ

فوج کی نگہداشت شروع کی۔ مقصود یہ ہوا کہ فوج مرتب کرکے انگریزوں سے پھر لڑیے جب فوج قریب ترتیب پہونچی ایسے دوست سرداروں کو اس راز سے آگاہ کیا جاتا۔ ایک خط حافظ رحمت خاں کے نام بھی بھیجا جس پر شجاع الدولہ کے منشی کے سہو سے یا انتہا کی بیخبری کی وجہ سے تاریخ لکھنی رہ گئی تھی۔ حافظ رحمت خاں نے وہ خریطہ اپنے خریطے میں ملفوف کرکے گورنر جنرل کو بھیجدیا اور نواب سید فیض اللہ خاں بہادر نے مِن وعن حافظ رحمت خاں کی بیت فاسد سے ایک سفیر معتمد کے ذریعہ سے شجاع الدولہ کو اطلاع دی اور جب گورنر جنرل سے اور شجاع الدولہ سے بنارس میں ملاقات ہوئی اور گورنر نے وہ خریطہ شجاع الدولہ کو الزام دینے کے لیے دکھلایا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ بے شبہ یہ تحریر میری ہے مگر اُس زمانے کی ہے کہ مجھ سے اور سلطنت انگلشیہ سے مصالحہ ہوا تھا اور بکسر پر لڑائی تھی۔ بعد صلح اور تحریر عہدنامے کے ہرگز نہیں لکھی۔ اس گورنر جنرل اور سب انگریزوں نے دیکھا کہ واقعی اس تحریر میں تاریخ نہیں ہے گورنر اصل کار کو سمجھ تو گئے مگر ثابت نہ کرسکے۔

(ح) اخبار حسن میں یوں لکھا ہے کہ نواب شجاع الدولہ اور جنرل جمیبق عنایت خاں کی تعزیت کے لیے بریلی میں آئے۔ نواب شجاع الدولہ نے ایک دن تخلیہ میں حافظ الملک سے کہا کہ میں نے تمام افسران انگریزی کو گانٹھ لیا ہے مناسب وقت یہ ہے کہ فرصت کو غنیمت جان کے انگریز کو گرفتار کرلو۔ حافظ رحمت خاں نے جواب دیا کہ انگریز ہر مہم میں ہمارے شریک رہتے ہیں اُن کے ساتھ یہ دغا ہماری مروت کے خلاف ہے شجاع الدولہ

نے کہا کہ اگر یہ مناسب نہین ہے تو بظاہر اُن سے جنگ کرنا چاہیے" حافظ رحمت خان نے جواب دیا کہ" یہ کام ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اگر شاہ افغانستان مدد کرین تو انگریزون سے جنگ کرنا ممکن ہے" یہ مشورہ قرار پا کر شجاع الدولہ نے ایک عرضی تیمور شاہ بن احمد شاہ دُرّانی کی خدمت مین لکھی اور ہندوستان مین تشریف لانے کی استدعا کی اور وہ عرضی بھیجنے کے لیے حافظ الملک کے حوالے کر دی بعد دو تین روز کے حافظ الملک نے اپنے بھانجے خان محمد خان اور علیہ اللہ خان کشمیری کو نواب شجاع الدولہ کے پاس بھیجکر وہ تمسک واپس طلب کیا جو ضابطہ خان کے معاملے مین چالیس لاکھ روپے دینے کی بابت تحریر ہوا تھا۔ شجاع الدولہ نے وہ تمسک واپس نہ کیا اُسکی واپسی سے صریح انکار تو نہ کیا مگر اتنالیت ولعل کیا کہ خان محمد خان نے دق ہوکر شجاع الدولہ سے رنجش کے کلمات کہے اور مخالفت کی دیا سلائی سلگا دی۔ شجاع الدولہ خان محمد خان کی تقریر سے ملول ہوے اور واپسی تمسک سے انکار کر دیا۔ خان محمد خان نے بگڑ کر شجاع الدولہ کی وہ تحریر جو تیمور شاہ کے نام پر تھی جنرل چمپین کے حوالے کر دی۔ نواب شجاع الدولہ اور جنرل چمپین ادھر کو واپس روانہ ہوے اور جنرل صاحب نے وہ عرضی ہیسٹنگز صاحب گورنر کے پاس بھیجدی گورنر نے مقام بنارس مین وہ عرضی شجاع الدولہ کو دکھائی شجاع الدولہ نے جواب دیا کہ" فی الحقیقت یہ عرضی مین نے

لہ یہ شخص عماد الملک غازی الدین خان کے رفقا مین سے تھا روہیلکھنڈ مین آگیا تھا حافظ رحمت خان اُسے دو ہزار روپے ماہوار دیتے تھے اور کئی گانون جاگیر مین دیے تھے ۱۲

لکھی تھی لیکن اس وقت میں لکھی تھی جب مجھ سے اور انگریزوں سے بکسر پر لڑائی ٹھنی ہوئی تھی۔ حافظ الملک نے تبدیل تاریخ کرکے آپ کو میری طرف سے آزردہ کرنے کے لیے بھیجی ہے۔

(ھ) سید ولی اللہ فرخ آبادی نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ نواب شجاع الدولہ نے جو بعض خط جنگ بکسر کے قبل حافظ رحمت خاں کو لکھے تھے وہ خط حافظ صاحب نے میر الدولہ کے ذریعہ سے انگریزوں کو پہونچا دیے تاکہ شجاع الدولہ اور انگریزوں میں مخالفت پیدا ہو جائے انگریزوں کو شجاع الدولہ کی طرف سے کدورت پیدا ہو گئی اور میر الدولہ نے یہ کہکر کہ شجاع الدولہ اپنی فوج کو بڑھا رہے ہیں اور اُن کی قواعد پریڈ اور ہتھیاروں کی درستی کر رہے ہیں اس کدورت کو اور زیادہ کر دیا۔ انگریز بنگالہ سے بنارس میں اس امر کی تحقیقات کے لیے آئے شجاع الدولہ نے ایلچ خاں کی معرفت اُن کے دل صاف کر دیے اور ظاہر کیا کہ یہ خطوط بکسر کی لڑائی کے بعد از صلح سے قبل لکھے گئے تھے اور یہ جدید فوج سرکار کمپنی کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے تیار کی گئی ہے۔

بہرصورت اس خط کی تحقیقات کا واقعہ بنارس میں ۱۷۷۳ء میں ہوا ہوگا کیونکہ اُسی زمانے میں ہیسٹنگز صاحب کی اور شجاع الدولہ کی اس مقام پر ملاقات ہوئی تھی اور فرح بخش سے ثابت ہوتا ہے کہ شجاع الدولہ نے تیس لاکھ روپیہ بھی اس موقع پر انگریزوں کو دیے تھے۔

گورنر نے اس ملاقات کے بعد ۴۔ اکتوبر ۱۷۷۳ء کو کونسل کلکتہ کو

یہ رپورٹ بھیجی کہ وزیر کو جو عناد دلی روہیلون سے تھا وہی میری ملاقات مین اُنھون نے بیان کیا اور استدعا کی کہ انگریز اُن کی امداد کرکے روہیلون کے ملک پر قبضہ کرادین۔ گورنر نے بے تامل اس کام کی حامی بھر لی بلکہ اُن کو اور زیادہ آمادہ اس کام پر کیا۔ مبلغ علیہ السلام روہیلون کے ستیاناس ملانے والے تھے اور انگریزون کے وہ حضرت پیر و مرشد تھے جو وہ کہتے تھے سو وہ کرتے تھے کمپنی کو اس کام کا کرنا اپنے اغراض کے واسطے ضرور تھا گو کبھی بیچارے روہیلون نے کمپنی کو نہین ستایا اور کوئی اب تک اُن سے بگاڑ کی بات نہین کی مگر حضرت برائے مصلحت سب کچھ جائز ہے۔ اُدھر انگلستان سے کورٹ ڈائرکٹرز کی چٹھی پر چٹھی آئی کہ روپیہ بھیجو روپیہ بھیجو اور سپاہ کا خرچ کم کرو ادھر یہان فوج کی تنخواہ کا تنخواہ پر چڑھنا فصلون کا نکما ہونا کاشتکارون کا بھاگنا آمد کا خرچ سے کم ہونا سوا کروڑ روپے کا قرض پھر اُس کا سود پر سود چڑھنا کیا کیا آفتین تھین یہ وقت بہت نازک تھا اس لیے آپس مین معاہدہ ہوگیا کہ چالیس لاکھ روپیہ نواب وزیر نقد دین اور سپاہ جب تک اُن کے کام مین رہے سارا خرچ اُسکا ماہوار ادا کرین۔ گورنر خود لکھتے ہین کہ اس معاہدے سے ایک نہائی خرچ سپاہ کا جب تک وہ شجاع الدولہ کے کام مین لگی رہے گی کم ہو جائے گا اور چالیس لاکھ روپے سے خزانہ معمور ہوگا اور وزیر کو ہمسایہ بد سے نجات ہوگی اور اُن کا ملک محفوظ ہو جائے گا۔

انگریزون کو روپیہ کا اور وزیر کو ملک کا فائدہ تھا مگر بنی نوع انسان کے

ایک گروہ شریف کا برباد کرنا اپنے آرام اور فائدے کے لیے جب تک ضرورت
استدعا کی اور عدالت کا مقتضی نہ ہو بڑے حیف کی بات ہے اور ایسے ہی
کاموں کے کرنے والے ظالم و بے رحم کہلاتے ہیں۔ عدالت اور ضرورت جو
ایسے عذر اس حرکت کے لیے پیش کرتے ہیں وہ عجیب و غریب و ضعیف و کمزور
ہیں عدل و انصاف کا یہ کہنا کہ روہیلوں کے سرداروں نے زر موعود کے
ادا کرنے میں حیلہ و حوالہ بتلایا یا انکار کیا محض ناانصافی ہے۔ اس لیے کہ یہ
زر موعود ملک کی حفاظت کرنے اور مرہٹوں کے نکالنے پر موعود تھا۔ جبکہ
مرہٹوں کی یورش کا برابر کھٹکا لگا ہوا تھا اور روہیلوں کو اُن کی طرف سے
اطمینان خاطر حاصل نہ ہوا تھا تو وہ ایک ایسے شخص کو روپیہ کیونکر دیدیتے
جو پھر کبھی ذرا اُن کے دفع کرنے میں اُنگلی بھی نہ ہلاتا۔ وزیر انھی زر موعود کس
منہ سے مانگتے تھے کہیں بھی یہ انصاف ہے۔ روہیلے ایسے شخص کو جو اُن کے
استیصال کے درپے ہو کیسے روپے دیتے۔ اُس آگ کو کیونکر مشتعل کرتے
جو اُنھیں کو بھسم کرتی ایسے پیر میں آپ کیوں کلہاڑی مارتے پھر عدل و انصاف
کا روہیلوں پر یہ الزام لگانا کہ اُنھوں نے مرہٹوں کی امداد کی تھی محض غلط
ہے کوئی تاریخ کی کتاب اسکی شہادت نہیں دیتی وہ ساری اپنی سپاہ
اُن سے لڑنے کے لیے آمادہ رکھتے تھے۔

حق پوچھیے تو روہیلوں کے مرہٹوں کی مدد نہ کرنے ہی پر مرہٹے روہیلوں
کے ملک کو تاخت و تاراج کرتے تھے اگر یہ اُن سے مل جاتے تو وزیر کی
اور اُن کے ملک کی خیر نہ تھی مرہٹے اُن کے ملک کا یہ حال کرتے کہ کسی گھر کے

چولھے مین آگ اور گھڑے مین پانی تک نہ چھوڑتے وزیر نے اگر چیزے بہ چیزے
کچھ روہیلون کی مدد کی تو یہ عین اپنے ملک کی حفاظت تھی۔
انگریزون کو روپیہ کی ضرورت اُن پر یہ فرض نہین کرتی تھی کہ وہ روہیلون
کا استیصال لڑائی سے کرین یہ استیصال کرنا تو عقلاً بھی نا مناسب تھا۔
ہیسٹنگز صاحب خود لکھتے ہین کہ "وزیر ایسا ضعیف العقل اور کمزور ہے کہ وہ
اپنے قدیمی ملک کی حفاظت بے استعانت انگریزون کے نہین کرسکتا۔ اسلیے
اُسکا ملک بڑھنا سرکار کمپنی کی گردن پر ملک کی حفاظت کا بوجھ رکھنا ہے"۔
بنارس سے گورنر کلکتہ کو گئے اور تمام معاملات کی کونسل اور کورٹ ڈائرکٹرز کو
اطلاع دی مگر روہیلون کے استیصال کی خبر مخفی رکھی اور شجاع الدولہ کو اپنی
طرف سے اُسکے لیے اُکساتے رہے اور شجاع الدولہ فرخ آباد کو چلے گئے۔
نواب مظفر جنگ ابن نواب احمد خان بنگش نے اطاعت قبول کی اور ساڑھے
چار لاکھ روپے سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ بعد اس کے شجاع الدولہ
فرخ آباد سے دوآبہ کی طرف چلے گئے اور وہان اٹاوہ وغیرہ کچھ ملک مرہٹون
کا فتح کرکے دہلی کی طرف بڑھے۔ بادشاہ سے اپنے اخلاص کا اظہار کیا کچھ
روپیہ بھیجا کچھ سپاہ جاٹون سے آگرہ چھین لینے کے لیے بھیجی اسی طرح
بادشاہ کے دل مین اپنی جگہ پیدا کی اور اُن سے روہیلون کے استیصال
کی اجازت چاہی۔ اور اُن سے یہ عہد و پیمان ٹھہرے کہ وہ بذات خاص
سپاہ لے کر روہیلکھنڈ پر حملہ کرنے آئین اور جو ملک و غنیمت ہاتھ آئے
اُس مین سے آدھا آدھا بٹ جائے۔

سیر المتاخرین کا مؤلف لکھتا ہے کہ شجاع الدولہ کو پٹھانوں کے ساتھ
قدیم سے عداوت تھی اس لیے روہیلوں کے استیصال کا ارادہ کیا اور حقوق
محبت و اخلاص نواب سید سعد اللہ خاں اور عنایت خاں پسر حافظ رحمت خاں
کے ساتھ اُن کو تھا بالکل فراموش کر دیا عنایت خاں پانچ ہزار فوج کے
ساتھ شجاع الدولہ کا شریک تھا جبکہ عظیم آباد پر اُن کو انگریزوں سے جنگ
پیش تھی۔ یہ سب احسانات اُنھوں نے بالائے طاق رکھ دیے اور ہیسٹنگز صاحب
گورنر کو تیس لاکھ روپیے رشوت میں دے کر اور فوج خرچ مقرر کر کے حافظ
رحمت خاں سے جنگ کے لیے اپنا شریک کر لیا۔ گورنر کو اگرچہ کمپنی کی
طرف سے یہ حکم تھا کہ اپنے ممالک محروسہ اور شجاع الدولہ کے ملک سے کہ
کرم ناسہ اور حدود صوبہ اودھ و الہ آباد تھے آگے کو قدم رکھیں اور نہ ضرورتاً
دوسروں کے ملک کے فتح کرنے کے لیے لڑائی میں انگریزی فوج کو لگائیں
اور نہ یہ حکم تھا کہ شجاع الدولہ کے لیے کسی کا ملک فتح کریں اُن کو کونسل کا
صرف یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شجاع الدولہ کے ملک پر حملہ کرے تو فوج انگریزی
مدد کے لیے روانہ کر کے دشمن کے حملوں سے اُس ملک کو محفوظ رکھیں
اور اگر کوئی انگریزوں کا دشمن بنگالہ اور عظیم آباد میں قدم رکھے تو شجاع الدولہ
انگریزوں کی شرکت کریں۔ اور غرض اس سے یہ تھی کہ سرکار کمپنی نے
سمجھ رکھا تھا کہ پٹھانوں کا ملک ہمارے اور شجاع الدولہ کے ملک کا
سدِ راہ اور حد ہے جو کوئی اُدھر کا قصد کریگا پہلے روہیلے ہی اپنی حفاظت
کے لیے اُس سے لڑینگے مگر گورنر بعض فوائد کی وجہ سے شجاع الدولہ کے شریک ہو گئے

مؤلف مذکور مین بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر شخص کے خصائل اور جزوی جزوی عادات اور اطوار کو کھینچتا ہے اور اس خوبصورتی سے بیان کرتا ہے کہ جب پڑھو نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ اہل ذوق دیکھین گے اور جہانتک ممکن ہو گا دکھاتا جاؤنگا کہ سرداران روہیلہ اور اُن کے حریفون مین سے جسکے برابر سے نکلتا ہے ایک چٹکی ضرور لیتا جاتا ہے۔

اس وقت مین روہیلکھنڈ کا میدان جوانمردون اور صف شکنون سے خالی تھا۔ دوندے خان بخشی سردار خان۔ فتح خان خانسامان۔ سید احمد شاہ۔ عبدالستار خان۔ شیخ محمد کبیر۔ بڈو خان۔ ملا محسن خان۔ پرمول خان وغیرہ کہ ہر ایک رستم زمانہ اور شجاع وقت تھا۔ اور تمام ہندوستان کے مقابلے کے لیے ان مین سے ایک ایک شخص کافی تھا داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ ان سردارون کے بیٹے تقسیم ملک و دولت کے لیے جھگڑون مین مصروف تھے۔ نشہ بازی اور عیاشی مین متوالے ہو رہے تھے جس قدر انکی سپاہ تھی تنخواہ کی نایابی سے بے دل ہو رہی تھی۔ نواب احمد خان بنگش اور نجیب الدولہ مر چکے تھے۔ نواب ضابطہ خان ابن نجیب الدولہ کو شجاع الدولہ نے نرم چرب باتین لکھ کر اپنے پاس بلا لیا تھا وہ اُنکی رفاقت مین تھے۔ نواب مظفر جنگ پسر احمد خان بنگش شجاع الدولہ کے باج گزار ہو گئے تھے۔ نواب سید فیض اللہ خان اور صاحبزادہ سید محمد یار خان ان احسان فراموش سردار زادون کی حرکات سے بے دل ہو رہے تھے اُنھون نے کہ اُن کے باپ کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اور اس بات کے روادار نہ تھے کہ ان آقازادون کو بھی کچھ ہماری طرف سے پہونچے۔

اپنے دوست انگریزوں کی مدد سے شجاع الدولہ کی روہیلکھنڈ پر چڑھائی حافظ رحمت خان کی تباہی

روہیلکھنڈ گزیٹیر میں حافظ رحمت خان کو ملزم ٹھہرانے اور قدرتی طور پر تباہی پیدا کرنے والی سادات اُن میں ثابت کرنے اور اس فوج کشی کو جائز قرار دینے کے لیے یہ وجہیں لکھی ہیں کہ جب سفر رام گھاٹ سے شجاع الدولہ اپنے ملک کو واپس گئے تو اُنھوں نے حافظ رحمت خان کو اپنے معاہدے کے روپیوں کی بابت تحریر کیا لیکن حافظ رحمت خان کے لالچ نے جو عرصے سے ایسی قسم کا روپیہ جمع کرنے پر مجبور کر رہا تھا اُن کو اس رقم کثیر کے ادا کرنے پر رضامند نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اُنھوں نے فتح خان خانساماں کے مرنے پر بہت سا حصہ اُن کی زمین کا دبالیا اور دو لاکھ روپیہ اُن سے مدت کا قرض لیا ہوا مار رکھا اور ادا کرنے سے صاف انکار کر دیا اس سے قبل احمد خان بخشی سے دو لاکھ روپے صاحبزادہ سید محمد یار خان کو دینے کے حیلے سے لے کر خود کھا لیے۔ اسی قسم کا معاملہ دوندے خان کے بیٹوں کے ساتھ کیا گیا۔ نواب سید سعد اللہ خان کے مرنے کے بعد اُن کی میت اُن کی بیوہ کو ملا کرتی تھی وہ چند روز کے بعد بند کر لی گئی جب اس بیگم نے واویلا کی تو ایک نیا اقرار نامہ تحریر کر کے اُس کو خاموش کیا گیا مگر وہ کاغذ بالکل ردی میں پھینک دیا گیا۔ شجاع الدولہ نے اپنے عہد نامے کا روپیہ جو مرہٹوں کو روہیلکھنڈ سے نکال دینے کے عوض اقرار کیا تھا طلب کیا

تو حافظ رحمت خان نے اپنی عادت کے موافق روپیہ دینے سے انکار کیا بلکہ
بعض روہیلہ سردارون نے اُس عہدنامے کے اقرار سے بھی مخالفت ظاہر کی۔
دیکھو پرانا بڈّھا جس مین سالہاسال کے تجربے بھرے تھے نرا لالچی نہ تھا
جو معاہدے کے روپے دینے سے پہلوتہی کرے اُس نے ضرور یہ خیال کیا ہوگا
کہ شجاع الدولہ کو روپیہ دینا بے سود ہے جس حافظ نے بہار کامرانی کا پھول
رہ کر عمر گذاری تھی بڑھاپے مین وہ وقت آیا کہ زمانے کے حادثے اُس پر
گولہ باندھ باندھ کر حملے کرنے لگے ایک بار بڑے بیٹے نے بغاوت کی اور
دُنیا سے گیا بعد اُسکے ادبار نے ایسا نحوست کا شبخون مارا کہ اقبال میدان
چھوڑ کر بھاگ گیا اور ایسا بھاگا کہ پھر کر نہ دیکھا۔ میرے دوستو! دُنیا بُرا مقام
ہے بے مروت زمانہ یہان انسان کو کبھی ایسے موقع پر لاڈالتا ہے کہ دوہی
پہلو نظر آتے ہین دونون مین خطرا ور انجام کی خُدا کو خبر عقل کام نہین کرتی کہ کیا
کرے قسمت کے ہاتھ پانسہ ہوتا ہے جس رُخ چاہے پلٹ دے سیدھا پڑا
تو عقلمند ہے اُلٹا پڑا تو بچہ بچہ احمق بناتا ہے اور جو نقصان ندامت مصیبت
اور غم و اندوہ اُسپر گذرتا ہے وہ تو دل ہی جانتا ہے۔
جب کہ شجاع الدولہ نے روہیلون کو اُسی طرح غافل پایا جیسے سال بھر
قبل مرہٹون کی چڑھائی کے وقت پایا تھا تو اُس رقم کو پورا کرنے کے
واسطے روہیلکھنڈ کو اپنے ملک مین شامل کرنے کا پختہ ارادہ کر کے انگریزی
فوج سے مدد طلب کی۔
تنقیح الاخبار اور مرآت آفتاب نما مین ذکر کیا ہے کہ شجاع الدولہ نے

۱۱۸۶ھ ہجری میں شاہ عالم کو بھی لکھا کہ اگر حضور روہیلوں کے ملک پر چڑھائی کریں تو یہ سلام کی لاکھ روپے ایلچ خاں کی معرفت مدد کریگا اور حافظ کے ممالک پٹھانوں کے ہاتھ سے نکال لیگا۔ ذوالفقار الدولہ نجف خاں کو بھی اس فوج کشی میں ساتھ لانا چاہیے۔ حافظ رحمت خاں نے جو اپنے ملک سے مرہٹوں کے نکال دینے کے واسطے مجھ سے کمک چاہی تھی اور اُس کے عوض میں روپے دینے کا وعدہ کیا تھا اب اُس رقم کی ادا میں کج معاملگی کرتے ہیں۔ بادشاہ نے شجاع الدولہ کے ساتھ روہیلوں پر لشکر لیجانے کا وعدہ کر لیا اور اپنی فوج لے کر قلعہ سے روانہ ہو کر دریائے جمنا کے دوسرے کنارے جیسے گھڑے کرائے نجف خاں کو حکم دیا کہ اُن کی فوج ہمارے لشکر کا ہراول رہے۔ اُسی دن بادشاہ کو تپ آگئی اس لیے وہ تو قلعہ کو لوٹ گئے نجف خاں کو فوج دے کر ایلچ خاں کے ساتھ روانہ ہونے کا حکم دیا۔

شجاع الدولہ نے احمد خاں بخشی اور محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں سے بھی اس معاملے میں سازش کر لی کیونکہ اکثر بدایوں کا حصہ ان لوگوں کے قبضے میں تھا۔

۸ نومبر ۱۷۷۳ء کو یکایک شجاع الدولہ نے گورنر کو لکھا کہ روہیلوں کے استیصال کے واسطے جو وعدہ امداد کا کیا گیا ہے اُس کا ایفا ہو۔ اس یکایک درخواست سے گورنر حیکرائے استاتک کونسل کو کچھ خبر نہ تھی۔ غرض بہت تکرار اور مباحثے کے بعد یہ بات ٹھہری کہ سپاہ کمک کے لیے بھیجی جائے اور شرائط سپاہ بھیجنے کی وہی رہیں جو گورنر اور شجاع الدولہ کے درمیان ٹھہری تھیں یا

اِس وقت گورنر اپنی فطرت کو دکھا گئے کہ اُنھون نے اپنے ہمراہیون کو اس امر کی ترغیب دی کہ وہ کورٹ ڈائرکٹرز پر یہ بات ظاہر کرین کہ شرائط لکمک سرکار کمپنی کے حق مین نہایت فائدہ مند ہین اور وزیر پر ایک بار گران ہین اسلیے ظن غالب ہے کہ وزیر اُن کو منظور نہ کرینگے اور سپاہ انگریزی کو لڑائی مین نہ پھنسنا پڑے گا اسلیے اُسکا نتیجہ وہی ہوگا جو اکثر گورنمنٹ کے اعلی ارکان کی مرضی ہے کہ لڑائی سے جہان تک ہو سکے احتراز کیا جائے۔ اگرچہ لندن مین کورٹ ڈائرکٹرز نے روہیلون کی لڑائی پر سپاہ بھیجنے مین لعنت ملامت کی۔ مگر بعد سوچ بچار کے آخر کار اُس عہد نامے کو جو بنارس مین ہوا تھا منظور کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ہیسٹنگز صاحب کے گورنری ہندوستان سے مستعفی ہونے کے بعد ولایت کے ہوس آف کامنز (دیوان وکلاے عام) مین ۴ اپریل ۱۷۸۶ء کو اُن پر اس وحشیانہ کام کے لیے سرکار کمپنی کی فوج سے شجاع الدولہ کی مدد کرنے پر سخت الزام لگایا گیا تو ۲ جون ۱۷۸۶ء کو یہ الزام یون ضعیف ہوا کہ اُسکو کورٹ ڈائرکٹرز نے منظور کر لیا تھا۔

اس مدد کے عوض مین شجاع الدولہ نے انگریزون کو چالیس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ فرح بخش سے ثابت ہے کہ حافظ رحمت خان کی شکست کے بعد شجاع الدولہ نے چالیس لاکھ روپے کلکتے کو بھیجے تھے یہ خزانہ کربری صاحب اور منشی غلام باسط کی معرفت روانہ کیا گیا تھا۔ بسولی سے نواب وزیر نے پچیس لاکھ روپے کی ہنڈی فیض آباد کو مرزا علی کے نام اور پندرہ لاکھ کی ہنڈی راجہ چیت سنگھ والی بنارس کے نام لکھی تھی جن سے ان دونون شخصون نے

روپے وصول کر کے کلکتہ کو بھیج جائے۔
سرکار کمپنی کی سپاہ بنگال سے تین برگیڈ میں سے جو دوسرا برگیڈ الہ آباد میں رہتا تھا اُسکو حکم ہوا کہ شجاع الدولہ کے لشکر سے جاکر ملے کرنیل چمپین جو کمانڈر انچیف تھا اُس کو ساری لڑائی کا اہتمام سپرد ہوا وہ وسط فروری ۱۷۷۴ء میں لشکر لیکر چلا۔ ۲۴ فروری کو شجاع الدولہ کے ملک میں ہو گیا شجاع الدولہ شاہ آباد ضلع ہردوئی میں جو اُس کی سرحد پر واقع تھا انگریزی فوج سے ملے۔ اُن کا ارادہ روہیلکھنڈ پر چڑھائی کرنے کا فرخ آباد کی جانب سے مصمم ہوا تھا چنانچہ اپنے فوجی افسر خواجہ لطافت کو فرخ آباد کی جانب سے گنگا کی طرف فوج بڑھانے کا حکم دیا اور رام گھاٹ پر کشتیوں کا پُل تیار کرنے کی ہدایت کی گئی اور آخری مانگ روپیہ کی بابت دھمکی کے ساتھ حافظ رحمت خاں کو لکھی گئی۔ حافظ صاحب اس کاربرداری سے آگاہ ہو کر لڑائی کا بندوبست کرنے لگے۔ مگر اس وقت روہیلکھنڈ میں طوفان بے تمیزی برپا تھا محب اللہ خاں و فتح اللہ خاں وغیرہ اولاد دوندے خاں احمد خاں و محمد خاں وغیرہ پسران بخشی سردار خاں اور احمد خاں و اعظم خاں وغیرہ ابنائے فتح خاں خانساماں نے حافظ صاحب کے ساتھ عجب ناہمواری کا برتاؤ کر رکھا تھا اُنکو خیال میں نہیں لاتے تھے اور ہر ایک اپنے آپ کو اُنمیں مستقل جانتا تھا۔
سنہ ۱۱۸۸ ہجری کے آخر سال میں شجاع الدولہ کی طرف ان لوگوں کے دل ایسے مائل ہو گئے تھے اور اُن کی خیر اندیشی کے درخت نے یہاں تک اُنکے دلوں میں فتور دمایہ پیدا کی تھی کہ حافظ صاحب سے منحرف ہو گئے اور اسی

خیالات سے بعض نے علانیہ اور بعض نے خفیہ شجاع الدولہ سے موافقت کا
عہد و پیمان کر لیا تھا۔ چنانچہ محب اللہ خان اور فتح اللہ خان نے قرآن پر
شجاع الدولہ کی طرف سے یہ مضمون لکھ کر کہ مین روہیلکھنڈ کا مالک ہو گیا تو
تمہاری مرضی کے موافق تمہارے ساتھ سلوک کیا جائیگا شجاع الدولہ کے
پاس بھیجا اور یہ چاہا کہ وہ اُسپر مہر کر دین وہ تو یہ دن خدا سے چاہتے تھے فورًا
منظور کر کے مُہر کر دی۔ اسی طرح احمد خان بخشی نے بھی اپنے مطالب پر شجاع الدولہ
سے وعدہ لے لیا تھا اور خود وعدہ کیا تھا کہ حافظ رحمت خان کی شرکت نکرونگا
اسی طرح محتشم خان نے جو ایک نامی اور معزز رسالہ دار تھا حافظ صاحب اُسکو
پندرہ سو روپے ماہوار ذات کے اور رسالے کی تنخواہ علیحدہ دیتے تھے اور چند
گاؤن جاگیر مین دیے تھے شجاع الدولہ سے خفیہ سازش کر کے پچاس ہزار روپے
کی ہنڈی طلب کی۔ جب شجاع الدولہ نے ہنڈی بھیجدی تو اُن کے پاس
چلا گیا۔ حافظ صاحب ان تمام حالات کو معلوم کر کے تعجب کرتے تھے اور
کسی سے تعرض نہین کرتے تھے۔

چونکہ پہلے شجاع الدولہ کا قصد فرخ آباد کی جانب سے چڑھائی کرنے کا
تھا اس واسطے حافظ صاحب اپنا سامان درست کر کے ۱۱ محرم ۱۱۸۸ ہجری
کو لڑائی کے عزم سے قلعۂ بریلی سے نکلے اور جب یہ سُنا کہ شجاع الدولہ
مہدی گھاٹ سے گنگا کو عبور کر کے شاہ آباد کی طرف آتے ہین تو حافظ صاحب
نے آنولے مین پہونچکر یہان لڑائی کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ اس جھنڈے کے
نیچے روہیلے سردار بہت کم جمع ہوے۔ کچھ راجپوت چھوٹے چھوٹے جاگیردار

اور میاں دوآب سمی فرخ آباد کے بنگش پٹھاں شریک ہوے۔ نواب سید فیض اللہ خاں بھی جن کا رسیاہمت فیجی کا محتاج نہ تھا پانچ ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادوں کے ساتھ رام پور سے حافظ صاحب کے پاس چلے گئے اور صاحبزادہ سید محمد یار خاں دو ہزار آدمیوں کی جمعیت سے اور صاحبزادہ سید نصر اللہ خاں ابن نواب سید عبد اللہ خاں بھی دو ہزار آدمیوں کی جمعیت سے پہونچ گئے۔

حافظ صاحب کو پہلے ضرورت روپیہ جمع کرنے کی بڑی کیونکہ انکی حالت ناداری کی ہو رہی تھی اس لیے مشورہ کر کے احمد خاں پسر خانساماں سے روپیہ واسطے تیاری سپاہ کے طلب کیا احمد خان پہلے سے حافظ صاحب سے برخلاف تھا احمد خاں پسر بختی سردار خاں سے موافقت کی اور باہم عہد و پیماں کر کے سپاہ کو جمع کیا اور حافظ صاحب سے مقابلے کے لیے اپنی نئی حویلی میں باغ کی طرف مورچہ قائم کیا اور حافظ صاحب سے کہلا بھیجا کہ میں ایک روپیہ نہیں دیتا آپ نہ مانیںگے تو میں لڑائی کو تیار ہوں اور نواب سید فیض اللہ خاں سے کہلا بھیجا کہ آپ کے ارشاد سے مجھے کسی طرح انکار نہیں حافظ صاحب میری خانہ ویرانی کے درپے ہیں اس لیے میں نے حفاظت اور خودداری کی غرض سے یہ تیاری کی ہے حافظ صاحب کو ایک کوڑی نہ دونگا ہاں اگر خانساماں کی تمام جاگیر مجھے دیدیں تو میں خدمت گذاری کو موجود ہوں یہ وہ زمانہ ہے کہ شجاع الدولہ رام گھاٹ پر ٹیل کی تیاری میں مصروف تھے اور روہیلکھنڈ پر حملہ کے لیے فوج کو اتارنے کی غرض سے وہاں مقیم تھے۔ روہیلکھنڈ کے لوگوں پر ایک پریشانی کا عالم طاری تھا ہر ایک شخص اپنے اہل و عیال کو ادھر ادھر

بھیج رہا تھا اور لوگ بھاگنے مین لگے ہوے تھے۔ مآل اندیش لوگون نے احمد خان کو سمجھایا کہ اب روہیلون کے ملک پر شجاع الدولہ کا دانت ہے اس ملک کا اس قوم کے ہاتھ مین رہنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ تمھاری پیشانی پر اس بدنامی کا داغ رہ جائے گا اور مدت تک یہ ذکر زبانون پر جاری رہیگا کہ احمد خان نے حافظ صاحب کو اپنے جھگڑے سے اتنی فرصت نہ لینے دی کہ وہ شجاع الدولہ کا مقابلہ کر سکتے اب بہتر یہ ہے کہ تم اُن کے حکم کی تعمیل کرو۔ احمد خان نے اس شرط سے دو لاکھ روپیہ دینا قبول کیا کہ بدایون اُسے دلوا دیا جائے۔ بدایون کا حال یہ ہے کہ خانساماں کی حیات سے احمد خان بدایون کی تمنا رکھتا تھا اور بدایون کا تمام علاقہ احمد خان کے قبضے مین آیا تھا مگر خان محمد خان کی سازش سے بدایون اعظم خان کے حصے مین آیا۔ اس وجہ سے بھائیون مین اور فساد بڑھا حافظ صاحب نے مقام ٹانڈہ مین کہ آنولے سے وہان چلے گئے تھے اور وہان چند مقام کیے تھے بدایون کی سند احمد خان کو لکھ دی اور دو لاکھ روپے اُس سے لیکر سلہٹ کی جانب کوچ کیا۔

فرح بخش مین لکھا ہے کہ ہفتے کے بعد احمد خان پسر سردار خان بخشی اور احمد خان پسر فتح خان خانساماں بھی آنولہ سے روانہ ہوے اور کٹرے کے مقام پر حافظ صاحب کے لشکر مین جا پہونچے مگر یہ دونون باطناً یہی چاہتے تھے کہ حافظ صاحب مارے جائین کیونکہ اُن کو بخوبی یقین تھا کہ حافظ صاحب ہمارے استیصال کے درپے ہین ضرورت وقت کو دیکھ کر اس وقت ہمسے اغماض کر لیا ہے جب قابو پائین گے تو ہمارے حق مین کسی بُرائی سے

کوتاہی نہ کریگے۔ ان کے نجیب ہونے میں عین ہماری ہمت ہے شجاع الدولہ
کی لڑائی سے رئیس ہوتے ہی ہماری خبر لیںگے بلکہ حویلی سے بھی نکال دینگے
محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں اس لڑائی میں اول سے شریک نہ ہوئے
کیونکہ اُن کو حسن تدبر حافظ رحمت خاں کی مدد کرنے کا خیال تھا اُسی قدر
شجاع الدولہ کے معاہدے کا پاس تھا یہ دونوں سردار نواب شجاع الدولہ کی
چکنی چپڑی تحریروں اور غلام محمد خاں کی چرب زبانی پر کہ قرآن مجید لاکر
عہد و پیمان کیا تھا حافظ صاحب سے باطناً منحرف تھے اسکے علاوہ اُنکے
پاس نہ ساماں درست تھا نہ روپیہ تھا۔ سپاہ فقر و فاقہ کی وجہ سے گریباں گیر
تھی اس لیے ان دونوں بھائیوں نے روپیہ نہ ہونے کا عذر پیش کیا اور
ایک خط محب اللہ خاں کا اور ایک اُن کی ماں کا خط حافظ صاحب کے
پاس اس مضمون کا آیا کہ ہماری تنگدستی کی وجہ سے ہماری فوج کی تنخواہ جو
نہیں ہوئی سکتی اس لیے وہ ہمارا ساتھ دینا نہیں چاہتی اگر کچھ روپیہ
مرحمت ہو تو سپاہ کو دے کر آپ کے پاس آیا جائے تنہا اپنی ذات سے
شریک ہونا کیا مفید ہوگا حافظ صاحب سمجھ تو گئے یہ صرف کنارہ کشی کا
بہانہ ڈھونڈتے ہیں مگر پھر بھی پندرہ ہزار روپے اُن کے وکلا کو دے کر
رخصت کیا اسی طرح جس نے تنگدستی کا عذر پیش کر کے حاضری سے مجبوری
ظاہر کی اُسے کچھ بھیجا اسپر بھی وہ لوگ جو شجاع الدولہ سے ملے ہوئے تھے
ساماں سفر کی تیاری کا بہانہ کر کے اپنے مقاموں سے نہ نکلے مؤرخ آباد
اور روہیلکھنڈ کے پٹھان نوکرے نوکر ننگ قومی کی وجہ سے جوق جوق

آکر جمع ہونے لگے جب جمعیت زیادہ ہوگئی تو منافق بھی اپنے بیگانون کی طعن و تشنیع کی وجہ سے تھوڑی تھوڑی جمعیت کے ساتھ آنے لگے۔

فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ اصلی باعث پسران دوندے خان و سردار خان و فتح خان کی پہلوتہی کا یہی تھا کہ شجاع الدولہ نے ان نادانون سے چکنی چپڑی باتین اور وعدہ و وعید کر کے تالیف قلوب کی تھی اور ہر ایک کو دوسرے کا مخالف کر دیا تھا حافظ الملک کی عقل بھی تھوڑے دنون سے مسلوب ہو رہی تھی۔ روہیلکھنڈ کے ہر ایک رئیس کو اپنی طرف سے بے دل کر رکھا تھا اور ہر ایک سے بے موجب مواخذہ کرتے تھے۔ سردار خان بخشی کے مرتے ہی احمد خان سے اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ طلب کر رہے تھے فتح خان خانسامان کی وفات کے بعد خان محمد خان کے اغوا سے اُنکے گھر کی خرابی کے درپے تھے۔ خانسامان کو حقیقت مین حافظ رحمت خان کا ایک افسر اور خزانچی سمجھنا چاہیے حافظ صاحب ضرورت کے وقت جو کچھ اُن سے چاہتے لیتے اور جہان کوچ کرتے خانسامان اُن کے ساتھ ہو جاتے۔ خانسامان خرچ اور چٹھا حافظ صاحب سے طلب نہین کرتے۔ اُن کے دو لاکھ روپے حافظ رحمت خان کے ذمے سفر نانک متہ کی بابت تھے اور دو لاکھ روپے اب زبردستی اُن کے بیٹے احمد خان سے لے لیے اور ایک لاکھ روپے خانسامان کے ترکے مین سے صاحبزادہ سید محمد یار خان ابن نواب سید علی محمد خان کو دلا دیے اس لیے خانسامان کی اولاد حافظ صاحب سے بہت ناخوش تھی۔ محب اللہ خان اور فتح اللہ خان اولاد دوندے خان کی

یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ آج اُن کے ساتھ یہ معاملہ ہے کل ہماری خیر نہیں۔
یہی وجوہات جمع ہو گئے تھے کہ ان سب سرداروں نے اتفاق کر لیا تھا
کہ حافظ صاحب کے حکم کی تعمیل نہ کرنی چاہیے اگر وہ سختی کریں تو لڑنا چاہیے
اور یہی معاملہ میں آیا کہ کسی نے ایک پیسہ دینا اپنے ذمے نہ لیا اور نفاق و
بغض پیدا ہو گیا۔ نواب سید فیض اللہ خاں بھی سمجھے کہ صاحبزادہ سید محمد یار خاں
کی ترقی کے سارے سامان ہمارے مقابلے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ غرض
تھوڑے عرصے سے روہیلکھنڈ میں فساد و عداوت کا ایک زہر ایسا ہی پھیل گیا
تھا اور ہر ایک دوسرے کی بربادی کی طرف مصروف تھا اور ایک دوسرے
کی خرابی کے لیے غیروں کو کھڑا کرتا تھا۔ اور بڑے بڑے روہیلہ سرداروں
کے مرنے اور اُس کے نااہل بیٹوں کی کشاکشی سے ریاستیں بے چراغ اور ملک
میں اندھیر پڑ گیا تھا اور قسمت کی گردش نے سب کی عقل لے لی تھی۔
جس وقت حافظ رحمت خاں آنولہ میں اپنے سامان جنگ کی درستی
میں مصروف تھے اُس وقت شجاع الدولہ کو کرنیل چمپین نے یہ صلاح دی
کہ دشمن کے علاقے میں یعنی رام گھاٹ پر گنگا کے پل کی تیاری مناسب نہیں
اپنے ہی علاقے میں پل تیار کر کے سیدھے اپنے ملک سے روہیلکھنڈ میں
داخل ہو ویں اس لیے کہ رسد بھی اچھی طرح اپنے ملک سے پہونچ سکیگی
اس بات پر رائے قائم ہو کر شجاع الدولہ نے گھاٹ مانا میو پر پل تیار
کرایا۔ اور انگریزی فوج کے ساتھ جس کا افسر کرنیل چمپین تھا روہیلکھنڈ کی
جانب روانہ ہوئے۔ نواب ضابطہ خان اس نواب نجیب الدولہ اور مظفر جنگ

پسر نواب احمد خان بنگش بھی ایک ایک ہزار سپاہ کے ساتھ شجاع الدولہ کے شریک تھے[1] فرح بخش کا مؤلف ان دونون نوابون پر بڑی لعنت ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اُنکے باپ شجاع الدولہ کی پروا بھی نہین کرتے تھے اور ہمیشہ مقابلے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ مگر ان دونون نے غیرت وحمیت کو خیرباد کہی اور اپنے باپون کا نام ڈبو دیا۔ اور شجاع الدولہ کے سامنے بطور ملازمون کے حاضر رہ کر مجرا اور سلام کرنے لگے اور امارت وایالت کے درجے کو برباد کر دیا۔ قوم اور خاندان کے ننگ کو چھوڑ دیا۔ پھر اپنی اس کردار کا جو کچھ نتیجہ طرفۃ العین مین اُنھون نے پایا وہ سب نے دیکھ لیا۔ اور تمام عالم پر روشن ہے"۔ اور اسی کتاب مین ایک دوسرے مقام پر کہا ہے کہ شجاع الدولہ خود سمجھ گئے تھے کہ ان دونون بے غیرتون نے شجاعت وجوانمردی کا ایک حرف بھی نہین پڑھا ہے اسلیے کہ اُنکے سامنے انکے سر جھکانے سے یہ مراتب ظاہر تھے"۔ شجاع الدولہ نے گو یہ پہونچکر یہان کے راناکو جو حافظ الملک کا نہایت رفیق تھا حافظ الملک سے منحرف کر دیا۔

شجاع الدولہ جب روہیلکھنڈ کی سرحد پر پہونچے تو اتمام حجت کے لیے ایک تحریر روہیون کی طلبی مین حافظ رحمت خان کو اور بھیجی گئی۔ اُنھون نے اس تحریر کو دیکھ کر اپنی فوج کے ساتھ مخالف کی جانب بڑھنا شروع کیا اور کیارا کے گھاٹ سے رام گنگا کو عبور کر کے فریدپور پہونچے جو بریلی سے

---

[1] دیکھو تاریخ فرخ آباد مولفہ ولی اللہ وسیر المتاخرین وفرح بخش واخبار حسن وتذکرۂ حکومۃ المسلمین ۱۲ [2] دیکھو روہیلکھنڈ گزٹیر ۱۲

مشرق کی جانب سات کوس کے فاصلے پر ہے شجاع الدولہ کی فوج روہیلکھنڈ میں داخل ہو کر شاہ جہاں پور کے قریب پہونچی۔ عبداللہ خان سیرۂ نواب بہادر خاں رئیس شاہ جہاں پور حافظ صاحب کی طرف سے یہاں کے انتظام پر مقرر تھا یہ شخص حافظ صاحب سے علاوہ دوستی رکھنے کے اُنکے بیٹے ارادت خاں کا خسر بھی تھا جب اُسے یہ حال سنا کہ شجاع الدولہ فوج لے کر آرہے ہیں تو شاہ جہاں پور سے تین چار کوس کے فاصلے پر استقبال کیا شجاع الدولہ نے اُس کو مصلحتًا خلعت عنایت کیا اور ساتھ لے کر شاہ جہاں پور سے دو تین کوس پر مقام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ جہاں پور کے پٹھانوں کی ہمدردی اور اتفاق بہ نسبت روہیلوں کے لکھنؤ والوں سے بہت زیادہ تھا۔ یہ علاقہ اودھ اور روہیلکھنڈ کے خاص دُھرے پر ہونے کی وجہ سے ہمیشہ جھگڑے اور مباحثے میں رہا کرتا تھا۔ بلکہ روہیلکھنڈ کا علاقہ شجاع الدولہ کی دست بُرد میں رہے سے اس علاقے میں سے تحصیل گولا اور کاٹھ یعنی شمالی اور مشرقی حصے پر حافظ رحمت خاں کا پورا پورا قبضہ نہ تھا البتہ مغرب کی سمت کا علاقہ کچی پٹھانوں کے تصرف میں موجود تھا۔

حافظ صاحب شجاع الدولہ کے شاہ جہاں پور پہونچنے کی خبر سُن کر فرید پور سے روانہ ہوئے اور بہگل ندی کو عبور کر کے میراں پور کٹرے کے مقام پر آئے یہاں پر آبادی کے قریب آموں کے باغوں میں فوج کا حصار سا کر قیام کیا۔ حافظ رحمت خاں کی طرف سے جس قدر تاخیر ہوتی تھی وہ ان کے واسطے مفید تھی کہ اُن کی جماعت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور انگریزی فوج

کے واسطے مضر تھی کہ موسم خراب ہوتا جاتا تھا آخر کار انگریزی فوج اور شجاع الدولہ کی فوج تلہر ضلع شاہ جہان پور کی جانب اس خیال سے بڑھی کہ روہیلون کو جلدی لڑائی مین مشغول کرنا چاہیے اور موسلی کے قریب میدان مین ٹھہری اس پیش قدمی نے روہیلون پر یہ ظاہر کیا کہ مخالف کا ارادہ پیلی بھیت پر دھاوا کرنے کا ہے جہان پر حافظ صاحب کے اہل و عیال موجود تھے اس واسطے حافظ رحمت خان اس فوج کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے اپنا حصار چھوڑ کر میدان مین نکل آئے جو کسی قدر امن کے قابل جگہ تھی تو چمپین صاحب جنھون نے وہ تدبیر بتائی تھی اور نقشۂ جنگ تیار کرنے مین نہایت قابلیت رکھتے تھے اپنی تدبیر پر ناز کرنے لگا۔

جام جہان نما مین لکھا ہے کہ مقام لاہی کھیڑہ مین دریاے بھگل کے کنارے فرید پور کے متصل میدان کرک مین جنگ ہوئی تھی۔ اور عماد السعادت مین بیان کیا ہے کہ کٹرۂ کمالزئی خان اور فرید پور کے درمیان مین یہ جنگ ہوئی تھی اور مؤلف فرح بخش نے ذکر کیا ہے کہ لاہی کھیڑے کے نشیب مین انگریزی توپخانہ قائم کیا گیا تھا اور سیر المتاخرین مین کہا ہے کہ انگریزی توپخانے کے سامنے ایک خشک نہر واقع تھی جس مین بہت سے خم و پیچ تھے اور اُس کے کنارون پر جھاڑ جھنکاڑ تھے۔ مساکن فلسفی مین مذکور ہے کہ جس مقام پر شجاع الدولہ کو حافظ رحمت خان پر فتح حاصل ہوئی تھی اُنھون نے وہان ایک گنج آباد کرکے اُس کا نام فتح گنج رکھا اور یہ مقام بریلی سے شرقی و جنوبی جانب چودہ کوس پر ہے۔ کٹرے کو میران پور کٹرہ اور کٹرۂ کمالزئی خان بھی کہتے ہین۔

یہ قصبہ تحصیل تلہر ضلع شاہ جہاں پور صوبہ متحدہ میں شاہ جہاں پور بریلی کی پختہ سڑک پر تلہر سے چند میل اور شاہ جہاں پور سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ شاہ جہاں پور والی سڑک روہیلکھنڈ کی سڑک میں جو مرج آباد سے بریلی کو جاتی ہے اس ہی قصبہ کے پاس ملی ہے۔ اور پیلی بھیت کی سڑک جو جا اگہ ہو کر آتی ہے وہ بھی اس قصبے کے پاس روہیلکھنڈ کی سڑک میں مل گئی ہے بڑے افسروں میں حافظ رحمت خاں کے ساتھ مستقیم خاں عبدالجبار خاں اور سیف الدین خاں بھی تھے۔ حافظ صاحب کے ساتھ چوبیس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ اور ساٹھ توپیں تھیں۔ اُن کی فوج کی یہ تعداد گزیٹیر کے حصہ شاہ جہاں پور کی جلد میں بیان کی ہے اور گل رحمت میں اُن کی سپاہ کی تعداد چالیس ہزار بتائی ہے اور اس میں نوکر بے نوکر سب شامل ہیں اور کرنیل چمپین کے بیان سے چالیس ہزار سپاہ ثابت ہوتی ہے اور سیر المتاخرین اور تاریخ مظفری اور تفریح الاخبار کے مؤلفوں نے کہا ہے کہ اُن کی فوج پچاس ساٹھ ہزار تھی اور عماد السعادت میں لکھا ہے کہ حافظ الملک کے ساتھ ستر ہزار کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ پٹھان جمع تھے۔

حافظ الملک شطرنج زمانہ کے پکے چال باز تھے مگر خود بوڑھے ہو گئے تھے عقل بُڑھیا ہو گئی تھی نواب سید فیض اللہ خاں جوان اُن کی عقل جوان اُنھوں نے صلح کی صلاح دی چنانچہ فرح بخش میں لکھا ہے کہ اس عرصے میں کئی بار آنولے اور ٹانڈے میں نواب سید فیض اللہ خاں نے حافظ رحمت خاں کو سمجھایا کہ "بالفعل نواب شجاع الدولہ سے نہ بگاڑنا چاہیے بڑی بھاری جو کے تھا

آئے ہین اُن سے صلح کر لینی چاہیئے حافظ صاحب نے جواب دیا کہ "میرے پاس روپیہ کہان ہے کہ صلح کرون" نواب سید فیض اللہ خان نے کہا کہ "جس قدر روپیہ مطلوب ہے مین دے سکتا ہون مجھے نواب شجاع الدولہ کے پاس چلا جانے دو مین اُن سے بات چیت کرونگا اگر ضرورت ہوگی تو روپیہ بھی دیدونگا پھر سب سے سہولت کے ساتھ حصہ رسدی وصول کر لیا جائے گا حافظ صاحب کی موت کا زمانہ قریب آچکا تھا نواب سید فیض اللہ خان کا کہنا نہ مانا۔ مگر اسکے خلاف سیر المتاخرین مین یون لکھا ہے کہ جب شجاع الدولہ نے اپنے چالیس لاکھ روپون کا تقاضا حافظ رحمت خان پر کیا اور لکھا کہ "زر موعودہ پہونچانے کی مدت گذر چکی اور اب تک آپنے وہ روپے ادا نہ کیے اب مناسب یہ ہے کہ وہ روپے جلد پہونچائیے ورنہ لڑائی کے لیے تیار رہنا چاہیئے تو حافظ رحمت خان نے کہ نہایت ہوشیار اور دور اندیش تھے فتح اللہ خان وغیرہ اولاد دوندے خان اور نواب سید فیض اللہ خان اور دوسرے سرداران روہیلہ کو جمع کر کے کہا کہ "شجاع الدولہ نے اس تقویت پر کہ اُن کی فوج انگریزی طریقے پر تیار ہے اور انگریزی فوج بھی اُن کی مدد کو آمادہ ہے ہم سے لڑنے کا ارادہ کیا ہے وہ چاہتے ہین کہ ہمارا ملک چھین لین اُن کی اور اُن کے مددگارون کی جنگ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے بہتر یہ ہے کہ اِس بلا کو روپیہ دے کر ٹال دین کیونکہ اِس معاملے مین حق اُنھین کے ہاتھ مین ہے ورنہ لڑ کر مقابلے مین کامیابی حاصل کرنا مشکل ہوگا" چونکہ شجاع الدولہ نے دوندے خان کی اولاد سے سازش کر لی تھی اس لیے ان احمقون نے اُن روپون کے دینے مین جن کے ضامن

اُنکی اور دوسروں کی طرف سے حافظ رحمت خاں ہوے تھے پہلو تہی کی بلا
اور لڑائی کرنے کے لیے صلاح دینے لگے اور دوسرے نوجوان سرداروں نے
بھی اپنے غرور شجاعت کی ترنگ میں آکر اُن روپیوں کے دینے میں تنگدستی کے
عذر پیش کیے اور حافظ صاحب کو لڑائی کی ترغیب دینے لگے اور اُن سے
شرکت کا وعدہ کیا۔ حافظ صاحب نے بہت سا سمجھایا کہ فرنگیوں کی لڑائی
سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے میدان جنگ مین آبروے مردمی جاتی رہیگی
بھاگتے نظر آوٗگے۔ انگریزی فوج کی آتش باری تمکو خاک مین ملادیگی۔ چونکہ
ان روہیلوں کے ہاتھ سے بے انتہا ظلم مقیم ومسافر اور ہر قسم کے بندگان خدا
پر ہوے تھے انتقام کا پیالہ لبریز ہوچکا تھا اُس کا وقت آچکا تھا اُنکی عقلوں
پر وقوفی کے پردے پڑگئے تھے اسلیے اُن مستحقین غضب الٰہی میں سے
کسی نے بھی حافظ صاحب کی نصیحت پر التفات نہ کیا۔ اور لڑائی کی ٹھن ہی گئی۔
مگر مؤلف گلستان رحمت کچھ اور ہی راگ گاتا ہے وہ کہتا ہے کہ جب
شجاع الدولہ نے انگریزی اور اپنے لشکر کو گنگا پار لڑنے کے ارادے سے اُتارا
تو بہاڑ سنگھ نے جو حافظ صاحب کا دیوان تھا کہا کہ روپیہ موجود ہے آپ لیکر
شجاع الدولہ کو دیدیجیے اور کرنیل چمپین کو جو انگریزی لشکر لے کر آیا ہے بیچ
میں واسطہ کیجئے۔ مگر حافظ صاحب نے فرمایا کہ مرنا مسلم ہے میں قرض نہیں
لیتا مجھے پھر ایسی عزت کی موت اپنے ملک کی حفاظت کرنے مین کب ملیگی
اسلیے وہ اپنی سپاہ جمع کرکے لڑائی کے لیے تیار ہوے۔ یہ بات سچ نہیں معلوم ہوتی

مسلہ تاریخ مظفری سے بھی یہی بات ہے ۱۲

کہ حافظ صاحب نے لڑنے مرنے ہی پر عزم جزم کرلیا اور مصالحت کا خیال نہین کیا اسلیے کہ کرنیل چمپین خود لکھتا ہے کہ "میرے پاس حافظ صاحب کا خط آیا کہ آپ صلح کرا دیجیے مگر جب شجاع الدولہ سے اُسکا ذکر کیا گیا تو اُنکے چالیس لاکھ روپون نے بچے دیدیے اور اُنھون نے دو کروڑ روپے مانگے"

غرض کہ میدان کارزار مین حافظ صاحب ۹ - اور ۱۰ صفر ۱۱۸۸ہجری کو لڑائی کے لیے سوار ہوے مگر اُدھر سے کوئی مقابلے کو نہ آیا - ۱۱ صفر ۱۱۸۸ھ کی رات کو انگریزون نے تمام شب تیاری کرکے توپ خانے کو بڑھا کر لاہی کھیڑے کے نشیب مین دریاے بھگل کے کنارے پر جا کر سد سکندر بنا دیا۔ حافظ صاحب کو اُن کے مخبرون نے اُسی رات کو یہ خبر دی کہ شجاع الدولہ نے منجمون کے کہنے کے موافق لڑائی کے لیے کل کا دن مقرر کیا ہے۔ ۱۱ صفر ۱۱۸۸ھ ہجری مطابق ۲۳ - اپریل ۱۷۷۴ء کو سنیچر کے دن صبح کے وقت کہ ابھی آفتاب نے نشان نہ کھولا تھا مخالف نے جنگ کی تیاری کی - اُسکے لشکر مین ایک لاکھ پندرہ ہزار سپاہی تھے - شجاع الدولہ نے بسنت علی خان خواجہ سرا کے ساتھ چودہ ہزار تلنگے بندوقچی اور سید علی کے ساتھ چار ہزار بندوقچی تلنگی اور توپ خانہ مقرر کرکے انگریزی لشکر مین متعین کیا جو میدانِ جنگ مین شجاع الدولہ کی تمام سپاہ سے آگے تھا - اور محبوب علی خان خواجہ سرا کو نو ہزار پیادہ برق انداز کے ساتھ جن کو برق کہتے تھے اور لطف علی خان خواجہ سرا عرف خواجہ لطافت کو سات ہزار پیادہ بندوقچی کے ساتھ جن کو نجیب کہتے تھے بھاری توپخانہ دے کر انگریزی لشکر کے میمنہ اور میسرہ پہ

سیحا اور بیر احمد کو بائیس ہزار سد و قچیوں کے ساتھ جو بائیسی کہلاتے تھے ایک
ڑا تو بچا بہ دے کر انگریزی فوج کے عقب میں رکھا۔ اور شجاع الدولہ بذاتِ خاص
سواروں کے غول کے ساتھ ادہ مگاہ سے فاصلے پر ہٹ کر تو بچا نے کے پیچھے پیچھے
فرح بخش میں ذکر کیا ہے کہ حافظ صاحب کا لشکر آج بالکل لڑائی کے
لیے تیار رہو اتھا حافظ صاحب یہ سمجھے کہ ہم دو دن تک لڑائی کے لیے سوار ہوئے
کوئی مقابلے کو نہ آیا۔ شاید ہمارا استقبال ڈر گیا۔ پس آج سوار ہو اکیا ضرور حافظ صاحب
اپنے اوراد و وظائف میں مصروف تھے کہ دشمن تیار ہو کر میدان میں آگیا۔
حافظ صاحب نمازِ اشراق پڑھنے پائے تھے کہ ہر کارے خبر لائے کہ انگریزوں نے
آپ کے لشکر کے متصل تو بچا نہ جما دیا ہے۔ اور لڑائی کے لیے کھڑے ہوئے ہیں
حافظ صاحب گھبرا کر پالکی میں سوار ہوئے اور نواب سید فیض اللہ خاں کے
ڈیرے میں آئے اور صاحبزادہ سید محمد یار خاں اور صاحبزادہ سید نصر اللہ خاں
کو طلب کر کے مشورہ ہوا۔ حافظ صاحب نے نواب سید فیض اللہ خاں سے
کہدیا کہ مبادا اگر ہمکو شکست ہو جائے اور میں مارا جاؤں تو آپ لڑیں نہیں
بلکہ پہاڑ کی جانب چلے جائیں۔ لالڈھانگ میں وہاں سے بہتر کوئی جگہ اس کی
نہیں ہے اور جو کوئی میرے بیٹوں میں سے آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے
تو اُسے بھی ہمراہ لیتے جائیں۔

ابھی تک روہیلوں کا لشکر پورے طور پر درست بھی ہونے اور سنبھلنے پایا
جمع ہونے پایا یہاں تک کہ نقارہ بجانے کا اور عہدہ داروں کو تیاری کا حکم بھی
پورے طور پر نہ دیا گیا نقیبوں نے کسی سردار کے ڈیرے پر پہونچکر تیاری کا حکم

نہ سنایا۔ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ یہ روز حشر ہے۔ سائیس گھوڑے لیکر اور ساربان اونٹ لیکر گھاس چارے کی فکر مین اور بیوپاری رسد کی تلاش مین چلے گئے تھے۔ آج بڑی غفلت روہیلون کے لشکر مین رہی دشمن لڑائی کو سر پر موجود ہے اور یہان ابھی مشورہ ہورہا ہے۔ پھر خبر پہونچی کہ مستقیم خان سے غنیم کا مقابلہ بھی ہوگیا جو بقول مؤلف تاریخ گیان پرکاش حافظ رحمت خان کے لشکر کے ہراول مین تھے۔

گل رحمت مین لکھا ہے کہ عین لڑائی کے وقت محب اللہ خان چار سو آدمیون کے ساتھ میدان جنگ مین پہونچکر مستقیم خان کے غول مین کھڑا ہوگیا اور احمد خان دو تین سو جوانون کے ساتھ دو تین دن قبل لڑائی سے آیا تھا۔ سب سے اول مستقیم خان ولد شیخ کبیر نے دو تین ہزار سپاہ کے ساتھ جانب چپ سے فوج انگریزی پر حملہ کیا اُن کے ساتھ کے بہت آدمی مارے گئے اور زخمی ہوے مگر بہت سے سپاہی توپ کی زد سے نکل کر تلنگون کی گولیون کی باڑھ تک پہونچے اور کچھ اُس کے صدمے سے مارے گئے مگر پھر بھی کسی قدر دل چلے انگریزی لشکر مین گھس گئے اور توپون پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا مگر جب مدد نہ پہونچی تو کامیاب نہ ہوے۔ اسی طرح نواب سید فیض اللہ خان۔ پانچ چھ ہزار سوار و پیادون کے ساتھ سیدھی طرف سے مخالف پر حملہ آور ہوے اور دشمن کے غول مین گھس گئے اور بڑی خونریزی کے بعد مخالفون سے وہ گانون چھین لیا جس کی آڑ مین وہ لڑرہے تھے اور خود اُسکی آڑ پکڑ کر بندوق وہان سے لڑنے لگے تنقیح الاخبار مین مرقوم ہے کہ نواب سید فیض اللہ خان

اور مستقیم خاں بست ملی خاں کی فوج سے لڑنے لگے اور حافظ صاحب
انگریزوں کا مقابلہ کرنے لگے جب حافظ صاحب کی فوج انگریزی فوج کے
مقابلے میں ہموار ہوئی تو اُس کے نوبجانے بے تیری کے ساتھ حافظ صاحب
کی فوج پر گولہ باری کی کہ یکایک احمد خاں پسر سردار خاں بخشی جو شجاع الدولہ
سے ملا ہوا تھا بغیر لڑے بھڑے بھاگ گیے کا ملعلانہ لشکر میں ڈال کر بھاگ نکلا کہ
روہیلوں کے پاؤں میدان جنگ سے اُکھڑنے لگیں۔ یہ خبر مشہور ہوتے ہی
پٹھان جوق جوق بغیر تحقیق و تفتیش بھاگ نکلے یہانتک کہ حافظ صاحب کے
ساتھ بہت تھوڑی فوج رہ گئی جبکہ مخالف نے یہ حال دیکھا تو اُسے تین طرف
سے زور دیا ایک طرف مستقیم خاں پر دوسری جانب نواب سید فیض اللہ خاں پر
تیسری جانب حافظ صاحب پر۔ جب گولوں کی خوب بارش ہونے لگی تو
خاص حافظ صاحب کے ساتھ کی فوج بھی بھاگنے لگی۔ اس عرصے میں مستقیم خاں
نے کمک طلب کی۔ حافظ صاحب نے باوجود کمی فوج کے جس قدر سپاہ ساتھ
تھی اُسے لیکر اُدھر توجہ کی۔ کچھ دور چلے تھے کہ مستقیم خاں کے قدم میدان سے
اُکھڑ گئے حافظ صاحب دوبارہ انگریزی فوج کے مقابلے کو لوٹے۔ سواروں
کے کئی دھاوے انگریزی فوج کی جانب سے ہوئے مگر کوئی نتیجہ کی بات پیدا ہوئی
عماد السعادت کا مؤلف کہتا ہے کہ حافظ صاحب نہایت دلیر تھے اُن کی
غیرت بزدلی قبول نہیں کرتی تھی اُنھوں نے میدان جنگ میں چاہا کہ انگریزی
فوج میں گھس کر سب کو تہ تیغ کرکے نواب شجاع الدولہ تک پہونچ جاؤں
اُن کو اپنی فتح اور بہادری کا یہانتک گھمنڈ تھا کہ فیض آباد کے محلے اپنے

سرداروں پر تقسیم کر دیے تھے اور کہدیا تھا کہ جو جس محلے مین داخل ہو وہان کا تمام مال واسباب اور عورتین اُس کے لیے معاف ہین۔ عماد السعادت کے مؤلف کے بیانات مین گو کیسا ہی ایمانداری کے ساتھ سیدھا سادھا ہو مبالغے کے طومار رہتے ہین۔

کرنیل چمپین حافظ رحمت خان کی بہادری کی تعریف کرتا ہے

اور لکھتا ہے کہ ”چالیس ہزار اُنکی سپاہ ہوگی وہ نہایت مردانہ اور دلیرانہ ہمسے لڑے۔ بہت دفعہ روہیلے ہمارے لشکر مین گھس آئے اور اپنے جھنڈے گاڑ دیے تاکہ اونکو حوصلہ آگے بڑھنے کا ہو۔ بار بار ہماری توپون کو چھیننے کا قصد کیا مگر ہماری توپون نے اُن کو بڑھنے نہ دیا جب پاس آئے اُن کو اُڑا دیا اُن کی بہادری کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ اُنھون نے سب طرح سے اپنا فن سپاہگری دکھایا“ غرض دو گھنٹے اور بیس منٹ تک آدمیون پر توپون سے خوب آگ برسی اور کچھ اور منٹ بندوقون کی گولیون کے اولے پڑے۔ سپاہی اور گھوڑے اور اونٹ کاغذ کے پرچون کی طرح اُڑتے تھے دو ہزار روہیلے اور بہت سے سردار میدان جنگ مین راہ عدم کے رہرو ہوے مستقیم خان کے فرار ہونے کے بعد حافظ رحمت خان جب اُن کی طرف سے لوٹے اور انگریزی لشکر کی طرف آرہے تھے تو گھوڑے کو آگے بڑھا کر انگریزون کی فوج کے سامنے آہستہ آہستہ قدم بڑھے۔ انگریزون نے دوربین سے سورج مکھی کو حافظ الملک کے سر پر پہچان کر ایسا گولہ مارا کہ اُن کے سینے مین قلب کے محاذی ٹکر کھا کر

سلے دیکھو گل رحمت ۱۲

تین چار گز کے فاصلے پر گر پڑا۔ منقح الاخبار کا مؤلف کہتا ہے کہ راجہ بلاس رائے
پسر راجہ مال رائے جو اُس جگہ موجود تھا کہتا تھا کہ گولہ حافظ صاحب کے پہلو کے
برابر سے گذرا تھا جسکا ایک نیلگوں داغ اُنکی جلد پر پڑ گیا تھا قیصر التواریخ میں
لکھا ہے "عجیب بات یہ ہے جسے سب نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ اُس وقت
حافظ صاحب جامہ ہندوستانی قدیم پر متن قرآن شریف پہنے ہوئے تھے
وہ جامہ قرآن کی برکت سے بچا جہاں میں ایک سیاہ دھبہ گولے کی دھمک
کا لگ گیا تھا جس کے صدمے سے حافظ صاحب گھوڑے سے گر پڑے
پگڑی سر سے اُتر گئی خدمتگاروں نے اُٹھا کر سر پر رکھی اور مُنھ میں پانی
ڈالا ایک دو مرتبہ ہونٹھ ملے اور دل کے پارہ ابھی نہیں سیے تھے کہ
جان نکل گئی۔"

اللہ اللہ جس بہادر کو فتح و اقبال ہوا کے گھوڑوں پر چڑھاتے تھے
جس اسیر کو ناز و نعمت مخملون کے فرش پر لٹاتے تھے وہ خاک پر پڑا تھا
دلاوری سرہانے کھڑی زار زار روتی تھی سارے ارادے اور حوصلے خواب
و خیال ہو گئے تھے۔ ہاں حافظ صاحب! یہ یہان کا معمولی قانون ہے
تمسے ہزاروں کو خاک و خون مین لٹایا آؤ حضرت اب تمھاری باری ہے
اُسی خاک پر تمھیں سونا ہوگا۔ احمد خان پسر فتح خان اپنی فوج کو لیے ہوئے
علٰحدہ کھڑا تھا یہ حال دیکھکر فرار ہو گیا۔ حافظ صاحب کے بیٹے یعنی محبت خان
حافظ محمد یار خان۔ محمد دیدار خان۔ اللہ یار خان اور عظمت خان یہ خبر سُنکر
حافظ صاحب کے پاس آئے جبکہ تمام ہمراہی بھاگنے لگے تو یہ بھی میدان سے

بھاگ نکلے اور پیلی بھیت کی طرف چلے گئے۔ نواب سید فیض اللہ خان اس وقت تک اُس گانون کی آڑ پکڑے ہوے لڑ رہے تھے۔ حافظ صاحب کی شہادت کا حال سُنکر دو تین رستمانہ حملے خواجہ لطافت کی فوج پر کر کے ڈیرون کی طرف لوٹے اور یہ ارادہ تھا کہ وہان پہونچکر فوج کو جمع کر کے حافظ صاحب کے بیٹون کی تسلی کر کے پھر مقابلہ کرینگے۔ ڈیرون پر پہونچے تو بالکل لُٹے کھسٹے پڑے تھے بازار لشکر کا نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ افسوس کیا اور خود بھی اپنی ریاست کی طرف روانہ ہو گئے۔ محب اللہ خان جو عین معرکے مین پہونچا تھا دو ایک حملے کر کے یہ بھی بھاگ نکلا اسی طرح دوسرے افسر جواب تک لڑائی مین مصروف تھے یہ خبرین سُن سُن کر بھاگنے لگے۔ انگریزونکی اور شجاع الدولہ کی فوج نے مفرورین کا تعاقب دور تک کر کے بہت سے گولے مارے۔ نواب شجاع الدولہ کو جب یہ خبر پہونچی تو ہاتھی سے اُتر کر سجدۂ شکر ادا کیا اور سوارون کو لوٹنے کے لیے حافظ صاحب کے کیمپ مین بھیجا سلطان خان برادر مرتضیٰ خان بڑیچ حافظ رحمت خان کا سر کاٹ کر شجاع الدولہ کے پاس لے گیا جب یہ شناخت ہوئی کہ یہ سر حافظ رحمت خان کا ہے تو اُنھون نے دوبارہ سجدہ کیا جب سجدے سے سر اُٹھایا تو سالار جنگ نے جو شجاع الدولہ کا سالا تھا چاہا کہ اُن کی پیشانی کی خاک رومال سے صاف کر دے۔ شجاع الدولہ نے منع کیا اور کہا کہ یہ خاک میری پیشانی کی زینت ہے الحمد للہ کہ آج اس قوم کی بے انتہا گستاخیون کا جو میرے باپ اور دوسرے مسلمانون کے ساتھ کی تھین بدلا خاطر خواہ لے لیا۔ یہ شیخی اور ڈینگ کی باتین

کر کے حافظ صاحب کے سر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "خدا شاہد حال ہے میں ایسا روز بد تمہارے لیے نہ چاہتا تھا"[1] واقعی نواب صاحب آپ حافظ صاحب کے لیے یہ روز بد چاہنے سے قاصر تھے یہ انگریزوں کی بہادری کا طفیل تھا کہ آپ ایسی شیخی کی باتیں کرنے کے قابل ہوئے اگر آپ تنہا دولاکھ فوج لیکر بھی روہیلکھنڈ میں آتے تو پوری سر اُٹھا کر بھیا چھڑاتے آپ کے باپ نے بھی نواں شاہاں دہلی کے ساتھ بڑی بڑی گستاخیاں کی تھیں جنھوں نے اُن کو خاک سے پاک کیا تھا پھر آپ اُن باتوں پر دل میں خیال کر کے کبھی نہ شرماتے آپ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا کہ کٹسر کے معرکے میں مٹھی بھر انگریزی فوج کے مقابلے میں جان دیدیتے اور فرار کی عار جو آپ کے خطاب کے سراسر منافی تھی گوارا نہ کرتے" بعد اسکے نواب وزیر نے سلطان خان ترنیچ کو ایک ہاتھی اور دوشالہ اور زر نقد عطا کیا کیونکہ اُسے کام بھی ایسا ہی کیا تھا کہ مرے ہوئے شیر کی مونچھیں اُکھیڑی تھیں سبحان اللہ جس سر سے فتح کا نشان پیدا ہوتا تھا جس سے اقبال کا نور اُترتا نہ تھا جس چہرے کو کامیابیوں کی سرخی شگفتہ رکھتی تھی اُسپر خون نے سیاہ دھاریاں کھینچی تھیں نحوست نے خاک ڈالی تھی اگرچہ پہچانے میں کسی کو تردد نہ تھا لیکن شجاع الدولہ کو اپنی شجاعت اور حافظ صاحب کی ذلت کا اظہار مقصود تھا اسلیئے اُنھوں نے حکم دیا کہ یہ سر نواب ضابطہ خان اور نواب مظفر جنگ کے پاس شناخت کے لیے لیجاؤ اور شاہ مدن پیرزادے کو بھی جو حافظ رحمت خان کو پہچانتے تھے دکھاؤ نواب ضابطہ خاں نے دیکھکر کہا کہ "واقعی یہ سر حافظ رحمت خان کا ہے"

[1] دیکھو قیصر التواریخ ۱۲

دوسرے کا نہین اور نواب مظفر جنگ نے یہ کہا کہ "اسی ریش و فش (طمطراق) پر جناب عالی سے لڑنے کو آمادہ ہوے تھے"، دیکھتے ہوشیر کا سر ہے۔ آلہی اگر کبھی جاتا تو جوانمرد و خودداروں کے پاس جاتا نہ کہ ایسے بے حمیتون کے پاس جنھون نے اپنے باپون کا نام ڈبو دیا تھا۔ شاہ مدن اہل دل تھے آنکھون مین آنسو بھر لائے اور کہا کہ "ہان یہ اُسی مسلمان کا سر ہے"۔ اس بات سے شجاع الدولہ کو بہت رنج ہوا مگر بظاہر تاسف کیا اور کہا کہ ان سے یہ توقع نہ تھی یہ دوسرون کا کام ہے پھر کچھ دنون کے بعد شجاع الدولہ نے شاہ مدن کو قید کر دیا[۱]

شجاع الدولہ نے پالکی خاصہ بھیجکر حافظ صاحب کی لاش میدان سے منگا کر سر اُسکے ساتھ سلوا کر عزیز خان رسالہ دار کے ہمراہ بریلی کو روانہ کی یکشنبہ کے دن صبح کو قاضی مفتی علما شرفا سادات اور فقرا نے جمع ہو کر تجہیز و تکفین کی اور ظہر و عصر کے درمیان شہر کے باہر غربی جانب دفن کیا قبر مین اُتارنے کے وقت تک گردن سے خون جاری تھا۔ چند سال کے بعد ذوالفقار خان نے اُن کی قبر پر مقبرہ بنوایا۔ جب وہ عمارت پُرانی ہو گئی تو ۱۲۳۵ھ ہجری مین لارڈ ماڑا کے حکم سے پہلی بھیت کی عمارت فروخت کرا کے اُسکی قیمت سے گنبد اور ضروری عمارات بنوائی گئین اُن کی وفات کی تاریخ یہ ہے **فی جنتی داخل ۱۱۸۸ھ** ہجری۔ محبت خان خلف حافظ رحمت خان نے اس مادے کو زبان عربی مین اس طرح موزون کیا ہے۔

---

[۱] مصطلحات وارستہ مین ریش و فش کے یہی معنے لکھے ہین ۱۲ [۲] دیکھو عماد السعادت ۱۲

کر کے حافظ صاحب کے سر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "خدا شاہد حال ہے میں ایسا زور مد تمھارے لیے چاہتا تھا"[1] واقعی نواب صاحب آپ حافظ صاحب کے لیے یہ زور مد چاہیے سے عاجز تھے یہ انگریزوں کی بہادری کا طفیل تھا کہ آپ ایسی تیجی کی باتیں کرنے کے قابل ہے اگر آپ تمہا دولاکھ فوج لیکر بھی روہیلکھنڈ میں آتے تو پوری سرا ٹھاکر پچھا چھڑاتے آپ کے باپ نے بھی تو اُن شاہاں دہلی کے ساتھ بڑی بڑی گستاخیاں کی تھیں جھوں نے اُن کو خاک سے پاک کیا تھا پھر آپ اُن باتوں پر دل میں خیال کر کے کبھی نہ شرمائے آپ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا کہ کٹسر کے معرکے میں مٹھی بھر انگریزی فوج کے مقابلے میں جان دیدیتے اور فرار کی عار جو آپ کے خطاب کے سراسر منافی تھی گوارا نہ کرتے" بعد اسکے نواب وزیر نے سلطان خان ٹرنج کو ایک ہاتھی اور دو شالہ اور زر نقد عطا کیا کیونکہ اُسے کام بھی ایسا ہی کیا تھا کہ مرے ہوئے تیر کی مونچھیں اُکھیڑی تھیں سبحان اللہ جس سر سے فتح کا نشان جدا نہ ہوتا تھا جس سے اقبال کا خود اُترتا نہ تھا جس چہرے کو کامیابیوں کی سرخی شگفتہ رکھتی تھی اُسپر جوں نے سیاہ دھاریاں کھینچی تھیں نحوست نے خاک ڈالی تھی اگرچہ پہچانے میں کسی کو تردد نہ تھا لیکن شجاع الدولہ کو اپنی شجاعت اور حافظ صاحب کی ذلت کا اظہار مقصود تھا اسلیے اُنھوں نے حکم دیا کہ یہ سر نواب ضابطہ خان اور نواب مظفر جنگ کے پاس شناخت کے لیے لیجاؤ اور شاہ مدن بیرزادے کو بھی جو حافظ رحمت خاں کو پہچانتے تھے دکھاؤ نواب ضابطہ خاں نے دیکھکر کہا کہ "واقعی یہ سر حافظ رحمت خاں کا ہے"

[1] دیکھو قصر التواریخ ۱۲

دوسرے کا نہین اور نواب مظفر جنگ نے یہ کہا کہ اسی ریش فش (طمطراق) پر جناب عالی سے لڑنے کو آمادہ ہوے تھے"، دیکھتے ہو شیر کا سر ہے۔ الٰہی اِکتنگر بھی جاتا تو جوانمرد خودداروں کے پاس جاتا نہ کہ ایسے بے حمیتوں کے پاس جنھون نے اپنے باپون کا نام ڈبو دیا تھا۔ شاہ مدن اہل دل تھے آنکھون مین آنسو بھر لائے اور کہا کہ "ہان یہ اُسی مسلمان کا سر ہے"۔ اس بات سے شجاع الدولہ کو بہت رنج ہوا مگر بظاہر تاسف کیا اور کہا کہ ان سے یہ توقع نہ تھی یہ دوسرون کا کام ہے پھر کچھ دنون کے بعد شجاع الدولہ نے شاہ مدن کو قید کر دیا[۱]

شجاع الدولہ نے پالکی خاصہ بھیجکر حافظ صاحب کی لاش میدان سے منگا کر سر اُسکے ساتھ سلوا کر عزیز خان رسالہ وار کے ہمراہ بریلی کو روانہ کی یکشنبہ کے دن صبح کو قاضی مفتی علما شرفا سادات اور فقرا نے جمع ہو کر تجہیز و تکفین کی اور ظہر و عصر کے درمیان شہر کے باہر غربی جانب دفن کیا قبر مین اُتارنے کے وقت تک گردن سے خون جاری تھا۔ چند سال کے بعد ذوالفقار خان نے اُن کی قبر پر مقبرہ بنوایا۔ جب وہ عمارت پُرانی ہو گئی تو ۱۲۳۵ھ ہجری مین لارڈ ماڑا کے حکم سے پیلی بھیت کی عمارت فروخت کرا کے اُسکی قیمت سے گنبد اور ضروری عمارات بنوائی گئین اُن کی وفات کی تاریخ یہ ہے **فی جنتی داخل** ۱۱۸۸ھ ہجری۔ محبت خان خلف حافظ رحمت خان نے اس مادے کو زبان عربی مین اس طرح موزون کیا ہے۔

---

[۱] مصطلحات وارستہ مین ریش وفش کے یہی معنے لکھے ہین ۱۲ [۲] دیکھو عماد السعادت ۱۲

عربی

ادامات حان الصبیر الکبیر علی سنة المصطفی عامل
سئلنا من الله تاریخه فقد قال فی حقی داخل

ایک صاحب نے حافظ صاحب کے مارے جانے کی تاریخ لطافت تعمیہ کے ساتھ اس طرح پائی ہے۔

فارسی

چوار لفظ ظفر تاریخ حتمد بیرلے تاتی سر حافظ بر پدند

لفظ ظفر کے اعداد برکہ گیارہ سو اسی ہیں علاوہ لفظ سر حافظ کے کہ ح ہے ملانے سے سال مطلوب یعنی ۱۱۸۸ھ ہجری حاصل ہوتے ہیں۔
ایک شخص نے تاریخ اس طرح لکھی ہے۔

فارسی

سال پرسیدم از قاصد کہ چوں شد دو انگشت از چہار انگشت ختم کرد

ایضاً

جو شد حافظ الملک راہی بہشت بشوق بہشت از یں جہان کرد بید ود
شدم طالب سال تاریخ فوتش بگفتا خرد حافظ مومنان بود

ایضاً

رحمت سرشت حافظ ملک و نصیر جنگ چون کرد سوی خلد روان الغنا سفر
روز شہادت وی و تاریخ ماہ و سال آن روز سبت یازدہم بود از صفر

تاریخ پشتو

آن حافظ جان حافظ دین بعد شہادت چون رفت سوی خلد برین بہر تماشا
رضوان پئے تعظیم زجا جست وہمی گفت درمعنیٔ تاریخ کہ **خانا دِل رَاشا**
(آگاہ ہو ادھر آ)

تاریخ اُردو

حافظ کہ جو رحمت مین وہ مستغرق ہے اُسکے غم مرگ سے دل اپنا شق ہے
از بسکہ وہ حافظِ کلامِ حق تھا تاریخ بھی حافظ کلام حق ہے

مرزا رفیع السودا نے ایک قصیدہ شجاع الدولہ کی مدح مین اس فتح کی تہنیت مین لکھا ہے اُس مین حافظ صاحب کے مقتول ہونے کی تاریخ یون نظم کی ہے۔

اشعار

آیا عمل مین تیغ سے تیری وہ کارزار دیکھا جسے نہ ترک فلک نے بروزگار
بے سر ہوے ہین آج یہ سرکش کہ گرنہال خاک اُنکی پر ہو تو نہ ثمر لائے شاخسار
اسباب پر حریف کے آپسمین لگتے داؤن لشکر مین اپنے بیٹھ کے جب کھیلتے قمار
حق ناشناس قوم تھی یہ غرہ اس قدر غارت کی ہر نبرد کے لیتے تھے یہ اُدھار
لیکن خدا کے فضل سے یان ناگرفتہ قرض جو لائے تھے سو ہے گئے رکھانہ ایک تار
شمشیر و دست و بازو کے ہین یہ بہت بلی اپنا تو حرف حق سے گذرنا نہین شعار
پروہ جو ہین غلام غلام اس جناب کے آگے قدم اُنھون کے نہین انکا استوار
جرأت مین اُنکی حرف نہین پر یہ کیا کرین صحبت نہ دل نے اُنکے تہور سے کی برار
اُنہین سے اس غلام کے تھے اکثر آشنا مین نے کہا اُنھون سے کہ تم جیسے جانگذار

یک قوم و یک برادری و یک گروہ کے　　ہو سامنے حریف کے بے حد و بے شمار
حافظ کی لاش ڈال گئے معرکے میں تم　　فتح و شکست مردوں کو ہے پر یہ اضطرار
اُن میں سے ایک نے دم سرد یہ کہا　　خواہش خدا کی یوں تھی۔ تھا کیا اختیار
لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں　　آوے تجھے سخن کا ہماری گر اعتبار
تھی سامنے ہمارے جو فوج ہراول　　ہو گئے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار
سنتے ہیں اس ہر ایک سے اُس فوج کے یہی　　سرکردے تھے سمیت فرنگی کے پانچ چار
محبوب و درست و لطافت تھے بکمال　　یک سو تھا میر سیدؔ علی مستعد کار
لیکن اُنھوں کو آدمی کہیے کہ دیو و دد　　اُنکا قدم وغا میں یہ پایا ہم استوار
ایدھر سے بان اور ہکلہ و توپ متصل　　پڑتی تھی پر وہ بڑھتے ہی آتے تھے سرگذار
بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے چلنے داہنے　　اُس بیلے پر جہاں سے حرائل کی ہو دو مار
مارے دو گولہ توپ میں تھا یا وہ باد تھی　　جسے کہ قوم عاد اُڑا لی تھی جوں غبار
فرصت کسی نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے　　بندوق و تیر و تیغ سے جا کمین کارزار
تھے ہاتھیوں پہ بیٹھے جو حافظ کے ہمتیں　　ساتھ اُسکے ہم پیالہ و ہم نوالہ خوار
بھاگے وہ اس طرح سے کہ کہتی تھی اُنکو خلق　　بھاگا وہ دور دیکھو جاتے ہے میدان کو ہار
ہو یہ غضب تو لاش کا حافظ کی ذکر کیا　　بیٹا بھی اُسکے چھوڑ گیا باپ بے قرار
حافظ کی لاش ہمسے نہ اُٹھی تو مرد ہم　　جاگہ نہیں ہے طعن و تعرض کی ہم پہ یار
لازم یہ تھا اُسے کہ ہوا ایسے کے سامنے　　ہمت میں اور کرم میں جو ہے طاق روزگار

حافظ نے سر دیا نہ دیا زر ہوئی ہے یہ
تاریخ اُس کے موت کی کر کے عدد شمار

سلہ یہ وزن سے گرتا ہے ۱۲

حافظ رحمت خان کے اخلاق وعادات وغیرہ

حافظ رحمت خان ۱۱۲۲ھ ہجری مین پیدا ہوے تھے یہ چار برس کے تھے کہ ان کے باپ شاہ عالم خان بدایون کے قریب مارے گئے۔ نواب سید علی محمد خان نے حافظ صاحب کو اپنے پاس بلالیا۔ اور نہایت خاطر سے اپنے پاس رکھا حافظ الملک کچھ دنون نواب سید علی محمد خان کے پاس رہکر اپنی شادی کے لیے وطن کو لوٹ گئے بعد کئی برس کے نواب سید علی محمد خان کی خدمت مین آئے۔ اٹھارہ برس نواب موصوف کے ہمراہ رہے ۱۱۶۲ھ ہجری مین نواب سید علی محمد خان نے انتقال کیا تو اُن کی اولاد کی خدمت اور کارگذاری زیادہ ان ہی نے کی اور جب کہ ملک روہیلکھنڈ کی تقسیم ہوئی اور ہر ایک امیر کے لیے علٰحدہ علٰحدہ جاگیر قرار پائی تو سب سے زیادہ حصہ اُن ہی کے قبضے مین رہا۔ دوستو! دُنیا کے معاملات ایسے ہی ہین موقع پاکر اگر اُنھون نے ناحق شناسی کی تو اہل دنیا کا دستور پورا کردیا۔ حافظ صاحب نے سرسٹھ سال اور چند ماہ کی عمر پائی۔ چوّدہ بیٹے اور نوّ بیٹیان اُن کے صلب سے پیدا ہوئین بیٹون کے یہ نام ہین (۱) عنایت خان (۲) ہمت خان (۳) ارادت خان (۴) محمد عمر خان (۵) محبت خان (۶) محمد یار خان (۷) محمد دیدار خان عرف منگل خان (۸) ذوالفقار خان (۹) الہ یار خان (۱۰) مستجاب خان (۱۱) محمد اکبر خان (۱۲) عظمت خان (۱۳) حرمت خان (۱۴) غلام مصطفےٰ خان۔

سلسلۂ عالیہ مین مذکور ہے کہ سید معصوم سے حافظ رحمت خان کو بیعت تھی

حکی اولاد اب تک نومحلے والے سید کے نام سے مشہور ہے اور انکی شہرت کی اس نام کے ساتھ یہ وجہ ہے کہ محمد مسیح الملقب بہ حیر اندیش خاں ثانی فرزند اول محمد خاں کسوہ المخاطب بہ حیر اندیش خاں عالمگیری جن دنوں کٹھیر کا ناظم تھا تو اُسے بریلی میں ایک قلعہ تعمیر کرا کر اُسکا نام حیر نگر رکھا مگر اُس کی شہرت اس نام سے تو نہ ہوئی ملکہ نومحلہ مشہور ہو گیا جب حافظ رحمت خاں بریلی پر مسلط ہوئے تو اُنھوں نے اُس قلعہ کو لاوارث پا کر میاں معصوم کو دیدیا جس میں اب تک اُنکی اولاد آباد اور قابض ہے۔ یہ میاں سید معصوم سید احمد عرف شاہ جی میاں کے بیٹے ہیں جو سید علی بابا کی اولاد میں سے ہیں اور سید علی بابا سادات ترمد سے ہیں اور سادات ترمد سید محمد مدنی ابن سید حسام الدین خلف سید شاہ ناصر کی نسل سے ہیں جنکا سلسلۂ آبائی ابو عبداللہ حسین اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید کربلا تک پہونچتا ہے۔ سید حسن ابن سید موسی ابن سید علی ابن ابو عبداللہ حسین اصغر مدینے سے ترک سکونت کر کے ترمد کو چلے گئے تھے اُس کے بیٹے سید محمد جو ہمراہ تھے وہ شاہ ناصر ترمدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور حسین اصغر سادات مدینۂ منورہ کے جو بنی حسین کہلاتے ہیں مورث ہیں انھوں نے ۱۵۷ھ ہجری میں وفات پائی تھی[1]

ایک انگریزی مورخ کا بیان ہے کہ حافظ رحمت خاں بہادر اور حوصلہ مند آدمی تھے۔ مگر اُنکی دور بینی نے اُن کے ذاتی اوصاف کو مغلوب کر رکھا تھا۔

---

[1] دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ سید ولی اللہ

اُنکی حوصلہ مندی کے بڑے موقع کو ۱۵۷۱ء عین کامل صدمہ پہونچایا۔ اُنکا قانون سوداگرون پر محصول معاف کرنے کا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اُنھون نے کسی بڑے ملکی انتظام کی فکر کی تھی لیکن اُنکی طبیعت مین لالچ بڑھ گیا تھا جو آخر کار اُنکی تباہی کا باعث ہوا وہ اکثر وباؤ کے موقع پر جان بچانے کو وعدہ کر لیتے تھے مگر پورا کرنے کا اُن کا ارادہ نہین ہوتا تھا۔ وہ مذہبی معاملات مین بڑے متعصب تھے اُنکے قواعد ایسے سخت تھے کہ اُنکا برتنے والا آج کل وہابی کہلاتا ہے اُن کا مؤرخ اُنکی پابندی زہد اور واقفیت مسائل فقہ کی بڑی تعریف کرتا ہے اُن کو یتیم۔ بیوہ اور نابینا لوگون کے ساتھ احسان کرنے کا زیادہ شوق تھا مگر عام رحمدلی اور مذہبی مروت کا اُنکو کچھ لحاظ نہ تھا۔ چنانچہ بیٹے کے ساتھ اُنکی بدسلوکی اُن کے مزاج کی سختی پر گواہ ہے۔

جام جہان نما کے مؤلف کا قول ہے کہ حافظ رحمت خان حفظ قرآن اور علوم دین اور تواضع اور کرم اور تقویٰ اور دیانت کے ساتھ متصف تھے۔ جس قدر اسلام کے رسوم اور دین کی باتین اس قوم مین جاری ہین وہ دوسری جگہ نہین مگر اُن کے بعض دنیاوی معاملات اُنپر محبت مال غالب ہونے کی وجہ سے خراب ہو رہے تھے۔

حافظ صاحب کی صحبت مین عبید اللہ خان کشمیری اور خان محمد خان حافظ صاحب کے بھانجے نہایت خراب آدمی داخل تھے مکر و دغا اور جھوٹ و فریب کے دونون پتلے تھے اور اپنے ہمعصرون مین پرلے درجے کے سمجھے جاتے تھے دفتر کے دفتر اُنکی سیاہ کاری سے سیاہ پڑے تھے۔

کرنیل چمپین صاحب کی نواب شجاع الدولہ کی نامردی اور ناقابل اعتبار ہونے کی بابت رائے

کرنیل چمپین صاحب نے پٹھانوں کی بہادری اور دلیری اور جوانمردی کی جو تعریف کی وہ اوپر بیان ہوئی۔ اب جو وہ شجاع الدولہ کا حال بیان کرتا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں حیران ہوں کہ کیا کروں شجاع الدولہ کو اس فتح کی تہنیت دوں یا اس کی نامردی پر لعنت ملامت کروں۔ مجھے اس کا حال بیان کرنا ضرور ہے تاکہ گورنمنٹ انگریزی جان لے کہ یہ ہمارا دوست ایسا ہے کہ ذرا بھی اعتبار کے قابل نہیں لڑائی سے ایک رات پہلے میں نے بعض خاص توپیں اس کی مانگیں مجھے اس کی لڑائی میں بڑی ضرورت تھی مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور میرے کام میں انکو نہ آنے دیا۔ وعدہ کیا کہ کل میں آپ کے ساتھ سارا لشکر لے کر موجود ہونگا اور سب طرح کی مدد کرونگا اور سواروں کو لیے پاس کھڑا ہونگا جو ہدایت ہوگی اس پر عمل کرونگا۔ مگر وہ لڑائی میں پاس کیا آتا دور ہی ٹیلے پر وہاں کھڑا رہا جہاں میں نے اس کو لشکر لیے صبح کو دیکھا تھا۔ جب فتح کی خبر پہونچی تو اسی وقت فوج لے کر میدان میں آن کودا اور روہیلوں کے کیمپ کو خوب دل کھول کر لوٹا۔ اس پر سپاہ کمپنی نے جو قواعد کی پابند تھی ایک اپنے افسر سے کہا کہ فتح کی عزت ہمکو حاصل ہوئی مگر اس کی منفعت ان لٹیروں کو ملی۔"

روہیلون کی فوج کا شکست پانے کے بعد مقام لال ڈانگ مین پناہ لینا

حافظ رحمت خان کے مارے جانے اور روہیلون کی فوج کو پوری شکست ہونے کے بعد انگریزی فوج نے تین روز تک مقام کیا ہزیمت یافتون کے متعاقب کوچ نہین کیا اس لیے یہ تمام بھاگی ہوئی جماعت اپنے اپنے گھرون کو زندہ پہونچ گئی۔ نواب سید فیض اللہ خان کہ کثرت عقل و دانش اور خزانہ کی وجہ سے سب سے ممتاز تھے ہر روزہ چل کر رام پور آئے اور سامان و اسباب و خزانہ و اہل و عیال لے کر مرادآباد اور نجیب آباد ہوتے ہوے لال ڈانگ چلے گئے جو نجیب آباد سے آٹھ کوس کے فاصلے پر شمال کی طرف واقع ہے جیساکہ مساکن فلسفی مین مذکور ہے اور اپنی حفاظت کے لیے مورچے تیار کرالیے۔ عمر خیلیون نے نواب صاحب کے ساتھ ناشایستہ حرکات کین اُنکی یہ باتین نواب صاحب کو بے حد ناگوار گذرین کیونکہ وہ لوگ اسی خاندان کے تربیت یافتہ اور از خاک بر داشتہ تھے لیکن نواب صاحب نے اُنکی حرکات سے اغماض کرکے انتقام منتقم حقیقی کے سپرد کیا۔

روہیلکھنڈ گزیٹیر مین جو یہ لکھا ہے کہ نواب سید فیض اللہ خان رام پور سے روانہ ہوکر بجنور کی طرف گئے وہان پر نواب ضابطہ خان کے پاس چند روز پتھر گڑھ کے قلعہ مین قیام کرکے وہان سے اپنے قدیمی پناہ گاہ یعنی مقام لال ڈانگ مین جا چھپے۔ یہ صحیح نہین اس لیے کہ ضابطہ خان ایک ہزار سپاہ کے

ساتھ شجاع الدولہ کے ساتھ موجود تھے بلکہ بحیثیت حامیوں نے تو نواب فیض اللہ خاں کے ساتھ نہایت بے ادبی کا برتاؤ کیا جیسا کہ شرح شرح سے ثابت ہے پھر نواب صاحب کس طرح تیغ گڑھ میں رہ سکتے۔

حافظ رحمت خاں کے مارے جانے کے بعد روہیلوں کے سردار نواب سید فیض اللہ خاں ہی مانے جاتے تھے اور اصل میں بھی وارث جائز اس ملک کے یہی تھے اور اپنے دین و دانش کی وجہ سے اسکی قابلیت میں درجہ اتم رکھتے تھے ہر روز اُن کے پاس روہیلوں کی جماعت اکٹھی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ احمد خاں بخشی اور احمد خاں خانساماں میدان جنگ سے ہر دورہ چلکر آنولے آئے اور رات ہزار حرانی کے ساتھ کاٹ کر صبح کو تمام سامان اور اسباب اور اہل و عیال کو لے کر رسولی اور مراد آباد ہوتے ہوئے لال ڈانگ میں اُس سے جاملے اور مستقیم خان کہ نہایت کال اندیش آدمی تھے معرکہ سے نکل کر بریلی سے اپنے متعلقین کو لیکر لال ڈانگ پہونچ گئے اور محمد حسن خاں اور عبد الجبار خاں اور سیف الدین خان اس پر مول خان اور ملا سیار خاں وغیرہ بڑے بڑے عہدہ دار بھی لال ڈانگ پر نواب سید فیض اللہ خانی بہادر کے پاس پہونچ گئے۔

حال صاحبزادہ سید محمد یار خان ابن نواب سید علی محمد خان بہادر

سید محمد یار خان نواب سید فیض اللہ خاں کے چھوٹے بھائی ہو زندہ تھے انھوں نے چاہا کہ نواب سید فیض اللہ خاں کے پاس لال ڈانگ کو

چلے جائین۔ چنانچہ اپنے سامان اور اہل وعیال کو لے کرٹانڈے سے نکلے بسولی اور سنبھل ہوتے ہوئے لال ڈانگ کے ارادے سے چلے سنبھل کے قریب فیروزپور مین اُنکا سالا محمد علی خان ابن پایندہ خان اُنسے ملا اُس نے صاحبزادہ صاحب سے کہا کہ راستہ نہایت خطرناک ہے راجپوتون نے چارون طرف سے راستہ بند کر رکھا ہے لال ڈانگ نہ جانا چاہیے۔ دوندے خان کے متعلقین بسولی مین اور نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم آنولہ مین موجود ہین۔ حافظ صاحب کے عیال واطفال پیلی بھیت مین بیٹھے ہین۔ موسم گرمی کا ہے بچے گرمی سے ہلاک ہو جائینگے۔ یہی بہتر ہے کہ اپنے مکان مین جا کر رہیے۔ کہین آنے جانے کا ارادہ ملتوی کیجیے چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور آنولہ مین اپنی حویلی مین ٹھہر گئے۔

دوندے خان اور حافظ رحمت خان کی اولاد کا حال

محب اللہ خان اور فتح اللہ خان بسولی مین اطمینان کے ساتھ ٹھہر گئے کیونکہ ان کے ساتھ نواب شجاع الدولہ کا کرر عہد وپیمان ہو چکا تھا۔

حافظ رحمت خان کے بیٹے پیلی بھیت کو بھاگ گئے۔ گلستان رحمت کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حافظ صاحب ذوالفقار خان کو بریلی کی حفاظت پر مامور کر گئے تھے اُسنے بریلی مین شہر کے رئیسون کو جمع کر کے شجاع الدولہ کے پاس ایک سفارت روانہ کرنے کا قصد کیا تھا مگر لڑائی کے ختم ہونے کے بعد رات ہی کو شجاع الدولہ کے سوارون نے بریلی پر قبضہ کر لیا۔ حافظ صاحب کے

پیٹے ناقہمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے پیلی بھیت سے نکلے جنگل دامن کوہ کا
اُنکے مقام سے نہایت قریب تھا سواری اور بار برداری افراط سے موجود تھی
کاش اگر اُن کو سواری اور بار برداری بھی نہ ملتی تب بھی رہبہ پا نکلے ہوتے
چار پانچ کوس کا جنگل طے کرنا کیا مشکل تھا محبت خاں شاہ ابوالفتح کی معیت
میں جنگل تمار اُس وقت کے نامی مشائخ میں تھا یکشنبہ کی نصف شب کے
وقت پیلی بھیت سے نکلا اور شجاع الدولہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا اور
ذوالفقار خاں بھی جو بریلی میں تھا اسی شب کو دیوان پہاڑ سنگھ کے مشورے
سے شجاع الدولہ کی ملازمت کے ارادے پر روانہ ہوا جسکہ ذوالفقار خاں
شجاع الدولہ کے لشکر کے قریب پہونچا تو ہرکاروں نے اُس سے دریافت کیا کہ
کہاں کا قصد ہے بیان کیا کہ شجاع الدولہ کے پاس جاتا ہوں اُنھوں نے
شجاع الدولہ کو خبر پہونچائی اُس نے خواجہ لطافت کو ذوالفقار خاں کے پاس
بھیجا اور یہ حکم دیا کہ ذوالفقار خاں کو ڈیرہ ملازمت میں لیجائے اُس دن
تو ملاقات نہ ہوئی۔ دوسرے دن شام کے قریب محبت خاں بھی شجاع الدولہ
کے لشکر میں پہونچ گیا شجاع الدولہ نے محبت خاں کے پاس مرتضیٰ خاں کو
بھیجا کہ وہ اُس کو ڈیرہ ملازمت میں لیجائے۔ ۱۳ ارصفر دوشنبہ کی صبح کو
شجاع الدولہ سے ذوالفقار خاں اور محبت خاں کی ملاقات ہوئی جب
یہ دونوں بھائی مدرین دکھا کر بیٹھے تو شجاع الدولہ نے تالیف کے لیے
فرمایا "خوب ہوا تم یہاں آگئے" پھر مرزا حبیب بیگ ملکے سے کہا کہ ہم میں
اور حافظ جیو میں بڑی محبت تھی یہ دن جو سامنے آیا اسکا خیال بھی نہ تھا

حافظ جیو سے بھی کوئی قصور سرزد نہین ہوا جو کچھ کیا بہار الدولہ عبید اللہ خان کشمیری اور خان محمد خان حافظ جیو کے بھانجے نے کیا" پھر ایک ایک خلعت دونون بھائیون کے لیے طلب کیا۔ محبت خان نے عرض کیا کہ اگر ہماری سرافرازی منظور ہے تو کل آپ کا لشکر پیلی بھیت مین پہونچیگا وہان خلعت مرحمت ہو تاکہ یہ حال دیکھ کر سب متوسلون کے دل مطمئن ہو جائین شجاع الدولہ نے منظور کر لیا اور اُسی وقت محبت خان کو پیلی بھیت کو بھیجدیا اور ذوالفقار خان کو اپنے پاس رکھ کر پیلی بھیت کی روانگی کا عزم کیا اور محبت خان کے روانہ ہو جانے کے بعد یہ کارروائی کی کہ شیدی بشیر غلام حبشی کو جو اپنی فوج کے ساتھ پیلی بھیت کی راہ مین مقیم تھا یہ حکم لکھا کہ محبت خان پیلی بھیت کو جاتا ہے اُسکو کسی حیلے سے اپنے پاس رات کو ٹھہرا کر صبح کو ساتھ لے کر پیلی بھیت کا محاصرہ کرکے کسی کو نہ نکلنے دے۔ شیدی نے تعمیل کی اور ۱۳ صفر کو پیلی بھیت کا محاصرہ کر لیا۔ جو رعایا اس سے قبل شہر سے باہر نکل گئی تھی وہ تو بچ گئی باقی سب گھر گئے۔

محمد یار خان۔ الہ یار خان۔ حرمت خان۔ غلام مصطفیٰ خان۔ محمد اکبر خان وغیرہ حافظ صاحب کے بیٹے کہ سب جوان صاحب عیال و اطفال تھے نواب شجاع الدولہ کی آمد آمد کا حال سنکر خوشی کے مارے جامے مین پھولے نہین سماتے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ نواب شجاع الدولہ ہمارے والد کی تعزیت اور ہمیں بحالی ملک و دولت کے لیے آتے ہین۔ ادبار و نکبت اُن کے سرون پہ سوار تھے وہ کیسے ایسے دشمن خاندان افاغنہ کے پھندے سے نکلنے دیتے۔

دامن کوہ کا جنگل یہاں سے گیا ور تھا ارادت خاں حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد صاحزادہ سید محمد یار خاں ابن نواب سید علی محمد خاں کے ساتھ میدان جنگ سے نکل کر ٹانڈے پہونچا اور وہاں سے بسولی کو فتح لعبہ کے پاس چلا گیا۔

شجاع الدولہ دو تین کوچ کر کے مع انگریزی فوج کے ۱۶ ارصفر کو پیلی بھیت کے متصل پہونچ گئے اور قلعہ دیوہا کے قریب جہاں حافظ رحمت خاں کے عیال واطفال محصور تھے خیمہ زن ہوئے اور ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ تمام شہر کے باشندے گھوڑے اور ہتھیار محصلوں کو دے کر شہر سے نکل جائیں اور اپنا مال واسباب سر چھپائیں۔ سیدی بشیر کے آدمیوں نے شہر کے لوگوں سے ہتھیار اور اسباب چھین کر شہر سے نکال دیے اور کچھ قید کر لیے اسکے بعد شجاع الدولہ نے محبت خاں کو حکم بھیجا کہ حافظ صاحب کا خزانہ بتاؤ محبت خاں نے جواب دیا کہ "اگر خزانہ ہوتا تو نوبت اس دن کو نہ پہونچتی"۔ اسکے بعد یہ حکم دیا کہ "ایک دو روز کے لیے محلسرا خالی کر دو اور سب متعلقین کو لے کر لشکر میں چلے آؤ۔ مستورات کا زیور اور دوسرا اسباب وہاں چھوڑ دیا جائے تاکہ ہمارے آدمی خزانے کی تلاش کریں۔ تحقیقات کے بعد تمکو ہر طرح کے احسانات کے ساتھ پیلی بھیت کے قلعہ میں رکھا جائیگا"۔ اس حکم کے موافق ۱۸ ارصفر کو محبت خاں نے تمام عورتوں اور بچوں اور بھائیوں سے زر و زیور اور اسباب لیکر سیدی بشیر کے سپرد کر دیا اور پہنے کے کپڑے مکانات میں چھوڑ دیے اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر اور ایک قیچی ہاتھ میں لیکر سیدی بشیر کے

آدمیون کے ہمراہ شجاع الدولہ کے کیمپ مین چلا گیا۔ اسکے بعد شیدی مذکور کے آدمیون نے حافظ صاحب کے عیال واطفال کو کشان کشان بیحرمتی اور رسوائی کے ساتھ حویلی سے نکال کر رتھ اور چھکڑون مین سوار کرا کر اُس ڈیرے مین اُتارا جو اُن کے لیے شجاع الدولہ کے کیمپ مین کھڑا کیا گیا تھا۔ اور بسنت علی خان نے تلنگون کی تین کمپنیان ہمراہ لا کر اُس ڈیرے کے آس پاس مقرر کر دین اور اس بندوبست کے بعد حسن رضا خان محبت خان کے پاس آیا اور شجاع الدولہ کا یہ پیغام پہونچایا کہ"مین آج چاہتا تھا کہ تمکو سرافرازی کا خلعت دون لیکن دنبل کی تکلیف کی وجہ سے جو شب گذشتہ سے پیدا ہوا ہے طبیعت بیچین ہے اگر ایک دو روز مین آرام ہو گیا تو وعدہ وفا کرونگا"۔ حافظ رحمت خان کے خزانے کی تلاش مین بہت سی زمین کھود ڈالنے پر بھی کوئی چیز دستیاب نہ ہوئی۔ شجاع الدولہ شیدی بشیر کو حافظ رحمت خان کے کارخانون کی ضبطی اور شہر کی لوٹ کے لیے چھوڑ کر اور حافظ صاحب کی اولاد اور عورتون کو ساتھ لے کر خود بریلی کو مع فوج انگریزی کے آئے خان محمد خان مع بھائیون کے بریلی مین موجود تھا اور نواب شجاع الدولہ کی تشریف آوری کی گھڑیان گن رہا تھا کہ کب نواب موصوف آوین اور مجھپر مہربانی اور تفضلات مبذول کرین۔ شجاع الدولہ نے اُسکو مع عیال واطفال گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لیا۔ محب اللہ خان وغیرہ دوندے خان کی اولاد نے اور نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم نے یہ واقعات سنے اور پھر بھی بسولی اور آنولہ سے روانہ نہ ہوئے۔ شجاع الدولہ کچھ روزون بریلی مین ٹھہرے اور یہان کا بندوبست

کرکے آولہ کو چلے گئے۔

ہزیمت کے بعد نواب سید سعداللہ خاں کی بیگم پر کیا گزری؟

نواب سید سعداللہ خاں کی بیگم کو جب حافظ رحمت خاں کی شکست کی خبر پہونچی تو انھوں نے شجاع الدولہ کے پاس ایک عرضی میاں حسن شاہ کی معرفت اس مضمون کی بھیجی کہ اس بیوہ کے باب میں کیا حکم ہے میرا کوئی وارث نہیں ہے اگر میری جلا وطنی اور تاراجی مد نظر ہے تو حکم ہو کہ میں اپنا تمام سامان لدوا کر آپ کے لشکر میں بھیجدوں اگر میری حرمت محفوظ رہنے کا اقرار کیا جائے تو میں بھی حکومت کی فرماں برداری میں حاضر ہوں۔ میرا بھی آپ پر حق ہے اسلیے کہ میں آپ کے بھائی نواب سید سعداللہ خاں کی ناموس ہوں جس نے آپ کے بڑے بڑے کام کیے ہیں"۔ اس درخواست پر نواب شجاع الدولہ نے کئی تھتے بیگم کے پاس تسلیاں دینے والے مضامین کے لکھکر بھیجے اور شاہ صدق علی کو میاں سید معصوم کے ساتھ بیگم کے پاس بھیجا کہ بیگم کو ہماری طرف سے دل دہیاں کی قسم کے ساتھ مطمئن کردے اور بیگم کو کہلا بھیجا کہ تم کوشش کے ساتھ آولہ کے شور وشر کو دفع کرنے میں ثابت قدمی اختیار کرو اور آولہ کی رعایا کو پریشاں نہ ہونے دو۔ تمھارے مصارف کے لیے جو تین لاکھ روپے مقرر ہیں ہم اُس سے زیادہ مقرر کریںگے۔ بیگم ان پیاموں کی وجہ سے آولہ سے نہ نکلی۔ حق یہ ہے کہ بیگم کیا کرتی اُس نے کئی بار چاہا کہ آولہ سے چلی جائے جھگڑوں پر اسباب لدوایا مگر مولوی سلام جیلانی خاں بیگم کو قسم دیتے تھے

کہ کسی طرف کا قصد نہ کرو آنولہ مین رہنا تمھارے لیے بہتری کا سبب ہے۔

فتح اللہ خان کا شجاع الدولہ کے لشکر مین حاضر ہونا

فتح اللہ خان اس خیال سے کہ نواب شجاع الدولہ ملک مجھکو دیدینگے بسولی سے کوچ کرکے بریلی کے پاس شجاع الدولہ کے لشکر مین داخل ہوا اور سالار جنگ کی معرفت اُن سے ملا اور ارادت خان کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا جو بسولی مین مقیم تھا اور جسنے اپنے بھائیون کی گرفتاری کا حال سُنکر یہ چاہا تھا کہ پہاڑ کو چلا جائے۔ مگر فتح اللہ خان نے اُسکو روک لیا۔ فتح اللہ خان کے ساتھ جس قدر کارندے اور دولت خواہ تھے سب نے خان مذکور کو سمجھایا کہ اگر تمکو کشود کار مقصود ہے تو چمپین صاحب کی معرفت شجاع الدولہ سے ملو۔ سالار جنگ سے کچھ حاصل نہوگا۔ جس معاملے مین انگریزون کا قدم درمیان مین ہوگا وہ معاملہ اچھی طرح سُدھر جائیگا۔ خان مذکور نے کسی کا کہنا نہ مانا اور سالار جنگ کی معرفت ملا نواب شجاع الدولہ نے بہت تعظیم وتکریم کی یعنی صیادی کے داؤن گھات پورے طور پر ادا کیے۔ شکار نیا تھا اسکو دلیر کرکے نشانے پر لائے رخصت کے وقت شجاع الدولہ نے ارادت خان کو روک کر سالار جنگ کے سپرد کردیا کہ اسکی خبر گیری کرتا رہے۔

محب اللہ خان کی نجف خان اور ایلچ خان سے ملاقات

محب اللہ خان کو جب یہ حال معلوم ہوا کہ فتح اللہ خان نواب

شجاع الدولہ کے پاس حصۂ ملک و دولت کی سند حاصل کرنے کے لیے گیا ہے
عنقریب اپنے مقصد کو پہونچے گا۔ اب تو اُس کو رشک پیدا ہوا اور آپ بھی
اپنے ملک و دولت کی سند حاصل کرنے کی آرزو میں نواب ذوالفقار الدولہ
نجف خاں کے پاس روانہ ہوا جو بادشاہ کی سپاہ لیے ہوئے ایلچ خاں سفیر
شجاع الدولہ کے ہمراہ روہیلوں کے استیصال میں شریک ہونے کو دلی سے
آرہا تھا اور اُس کے پہونچنے سے پیشتر ہی انگریزی سپاہ نے اُنکا کام تمام کردیا
تھا۔ مرزا کا لشکر انوپ شہر کے گھاٹوں کو عبور کرکے امرات کے علاقے میں
پہونچا کہ محب اللہ خاں اُنکے لشکر میں داخل ہوا اور گرمجوشی و اختلاط
پیدا کرنے لگا شجاع الدولہ مرزا کو اور ایلچ خاں کو پہلے سے لکھ چکے تھے
کہ دریائے گنگا کو جلدی عبور کرکے سولی پہونچکر محب اللہ خاں کو قید اور
سولی کا محاصرہ کرلیں تاکہ کوئی پٹھان اور کسی پٹھان کا مال و اسباب کہیں
نکلنے نہ پائے۔ محب اللہ خاں کو اُنھوں نے بے تلاش اور بے جنگ
محاصرۂ دام بلا میں گرفتار پایا۔ تو بہت خوش ہوئے اور شکر خدا بجا لائے ورنہ
رستے میں متفکر تھے کہ محب اللہ خاں ایک پہلوان آدمی ہے اُسکا گرفتار کرنا
دشوار ہوگا اور بے خونریزی کے وہ ہاتھ نہ آئے گا۔ سولی کا محاصرہ دشوار ہے
کیونکہ اُس میں ہزاروں پٹھان نواب دوندے خاں کے وقت کے معرکے
دیکھے ہوئے موجود ہیں۔ اس لیے یہ دونوں صاحب ڈرتے ہوئے سولی کی
سمت آرہے تھے اور دو تین کوس کا کوچ کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ شاید
محب اللہ خان سبقت کرکے لڑائی کے لیے آجائے تو عہدہ برآ ہونا دشوار ہے

جبکہ اُنکو خبر پہونچی کہ محب اللہ خان آرہا ہے تو بڑی فکر پیدا ہوئی اور ہرکارے اسلیے بھیجے کہ اُسکے مافی الضمیر سے مطلع کرین کہ کس ارادے سے آرہا ہے۔ ہرکارون نے محب اللہ خان کی سواری دیکھکر اپنے آقاؤن کو خبر دی کہ محب اللہ خان نہایت سادہ طور پر شادان و فرحان آرہا ہے اُس کا ارادہ جنگ کا نہین۔ اگرچہ ہرکارون کی اس تقریر سے کسی قدر تشویش رفع ہوئی مگر اندیشہ رہا کہ مبادا دھوکے اور فریب کی غرض سے اس طرح آتا ہو اور لوٹ لے۔ جب محب اللہ خان پاس پہونچ گیا تو اُن کی روح کا صدمہ دفع ہوا اور ظاہرداری اور تالیف کرکے اپنے ہمراہ لے کر بسولی کو آئے اور بسولی پر سپاہ مستولی کرکے لٹوا دیا۔ اور جس حویلی مین دوندے خان اور محب اللہ خان و فتح اللہ خان کے اہل و عیال تھے اُسے گھیر لیا۔ پھر بھی یہ جوان سادہ لوح نجف خان اور ایلچ خان سے بکشادہ پیشانی رخصت ہوکر حویلی مین گیا اور وہان کا حال دیکھ کر بھی خواب غفلت سے بیدار نہوا اور اپنی مان سے نجف خان اور ایلچ خان کے الطاف کے حالات بیان کیے اور گویا یہ سمجھا کہ یہ پہرے اور تلنگے میرے ہی ہین۔

نواب شجاع الدولہ کا آنولے کو جانا

شجاع الدولہ نے آنولے مین پہونچکر جابجا اشتہار جاری کردیے کہ جو لوگ روہیلون مین ہنوز رام نہین ہوے ہین اُن کو لازم ہے کہ اب زیادہ سرکشی نہ کرین اور خموشی کے ساتھ اپنے اپنے مقام پر بے خوف و خطر رہین

اور نواب سید سعد اللہ خاں کی بیگم کی ڈیوڑھی پر پہرا کھڑا کر دیا اور آنولہ کا محاصرہ کر کے اہل شہر پر آنا جانا بند کر دیا اور رات کو موسہ کے میدان میں ٹھہرے صبح کو دونوں فوجیں بسولی کی طرف روانہ ہوئیں۔

صاحبزادہ سید محمد یار خان کی شجاع الدولہ سے ملاقات

شجاع الدولہ موسہ میں مقیم تھے کہ سید محمد یار خاں نقد دو ہزار روپے اور خیمہ و سر پیچ لے کر شجاع الدولہ کے لشکر میں پہونچے۔ مرزا آغا اور مرزا رمضانی کو جنکی آج کل شجاع الدولہ سے مصاحبت گرم تھی یہ روپے اور چیزیں دیں اور اُنکی معرفت شجاع الدولہ سے ملاقات کی شجاع الدولہ بڑے اخلاق اور دلجوئی کے ساتھ اُن سے ملے اور لڑائی کا حال دریافت کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں اور کسی طرح کا دل میں اندیشہ نہ رکھیں اسکے ساتھ اچھی طرح سلوک کرونگا اور رضاجوئی کی غرض سے ایک چوبدار متعین کر دیا کہ کوئی شخص ہمارے لشکر کا انکی حویلی سے تعرض نہ کرے لیکن بعد اسکے جتنی مدت لشکر میں رہے پھر کبھی اُنکا حال نہ پوچھا۔ ایک دن محمد ایلچ خاں سے دریافت کیا تھا کہ کیا سید محمد یار خاں ہمارے لشکر کے ساتھ آئے ہیں اور کسی قسم کا سلوک شجاع الدولہ نے اُن کے ساتھ نہ کیا اتنا احسان ضرور کیا کہ اُنکی حویلی اور سامان اور اسباب اور گھوڑے ہاتھیوں سے تعرض نہ کیا۔ سید محمد بشیر کو جب آنولہ کی ضبطی کے لیے بھیجا تھا تو اُس کو حکم دیدیا تھا کہ ہمنے سید محمد یار خاں کا مال و اسباب معاف کر دیا ہے کسی طرح کی

اُنکے سامان کے ساتھ مزاحمت نہ ہو جس وقت شیدی بشیر آنولہ مین پہونچا
تو آنولہ کے بہت سے آدمی اُنکی حویلی مین پناہ گزین ہوے اس جگہ پر یہ سمجھنے کی
بات ہے کہ صاحبزادہ سید محمد یار خان کے ساتھ یہ معاملہ محض نواب سید
فیض اللہ خان بہادر کے رعب و داب کی بدولت ہو رہا ہے ورنہ نواب
شجاع الدولہ کی جو فطرت ہے وہ اور جنکے ساتھ معاملے سے ظاہر ہو رہی ہے۔

نواب شجاع الدولہ کا بسولی پہونچکر دوندے خان کی حویلی کو ضبط کرنا

نواب شجاع الدولہ نے منونہ سے کوچ کرکے دریاے سوت کے کنارے
خیمے استادہ کرائے اور انگریز بسولی کے قریب ٹھہرے اور خواجہ بسنت کا
کمپو دوندے خان کے مقبرے کے قریب اُترا۔ شجاع الدولہ نے اپنی فوج
کو بسولی کی لوٹ اور محاصرہ کے لیے حکم دیا جس قدر تباہی نجف خان کی
سپاہ کے ہاتھ سے باقی رہ گئی تھی اُس کو شجاع الدولہ کی سپاہ نے پورا کیا
اور شجاع الدولہ نے دوندے خان کی حویلی کے آس پاس نجف خان کے
پہرون کے ساتھ اپنے یہان سے بھی پہرے کھڑے کرا دیے۔ جب نواب کو
پورا اطمینان ہو گیا تو سالار جنگ کی معرفت فتح اللہ خان کو کہلا بھیجا کہ تم
اپنی مان کے پاس جاکر ہمارا نذرانہ طلب کرو۔ اُس نوہوش نے مان کے
پاس پہونچکر شجاع الدولہ کی عنایات اور خصوصیات کے داستان بیان کیے
اور آپ بھی پہرون مین گھر گیا۔ دوسرے روز شجاع الدولہ خود سوار ہو کر

دوندے خاں کی حویلی میں بھیجے۔ نوجوں کو حویلی کے اندر بھیج کر مستورات کا مال لیا اور مکانات کو کھدوانا شروع کیا دوندے خاں کے عیال و اطفال اور تمام بچوں کو نہایت سختی اور بے رحمی کے ساتھ حویلی سے نکال کر رتھ اور چھکڑوں میں بٹھا کر قیدیوں کے خیموں میں اُتارا۔ شجاع الدولہ ہر روز دوندے خاں کی حویلی میں جاتے اور اُسے کھدواتے اِس خیال سے کہ خزائن اور دفائن نکلیں گے مگر خاک نہ نکلا۔ کنووں میں جو حویلی کے اندر تھے غوطہ خور گھسائے اُنمیں سے چند صندوقچے اور چکیوں کے دو تین پاٹ نکلے اس سے سب کو حیرت ہوئی

روہیلکھنڈ کے قیدیوں کی الہ آباد کو روانگی

شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کے عیال و اطفال اور تمام بچوں اور بریلی اور پیلی بھیت اور آنولہ اور بسولی وغیرہ کے ہزاروں بیگناہ نامآور سرداروں اور عالموں فاضلوں کو رتھ اور چھکڑوں میں بٹھا کر سالار جنگ کی نگرانی میں بسولی سے الہ آباد کو بھیجدیا اور وہاں قلعہ میں قید کردیا اور اُنکا علاقہ تمام و کمال ضبط کرلیا۔ محبت خاں بھی ان قیدیوں کے ساتھ الہ آباد کو بھیجدیا گیا سو روپے روز تمام اسیروں کے مصارف کے لیے اس تفصیل سے مقرر کیے گئے۔ پچاس روپے روز محب اللہ خاں و فتح اللہ خاں اور عظیم اللہ خاں وغیرہ متعلقان دوندے خاں کے لیے اور چالیس روپے روز محبت خاں اور عظمت خاں اور منگل خان اور حرمت خان اور محمد یار خان اور الہ یار خاں اور غلام مصطفے خاں اور اکبر خاں وغیرہ

پسران حافظ رحمت خان کے لیے۔ اور دس روپے روز عنایت خان کے عیال واطفال کے لیے۔ ارادت خان و ذوالفقار خان سعادت علی خان ابن نواب شجاع الدولہ کی سفارش سے قید سے محفوظ رہے تھے۔

شجاع الدولہ کا بسولی مین علیل ہوجانا

شجاع الدولہ کو روہیلون پر ایسی عظیم الشان فتح جس کے ارمان کو اُنکے اسلاف قبر مین ساتھ لیگئے مبارک نہ ہوئی۔ ہفتہ عشرہ کے بعد مقام بسولی مین اُنکی ران مین ایک دنبل جسکو ہندی مین بَدْ کہتے ہین نکل آیا جسکی ابتدا کسی قدر پیلی بھیت ہی سے ہو گئی تھی[۱]۔ اور مشہور اُس زمانے مین یہ ہو گیا کہ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خان کی بیٹی کو شب کے وقت اپنے بستر پر بلایا وہ غیرت کی وجہ سے ایک چاقو زہر سے بجھا ہوا اپنے ساتھ لے گئی اور جب شجاع الدولہ ننگے ہوے تو اُن کے مار دیا مگر اس شہرت کی کوئی اصل نہ تھی[۲] اور بعضے کہتے ہین کہ شجاع الدولہ نے خواب مین دیکھا کہ حافظ رحمت خان نے اُنکی ران مین نیزہ مارا جب آنکھ کھلی تو ران مین درد پایا جسکے صدمے سے ہلاک ہوے جاتے تھے[۳]

لیکن صحیح یہ ہے کہ بَدْ تھی اور اسکا مادہ اتنا بُرا تھا کہ اُس کی تکلیف اور سوزش سے دو تین دن کھانا پینا بند رہا رات دن تڑپنے لگے غش پر غش طاری ہوتا بیقراری کی حالت مین دنبل مذکور کو شگاف دلوا دیا

---

[۱] دیکھو گلستان رحمت و گل رحمت ۱۲ [۲] دیکھو سیر المتاخرین ۱۲ [۳] دیکھو منتخب العلوم ۱۲

پھر تو اُسے اور بھی شدت پکڑ ی۔ ڈاکٹروں اور ہندوستانی طبیبوں نے اُسکے
معالجے میں نہایت کوشش کی مگر کسی صورت سے صحت نہ ہوئی۔ روز بروز
ترقی کرتا تھا جراح یہاں تک دعوے کرنے لگے کہ اگر کسی لکڑی کو شگاف
دے کر یہ مرہم لگایا جائے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ بھی بھر جائے خدا جانے کیسا
زخم ہے کہ مندمل نہیں ہو سکتا ؎

حذر کن ز دود درونہائے ریش کہ ریش درون عاقبت سر کند

شیدی بشیر کا آنولے کی ضبطی کو روانہ ہونا

نواب شجاع الدولہ نے بسولی کی چھاؤنی سے بشیر کو آنولہ کی ضبطی کے
لیے بھیجا اور اُسکو سمجھا دیا کہ صاحبزادہ سید محمد یار خاں اور نواب سید سعد اللہ خاں
کی بیگم اور میاں حسن شاہ کی حویلیوں سے مزاحمت نہ کرے باقی تمام آنولہ کو
لوٹ لے یہ شخص شجاع الدولہ کا غلام زر خرید تھا اور پٹھانوں سے سخت
عداوت رکھتا تھا۔ اُس بے رحم نے پہونچکر تمام آنولے کو تباہ و برباد کر دیا
کوئی تحقیقات نہ کی اپنی آتش غضب میں تر و خشک سب کو جلا دیا۔ رادھاکشن
ایک عطار تھا اُس کے دونوں کان کاٹ لیے اُس کی اِس ظالمانہ
کارروائی نے آنولہ میں تہلکہ ڈال دیا جس کے پاس جو کچھ موجود تھا اُسے
بے طلب لاکر حاضر کر دیا۔ ناک کان کے خوف سے کسی نے اپنے پاس
ایک حبہ باقی نہ رکھا یہ روز بھی طرفہ حشر و نشر کا تھا۔

مولوی غلام جیلانی خان کا حال

مولوی غلام جیلانی خان بسولی مین راجہ بلاس رائے کی معرفت شجاع الدولہ
سے ملے۔ شجاع الدولہ مولوی صاحب کو اپنے خیمے تک ہمراہ لے گئے اور جنگ کا
حال دریافت کرتے رہے۔ بشیر جب آنولہ کی ضبطی کو گیا تو اُس نے مولوی
غلام جیلانی خان کے مکان پر بھی پہرا بٹھا دیا۔ دانہ پانی سب قرق کر لیا مولوی صاحب
کے معتمد شیخ لطف اللہ کو قید کر دیا۔ مولوی صاحب بسولی مین شجاع الدولہ کے
لشکر مین موجود تھے عبد الرحمن خان اور محمد سعد اللہ خان پسران یوسف خان
قندھاری کی سفارش بشیر کے پاس آنولے مین لائے اور اس صورت سے
اُنکی حویلی واگذاشت ہوئی ایک ہاتھی اور کچھ برتن اور کپڑے ضبطی مین آئے اور
جس قدر گھوڑے اونٹ رتھ چھکڑے وغیرہ سامان بسولی مین اُنکے پاس تھا وہ
بھی ان دونون رسالدارون کی وجہ سے محفوظ رہا۔

تذکرہ یوسف خان قندھاری افغانستان سے حافظ الملک کے پاس
آیا تھا۔ اُنھون نے اُسے عہدہ رسالہ داری پر پہونچا دیا تھا اور ہمیشہ اُس کی
عزت کرتے تھے اور ہر حال مین اُسکی رعایت رکھتے تھے اور اُسکی بات کو مانتے تھے۔
اور اُسکے بیٹون کے لیے علیحدہ علیحدہ رسالے مقرر کر دیے تھے۔ جب نواب
ضابطہ خان کو مرہٹون کے ہاتھ سے شکست ہوئی اور مرہٹے روہیلکھنڈ مین
پھیلے تو اس زمانے مین یوسف خان قندھاری پیلی بھیت سے حافظ رحمت خان
کی نوکری چھوڑ کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا تھا۔ شیدی بشیر کی سپاہ مین

شجاع الدولہ نے اُس کو ایک ممتاز عہدہ دیا اور اس خیال سے کہ یہ شخص حافظ صاحب کے متوسلوں میں سے ہے نواب شجاع الدولہ اُسکی بہت عزت کرتے تھے اُسوقت سے مولوی غلام جیلانی خاں کو اُس کے بیٹوں سے تعارف تھا۔

شجاع الدولہ نے روہیلوں کو ایسی بے رحمی اور بے حرمتی کے ساتھ پامال کیا کہ انگریزی فوج سے اُسکو مدد دینے پر لندن کے ہوس آف کامنس اور کورٹ ڈائرکٹرز میں بھی اظہار تاسّف و ملال کیا اور بنی نوع انسان کا کوئی بھی ہمدرد قیامت تک تاریخ کے اس مقام پر آئیگا تو وہ ان مظالم پر دو دو آنسو بہا جائیگا

کاش شجاع الدولہ کی ولادت کی گھڑی اور دن کو سال و ماہ کے دفتر سے مٹا دیتے تو وہ عدم کے خلوت خانے میں عالم خیال و مثال کے لوگوں کے ساتھ رہتا کوچۂ ہستی میں قدم نہ رکھتا اور اُس کے ہاتھ سے ناگفتہ بہ مصیبتیں اسلامی حکومتوں کو نہ جھیلنی پڑتیں۔ اُسے تمام روہیلکھنڈ کو کھدیڑ ڈالا اور سارے ملک میں ہل چل ڈال دی اور تمام شہروں پر جھاڑو پھیر دی کرنل چمپین نے جب یہ حال دیکھا تو گورنر کو لکھا مگر وہ اُس وقت مجبور تھے کہ نواب شجاع الدولہ سے کوئی عہد اس بارے میں نہیں ٹھہرا تھا کہ فتح کے بعد کیا کیا جائے۔ غرض کرنیل عدوور تھا نواب کو سمجھاتا تھا کہ یہ ظلم مت کرو۔

تاریخ ہندوستان جمیس گرینڈ مین لکھا ہے کہ بہادر حافظ رحمت خان کی موت نے اُنکے ملک کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا جو بغیر رحم کے لوٹے جاتے تھے اور اُس کے بد قسمت باشندے ہر ایک طرح کے مظالم کے شکار تھے۔ کرنیل چمپین کہتا ہے کہ "ہمارا برگیڈ فتح کے بعد اس افسوسناک منظر کا ایک شاہد تھا اور ایسا منظر دیکھا جو تذکرے کے قابل نہین"۔ مؤلف تاریخ مذکور لکھتا ہے کہ چمپین صاحب کے اس فقرے سے لارڈ میکالے کے اُس کلام کی ہمکو کنجی مل گئی جو اُنھون نے اپنی فصاحت آمیز تقریر مین کہا تھا (وھوھذا) اس کے بعد خوفناک ہندوستان کی لڑائی خوبصورت وادی اور روہیلکھنڈ کے شہرون مین شروع ہوئی وہ تمام ملک ایک شعلۂ جوّالہ تھا۔ ایک لاکھ سے زیادہ آدمی جنگل اور بن مین اپنا گھر چھوڑ کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ بھوک اور بیماری سے مرنا اور شیر و نہنگ کے مُنھ مین پڑنا اُس ظالم کے پھندے مین پھنسنے سے اچھا ہے جس کے ہاتھ عیسائی گورنمنٹ نے اُن کی جان و مال اور عزت و آبرو جورو بچے سب بیچ ڈالے ہین"

مولوی ذکاء اللہ صاحب نے تاریخ ہندوستان مین لکھا ہے کہ کیا افسوس کی بات ہے کہ وہ لشکر اور افسر جو اپنی بہادری اور شجاعت کا دعوے کرتے ہون وہ بے گناہون کے گانؤن آگ مین جلتے اور بچون کو ماؤن کی چھاتیون پر قتل ہوتے ہوے صاحب عصمت عورتون کو بے عصمت ہوتے ہوے دیکھا کرین اور اُنکی حمایت نہ کرین اور ظالمون کو ظلم کرنے سے نہ روکین۔ غرض ان بہادرون نے آدمیون کو شیرون کے ہمسائے مین بھیجا اور شیرون کی جگہ خنزیرون کو بٹھایا۔

نتیجہ لڑائی کا یہ تھا کہ شجاع الدولہ روہیلوں کے بیخ کرنے میں قتالی بن گیا
اُسے اُنکی ننگ و ناموس اور جان و مال کو خاک میں ملا دیا۔ شجاع الدولہ کے
دل میں اس گروہ کی طرف سے ایسا کینہ تھا کہ اُس نے گورنر سے پہلے ہی کہا تھا
کہ میں اُنکا بالکل استیصال چاہتا ہوں۔ وہی اُسے کر دکھایا۔ کوئی قطعہ روہیلکھنڈ
اس ملک کا ایسا نہ تھا جسکو اُسنے ویرانہ نہ بنایا مگر پھر بھی اُنکا استیصال ہوا۔
ریاست رامپور کہ اُسی روہیلکھنڈ میں خواب نہیں رکھتی روہیلوں کی یادگار باقی
ہے اور شجاع الدولہ کی ریاست کا خاتمہ اُسی کے مددگاروں کے ہاتھ سے ہوگیا
جبکہ روہیلوں کی لڑائی کی خبر کورٹ ڈائرکٹرز کو ہوئی تو اُس نے ایک
مراسلہ ہیسٹنگز صاحب کو نہایت خشونت آمیز نالائم عبارت میں لکھ بھیجا اور
خاص اس بات پر کہ روپیہ کی طمع پر اس لڑائی کو لڑا نہایت تفصیح اور تنبیہ کی
اس لڑائی پر مؤرخوں اور محققوں نے بڑی بحث کی ہے۔
گلیغ صاحب لکھتے ہیں کہ ملکی ضرورتوں کے اعتبار سے دیکھیے یا اخلاق
انسانی کے لحاظ سے غور کیجیے تو میرے نزدیک کوئی کام ہیسٹنگز صاحب نے
ایسا نہیں کیا کہ اُنکی پیشانی پر بدنامی کا ٹیکا لگایا جائے لیکن اگر ہم کچھ سمجھ
رکھتے ہوں تو اس امر کو تسلیم کرینگے کہ بُرا کام کرنا اُجرت پر بُرا ہے لڑائی بھی
ناحق کرنی جب تک دوسرا آپکو نہ چھیڑے بُرا کام ہے اسلیے روہیلوں سے
لڑنا بُرا تھا ناحق خون کرنا بڑی بےعقلی و بےرحمی ہے یہ پیاری صورتیں
اور موہنی مورتیں خدا کی خاص صنعتگری ہے اسکا مٹانا سخت سنگدلی اور
شقاوت ہے۔ روہیلوں کے ساتھ لڑنے کا کوئی اور مقصود نہ تھا سوا اسکے

کہ ایک عمدہ انتظام ملکی کو شجاعت شعار اور معدلت گسار قوم سے لیکر ایک ظالم نامردموذی کو دیدین گورنر اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ مین کیا کرتا ہون۔
میجر سکوٹ جو اس بدکرداری کے لیے عذر کرتے ہین وہ بدتر از گناہ ہے کہ رُوہیلے کچھ اصلی متوطن اس ملک کے نہ تھے یون ہی لٹیرے غارتگر گھس آئے تھے اُنکا ملک سے نکالدینا عین عدالت تھی'' صاحب شاید اُسوقت اپنے تئین بھول گئے۔ اُن کے نزدیک اگر کلکتہ اور مدراس سے انگریزون کو کوئی نکالتا توبھی انصاف ہوتا اُس وقت ایسے غاصب تو ہندوستان مین سو مین نوے تھے۔ اودھ کی سلطنت بھی غصب سے نہ بنی تھی تو کیسے بنی تھی۔ غرض جو اس فعل کی زشت روئی کو ڈھانکتے ہین وہ بیشرمی سے اپنا سارا پردہ کھولتے ہین۔

روہیلون کے علاوہ عام رعایاے روہیلکھنڈ بھی مدتون برباد رہی

بلاس راے بن دیوان مان راے نے شجاع الدولہ سے دو کرور روپیہ مین اجارہ روہیلکھنڈ کی ضبطی کا لیا اور آپ اس کام کو اختیار کیا۔ اُس نے عبدالستار خان کا مکان لوٹ لیا اور شاہ اشرف خان کو کہ آنولہ مین رہگئے تھے قید کر دیا۔ دولت رام اور لال جی ساہوکارون کو بھی باندھ لیا۔ غربا مساکین علما۔ فضلا اور گوشہ نشینون پر طرفہ حشر برپا کیا۔ دیوان کانمل اور راو پہاڑ سنگھ نے کہ روہیلون کے اقبال کی آندھیون مین ترقی کی پرواز کی تھی اور اُن کی دولت سے پرورش پائے ہوے تھے اور تمام مالی اور ملکی معاملات سے

واقف تھے روہیلکھنڈ کی الصاعف تحصیل پر دمہ داری کی اور تمام برسوں
کی باقیات اور سالہا سال کی تقاوی کو رعایا سے جبراً وصول کیا۔ حسکہ اُنکی
تحریر کے موافق روپیہ وصول نہ ہوا تو ساہوکاروں بقالوں تبرا و غربا کو لوٹنا
شروع کیا اور سب کو ہاں شیسہ کا محتاج کر دیا نتیجہ اسکا خود بھی شیدی بشیر کے
ہاتھ سے بہت دُکھ اُٹھایا۔ طرفہ یہ کہ دیوان کال مل کے اعمال بد کی پاداش میں پسران
دیوان مال رائے اور مسی دھر اور مانک چند اور رحمت مل بھی سرایا سے ہوے
اُنپر بھی سطالبے میں خوب مار پڑی اور بے حرمت کیے گئے۔ بہار سنگھ پر اتنی
کشاکش اور تقاضا اور سختی ہوئی کہ صدمے سے جسم اور روح کے ٹھکانے کو
کھاگا اور تہ در تہ کے درجوں میں جاکر سانپ بچھوؤں کے واسطے سامان
حیات ہوا ہے گوپال پسر بہار سنگھ نے کندن لال گماشتہ بہار سنگھ کے
ہاتھ سے اتنی اذیت اُٹھائی کہ محالات کے اجارے سے دست بردار ہو گیا
کندن لال نے چالیس لاکھ روپے سالانہ کو بریلی وغیرہ حافظ رحمت خاں
کے ملک کا ٹھیکہ لیا تھا اور بریلی میں کچھ دنوں حکومت کر کے عیش و عشرت
سے بسر کی جب چالیس لاکھ روپے فراہم نہ ہو سکے تو بقالوں اور ساہوکاروں
سے زبردستی روپیہ لینا شروع کیا جس کو حافظ الملک نے برسوں میں آباد کیا
تھا اُسے ان لوگوں کو دو تین مہینے میں ویران اور پریشان کر دیا کندن لال
کو اس کا بدلہ منتقم حقیقی کی طرف سے ملا کہ راجہ صورت سنگھ نے اُس کے
خاندان کی جستجو کی اور خدمات سے معزول کر کے قید کر دیا۔ دولت رائے
ن کیرت سنگھ گماشتہ بخشی سردار خاں و فتح خانساماں نہایت دیانتدار کلا

اُسنے کسی کو ایذا نہ دی۔ دیوان کان مل اپنی جاگیر کے دیہات کی آمدنی پر اکتفا کر کے اپنی حویلی مین صبر سے بیٹھ رہا۔

اسلامی مقدس چیزون کی اہانت

شجاع الدولہ کی فتح سے روہیلکھنڈ مین اسلامی آثار کو بھی بہت صدمہ پہونچا۔ فرح بخش کا مؤلف شیو پرشاد کہتا ہے کہ مسجدون مدرسون خانقاہون اور مقبرون مین تلنگے گوبر سے چوکا لگاتے اور کھانا پکاتے ہین آنولہ نواب سیّد علی محمد خان کے عہد مین دارالاسلام تھا اور نواب ممدوح نے بڑی کوشش کے ساتھ اُسکی آبادی مین ترقی دی تھی۔ قلعہ اور مسجدین تعمیر کرائی تھین۔ آنولے کی دینداری پر بلاد اسلام کو رشک تھا۔ شجاع الدولہ کی فتح کے بعد اس شہر کی یہ نوبت پہونچی کہ اخون محمد رحیم کی مسجد مین جو ایک برگزیدہ اور مجتہد شخص تھے رنڈیان اور فاحشہ عورتین رہنے لگین اور علانیہ اُس مین بیٹھکر کسب کراتین۔ بدفعلی مین مشغول ہوتین۔ اُن سے کوئی یہ تعرض نہین کرتا کہ تم مسلمانون کے ایک مقدس مقام مین ایسا کیون کرتی ہو۔

لال ڈانگ کا حال

جب سے روہیلکھنڈ مین بخشی سردار خان فتح خان خانسامان اور دوندے خان وغیرہ کا انتقال ہو کر اُنکی اولاد مین نفاق و فساد پیدا ہوا تھا تو اکثر رسالہ دارون جماعہ دارون نے بیگانون کی ملامت اور آشناؤن کی

صاحب سلامت کو سلام کر کے کمریں کھول دی تھیں بہت دنوں سے نوکری ترک کر کے خانہ نشین ہو گئے تھے کوئی تجارت کرنے لگا تھا کوئی کھیتی کراتا تھا جب شجاع الدولہ کے ہاتھ سے آنولے کی تباہی کی یہ نوبت پہونچی تو تمام لوگ اپنے مال بچوں کو ساتھ لے کر راتوں کو پیادہ پا اپنے اپنے مکانوں سے نکلے اور جوق جوق لال ڈانگ پر پہونچے اس وجہ سے ایک بھاری جمعیت نواب سید فیض اللہ خاں کے پاس ہو گئی۔ احمد خاں بخشی اور احمد خاں خانساماں اور دوسرے بہت سے افسر نواب صاحب کے پاس حاضر ہو گئے عبدالجبار خاں پسر عبدالستار خاں سقاؤں کے بھیس میں رومیلکھنڈ سے نکلکر دریائے گنگا کو اُترا اور دہلی میں خراب و سرگرداں پھرتا ہوا لال ڈانگ آ گیا نواب سید فیض اللہ خاں نے قدیم نوکروں کی یہ تباہی و پریشانی ملاحظہ کر کے خزانے کا مُنھ کھول دیا اور تمام لوگوں کو دیا۔ انہوں محمد سعید خاں بخشی اور دیوان صاحب رائے کو حکم دیا کہ سپاہ کو بھرتی کریں اور ہر مہینے میں دو تین بار رقیجا تقسیم کیا جاتا۔ یہ خبر مشہور ہوتے ہی ہزاروں سپاہی آپ کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے۔ اور نواب صاحب نے مستقیم خاں ولد شیخ کبیر کو ایک زبردست فوج کے ساتھ شجاع الدولہ کے ستانے کے لیے نجیب آباد کی طرف بھیجا گیاں پرکاش مؤلفہ رام چرنداس عرف مٹھولال ساکن قنوج سے معلوم ہوتا ہے کہ شجاع الدولہ نے مستقیم خاں کو ایک رقعہ اس مضمون کا لکھا کہ "تم ہمارے پاس چلے آؤ اور ہماری نوکری قبول کرو اور ہم تمکو ملک دینگے" انھوں نے جواب میں ایک عرضداشت اس مضمون کی لکھی کہ غلام

نوکری پیشہ ہے کسی مالک ملک کو یاد فرما کر ملک دینا اور سرفراز فرمانا چاہیے۔ غلام سرکار کا غلام ہے" پھر شجاع الدولہ نے شقہ بھیجا کہ جس کو تم تجویز کرو اسکو ہم سرافراز کرین" اُس وقت مستقیم خان نے نواب سید فیض اللہ خان کا نام لیا۔ بلکہ گل رحمت مین لکھا ہے کہ نواب شجاع الدولہ نے دوسرے سرداران روہیلہ کے پاس بھی شقے بھیجے تھے کہ ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمھارے لیے جاگیر مقرر کردینگے لیکن کسی نے منظور نہ کیا۔

نواب سید فیض اللہ خان نے دیندار پنجابی کی معرفت چمپین صاحب سے خفیہ خط وکتابت شروع کی جب باہم تحریرات خوب جاری ہوگئین تو عبدالرحیم خان داروغہ شتر خانہ کو سفیر بنا کر کرنیل صاحب کے پاس بھیج کر دوستی کو مضبوط کیا اس سفارت کا اصلی منشا یہ تھا کہ نواب سید علی محمد خان کے باقی ماندہ بیٹون مین سے اب بڑے بیٹے نواب سید فیض اللہ خان ہی ہین اور اصلی مالک اِس ملک کے یہی ہین اس بنا پر اگر ملک روہیلکھنڈ نواب سید فیض اللہ خان کے سپرد کیا جائے تو نواب سید فیض اللہ خان نواب شجاع الدولہ کو اس ملک کا کچھ معاوضہ دیتے رہینگے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک معقول رقم ہرجہ جنگ کی بابت ادا کرینگے" اس سفارت کا مضمون کرنیل چمپین نے لارڈ وارن ہیسٹنگ کی خدمت مین تحریر کیا۔ لیکن انگریزی حکومت نے روہیلکھنڈ کا ملک شجاع الدولہ کے سپرد کردینے کا پہلے سے اقرار کرلیا تھا اس واسطے لارڈ مذکور نے کرنیل چمپین کو جواب دیا کہ تمکو اِس معاملے مین دست اندازی نہ چاہیے۔ شجاع الدولہ کو

اختیار ہے اس خط و کتابت اور سفارت کے درمیان میں کئی مہینے گذر گئے
گرمی کا موسم ختم ہو گیا۔ اتنے دنوں تک نواب سید فیض اللہ خاں ایک
دم کو بھی اپنے بندوبست سے غافل نہ رہے اور خاص سپاہی کرا کر روہیلوں
کو اپنے پاس بلاتے رہے یہانتک کہ قریب چالیس ہزار روہیلوں کے
لال ڈانگ پر جمع ہو گئے اس کے علاوہ ناکہ بندی اور خندق وغیرہ کا
خوب انتظام کر لیا۔
فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ جب سفیر ناکامیابی کے ساتھ لوٹا اور
شجاع الدولہ نے سنا کہ روہیلوں کا ایک افسر فوج کو لیے روہیلکھنڈ کی
طرف بڑھ رہا ہے ان دنوں شجاع الدولہ سولی مین علیل تھے کہ انھوں
نے کرنیل صاحب کو لال ڈانگ پر حملہ کرنے کے واسطے پیام دیا کرنیل صاحب
چونکہ سید سختیاں روہیلکھنڈ کی مخلوق پر دیکھ چکا تھا اس لیے اُس کا دل
اُکتا گیا تھا اور اُس کا دلی منشا تعاقب کا نہ تھا۔ اور نواب سید فیض اللہ خاں
کے اخلاق حسنہ۔ راست گوئی۔ اور قدردانی نے اُسکے دل مین گھر کر لیا تھا
اکثر برملا نواب سید فیض اللہ خاں کی طرفداری کے کلمات کہنے لگا۔
شجاع الدولہ یہ خبرین سن سن کر دل مین آزردہ ہوتے۔ اُنھوں نے کالنل
سے کہا کہ جس طرح ہوسکے کرنیل صاحب کا دل نواب سید فیض اللہ خان
کی طرف سے پھیرنا چاہیے۔ نواب شجاع الدولہ پر ایک ایک گھڑی بسولی
میں کانٹا بھاری پڑ گیا۔ کیونکہ اُن کے مخبر برابر خبر لا رہے تھے کہ روہیلوں
کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور وہ خیال کرتے تھے کہ جتنا تعاقب میں توقف ہوگا

اُتنا ہی اس سخت قوم کا زیر کرنا مشکل ہو جائیگا۔ سب کیا کرایا اکارت جائیگا۔
ایک دن کالی چرن کی معرفت کرنیل صاحب کو کہلا بھیجا کہ پٹھان پھر نواب سید فیض اللہ خان کے جھنڈے کے تلے جمع ہو کر قوت پیدا کر رہے ہین اگر اب اِن کے تعاقب مین ڈھیل ہوگی تو انکا دوبارہ مسخر کرنا دشوار ہو جائیگا۔ ابھی پوری پوری قوت ان کو حاصل نہین ہوئی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کا تعاقب جلد کیا جائے۔" کرنیل صاحب نے جواب دیا کہ "اس وقت تمام روسیلکھنڈ کے پٹھان پریشانی اور بربادی کی حالت مین ہین اُنسے اب کوئی توقع مخالفت اور مقابلے کی نہین۔ حافظ رحمت خان اور دوندے خان کی اولاد آلہ آباد مین قید ہے دوسرے سردار اور افسر تباہ حالت مین جا بجا منتشر ہو گئے اب کونسا ایسا ہے جو سپاہ فراہم کر کے آپ سے لڑیگا۔ آپکو ایسے خوفناک خیالات ذہن مین نہ لانے چاہیین۔" شجاع الدولہ نے یہ جواب سُن کر پھر یہ پیام دیا کہ "پٹھانون کی جمعیت بڑھتی جاتی ہے اگر اسی طرح کوچ مین وقفہ ہوا تو پٹھان ہجوم کر کے تمام ملک مین پھیل جائینگے اور پھر اُنکا مقابلہ مشکل ہو جائیگا۔ یہ قوم نہایت دلیر ہے۔ حافظ رحمت خان کی اجل آگئی تھی وہ مارے گئے لڑائی بگڑ گئی۔ اگر وہ زندہ رہتے تو بہت کچھ مقابلہ کرتے۔ اگر آپ کوچ مین دیر کرینگے تو بڑی قباحت پیدا ہوگی۔" کالی چرن نے شجاع الدولہ کے اس پیام کا کرنیل صاحب کو ترجمہ سنایا تو اُنھون نے یہ جواب دیا کہ "شجاع الدولہ کو اگر پٹھانون کا ایسا ہی خوف ہے تو وہ اپنے صوبجات کو لوٹ جائین ہم یہان ٹھہرے جاتے ہین

پٹھانوں سے سمجھ لینگے" کالی جرنیل نے کرنیل صاحب کے تیور بدلے دیکھکر شجاع الدولہ سے بیان کیا کہ کرنیل صاحب کی صحبت کا رنگ اب یہ طور ہے اُن پر میرا کہا سنا اثر نہیں کرتا شجاع الدولہ نے کالی جرنیل کی معرفت کرنیل صاحب کو پھر کہلایا کہ "روہیلکھنڈ کے وارث اصلی نواب سید فیض اللہ خاں ہیں اُن کے پاس جرار وافر ہے فوج کے جمع کرنے کی طرف پھر کوشش کر رہے ہیں اس لیے مجھے امید ہے کہ اُن کا ارادہ اور عزیمت رونق پذیر ہو جائے گی میں بہتر یہ ہے کہ لال ڈانگ کی طرف کوچ ہو جائے" اِس بات کا کرنیل صاحب نے کوئی جواب نہ دیا اُن کے اس سکوت سے شجاع الدولہ کو بڑی پریشانی پیدا ہوئی۔ اور ایلچی خاں کی معرفت کرنیل صاحب کو روانگی کی تحریک کرائی۔

ایلچی خاں عقل کا پتلا تھا اُس نے چمپین صاحب کے پاس پہونچکر بڑی خوبی سے نشیب و فراز سمجھائے کرنیل صاحب نے جواب دیا کہ ہمکو گورنر کا یہ حکم تھا کہ بریلی جاکر حافظ رحمت خاں کا علاقہ فتح کرا دو اب ہم بغیر اُسکے حکم کے آگے نہیں جاسکتے اُنھوں نے جس کام کے لیے ہمکو حکم دیا تھا وہ پورا کر دیا" ایلچی خاں نے یہ جواب نواب شجاع الدولہ سے بیان کیا شجاع الدولہ نے ایلچی خاں کے مشورے سے گورنر کو ایک خط لکھا اور پٹھانوں کے لال ڈانگ پر جمع ہونے کی ساری کیفیت بیان کی اور گورنر سے استدعا کی کہ اپنے کمانڈر انچیف کو لال ڈانگ کی طرف کوچ کرنے اجازت دیں ایک چٹھی کرنیل صاحب نے بھی گورنر کو لکھی کہ "انگریزی فوج نے روہیلوں کو

بالکل مغلوب کرکے اُنکا ملک فتح کرلیا اور شجاع الدولہ کا اُسپر قبضہ کرا دیا۔
اب لال ڈانگ پر نواب سید فیض اللہ خان کے پاس ایک لاکھ کے قریب روہیلے جمع ہوگئے ہین اور راستہ جنگل کا بہت خراب ہے۔ نواب شجاع الدولہ چاہتے ہین کہ انگریزی سپاہ کو وہان لے جاکر لڑائی مین لگائین نواب کی فوج کی یہ حالت ہے کہ روہیلون کے نام سے کانپتی ہے اگر روہیلون کا تعاقب کیا جائیگا تو سرکار کمپنی کی سپاہ ایک بڑے ڈھب مصیبت مین پھنس جائیگی اس سپاہ کا وہان لیجانا مناسب نہین راستہ ہر طرف خراب ہے" جبکہ یہ دونون تحریرین کونسل کلکتہ مین پیش ہوئین تو کرنیل چمپین کی راے غالب آئی اور کونسل کی یہ راے قرار پائی کہ سرکار کمپنی کی سپاہ کو تعاقب مین نہ جانا چاہیے۔ بلکہ مصالحت کرا دینا چاہیے۔ جب کہ یہ خبر شجاع الدولہ کو ہوئی تو بہت ملول ہوے اور اب اُنھون نے کرنیل صاحب کے راضی کرنیکی فکر کی اور اُن کی دلجوئی کے لیے ایک بھاری دعوت انگریزونکی ترتیب دی تمام لشکر کے صاحبان انگریزون کو مدعو کیا اور سب کو کھانا کھلا کر اُن کے ساتھ خوب تپاک ظاہر کیا۔ بعد اس کے محمد ایلچ خان کو کرنیل چمپین صاحب کے پاس بھیجا اور اُن کی تالیف کی اور روزانہ بہت سے تحائف اُنکے پاس بھیجنا شروع کیے۔ پھر ایک دن یہ کہلا بھیجا کہ "اگر آپ کی مرضی اور صلاح وقت ہو تو یہان سے لال ڈانگ کی طرف کوچ کرنا چاہیے کہ پٹھانون کا مجمع بڑھ رہا ہے" برسات کا موسم شروع ہوگیا تھا اب کرنیل صاحب نے یہ جواب دیا کہ "ہم کو روانگی مین عذر نہین لیکن برسات کا موسم ہے روز بارش ہوتی ہے

اس صورت میں بار برداری اور توپخانہ کا روانہ ہونا دشوار ہے"۱؎ ایلچ خاں نے یہ جواب شجاع الدولہ سے بیان کیا۔ اُنھوں نے پچاس ہاتھی اور پچاس خیمے مع بچوبہ اور سامان کی قناتوں کے انگریزی لشکر میں بھیج دیے اور آخر جمادی الاولیٰ ۱۱۸۸ہجری میں شجاع الدولہ نے خود بسولی کی چھاؤنی سے شدت بارش اور سخت علالت کی حالت میں کوچ کیا اور دریائے سوت کو عبور کرکے خیمہ زن ہوے اور یہاں ایک مقام انگریزی لشکر کے سازو سامان کی درستی کے انتظار میں کیا اور ایلچ خاں کو تحریک کے لیے کرنیل چمپین کے پاس بھیجدیا۔ انگریزی فوج بھی بسولی سے روانہ ہوئی۔ اور یہ متعلقہ فوجیں لال ڈانگ پر حملہ کرنے کو آگے بڑھیں شجاع الدولہ نے پہلے ضلع بجنور میں پہونچکر نجیب آباد اور قلعہ پتھر گڑھ پر قبضہ کیا۔ اسکے بعد نجیب آباد میں کئی مقام کرکے موہن پور کی جانب فوج کو بڑھایا یہ گاؤں بھیس گھاٹ ناگل کے قریب واقع ہے اور لال ڈانگ کے کنارے جا پہونچے اور ڈیرے کھڑے کرائے اور مورچے بنوائے شجاع الدولہ کے اہلکاروں نے اپنے آقا سے عرض کیا کہ روہیلوں کا کیمپ یہاں سے سولہ کوس پرے ہے اور راہ مین کئی ندیاں حائل ہیں اور کانس اتنی بڑی بڑی ہے کہ اُس میں ہاتھی نہین معلوم پڑتے اور ڈھاک کا بن بھی بے حد گنجاں ہے اور بانس اس کثرت سے ہین کہ سوار و پیادے کا گذر روہیلوں کے مورچوں تک دشوار ہے

۱؎ یہ تمام سوال وجواب اور گورنر کے خطوط کا بیان بھی مورخ بخش سے ترجمہ کیا ہے اسکی صحت و غلطی کا مؤلف مذکور ذمہ دار ہے ۱۲ ۲؎ دیکھو جام جہاں نما ۱۲

یہان سے توکوئی صورت ایسی نہین نکل سکتی جس سے روہیلے مغلوب ہوجائین نواب شجاع الدولہ بے حد متحیر تھے مصاحبون سے کہنے لگے کہ ہمنے ادھر آنے مین اتنی جلدی کی پھر معطل بیٹھنا جوانمردی کے خلاف ہے ایسا کام کرنا چاہیے جس سے روہیلون پر ہراس غالب ہو اور وہ گھبرا جائین اسلیے جنگل کو صاف کرانا چاہیے اہلکارون نے جواب دیا کہ ایسا وسیع جنگل صاف کرنے اور اُسکے جھاڑ جھنکاڑ کاٹنے سے قابو مین نہین آسکے گا۔ اگر آپ کی مرضی یہی ہے تو کانس کو اس طرح کٹوانا شروع کرتے ہین جس سے ایک صاف راستہ نکل آئے اور روہیلون پر عبرت غالب ہوجائے۔ شجاع الدولہ نے یہی حکم دیدیا۔ چنانچہ بیلدارون اور مزدورون کے گروہ نے کانس کاٹ کر دو تین کوس تک راستہ صاف کیا اہلکارون نے شجاع الدولہ سے کہا کہ اگر دو تین کوس تک اسطرح راستہ بن گیا تو اس سے کوئی کشود کار نہین ہوتا کیونکہ روہیلون کے پڑاو تک کئی قسم کی لکڑی کے جنگل پڑتے ہین ایسے بڑے بن کا کاٹنا مشکل ہے۔

نواب شجاع الدولہ نے روہیلون کے تنگ کرنے کی دوسری تدبیر یہ نکالی کہ روہیلون پر رسد بند کرنی چاہیے اور اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ پہاڑ کی جانب سے جو رسد روہیلون کو پہونچتی تھی وہ اس قدر نہین سمجھی جاتی تھی کہ چالیس پچاس ہزار آدمیون کو کافی ہوسکے۔ شجاع الدولہ نے تمام حکام ضلع اور تحصیلدارون کو پروانے بھیجدیے کہ پٹھانون کے پاس لال ڈانگ پر کسی طرف سے غلہ نہ پہونچنے دین اور تنقیح الاخبار کا مؤلف کہتا ہے کہ الموڑے کا راجہ بھی وزیر سے مل گیا تھا اس حکم کی بڑی سختی سے

یا سدی ہوئی اور اس تدبیر سے ایک قسم کی اذیت محصورین پر گذرنے لگی
تمام سپاہی اور رودو کا مدار محصور ہوگئے۔ غلہ گراں ہوگیا۔ محمد عباس علی خاں
سوائی عباس تخلص اس زیارت خاں سولہ برس کی عمر میں اپنے بھائی احول داد کے
محمد ارادت خاں کے ساتھ نواب سید فیض اللہ خاں کے لشکر میں موجود تھا
اُس کا بیان ہے کہ اُس وقت میں روپیہ کا سیر بھر غلہ بڑی مشکل سے دستیاب
ہوتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان محصور سدون کی روزی رسانی کا یہ بندوبست
کیا کہ ہردوار کے گھاٹ سے گنگا کو عبور کرکے بیوپاری اور بنجارے غلّہ
لانے لگے اور اب پھر غلّہ ارزاں ہوگیا۔ ہرکاروں نے شجاع الدولہ کو
خبر پہونچائی کہ نواب سید فیض اللہ خاں کے لشکر پر پہلے غلہ کی نایابی
سے سختی ہوگئی تھی مگر اب پھر غلہ گنگا پار سے بافراط آگیا اور محصورین
فارغ البال ہوگئے اور اُن کا یہ ارادہ ہے کہ آپ کے لشکر پر شبخون
ماریں۔ شجاع الدولہ نے نجف خاں ذوالفقار الدولہ کو لکھا کہ آپ اپنی
سپاہ ہردوار وغیرہ کے گھاٹوں کی حفاظت کے لیے متعین کردیں تم نے
اپنے چیلے افراسیاب کو بہت سی فوج کے ساتھ بھیجا کہ تم نواب شجاع الدولہ
کی تحریر کے مطابق ہردوار کے گھاٹ کی نگرانی کرو اور غلہ کا ایک دانہ
پٹھانون کے پاس نہ پہونچے دو اُسنے ناکہ بندی کرنا شروع کی تاکہ کوئی
چیز روہیلون کے لشکر میں گنگا پار سے نہ پہونچ سکے اس واسطے اب
محصورین پر پھر تکلیف شروع ہوگئی۔ اور بھوک اور بخار نے اُنکی جماعت کو
روز بروز گھٹانا شروع کیا۔ مگر روہیلے چونکہ پہاڑی قوم تھے دوا دوش میں

طاق تھے پہاڑ پر دوڑنے اور پیادہ پا چلنے کے عادی تھے پہاڑ پر جانے لگے اور غلّے کی گٹھریاں سروں پر اُٹھا کر لانے لگے خود بھی کھاتے اور فروخت بھی کرتے البتہ ہندوستانی آدمی بوجہ آرام طلبی کے تکلیف پاتے تھے غلہ روپیہ کا چار سیر فروخت ہوتا تھا۔ گھوڑے خچر اور بیل دانہ نہ ملنے سے کمزور ہو گئے اور چونکہ ہری گھاس کے عادی تھے ہزاروں تلف ہوے اور جو باقی رہے وہ بھی نہایت ناتوان تھے۔ مورچے کے لوگ کہتے تھے کہ یہاں کی گھانس چوپایوں کے موافق نہین۔ البتہ پہاڑی گھوڑوں کو جنھیں کونٹ کہتے ہین موافق ہے عہدہ داروں کے گھوڑے معمولی راتب پانے کی وجہ سے فربہ تھے۔ نواب سید فیض اللہ خان نے اتنے روپے اور اشرفیاں ملازمین وغیر ملازمین کو تقسیم کین کہ اشرفیاں ارزان ہو گئین اور تنخواہ سے بھی المضاعف دیتے تھے۔ اس معرکے کے اول اشرفی بیس روپے کو فروخت ہوتی تھی اور کم ملتی تھی۔ اب نواب سیّد فیض اللہ خان کی فیاضی سے بارہ روپے کو بکنے لگی اور کوئی نہین خریدتا تھا۔ اگر نواب سیّد فیض اللہ خان یہ فیاضی نہ کرتے تو ہزاروں آدمی بھوکوں مرجاتے کیونکہ تمام پٹھان نہایت بے نوائی کی حالت مین وہاں پہونچے تھے۔ بریلی۔ آنولہ۔ بسولی۔ اوجھیانی۔ سنبھل۔ امروہہ۔ پیلی بھیت وغیرہ سے جو لوگ نکلے وہ بیک بینی و دو گوش تھے۔ بدن پر لباس بھی درست نہ تھا۔ سامان جنگ تو در کنار لٹیرے تلنگوں نے سالم کپڑا بھی بدن پر نہ چھوڑا تھا۔ بھلا کہیں ایسے شخص سپاہگری کے کیا کام کے تھے۔ مگر نواب صاحب نے ان سب کو بہت کچھ دیا محمد عباس علی خان

کہتا ہے کہ ہر روز مورچوں اور میداں کی جنگ طرفین میں چھ مہینے تک ہوتی رہی۔

صلح کی تکمیل اور عہد نامہ

روہیلوں کو ابھی تک یہی گمان تھا کہ مخالف کی فوج موسمی بیماری اور آب ہوا کے نقصان کے باعث بہت جلد محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوگی مگر باوجود بیماریوں کی کثرت اور روہیلوں کے پے در پے حملوں کے مخالف کی فوج نے محاصرے سے دست برداری کا ارادہ نہ کیا۔ اس وجہ سے روہیلوں کے اکثر سرداروں کی رائے صلح کرنے کی طرف مائل ہوئی آخرکار نواب سید فیض اللہ خاں نے کرنیل چمپین کو اس معاملے میں ڈال کر صلح کی بات چیت شروع کی۔ نواب سید فیض اللہ خاں کے خیالات بہت وسیع تھے اور اُن کی طلب بہت زیادہ تھی۔ ملک میاں دوآب یا ڈیڑھ لاکھ روپے سال کی جاگیر اُن کے واسطے نواب شجاع الدولہ نے تجویز کی مگر اُس کے صلاح کار احمد خاں بختی اور احمد خاں خانساماں نے اُن کو اس عطیے پر راضی نہ ہونے دیا اس گفتگو میں بھی ایک مہینے کا عرصہ صرف ہوگیا اور ہنوز کوئی نتیجہ قرار پذیر نہ ہوا۔ ناچار شجاع الدولہ اور انگریزی فوج نے ہوس پورے آگے بڑھ کر دو میل تک روہیلوں کے کئی مورچے وغیرہ توڑ کر خراب کر دیے اور پہاڑ کی تلی تک جا پہونچے روہیلوں کو خوف ہوا کہ مخالف یکایک حملہ کر کے پہاڑی پر قبضہ نہ کرلے دوسرے پہاڑ کی جانب سے رسد کی کمی کمی شروع ہوگئی

فرح بخش مین لکھا ہے کہ نواب شجاع الدولہ روز فتح سے خلا و ملا مین
یہ کہا کرتے تھے کہ "مین نے تمام روہیلکھنڈ کو فتح کر لیا ہے اب پٹھانون کا
تخم یہان سے مٹا دونگا اور بالشت بھر زمین ان کو نہ دونگا" شجاع الدولہ کی
انانیت کا یہ خمیازہ خدا کی طرف سے اُن کو ملا کہ ہیسٹنگز صاحب گورنر نے
ایک چٹھی کرنیل چمپین کو لکھی کہ "تم فوراً روہیلکھنڈ سے چلے آؤ" مضمون چٹھی کا
یہ تھا کہ "ہمنے تمکو حافظ رحمت خان کے ملک کے فتح کرنے کا حکم دیا تھا تم
کیون سپاہ انگریزی کو دامن کوہ مین لے گئے ہو اور نواب سید فیض اللہ خان
کے مقابلے کے لیے پڑے ہوے ہو تمام فوج کی کمان کرنیل کلس برم رود
کے ہاتھ مین دے کر کلکتے کو چلے آؤ اور پٹھانون کے آیندہ معاملات کو
نواب شجاع الدولہ کی راے پر چھوڑ دو ہمنے صرف بریلی کا علاقہ فتح
کرا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آگے کو نواب شجاع الدولہ پٹھانون سے آپ
سمجھ لینگے۔ اب اگر سپاہ کمپنی پر شکست کا حرف آیا تو اس کے ذمہ دار تم
سمجھے جاؤگے" کرنیل چمپین صاحب نے چٹھی کے پہونچتے ہی کالی چرن کی
معرفت نواب شجاع الدولہ سے کہلا بھیجا کہ مین اب یہان نہین ٹھہر سکتا
کلکتے کو جاؤنگا۔ جب یہ مضمون شجاع الدولہ نے سُنا تو بہت متحیر ہوے
اور نہایت منت پذیری کے ساتھ کرنیل صاحب کو کہلا بھیجا کہ "آپ
مہربانی کرکے مجھ سے ایک بار نواب سید فیض اللہ خان کی ملاقات
کرا دین اس صورت مین بات بنی رہے گی۔ اگر آپ یہان سے چلے گئے
تو پٹھان کہ مرنے پر آمادہ بیٹھے ہین جنگل سے نکل کر روہیلکھنڈ مین پھیل پڑینگے

اور تمام فتح کیا ہوا ملک ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اور تمام ہندوستان میں میری بڑی
ہوگی۔" اور کالی چرن کو کچھ بطور رشوت کے بھی دیا۔ اور اُسے رخصت کرکے
آپ بھی سوار ہوکر کرنیل صاحب کے ڈیرے پر آئے اور اُن سے کہا کہ
پٹھانوں کے مورچوں کا ابھی تک مفتوح ہونا دشوار ہے اور آپ کلکتہ کو
روانہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ چلے گئے اور پٹھان پھر مقابلے پر آمادہ ہوگئے تو میری
بہت بڑی بدنامی ہوگی اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ خود نواب سید فیض اللہ خان
کے پاس جاکر انہیں سمجھا کر میرے پاس یا اپنے کیمپ میں لے آئیں اور کالیچرن
کو بیچ سے بھیجدیں۔" نواب شجاع الدولہ یہ باتیں کرکے کرنیل چمپین سے
رخصت ہوکر اپنے خیمے میں آئے اور کالی چرن کو بھی ساتھ لیتے آئے اور
اُسکو یہ پیام دے کر چمپین صاحب کے پاس بھیجا کہ میں پندرہ لاکھ روپے
کا ملک نواب سید فیض اللہ خان کو دیتا ہوں[1]

اس کارروائی کے علاوہ شجاع الدولہ نے نواب سید فیض اللہ خان کو
لکھا کہ اگر آپ ہمارے پاس چلے آئے تو ہم محبت خان کو بلا کر خلعت
سرداری عطا کرینگے پھر اُن کے باپ کے تمام رسالہ دار آپ کا ساتھ چھوڑ دینگے
چنانچہ نواب سید فیض اللہ خان کے رجوع ہونے کے لیے ایک شقہ
الہ آباد کے قلعہ دار کو لکھا کہ محبت خان کو یہاں بھیجدو[2]

کرنیل چمپین صاحب نے بھی اپنی طرف سے تورک صاحب اور باری صاحب کو

---

[1] یہاں تک فرح بخش سے مضمون نقل کیا ہے اس کے آگے گلستان رحمت گل رحمت اور اخبار حسن وغیرہ کا اقتباس شروع ہے ۱۲ [2] دیکھو گل رحمت ۱۲ [3] دیکھیو اخبار حسن ۱۲

نواب سید فیض اللہ خان کے پاس صلح کی بات چیت کے لیے بھیجا جب سوال و جواب منقح ہوگئے تو کرنیل کمپین خود نواب سید فیض اللہ خان کے پاس گیا اور اُن سے ملاقات اور مشورہ کیا اور اُن کا اطمینان کر کے کہا کہ میرے ساتھ انگریزی کیمپ مین چلو۔ جبکہ نواب صاحب آنے لگے تو مستقیم خان نے بھی ساتھ آنے کا قصد کیا نواب صاحب کو چونکہ اُن کے مزاج سے اندیشہ تھا اسلیے اُنکا ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ تمکو شجاع الدولہ کے مزاج کا حال خوب معلوم ہے اُنکی جانب سے فریب پیش آنے کا اندیشہ ہے۔ اسلیے بہتر یہ ہے کہ ہم دونون مین سے ایک شخص یہان رہے۔ اگر خدا نخواستہ کوئی دغا واقع ہو تو یہان کا بندوبست بحال رہے پس مین وہان جاتا ہون تم یہان رہو تاکہ سپاہ کی دلجمعی رہے۔ مستقیم خان نے کہا کہ مین تو حافظ صاحب کی اولاد کی رہائی اور اُن کے لیے جاگیرات مقرر کرانے کی غرض سے جاتا چاہتا ہون۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو مین سب بندوبست کر لونگا اور تھوڑی جمعیت ہمراہ لے کر کرنیل کمپین کے ساتھ انگریزی کیمپ کو چلے آئے۔ مستقیم خان نے احتیاطاً پھر بھی اپنا ایک معتمد ساتھ کر دیا تاکہ یاددہانی کرتا رہے کرنیل صاحب نے ایک خاص ڈیرہ نواب صاحب کے ٹھہرنے کے لیے استادہ کرایا اور نواب صاحب نے معاملات کے سوال و جواب کے بعد اُس معتمد کے سامنے حافظ صاحب کے خاندان کی رہائی کے بارے مین بھی بات چیت کی۔ کرنیل صاحب نے سب معاملات کے تصفیے کی طرف سے دلجمعی کی اور نواب صاحب کو اپنے ساتھ

شجاع الدولہ کے پاس لے گئے اور بڑے اکرام کے ساتھ ملاقات کرائی اور ایک مرتبہ نواب شجاع الدولہ نواب سید فیض اللہ خاں کے ڈیرے پر بار دیگر ملاقات کے لیے آئے۔ شجاع الدولہ نے وسل کی تکلیف کی وجہ سے نواب صاحب کا آنا غنیمت سمجھا اور انکی اصلی جاگیر پرگنہ شاہ آباد اور سرساواں اور چومحلہ کئے جو پرگنے اجاؤں اور کاشر اور ملاک سیور اور رہپرا اور ٹھاکردوارہ اور سرکڑہ اضافہ کرکے نو پرگنے چودہ لاکھ بہتر ہزار روپے کی آمدنی میں مقرر کرکے نواب صاحب کی ریاست قرار دی۔

فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ دیوان کاں مل کی جانب سے جو علاقہ اتنی جمع کا تحریر کیا گیا وہ درحقیقت دس لاکھ روپے کی آمدنی کا تھا۔ مگر تاریخ روہیلکھنڈ اور گل رحمت کے مؤلف کہتے ہیں کہ اس علاقے کی آمدنی جو میں پچیس لاکھ روپے سے کم نہ تھی اور سیر المتاخرین میں بیس لاکھ روپے کی بتائی ہے۔ اس کام کے بعد کرنیل چمپین حافظ الملک کے خاندان کے معاملے میں بات چیت کرنے لگا اور نواب سید فیض اللہ خاں سے کہا کہ اس معاملے کو بھی طے کرو نواب صاحب نے جواب دیا کہ وزیر الممالک کو اختیار ہے وہ اُنکے حق میں جو کچھ بہتر جانینگے کرینگے ہمارے کہنے کی کیا حاجت ہے" یہ بات سنکر کرنیل چمپین تو خاموش ہوگیا اور شجاع الدولہ خوش ہوئے۔ یہ بیان گل رحمت کے مؤلف کا ہے جو گلستان رحمت کا خلاصہ ہے اور یہ ایسی بات ہے جس سے نواب سید فیض اللہ خاں کی مروت اور جوانمردی پر

---

[1] دیکھو جام جہان نما ۱۲ [2] جام جہاں نما میں راجپور جو لکھا ہے شاید ملاسور کا پرگنہ قصبہ راجپور کے نام سے مشہور ہوگا جام جہاں نما میں ملاسپور کا ذکر نہیں کیا ہے ۱۲

کمال بٹہ لگتا ہے مگر اُن کتب تواریخ کی چھان بین سے جو روہیلون کے حالات مین ایسے لوگون نے لکھی ہین جن کی نسبت یہ خیال نہین ہو سکتا کہ اُنھون نے کسی کی طرفداری یا رعایت کی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب سید فیض اللہ خان نے اس معاملے مین ذرا پہلو تہی نہین کی۔ یہ سمجھنا اُن پر اتہام ہے۔ چنانچہ روہیلکھنڈ گزیٹیر مین مذکور ہے کہ اس معاہدے کے وقت روہیلون نے حافظ رحمت خان کی اہل و عیال اور دوندے خان کی اہل و عیال کی رہائی کے بارے مین بہت زور ڈالا۔ اس لیے شجاع الدولہ نے اُنکی رہائی کی بابت حکم دے کر محبّت خان کو آکہ آباد سے واپس بُلایا لیکن صلح کی کاروائی اُسکی واپسی سے پہلے ختم ہو چکی۔

عہدنامہ کرنیل چمپین صاحب کے ڈیرے پر ۷ اکتوبر ۱۷۷۴ء کو تحریر ہوا۔ اس عہدنامے مین یہ بھی تھا کہ نواب سید فیض اللہ خان اپنی فوج مین پانچ ہزار آدمیون سے زیادہ نوکر نہ رکھ سکینگے اور اس فوج مین سے ہنگام ضرورت شجاع الدولہ کی امداد کے واسطے دو تین ہزار آدمی دینا پڑا کرینگے۔ باقی روہیلون کو اپنے ملک سے گنگا پار نکال دین گے۔ جام جہان نما مین لکھا ہے کہ اس کے عوض مین نواب سید فیض اللہ خان سے چالیس لاکھ روپے شجاع الدولہ نے لیے تھے اور تنقیح الاخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ کرنیل چمپین کی معرفت پندرہ لاکھ روپے نواب سید فیض اللہ خان نے نواب وزیر کو دیے تھے۔ ۱۷۷۴ء مین لال ڈانگ کے عہدنامے پر انگریزی حکومت کی ضمانت لی گئی تھی۔

نقل عہدنامہ دستخطی و مہری نواب سید فیض اللہ خان بہادر و کرنیل چمپین

چونکہ میرے اور نواب وزیرالمالک بہادر کے درمیان دوستی قرار پائی اور نواب وزیر نے از راہ مہربانی ایک ملک مجھکو دیا۔ میں قرآں شریف کی قسم کھا کر خدا اور رسول کو اپنے قول کا گواہ دیتا ہوں کہ میں ہمیشہ جب تک زندہ ہوں نواب وزیر کا تابعدار اور فرمانبردار رہونگا اور میں اپنے پاس پانچ ہزار سپاہ نوکر رکھونگا اس سے ایک آدمی زیادہ نہ رکھونگا اور اگر نواب وزیر کسی سے آمادہ جنگ ہونگے تو میں اُن کی مدد کرونگا اور اگر نواب وزیر کسی پر اپنی فوج بھیجینگے تو میں بھی دو تین ہزار آدمی اپنے اُس فوج کے ہمراہ دونگا اور اگر وہ خود کسی دشمن پر جائیں گے تو میں بھی خود اپنی فوج لے کر اُنکے ہمراہ جاؤنگا اور میں سوائے وزیر کے کسی سے اتفاق اور دوستی نہ کرونگا اور کسی سے رسم تحریرات جاری نہ رکھونگا۔ اس سے سردار انگریزی مستثنیٰ ہیں اور نواب وزیر مجھکو جو کچھ حکم دینگے میں اُسکی تعمیل کرونگا اور میں ہمیشہ اور ہر وقت مصیبت اور بہبودی میں اُنکا شریک لاحسب رہونگا میں نے قرآں شریف کی قسم کھائی ہے اور خدا و رسول کو گواہ دیا ہے کہ میں ان شرائط کی تعمیل کرونگا۔ اور اگر میں اسکے خلاف کروں تو خدا اور رسول مجھکو سزا دیں۔

ماہ رجب ۱۱۸۸ ہجری

مہر نواب سید فیض اللہ خاں — مُہر کرنیل چمپین

نقل عہدنامہ و تخطی و مہری نواب شجاع الدولہ بہادر و کرنیل چمپین

چونکہ میرے اور نواب فیض اللہ خان کے درمیان دوستی قائم ہوئی ہے اسلیے مین نے وعدہ کیا ہے کہ اُن کو ملک رامپور مع دیگر اضلاع متعلقہ جسکی جمع سالانہ چودہ لاکھ پچھتر ہزار روپیہ ہے دونگا اور مین نے یہ بھی شرط کی ہے کہ نواب فیض اللہ خان پانچہزار فوج ملازم رکھین اس سے زیادہ نہ رکھین اسواسطے مین یہ عہدنامہ لکھے دیتا ہون کہ مین ہمیشہ اور ہر وقت نواب فیض اللہ خان کی حرمت اور عزت کی حفاظت کرتا رہونگا اور اُنکی بہبودی اور بہتری مین حتی الامکان کوشش بلیغ کیا کرونگا بشرطیکہ نواب فیض اللہ خان میرے سوا اور کسی سے اتفاق پیدا نہ کرین اور انگریزی سرداروں کے سوا اور کسی سے تحریری رسم جاری نہ رکھین اور وہ میرے دوستون کو اپنا دوست اور میرے دشمنون کو اپنا دشمن تصور کرین اور اگر مین کسی سے لڑائی کرنے کو فوج بھیجون تو دو تین ہزار سپاہ جس قدر اُن سے ممکن ہو میری فوج کے ہمراہ دین اور اگر مین خود فوج کے ہمراہ جاؤن تو وہ بھی خود مع اپنی سپاہ کے میرے ہمراہ رہین اور اگر کمی فوج کے سبب سے وہ خود میرے ہمراہ نہ جاسکین کیونکہ اُنکے پاس تھوڑی فوج ملازم ہے تو مین چار ہزار سپاہ اور اُن کے ساتھ مقرر کرونگا تو وہ اُس فوج کو بھی اپنے ساتھ رکھ کر میری ہمراہی کرین اور مین اُن کے خرچ کا متحمل ہونگا۔ ان شرائط پر مین نے وعدہ کیا ہے کہ مین علاقجات مذکورہ جمع تعدادی مسطور نواب فیض اللہ خانکو

دونگا اور اُنکی بہتری اور بہبود میں کوشش بلیغ کرونگا۔ اگر نواب فیض اللہ خاں
اس عہدنامے کی شرائط کی تعمیل قرار واقعی کرینگے تو میں بھی انشاء اللہ اُن کی
بہبود میں پہلوتہی نہ کرونگا باقی روہیلوں کو وہ دریا کی دوسری طرف روانہ کرینگے
میں نے قرآن کی قسم کھائی ہے اور خدا اور رسول کو گواہ دیا ہے کہ میں ان شرائط کو
سرانجام دونگا۔ ماہ رجب ۱۱۸۸ ہجری

مہر وزیر

مہر کرنیل چمپین

تیو پرشاد مؤلف فرح بخش کہتا ہے کہ شجاع الدولہ کا ایک معتمد
بیان کرتا تھا کہ اگر ایک ہفتہ اور نواب سید فیض اللہ خاں صلح سے اغماض کرتے
تو امید ہے کہ تمام ملک سے نواب شجاع الدولہ کو دست بردار ہونا پڑتا اسلیے
کہ کرنیل چمپین تو جانے والا تھا اُسکی روانگی کے بعد نواب شجاع الدولہ کو یہاں
ٹھہرنا دشوار ہو جاتا لیکن انگریزی تاریخوں سے تو صرف اس قدر ثابت ہے کہ
کونسل کلکتہ کے پانچ ممبروں میں سے تین ممبر مونسن اور کلیورنگ اور فرانسس
جو گورنر کی ہر بات میں مخالفت کرتے تھے اور یہ لوگ روہیلوں کی لڑائی کو سراسر
ظلم اور ناانصافی سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کرنیل چمپین کے نام مراسلے میں لکھا کہ
ہماری چٹھی کے پہنچتے ہی وہ چالیس لاکھ روپیے جو روہیلوں کے استیصال
کے واسطے شجاع الدولہ سے ٹھہرے ہیں اور اور روپے جو اُس پر واجب الادا ہیں
اُس سے لے لو اور اگر یہ جانو کہ ان سب روپوں کو کسی طرح شجاع الدولہ
ادا نہیں کر سکتے ہیں تو جس قدر اُن سے وصول ہو سکے وصول کر لو اور باقی
روپوں کی ضمانت لے لو اور اُس کو یہ ہدایت ہوئی کہ چودہ دن کے عرصے تک

اپنی ساری سپاہ کو روہیلون کے ملک سے نکال کر اودھ کی سرحد قدیم مین لے آئے اور اگر شجاع الدولہ اسپر راضی نہ ہون تو وہ اپنی سپاہ کو بالکل اُن کی خدمات سے جدا کر کے سرکار کمپنی کے علاقے مین لے آئے مگر اس سے پہلے کہ مراسلہ ارسال کیا جائے خبر آگئی کہ نواب سید فیض اللہ خان سے صلح ہوگئی اور اُن کے اسباب وغیرہ سے پندرہ لاکھ روپے سرکار کمپنی کو وصول ہوگئے۔

نواب سید فیض اللہ خان خواجہ لطافت کے ڈیرے پر شجاع الدولہ سے رخصت ہوے گل رحمت مین بیان کیا ہے کہ نواب سید فیض اللہ خان عہدنامہ لیکر لال ڈانگ کو گئے اور رسالہ دارون سے کہا کہ بالفعل شجاع الدولہ حافظ رحمت خان کی اولاد کی رہائی پر رضامند نہ ہوے اور مین نے اپنے معاملات کو تعویق مین ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ گیان پرکاش کا مؤلف کہتا ہے کہ معاہدے کے بعد مستقیم خان بھی شجاع الدولہ کی خدمت مین حاضر ہوے اور خلعت پایا۔

گزیٹیر مین لکھا ہے کہ اس عہدنامے پر دستخط ہونے کے بعد نواب سید فیض اللہ خان نے سترہ اٹھارہ ہزار روہیلون کو جو بڑی عاجزی کے ساتھ امان طلب کرتے تھے مع اُن کے اہل وعیال کے اس ملک سے نکال کر میان دوآب مین پہونچا دیا۔ اور فرح بخش کا مؤلف بتاتا ہے کہ صلح کی کارروائی کے بعد پچاس ہزار سوار و پیادے کہ اُن مین سے اکثر نواب شجاع الدولہ کے بھی روشناس اور ملاقاتی تھے کرنیل چمپین صاحب کے مواجہہ مین گنگا پار اُتار دیے گئے۔ ان لوگون مین احمد خان وغیرہ پسران بخشی سردار خان

بھی تھے تاریخ ہند جیمس گرینڈ میں مذکور ہے کہ ۱۷۸۱ء میں جو ایک بیان لندن
میں شائع ہوا تھا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ لاکھ آدمی روہیلکھنڈ سے دریا پار
نکالے گئے تھے ایک بیان سے اٹھارہ ہزار آدمی پائے جاتے ہیں جنکے ہاتھوں میں
ہتھیار تھے۔ اور روہیلوں کو اس ملک سے نکالنے کے واسطے انگریزی فوج بدایوں
کے ضلع میں رام گھاٹ[1] کے پاس کئی ہفتے تک پڑی رہی اسکے بعد واپس چلی آئی
لیکن ہندو جنکی تعداد سات لاکھ تھی۔ اُنھوں نے فاتحوں کے ہاتھ سے اس سے
زیادہ تجربہ حاصل نہ کیا جیسا کہ حاکم کے تبدل کے وقت ہوا کرتا ہے۔

مرزا نجف خان ذوالفقار الدولہ اور شجاع الدولہ میں ملک مفتوحہ کا سمجھوتہ

مرزا نجف خان ذوالفقار الدولہ جو بادشاہی سپاہ لے کر آیا تھا اُس نے
شجاع الدولہ سے ملک اور غنیمت میں بادشاہی حصہ مانگا اور بنارس کے عہدنامے سے
انکار نہیں کیا۔ اُسکی نقل شاہ عالم بادشاہ نے کرنیل چمپین کے پاس بھی بھیجدی
تھی مگر شجاع الدولہ نے کہا کہ میرے پاس جو نقل عہدنامے کی ہے اُسمیں یہ شرط
ٹھہری ہے کہ بادشاہ بذات خاص لشکر لیکر ملک کو آئیں اور چونکہ وہ خود نہیں
آئے اسلیے عہدنامے کی تمام شرائط بالکل باطل ہوگئیں مگر کرنیل چمپین کے پاس جو
اُسکا متن موجود تھا اُسمیں کہیں اس بات کا ذکر نہ تھا جب اسکی خبر انگریزی گورنمنٹ کو ہوئی

[1] دیکھو گزیٹیر اور فرح بخش سے معلوم ہوتا ہے کہ گھاٹ سنبل کھیڑہ پر دو تین روز تک ٹھہرا دی گئی
اور اُس کے سامنے تمام روہیلے گنگا پار اتار دیے گئے۔

تو اُسنے اپنے سپاہ سالار کو ہدایت کی کہ فقط ہمارا کام روہیلون کا ملک فتح کرا دینا تھا۔ اگر شجاع الدولہ نے اپنا عہد بادشاہ سے توڑ دیا اور اسکے سبب سے نجف خان اور بادشاہ اُن سے لڑین تو تم کسی طرف نہ بولنا لیکن لڑائی تک نوبت نہ پہونچی شجاع الدولہ نے مرزا نجف خان کو ملک مفتوحہ کی آمدنی سمجھا کر جس قدر ملک صوبۂ اکبر آباد اور دہلی سے ملا ہوا تھا مرزا نجف خان کو دیدیا۔

لال ڈانگ سے محاصرین و محصورین کی روانگی

نواب شجاع الدولہ معاہدے کی تکمیل کے بعد لال ڈانگ سے روانہ ہوے اور اُن کے کوچ سے پانچوین دن نواب سید فیض اللہ خان لال ڈانگ سے اُترے۔ نواب شجاع الدولہ بسولی آئے وہان اُن کے بال بچے اور متعلقین پڑے ہوے تھے اُن سب کو ہمراہ لے کر فیض آباد کو روانہ ہوے۔ جب سنبھل پہونچے تو محبت خان ۲۲۔ رجب ۱۱۸۸ ہجری کو یہان اُنسے ملا۔ شجاع الدولہ محبت خان کو فیض آباد کو لیگئے۔ اور وعدہ کیا کہ وہان پہونچکر جو تمھارے حق مین تجویز کیا ہی عمل مین لاؤنگا جب فیض آباد پہونچے تو ایفاے وعدہ مین شدت مرض کا عذر کیا اور ہزار روپئے ماہوار خرچ کے مقرر کر دیے۔

نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم کی وزیر کے حکم سے فیض آباد کو روانگی

نواب شجاع الدولہ نے بسولی سے فیض آباد کی طرف روانگی کے وقت مرزا حسن رضا خان داروغہ توپخانہ کو جو نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم کے سوال و جواب مین رہتا تھا اور منودای کو جو بیگم کی جانب سے شجاع الدولہ کے لشکر مین

حاصر تھی حکم دیا کہ نواب سید سعد اللہ خاں کی بیگم کو تمام اسباب اور سامان سمیت آنولے سے سوار کرا کے ہمارے ہمراہ فیض آباد کو لائیں مرزا اور موآنولے آئے اور جب یہ حکم سنایا تو محل میں ایک عجیب شور و ماتم مچ گیا آنولے کے تمام باسی روتے تھے مرزا حسن رضا خاں اور ملازمان نواب شجاع الدولہ بھی زار زار روتے تھے محل کی عورتیں ہائے ہائے کرتی تھیں اور جس قدر تحفے شجاع الدولہ نے بیگم کی تسلی اور لاسے کے لیے بھیجے تھے اور اُن میں خدا اور رسول اور دین و ایمان اور حضرات پنجتن کی قسمیں لکھی تھیں اُن کو دیکھتی تھیں اور آہ آہ کرتی تھیں جو کوئی اُنکا شور و بین سنتا تھا تو وہ بھی سر دُھنتا تھا کہتے ہیں کہ اُس دن اور رات آنولے میں حشر برپا رہا کہا یہاں سب پر سید تھا غرضکہ بیگم کو محل کی تمام مستورات کے ساتھ فیض آباد کو لے گئے۔

صاحب زادہ سید محمد یار خان خلف نواب سید علی محمد خان بہادر کا شجاع الدولہ سے رخصت ہونا

نواب سید فیض اللہ خان نے شجاع الدولہ سے رخصت ہوتے وقت کہا کہ ہم چھ بھائیوں میں سے دو بھائی باقی رہ گئے ہیں سید محمد یار خاں جو ایک مدت سے آپ کے لشکر میں ہیں اور علیل ہیں اُنکو میرے ہمراہ رخصت کر دیجیے شجاع الدولہ نے قبول کر کے اجازت دیدی نواب سید فیض اللہ خاں نے اس خیال سے کہ زبانی بات کا کیا اعتبار ایک تحریر اُن کے رخصت کر دینے کے باب میں شجاع الدولہ کے پاس بھیجی اور اُس پر تحریری اجازت لے لی

نواب شجاع الدولہ نے اپنے چوبدار کی زبانی بھی سید محمد یار خان کو کہلا بھیجا کہ ہمنے تمکو رخصت کیا نواب سید فیض اللہ خان کے ہمراہ چلے جاؤ صاحبزادے صاحب نے چوبدار کی بات کا اعتبار نہ کیا بلکہ شیو پرشاد مؤلف فرح بخش کو چوبدار کے ہمراہ بھیجکر شجاع الدولہ سے یہ عرض کرایا کہ بدون جائداد کے مین آپکے لشکر سے نہین جاؤنگا۔ شیو پرشاد نے ایک عرضی اس مضمون کی لکھکر نواب شجاع الدولہ کی خدمت مین پیش کی اُسپر شجاع الدولہ نے اپنے قلم سے یہ حکم لکھا۔

"الحال در میان ما و نواب سید فیض اللہ خان بہادر ہیچ تفاوت نماندہ۔ شمار انجواہش و آرزوے تمامی می برند البتہ یک چیزی جائداد مقرر خواہند نمود والا بعد چندے در فیض آباد پیش این جانب بیایید از فضل آلہی جائداد مقرر خواہد شد۔

شیو پرشاد نے یہ حکم لاکر صاحبزادہ سید محمد یار خان کو دکھادیا وہ اب بھی رام پور چلنے پر راضی نہ تھے دو مہینے سے تپ و لرزہ مین علیل ہو رہے تھے۔ نہایت ضعیف و نحیف تھے اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہین رہی تھی شیو پرشاد نے حکیم فیض محمد اور حکیم کبیر خان سے جو اُنکے معالج تھے مشورہ کیا کہ انکا حال خراب ہو رہا ہے ہوش و حواس بھی درست نہین اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر سے چلتے نہین جیسے ہو سکے اُنکو نواب سید فیض اللہ خان بہادر کے ہمراہ رام پور کو لے چلنا چاہیے بہزار خرابی اُنکو نواب سید فیض اللہ خان کے ہمراہ لے چلے ہر منزل پر شیو پرشاد سے بگڑتے تھے کہ تم مجھکو رام پور کو کیون لیے چلتے ہو۔ نواب سید فیض اللہ خان بے حد دلجوئی کرتے تھے۔ ایک رومال اور رضائی شال محرمات کی عطا کی مقام مراد آباد مین ایک قیمتی دوشالہ عطا فرمایا مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے ہمیشہ حرف

وحکایت معایرت کی کہتے تھے۔ نواب سید فیض اللہ خاں نے رامپور میں پہونچکر
کرم خاں ززر کی حویلی رہنے کو دی اور باغ سیر تماشے کو عطا کیا اور پچاس ہزار
روپیے سالانہ مصارف کے لیے مقرر کیے اور وعدہ کیا کہ ایک لاکھ روپیے سالانہ
مقرر کردیے جائیںگے سد محمد یار خاں نے نواب سید فیض اللہ خاں کے مواجہہ
میں سخت کلامی کی اور فرد صادی کو پھینک کر اُٹھ کر چلے گئے اب صحبت
مگر نگئی مرہ باقی نہ رہا وہ اِس سے گئے یہ اُس سے گئے شعبان رمضان شوال
میں سخت علیل رہے اور سرہ ذیقعدہ ۱۲۰۸ھ ہجری کو شام کے وقت سل اور
استسقا کے مرض میں رحلت کی۔ انکو علم موسیقی کا بہت شوق تھا۔ اسی میں مشغول
عیش وعشرت میں جی بہلاتے تھے۔ شعر بھی کبھی کہتے تھے امیر تخلص کرتے تھے
ابتدا میں محمد قائم چاندپوری سے مشورہ تھا انتہا میں شیخ علام ہمدانی مصحفی سے
تلمذ ہوا۔ فدوی لاہوری۔ اور میر نعیم۔ اور پروانہ علی شاہ مرادآبادی اور میاں عشرت
اور حکیم کبیر علی سنبھلی یہ سب انکو ملازم تھے۔ یہ اُس کا کلام ہے۔

اُس شکار انداز سے لگ کر کہیں چھٹتی ہے آنکھ
کیوں نہ ہو سوے تھا منہہ وقت رم نخچیر کا

کیا تو نے دیا تھا مجھ کو ساقی
شیشے میں تو واہ کچھ نہ نکلا

بیٹھے بٹھائے کو جیئے قاتل میں لے گیا
یارب بُرا ہو اس دل خانہ خراب کا

ساقی گزک کی کچھ نہیں حاجت شراب کے
ہم دل جلوں میں آپ مزہ ہے کباب کا

کیا کہوں ولولہ شوق کو میں تیرے امیر
گھر میں جاتے ہیں پرائے تو خبرداری سے

گر وقت ذبح نالہ کیا میں نے کیا ہوا
پیارے کسیکا ہاتھ کسی کی زباں چلے

سید محمد یار خان نے ایک بیٹا سید احمد یار خان نامی بطن رحمت النسا بیگم بنت پایندہ خان سے چھوڑا انکے عم اکرم جناب نواب سید فیض اللہ خان نے سولہ ہزار روپیہ سال وجہ کفاف مقرر فرمایا یہ بھی شعر کہتے تھے افسر تخلص تھا پچانوے برس کی عمر مین ۲۸ جمادی الاولی ۱۲۶۲ہجری کو انتقال کیا سید احمد یار خان کے خاص نطفے سے باسٹھ اولاد ہوئین جن مین سے اُنتیس بیٹے تھے باقی بیٹیان۔

سید محمد یار خان کی دو بیٹیان بھی تھین (۱) حجاب بیگم زوجہ سید نصر اللہ خان خلف نواب سید عبداللہ خان (۲) صدر النسا بیگم زوجہ جعفر علی خان بن محمد حسن خان بن پایندہ خان۔

گلشن فتوت مین پایندہ خان کی قوم کمالزئی لکھی ہے یہ صحیح نہین عبدالعلی خان ابن محمد عمر خان ابن محمد یوسف خان ولد محمد حسن خان پسر پایندہ خان مجھ سے کہتے تھے کہ ہماری قوم اکوزئی ہے۔ پایندہ خان نواب سید علی محمد خان کے امرا مین سے ہین۔ انکے دو بیٹے تھے۔ بڑے محمد حسن خان چھوٹے محمد علی خان اور ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام رحمت النسا بیگم تھا۔ رام چتونی مین صفدر جنگ اور نواب احمد خان بنگش والی فرخ آباد کی جنگ ہوئی تو یہ محمد علی خان صفدر جنگ کے ساتھ تھے۔ سیر المتاخرین مین انکا ذکر موجود ہے جام جہان نما سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۹ ہجری مین مُلّا رحم داد خان کے ساتھ ضلع اُجین مین سکھون کی لڑائی مین کام آئے۔ محمد علی خان لاولد تھے۔ محمد حسن خان کے دو بیٹے تھے جعفر علی خان محمد یوسف خان۔

مصارف نواب سید فیض اللہ خان بہادر

پچاس لاکھ روپے کے قریب نواب شجاع الدولہ اور صاحبان انگریز اور ایلچیان اور کالی جیرن وغیرہ کی بھینٹ ہوئے۔ اور چالیس پچاس ہزار کے قریب سوار و پیادے لال ڈانگ پر نوکر رکھے تھے۔ انکے صرف میں لاکھوں روپے آئے اور صلح کے بعد معمولی سوار و پیادوں اور اپنے بھائی بھتیجوں اور عیال و اطفال کو لے کر رام پور میں آئے یہاں چالیس ہزار روپے سالانہ صاحبزادہ سید نصر اللہ خان ابن نواب سید عبداللہ خان کے لیے سوائے درماہہ سید غازی الدین خان کے مقرر کیے اور سولہ ہزار روپے سالانہ سید مصطفےٰ خان ابن سید اللہ یار خان ابن نواب سید علی محمد خان کے لیے اور سولہ ہزار روپے سالانہ سید احمد یار خان ابن صاحبزادہ سید محمد یار خان کے لیے مقرر کیے اور بیس ہزار روپے سالانہ احمد خان ولد فتح خان خانساماں کے واسطے اور دس ہزار روپے سالانہ محمد اعظم خان پسر خانساماں کے واسطے مقرر کیے اور اسکو بلاس پور کا حاکم کر دیا۔ اور معظم خان اور عظیم خان اور ذوالفقار خان اور دلیر خان ابنائے خانساماں کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ درماہے مقرر کیے اور دس ہزار روپے سالانہ عبدالجبار خان بن عبدالستار خان کے واسطے اور سات ہزار روپے سالانہ مولوی غلام جیلانی خان کے لیے اور بیس ہزار روپے سالانہ مستقیم خان پسر شیخ کبیر کے لیے اور پندرہ ہزار روپے سالانہ سیف الدین خان ابن بریل خان کے لیے اور دس ہزار روپے سالانہ عمر خان ٹرموکھے کے لیے

مقرر کیے۔ اور ان رسالہ دارون کو رسالون اور گھوڑون کے مصارف تنخواہون کے علاوہ دیے جاتے تھے۔

تذکرہ ان رسالہ دارون مین سے مستقیم خان نے چار یا پانچ مہینے بیمار رہکر ۱۷ شعبان ۱۱۹۰ھ ہجری کو انتقال کیا اُنکا تابوت بریلی کو لے گئے اور شیخ کبیر کے مقبرے مین دفن ہوے نواب سید فیض اللہ خان تمام رسالہ دارون سے بڑھکر انکی عزت کرتے تھے۔ یہ پولیٹکل اور مدبر نہ تھے۔ سادہ مزاج سیدھے سادھے صاف دل تھے امورات ملکی مین توڑ جوڑ کی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ معاملہ رس بالکل نہ تھے زمانہ سازی کہ دنیا داری کا لازمہ ہے اس سے بیخبر تھے۔ علما فضلا غربا اور مساکین کے ساتھ اپنے باپ کی طرح سلوک کرتے تھے تین بیٹے چھوڑے (۱) مستجاب خان عرف مستو خان (۲) مصطفےٰ خان عرف بنجو خان (۳) حضرت شاہ خان عرف سنو خان۔ نواب سید فیض اللہ خان نے باپ کی جگہ مستجاب خان کو مقرر کیا اور اُن کے انتقال کے بعد بنجو خان کو اُن کے رسالے پر سرفراز کیا۔

نواب شجاع الدولہ کی وفات۔ آصف الدولہ کی مسند نشینی کی خوشی مین روہیلکھنڈ کے بعض قیدیون کا رہا ہونا۔ اور قلعہ الہ آباد مین روہیلکھنڈ کے قیدیون کو تکلیفین پہونچنا۔ محبت خان اور ذوالفقار خان کے مصائب کا بیان۔

شجاع الدولہ لال ڈانگ کے محاصرے کے وقت سے بیمار تھے فیض آباد پہونچکر

کئی مہینے علیل رہ کر اسی مرض کے صدمے سے جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ ہجری کو
راہی شبستان عدم ہوئے "جام جہاں نما میں سے رفت نواب شجاع الدولہ"
انکی تاریخ وفات لکھی ہے لیکن اس تاریخ میں ایک عدد زائد ہے کیونکہ ۱۱۸۹ھ
برآمد ہوتے ہیں ہائے کیا کیا اولوالعزمیاں دکھائیں کیسی کیسی جور زماں کیں انجام یہ کہ خاک۔

نواب آصف الدولہ نے اپنے جلوس کی خوشی میں روہیلکھنڈ کے بعض
قیدیوں کو جو مسکین لوگ تھے رہا کر دیا مگر عرب خاں ٹریچ اور خاں محمد خاں
اور کمال زئی خاں اور رحمت خاں اور عالم خاں عزعتی اور حرمت خاں اور
ملا حسن خاں اور ملا عالم خاں اور ملا عبدالواحد خاں اور قاضی محمد سعید خاں
اور موسیٰ خاں جانساماں اور اختیار خاں چیلہ اور ملاحت خواجہ سرا کو کہ ذی حوصلہ
اور اولوالعزم آدمی تھے رہا نہ کیا۔ اُن سے زر وصول کرنے کی بھی توقع تھی اور
نہ حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کے خاندانوں کو چھوڑا بلکہ کئی مہینے کے
بعد محبت خاں کو بھی الٰہ آباد بھیج دینا چاہا مگر سالار جنگ کے بھائی مرزا علی خاں
نے سفارش کی جس سے وہ بچ گیا پھر بھی بعض حسد پیشہ مصاحبوں کے اغوا سے
حافظ صاحب کے خاندان کی ایذا دہی میں خفیہ کارروائی شروع کی۔
محبت خاں کی ملاقات اور تنخواہ بالکل بند کر دی اور آصف الدولہ کے ایما سے سید
معز خاں قلعہ دار الٰہ آباد قیدیوں پر سختی کرنے اور سو روپیہ روز جو اُنکی خوراک کے لیے عہد
شجاع الدولہ سے مقرر تھا اُس کے دینے میں عذر و حیلہ کرنے لگا۔ اور تھوڑا تھوڑا دیتا
تھا۔ اس عرصے میں آصف الدولہ مہدی گھاٹ کو گئے تو محبت خاں اور
ذوالفقار خاں جو لشکر کے ساتھ تھے بے سر و سامانی کی حالت میں ہمراہ گئے

مہدی گھاٹ کے مقام پر جان برسٹو صاحب رزیڈنٹ کلکتہ سے گورنر کا مرسلہ آیا اور اُسنے منشی محمد ذاکر کی زبانی محبت خان اور ذوالفقار خان کا یہان موجود ہونا نہایت بے سروسامانی کی حالت مین سنا تو اُنکے پاس ہرکارے بھیج کر اپنے پاس بلایا مگر اُنھون نے علانیہ رزیڈنٹ کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا اسلیے خفیہ رات کے وقت ملے اُسنے اُنکی تسلی وتشفی کی اور اُنکی بہبود مین کوشش کرنے کا وعدہ کیا اور اُنکے ڈیرے اپنے ڈیرون کے پاس کھڑے کرائے اور اُنکی عسرت کی خبر سُنکر اپنے پاس سے پانچ ہزار روپے اُن کو دیے اور کہا کہ تم بے اندیشہ اپنے حالات ہم سے بیان کرتے رہا کرو۔

نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم کا باقی حال

نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم فیض آباد مین رہتی تھی اور اپنا اسباب بیچ بیچکر گذر کرتی تھی اور ہمیشہ پریشان حال رہتی تھی وہان کوئی اُس کی خبرگیری نہین کرتا تھا نواب سید سعد اللہ خان نے جو سلوک شجاع الدولہ کے ساتھ کیے تھے اُسکا عوض یہ دیا گیا کہ آنولے سے اُنکی بیگم کو حراست مین رکھکر فیض آباد پہونچایا اور وہان قید کر دیا۔ نواب آصف الدولہ نے اُسپر طرفگی یہ کی کہ مسند نشین ہوتے ہی بیگم کا تمام اسباب ضبط کر لیا اور مفت بدنام خلائق ہوے اسلیے کہ اُسوقت بیگم کے پاس سوا کپڑون اور خیمون اور ظروف کے زر نقد نہ تھا۔ یہ سارا قصور اہلکارون کا ہے جو نیک وبد مین تمیز نہین کرتے۔ اُنھون نے نواب کو اس لچر حرکت پر آمادہ کیون کیا۔

نواب سید فیض اللہ خان بہادر کو جب یہ خبر پہونچی تو احترام الدولہ کالون صاحب کو اس بارے میں بہت کچھ لکھا صاحب مذکور نے آصف الدولہ پر ایسے پوچ کام کی تمام قباحت ظاہر کر کے وہ تحفے جو شجاع الدولہ نے بیگم کو بھیجے تھے اور اسمیں وعدہ کیا تھا کہ تمھارے ریاست کے حقوق پہلے کے موجب قائم رکھے جائینگے دکھائے۔ نواب نے شرمندہ ہو کر تمام اسباب واپس کیا جس کو بیگم فروخت کر کے گذر کرنے لگی۔

جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم فیض آباد سے رامپور چلی آئیں۔ نواب سید فیض اللہ خان نے اُنکے مصارف کے لیے معقول درماہہ مقرر کر دیا۔

آلہ آباد کے جیل خانے سے روہیلکھنڈ کے قیدیوں کی رہائی

دوندے خاں اور حافظ رحمت خاں کی اولاد اور جس قدر روہیلکھنڈ کے علما و فضلا و شرفا قلعہ آلہ آباد میں قید تھے اُنھوں نے متواتر عرضیاں نواب سید فیض اللہ خان کی خدمت میں بھیجیں اور استدعا کی کہ اس قید سخت سے ہمکو رہا کرا دیجیے۔ نواب موصوف نے رحم کھا کر مسٹر جان برسٹو لکھنؤ کے انگریزی ریذیڈنٹ کو اُنکی رہائی میں کوشش کرنیکے لیے لکھا۔ ریذیڈنٹ نے آصف الدولہ سے سفارش کی اور اس معاملے میں بہت دباؤ ڈالا آصف الدولہ نے تین لاکھ روپے ان محبوسون کی رہائی کی عوض میں طلب کیے اور یہ رقم اس طرح پوری کی گئی کہ ایک لاکھ اسی ہزار روپے نواب سید فیض اللہ خان نے عطا کیے اور ایک لاکھ بیس ہزار روپے نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم نے دیے۔ اس طرح تین لاکھ روپے جمع ہو کر جان برسٹو صاحب کے پاس

بھیجے گئے جنھون نے آصف الدولہ سے قیدیون کی رہائی کا حکم سید معزز خان قلعہ وار آلہ آباد کے نام حاصل کر کے بھیجا اس نے ایک مہینے تک سامان کی تیاری کے بہانے مین تعلل کیا۔ آخر کار ۱۷ شعبان ۱۱۸۹ھ ہجری کو جان برسٹو صاحب کے ہرکارون اور اپنے آدمیون کے ساتھ اُن قیدیون کا قافلہ لکھنؤ کو روانہ کیا یہ لوگ گڑھ مانک پور کے راستے سے ۲۹ شعبان ۱۱۸۹ھ ہجری کو لکھنؤ پہونچے۔ وہان کچھ دنون خواجہ یاقوت کے باغ مین خیمون کے اندر رہے پھر کرایے کی حویلیون مین رہنے لگے نواب سیّد فیض اللہ خان کی استدعا کے بموجب آصف الدولہ نے عنایت خان کی بی بی (یہ نواب موصوف کی حقیقی بہن تھین) اور فتح خان خانسامان کے عیال و اطفال و عبد الجبار خان کے اہل و عیال کو رام پور بھیجدیا۔ نواب سید فیض اللہ خان نے چار سو روپے ماہوار اپنی ہمشیرہ یعنی زوجۂ عنایت خان کے مقرر کر دیے۔

دوسرے سال جان برسٹو صاحب نے بڑی تقریرون کے بعد آصف الدولہ کو ایک لاکھ روپے سال کی پنشن ان لوگون کے واسطے مقرر کرنے پر مجبور کیا۔ فرح بخش کا مؤلف کہتا ہے کہ ایک سال کی تنخواہ دینے کا حکم میر علی رضا فوجدار خیرآباد کے نام حاصل کر کے اُس مین سے چھیاسٹھ ہزار روپے حافظ رحمت خان کی اہل و عیال پر اور تینتیس ہزار روپے دوندے خان کے بیٹون پر تقسیم کر دیے اور باقی دوسرے اہل استحقاق کو دیدیے اور گلستان رحمت مین لکھا ہے کہ ان لاکھ روپون مین سے پینسٹھ ہزار روپے حافظ رحمت خان کے اہل و عیال کے اور پینتیس ہزار روپے

دوندے خاں کے بیٹوں کے مقرر کیے۔ مگر دوندے خاں کے بیٹوں نے
قلت کی وجہ سے قبول نہ کیا اور دہلی کو نجف خاں کے پاس چلے گئے کچھ
دنوں وہاں رہ کر نواب سید فیض اللہ خان صاحب کے پاس رام پور میں
چلے آئے کیونکہ یہاں بہت سے روہیلے پیلی بھیت اور آنولہ سے آ کر
اکٹھے ہو گئے تھے۔ اخبار حسن میں بیان کیا ہے کہ نواب صاحب نے
دو دو ہزار روپیہ ماہوار ہر ایک بھائی کے مصارف کے لیے مقرر کر دیا اسی پر
قناعت کی فتح اللہ خاں اور محب اللہ خاں تو شہر مرادآباد میں رہنے لگے
اور عظیم اللہ خاں نے خاص رام پور میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ بات فصول
فیض اللہ خانی معروف بہ اقتباس العلاج سے ظاہر ہوتی ہے۔

بتاریخ ۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۰۲ ہجری کو محب اللہ خاں نے انتقال کیا
اور چہارشنبہ ۲۲ شوال سنہ ۱۲۱۳ ہجری کو فتح اللہ خاں فوت ہوا۔ اور سہ شنبہ
۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۲۶ ہجری کو عظیم اللہ خاں راہی ملک آخرت ہوا۔ اُسکی رحلت کی
تاریخ عمر شاہ خاں نے یوں کہی ہے۔

از رحمت یزداں در بہشت رضواں — چوں جنید گل جست نواب مکرمیں
در شدت درد و غم از پیش گہہ فکرت — تاریخ وفاتش شد از باغ جہاں گل چیں

حافظ صاحب کے بیٹوں میں سے حرمت خاں۔ اکبر خاں عظمت خاں نے بھی
خاں رستو کے دربار ہے کو قبول نہ کیا اور روہیلکھنڈ کو چلے آگئے اُنکی تنخواہیں ساٹھ ہزار
میں سے منہا ہو کر اکسٹھ ہزار ایک سو ساٹھ روپیے سالانہ مقرر رہے۔ انہیں اُن لوگوں
کے بھی وظیفے شامل تھے جو حافظ صاحب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

حرمت خان۔ اکبر خان۔ اور عظمت خان کا رام پور آنا۔ حرمت خان کا رام پور سے بریلی کو چلے جانا اور پیلی بھیت کے لینے کی کوشش کرنا۔ آخر کار آصف الدولہ کی اور نواب سید فیض اللہ خان کی فوجون سے مغلوب ہو کر کوہ کمایون پر چڑھ جانا۔ اور حافظ صاحب کے خاندان کے بقیہ حالات

سنہ ۱۱۹۱ ہجری مین حرمت خان اور اُسکے دونون بھائی رام پور چلے آئے نواب سید فیض اللہ خان نے بہت خاطر کی۔ ایک مہینے تک یہان رہے پھر یہان بھی مزاج کی ناموافقت ہوئی تو بریلی کو چلے گئے اور وہان تھوڑے سے سوار و پیادے جمع کرکے پیلی بھیت کی طرف روانہ ہوے اور اُس مقام کو فتح کرنا چاہا نواب آصف الدولہ کی جس قدر فوج یہان متعین تھی اُس نے مدافعت کی انکی جمعیت کم تھی اور قلعہ مضبوط تھا فتح نہ ہوسکا وہان سے بھاگ کر تانک متے کے جنگل مین جو دامن کوہ مین واقع ہے چلے گئے آصف الدولہ نے خبر پاکر حاکم بریلی کو حکم دیا کہ حرمت خان کے تعاقب مین فوج بھیجکر وہان سے نکالدے اور نواب سید فیض اللہ خان کو بھی لکھا کہ آپ بھی اپنی فوج حرمت خان کے تعاقب مین روانہ کرین اور اُس کو پہاڑ سے نکالدین۔ نواب سید فیض اللہ خان نے ملا صمید خان بخشی اور احمد خان ولد فتح خان خانسامان کے رسالے

حرمت خاں کے پیچھے پانک متے کی طرف تھے۔ اُن دونوں فوجوں سے
حرمت خاں کا مقابلہ ہوا۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد حرمت خاں کوہ کمایوں پر
چڑھ گیا تھوڑے دنوں کے بعد یہاں اپنے اہل وعیال کو اکبر خاں کے ساتھ
چھوڑ کر دہلی کو چلا گیا بادشاہ نے کئی ہزار روپے ماہوار اور کئی ہزار سوار و
پیادوں کا رسالہ اُس کے لیے مقرر کر دیا۔ لیکن یہاں نے وجہ عبدالاحد خاں
وزیر سے سخت کلامی کر کے ضابطہ خاں کے پاس چلا گیا اور وہاں کچھ دنوں رہ کر
سیندھیا کے پاس گیا۔ سیندھیا نے اُسکے گذارے کے لیے تنخواہ مقرر کر دی
مگر مدد دینے سے انکار کیا اسلیے اُس سے آزردہ ہو کر افغانستان کو تیمور شاہ
ابن احمد شاہ دُرانی کے پاس چلا گیا اور شاہ سے ملاقات کر کے اپنی خرابی و
بربادی کا سارا حال بیان کیا۔ اور شاہ سے چاہا کہ وہ ہندوستان پر
فوج کشی کر کے دشمنوں سے ہمارا ملک دلا دیں شاہ نے اقرار کیا اور کئی مہینے
تک حرمت خاں وہاں مقیم رہا جب شاہ کی روانگی ہندوستان کی طرف
ظہور میں نہ آئی تو وہاں سے رخصت ہو کر روہیلکھنڈ کو واپس آگیا اور مراد آباد
میں سکونت اختیار کر لی۔ اُسکے مزاج میں پہلے سے توحش تو تھا ہی اب بالکل
مجنون ہو گیا اور پہاڑ سے اپنے متعلقین کو بھی مراد آباد میں بُلا لیا۔ اکبر خاں
اُس سے علیحدہ ہو کر رام پور کو آگیا نواب سید فیض اللہ خان نے چار سو روپے
ماہوار مقرر کر کے اپنی ایک بیٹی اُس سے بیاہ دی اور اپنے پاس رکھ لیا۔
عظمت خاں نے بریلی میں سکونت اختیار کر لی بریلی کے حاکم نے چند گاؤں
اُسکی جاگیر میں مقرر کر دیے اور محبت خاں نے دوسرے بھائیوں کے

مشاہرون مین سے کچھ کچھ لے کر اُسکا مشاہرہ بھی سب بھائیون کی شل کر دیا۔
۱۷۷۶ء مین جان برسٹو صاحب معزول ہو کر مڈلٹن صاحب اُسکی جگہ لکھنؤ کا رزیڈنٹ مقرر ہوا تو پھر لکھنؤ کے اہل کارون نے حافظ رحمت خان کے خاندان کی تنخواہ دینے مین تساہل اختیار کیا محبت خان مجبور ہو کر کلکتہ کو گیا اور گورنر سے استغاثہ کیا طلسم ہند سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت اودھ کی جانب سے گورنر کے پاس محبت خان سے ملاقات نہ کرنے کے باب مین تحریر پہونچ جانے کی وجہ سے گورنر نے محبت خان سے ملاقات نہ کی لیکن گل رحمت مین بیان کیا ہے کہ گورنر نے محبت خان کی بہت دلجوئی کی اور پانچ ہزار روپے دعوت کے اور ایک گھوڑا محبت خان کو دیا اور وعدہ کیا کہ مین آپ کے معاملے مین آصف الدولہ سے سفارش کرونگا چنانچہ جب امیر الدولہ حیدر بیگ خان آصف الدولہ کا مرسلہ کلکتہ کو گیا تو گورنر نے اُس سے محبت خان کی سفارش کی اور جب خود گورنر لکھنؤ آئے تو اُنھون نے آصف الدولہ سے کہا کہ محبّت خان کی تنخواہ آپ کے خزانے سے رزیڈنسی کے خزانے مین جایا کرے وہان سے محبت خان کو مل جایا کرے گی اُس وقت سے محبت خان کی تنخواہ لکھنؤ کے رزیڈنٹ کی معرفت ملنے لگی اور حافظ صاحب کا خاندان کمپنی کے متوسلین مین مقرر ہو گیا۔ محبت خان انگریزون کو حامی سمجھ کر رزیڈنٹ کے دربار مین جایا کرتا اور نواب آصف الدولہ کے دربار مین بھی حاضر ہوتا سلہ محبت خان اور محمد دیدار خان نے لکھنؤ ہی مین سکونت اختیار کر لی۔ اور دوسرے بھائیون نے رزیڈنٹ سے روہیلکھنڈ مین رہنے کی

اجازت حاصل کرلی ارادت خاں نے شاہ جہاں پور میں اقامت کی اور باقی
اور بھائی دہلی میں چلے آئے۔

جب آصف الدولہ کے بعد سعادت علی خاں سے سرکار کمپنی نے روہیلکھنڈ
لے لیا تو کمپنی کے اہلکاروں نے حافظ صاحب کی اولاد کی آمدنی کی قلت اور
مصارف کی کثرت پر خیال کرکے اُنکی معاش میں اضافہ کرنا چاہا چنانچہ
سنہ ۱۲۲ ہجری میں مسٹر سٹن صاحب نے اس خاندان کا اضافہ تحریر کرکے
گورنر جنرل کو رپورٹ کی وہاں سے تیس ہزار پانچسو تیرہ روپیہ سالانہ اضافہ منظور
ہوا اور یہ حکم ہوا کہ یہ اضافہ سب بھائیوں پر تقسیم ہو اس اضافے میں حرمت خاں
عظمت خاں اور اکبر خاں بھی داخل ہوئے جو سابق کے وظیفے سے محروم ہوگئے
تھے۔ اور اگلا پچھلا روپیہ سب ملاکر نوے ہزار دوسو اٹھتر روپیہ سالانہ
حافظ صاحب کے بارہ بیٹوں اور ایک بیٹی پر تقسیم ہوگیا اور اسمیں سے
سعادت خان بخشی سردار خاں کے بیٹے اور اختیار خان چیلے کا بھی درماہہ مقرر
ہوا اور یہ حکم ہوگیا کہ اس وجہ معاش کے سوا جو کچھ نقدی یا جاگیر وزیر الممالک
نے یا اُنکے اہلکاروں نے اُنکے لیے مقرر کی ہے وہ بھی ہمیشہ کے لیے بحال رہے

مؤلف سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ میں نے شجاع الدولہ کی وفات کے بعد
آصف الدولہ کی حکومت کے آغاز میں حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں
کی اولاد کو اکثر لکھنؤ میں دیکھا اور اُنکی کیفیت خود مشاہدہ کی اور لوگوں کی زبان
سے بھی سنی۔ اس جماعت میں سب سے بہتر محبت خاں ابن حافظ رحمت خاں
ہے جو عنایت خاں کا چھوٹا بھائی ہے یہ شخص صورت و سیرت دونوں کے

اعتبار سے حکومت وسرداری کی لیاقت رکھتا ہے لیکن اس سفلہ پرور زمانے مین اُسکے لیے بہت تھوڑی معاش جو ننگ وعار کا موجب ہے مقرر کی گئی ہے اور نواب سید فیض اللہ خان کو بیس لاکھ روپے کی آمدنی کا ملک دیا گیا ہے حالانکہ روہیلون کے اقتدار کے زمانے مین اُنکے پاس پانچ لاکھ روپے کی آمدنی سے زیادہ کا ملک نہ تھا اس چرخ جفا کار کی سفلہ پروری کا بیان حیطۂ تحریر مین لانا مشکل ہے (انتہیٰ)

اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ سیر المتاخرین کے مؤلف کو اس معاملے مین تجربہ اور واقفیت بالکل نہ تھی۔ نہ وہ مردم شناس تھا ورنہ وہ ایسا نہ لکھتا۔ نواب سید فیض اللہ خان کی سی قابلیت ایک رئیس روہیلہ مین نہ تھی۔ وہ صورت ومعنی دونون کے نواب تھے۔ اور محبت خان صرف باعتبار صورت کے محبت خان کی باتین مؤلف مذکور نے سُن لی ہونگی لیکن صرف علم مجلسی سے اُس زمانے مین کام نہین چلتا تھا۔ ملکداری اور حکمرانی کی قابلیت اور ہوتی ہے۔ یہ قابلیت نواب سید فیض اللہ خان مین تھی محبت خان مین نہ تھی۔ اگر حافظ صاحب کے کسی بیٹے مین سروری وسرداری کی قابلیت ہوتی تو حافظ صاحب کے مارے جاتے ہی وہ اپنے باپ کے تمام عیال واطفال کو پہاڑ کے کسی مقام مین لے جاتا اور خود بھی وہین پناہ گزین ہوکر گرفتاری سے محفوظ رہتا اپنے باپ کی فوج کی سرپرستی کرکے مقابلے کے لیے تیاری کرتا۔ دشمن کے تنگ کرنے کا سامان کرتا۔ اور جب ایسا کرتا تو مخالف کی قوت کے دو حصے ہو جاتے۔ ایک حصّہ

نواب سید فیض اللہ خاں کے مقابل رہتا دوسرا حصہ اُسکے مقابلے میں آجاتا ملکہ حافظ صاحب کے بیٹوں کو یہ چاہیے تھا کہ اپنے اہل وعیال کو کسی محفوظ مقام میں رکھکر مرہٹوں کے طور پر ایسے دشمن کو تنگ پکڑتے اُس زمانے میں سد راستے صاف تھے۔ ملک کا ہر ایک حصہ کھلا ہوا تھا۔ اُنکے دشمنوں کے پاس اُن سے اچھے ہتھیار تھے۔ روہیلوں کی طرح دلیر وجانباز اُن کی فوجیں تھیں اور اگر اُن سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا تو سیدھے نواب سید فیض اللہ خاں کے پاس لال ڈانگ کو چلے گئے ہوتے پھر دیکھتے کہ صلح کس عنوان سے ہوتی۔ اُنھوں نے تو یہ غضب کیا کہ شجاع الدولہ کے ہاتھ میں اپنے تمام خاندانوں کو مقید کرا کے روہیلوں کی بالکل ہی قوت کو پست ونابود کر دیا تھا اور اپنے مخالفوں کی تکلیف اور مصیبت اور مکر اور روہیلوں کی ہیبت اور وقار کا کوئی ذریعہ باقی چھوڑا ہی نہ تھا۔ یہ لوگ بھی لال ڈانگ میں ہوتے تو جو نواب سید فیض اللہ خاں کا حال ہوا اُسی کے قریب قریب حافظ صاحب کے خاندان کا ہوتا۔ محبت خاں میں یہ کیسی سروری کی لیاقت تھی کہ شجاع الدولہ جیسے روہیلوں کے دشمن اور حافظ رحمت خاں کی خانہ ویرانی کرنے والے سے مہربانی کی توقع رکھ کے اُس کے دربار میں حاضر ہو گئے اور اُس کی بغیر دردسری کے اپنے تمام رشتہ داروں کو گرفتار کرا دیا۔ محبت خاں کو تو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے تھا کہ جیسا ہمارے باپ کے ساتھ شجاع الدولہ نے معاملہ کیا اُسی طرح ہمارے ساتھ یہ سلوک کریگے نواب سید فیض اللہ خاں کی اعلیٰ درجے کی دانائی کا ثبوت اِسی سے ہوتا ہے کہ پانچ لاکھ روپے کی

جاگیر مین اُنھون نے ایسا انتظام کیا کہ اپنی سرکار کا خرچ بھی چلایا۔ فوج بھی نوکر رکھی اور کروڑون روپون کا خزانہ بھی جمع کر لیا۔ جو ملک داری اور بقاے سرداری کے لیے ایک لازمی جزہے۔ اور پھر یہ خزانہ ایسے بربادی بخش وقت مین کام آیا کہ اُس کی بدولت بیس لاکھ روپے کا ملک حاصل کیا اور جنکے پاس بڑے بڑے ملک تھے اُن کے پاس اتنا بھی نہ نکلا کہ وہ ضروری مصارف کو پورا کر کے مخصوص سے اپنی جان بچا لینے اور مخالفون سے عہدہ برآ ہونے کے مقام مین کام مین لاتے۔ شجاع الدولہ نے نواب سید فیض اللہ خان کو ملک بادل ناخواستہ دیا تھا۔ محبت خان سرداری کی لیاقت رکھتے تھے تو اُنھون نے بھی اپنے دشمن کو مجبور کر کے ملک حاصل کیا ہوتا۔

محبت خان شعر بھی کہتے تھے۔ اس فن مین جرأت سے تلمذ تھا۔ آبحیات مین لکھا ہے کہ جرأت محبت خان کی سرکار مین نوکر تھا۔ چنانچہ حسب حال یہ شعر کہا تھا ؎

بسکہ گلچین تھے سدا عشق کے ہم بستان کے ہوے نوکر بھی تو نواب محبت خان کے

محبت خان کے دیوان کا یہ انتخاب ہے ؎

ہوتا ہے ابھی حاصل سب کام محبت کا دے اُسکو خداوندا تو جام محبت کا

سینے سے جب رقیب کے تواے صنم لگا پتھر کو غم کے رہگئے چھاتی سے ہم لگا

یارب یہ کسنے کی ہے ملاقات کم کہ پھر افزود ہونے درد مرا دم بہ دم لگا

تجھکو چھوڑا اے بت مغرور نہین جانے کا جاؤن تو پر مجھے مقدور نہین جانے کا

روز اُٹھ جاوے ہے وہ شوخ یون ہی دم دیکر ابھی آتا ہون مین کچھ دور نہین جانے کا

دل کو کرتا ہی تھا غارت کہ جگر دیکھ لیا — آہ اُس ترک نے اب یہ بھی مگر دیکھ لیا
یار رو غارتگر دل وہ نگہ یہاں سے ہے — چور تو مجھ سے چھپا میں نے ہے پر دیکھ لیا
جب تلک تو نہ جو دکام نہیں آئے گا — دل بیتاب کو آرام نہیں آئے گا
مجھکو خطرہ ہے جدا یہ نہ کرے سر اُسکا — دیوے قاصد بھی پیغام نہیں آئے گا
میں کہا نام محبت کا ابھی کھولا تو — بولا مجھ کو کبھی یہ نام نہیں آئے گا
اتنا تو سمجھ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — پھر تو مجھے کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
تہمت مجھے کچھ کہنے کی مت دے کہ میری — خاموشی ہی گویا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
اکبار تو کچھ کہہ گئے اور کہہ کے مکر گئے — دیکھو یہ دوبارہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
میں عمر کے تئیں اُسکے سخن چپ رہوں کیا دخل — سب واسطہ تیرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
جو جی میں ترے آئے تو کہہ کیا کروں اے یار — میرا ہی یہ جگرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ظاہر ہے کہ تو مجھکو کہے جاتا ہے کچھ کچھ — اور یہ بھی ہویدا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
وہ شوق سے کہتا ہے مجھکو یہ محبت — کیا جانوں سبب کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
توہم بہتر ہے سبھی سے جلد کہدے ایک بات — یا تو بوسہ دے مجھے اے یار تو اب یا جواب
بولتا جو وہ نہیں یارو کسی کی بات پر — یہ نہ سمجھو تم تکبر سے نہیں دیتا جواب
اُسکے تنگی کے سبب اُسکا دہن ملتا نہیں — جیسا نا پیدا دہاں ہے ویسا نا پیدا جواب
اُسکے در پر تھی محبت کی یہ قدر و منزلت — جب گیا مرے کو در پر دور ہی سے تھا جواب
ٹک سدہ جانہ کو تم آجاؤ میرے صاحب — جلوہ مجھے بھی اپنا دکھلاؤ میرے صاحب
بیٹھے نہ ایک ساعت گھر کو چلے ابھی سے — اتنا تو جلد مت تم گھبراؤ میرے صاحب
بوسہ نہیں تو باتیں کچھ کیجیے اپنے لب سے — دل کو مرے ذرا تو بہلاؤ میرے صاحب

کاکل مین ہے کہ خط مین پیارے دل محبت — کس جا چھپا رکھا ہے بتاؤ میرے صاحب
کس طرح ہمکو بنے اُس سے ملاقات کا ڈھب — جس سے ہرگز نہ ملا آہ کبھی بات کا ڈھب
خانہ غیر مین کرتے ہو مری مہمانی ✧ — واہ وا زور یہ سیکھے ہو مدارات کا ڈھب
گرچہ بیٹھے ہو مرے پاس و لے غیرون سے — مین نے دیکھا ہے تمھارا ہے اشارات کا ڈھب
کیا پوچھتے ہو تم مرے درد کہن کی بات — لو ہمدمو کچھ اب کرو گور و کفن کی بات
غنچے نہین چٹکتے چمن بیچ مل کے سب — آپس مین کرتے ہین مرے غنچہ دہن کی بات
کہتے ہین بوسہ دینے کہا ہمنے پر مجھے — باور ہو تب جو آپکے سُن لون دہن کی بات
بہت آیا ہون تنگ اس دل کے مین فریاد و نالے سے — کسی کی حق نہ ڈالے ہمدمو بیمار سے صحبت
ہوا صحبت سے بلبل اور گل کی مجھپہ یون ظاہر — نہ مفلس کی بنے ہرگز کبھی زر دار سے صحبت
شب فرقت کا مجھسے حال مت پوچھا کرو یارو — کبھی رہتی ہے در سے اور کبھی دیوار سے صحبت
خدا جیتا بچا دے آج اُسکو تو غنیمت ہے — محبت کو بڑی ہے یک بت خونخوار سے صحبت
نے آشتی نہ صلح نہ تھا مجھ سے جنگ رات — مین نے تو دیکھے آپکے کچھ اور ڈھنگ رات
کر یاد سوز دل کو مرے کھینچی ایک آہ — دیکھا جو اُسنے شمع پہ جلتے پتنگ رات
روتا تھا کوئی خون کوئی غلطان تھا خون مین — مجلس مین ہو رہا تھا عجب اُسکی رنگ رات
زاہد یہ دخت رز جو ہوئی اپنے روبرو — بے اختیار آ گئی ہمکو اُمنگ رات
شب تیری خوب کھائین محبت نے گالیان — کیا کہیے اُسکا جاتا رہا عار و ننگ رات
یون دیکھتا ہون زلف سیہ فام کی طرف — گھبرا کے صید دیکھے ہے جون دام کی طرف
جی چاہے بوسہ دے مجھے جی چاہے گالیان — دیکھو پرانے دیکھ کے تو نام کی طرف
نے زر یہان نہ زور نہ یار آشنا کا نام — رکھتے ہین اپنے پاس صنم ہم خدا کا نام

ظالم کہوں میں یا کہ ستمگار ہمدمو کیا پوچھتے ہو مجھ سے تم اُس سیم کا نام

بخشی سردار خان کی اولاد کا باقی حال

احمد خاں پسر بخشی سردار خاں نواب سید فیض اللہ خاں کی اطاعت میں ہمیشہ سرگرم رہتا تھا اس لیے نواب موصوف اُس سے محبت رکھتے تھے۔ لال ڈانگ سے جو اُسکو گنگا پار اُتار دیا اور رام پور میں لائے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ نواب شجاع الدولہ کو اُس سے سخت عداوت تھی کیونکہ احمد خاں نے نے رام گھاٹ پر ملاقات کر کے عہد و پیمان باہم کر لیا تھا اور جبکہ شجاع الدولہ نے روہیلکھنڈ پر چڑھائی کے ارادے سے گنگا کے گھاٹ پر پل کی تیاری کا خواجہ لطافت کو حکم دیا تو احمد خاں نے پھر ایسا ایک سفیر گنگا پار موضع کوریا گنج میں شجاع الدولہ کے پاس بھیج کر پہلے عہد و پیماں کو تازہ کر لیا تھا اور جبکہ جنگ شروع ہوئی تو حافظ رحمت خاں کا ساتھ دیا اسلیے نواب شجاع الدولہ اُس پر بہت غصے تھے فتح حاصل ہونے کے بعد ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے خدا کا شکر ہے کہ اُسنے مجھکو روہیلکھنڈ کے آدمیوں کے خون میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھا مگر میں احمد خاں کو ضرور قتل کراؤنگا۔ اپنے افسروں کو حکم دے دیا تھا کہ احمد خاں کو جہاں پائیں قتل کر ڈالیں مگر احمد خاں شکست کے بعد میدان جنگ سے نکل کر لال ڈانگ میں پہونچ گیا اور برابر مورچوں کی تیاری اور نواب سید فیض اللہ خاں کی خدمت گذاری میں مصروف رہا۔ جب نواب سید فیض اللہ خاں اور نواب شجاع الدولہ میں معاہدہ قرار پا کر صلح ہوئی تو اول ہی

ملاقات مین نواب شجاع الدولہ نے نواب سید فیض اللہ خان سے کہا کہ ہم کو احمد خان کے قتل کی بڑی لاگ ہے مگر جب کہ وہ آپ کی رفاقت مین ہے تو ہم نے اس خیال سے درگذر کی اب آپ اُس کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دین۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شجاع الدولہ کی بات کو ٹالنا مناسب نہ تھا نواب سید فیض اللہ خان نے مجبور ہو کر قبول کیا اور احمد خان اور اُس کے بھائیون کو اپنے لشکر سے رخصت کر دیا نواب سید فیض اللہ خان کی مرضی یہ تھی کہ شجاع الدولہ یہان سے کوچ کر جائینگے تو پھر مین احمد خان کو ہمراہ لیجاؤنگا مگر اُنھون نے یہ ہوشیاری کی کہ کرنیل چمپین کو مع انگریزی فوج کے بداؤن کے ضلع مین رام گھاٹ پر کئی دن تک ٹھہرا دیا۔ اور اُس کے سامنے تمام پٹھانون کے ساتھ احمد خان کو گنگا پار اُتار دیا۔ احمد خان محمد خان اور عبدالرحمٰن اور دوسرے لواحقین کو ساتھ لے کر نواب ضابطہ خان[۱] کے علاقے مین چلا گیا اور نوکری کے ذریعے سے اوقات بسری کرنے لگا طرفہ یہ ہے کہ اخبار حسن مین لکھدیا ہے کہ احمد خان بن بخشی سردار خان کو شجاع الدولہ کے ساتھ قدیم سے راہ و رسم دوستانہ تھی اسلیے اُسنے شجاع الدولہ کی بہت امیدواری کی مگر اُنھون نے احمد خان کا ملک واپس نہ کیا اور یہ بھی اخبار حسن سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد خان آخرکار نواب سید فیض اللہ خان کے پاس چلا آیا تھا۔ نواب موصوف نے اُس کے مصارف کے لیے مبلغ قرار در ماہہ مقرر کر دیا۔ ۱۸ ر رمضان سنہ ۱۲۲۴ ہجری کو احمد خان کا انتقال ہو گیا۔

---

[۱] دیکھو ردہیلکھنڈ گزٹیر اور فرح بخش مین اسکی جگہ بنیس کھتہ لکھا ہے ۱۲ سنہ ۱۲ دیکھو فرح بخش ۱۲

تہامت خاں پندرہ سال سے شجاع الدولہ کی خدمات انجام دیتا تھا اور ہر ایک طرح سے اُس کے ساتھ اخلاص رکھتا تھا۔ خانا اور ملا میں اُنکی تعریف کرتا رہتا اور ہمیشہ عمدہ عمدہ گھوڑے طلائی اور نقرئی زیور سے آراستہ کرکے اور اچھے اچھے شال دوشالے اُن کے پاس تحفۃً بھیجا کرتا تھا اور اپنے آپ کو شجاع الدولہ کا بڑا یار اور گہرا دوست سمجھتا تھا ہمیشہ اُسکی آرزو یہ تھی کہ شجاع الدولہ کی دولت و ملک کو ترقی رہے جب حافظ رحمت خاں مارے گئے شجاع الدولہ نے فتح پائی تو خوشی سے سامے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ اور ہر دم اللہ کا شکر ادا کرتا تھا اور دل جمعی سے آنولہ میں بیٹھا رہا اور ہر وقت اس انتظار میں تھا کہ میری جاگیر بلکہ کتنی مرحوم کا تمام علاقہ شجاع الدولہ مجھکو دیدینگے جو کوئی شجاع الدولہ کے لشکر سے آتا تو خاں مذکور یہ سمجھتا کہ میرے لیے جاگیر کی بحالی کا پروانہ لایا ہوگا۔ اسی طرح ناعاقبت اندیش مصاحبوں کے اغوا سے آنولے میں بیٹھا رہا۔ اور شاہ صدق علی سے جو نواب شجاع الدولہ کی طرف سے نواب سید سعداللہ خاں کی بیگم کی دلجوئی اور اطمینان کے لیے آنولے میں آیا ہوا تھا بہت گہری دوستی پیدا کرلی ہزاروں روپیہ اس سید عیار کی تواضع کردیا تھا۔ صدق علی نے جو دیکھا کہ خاں مذکور بالکل سادہ لوح ہے تو اُسکا سارا مال واسباب اپنے پاس بطور امانت کے رکھ لیا۔ تہامت خان اسی اس حرکت سے از بس مسرور تھا کہا کرتا تھا کہ میرا خازن شاہ صدق علی مصاحب نواب شجاع الدولہ ہے۔ میرا مال بڑی حفاظت سے رہے گا۔ صدق علی اللہ کی جناب میں ہزاروں شکر کرتا تھا کہ مسلمان کا مال بے محنت کے

ہاتھ لگا۔ صدق علی نے بعد اسکے یہ عیاری کی کہ شہامت خان کی ساری اشرفیان شیدی بشیر کے ساہوکار نانک چند کے پاس بسولی کی چھاؤنی مین جمع کر دین۔ بشیر کو پٹھانون سے دلی عداوت تھی اُس نے شجاع الدولہ کو لکھ بھیجا کہ مین نے شہامت خان کا سارا مال جمع کراکے فلان دوکان پر رکھوا دیا ہے اگر مرضی مبارک ہو تو مال حلال ہے لے لیا جائے۔ شجاع الدولہ ایک بڑی لالچی طبیعت رکھتے تھے اُنھین دوستی اور شناسائی سے کیا واسطہ۔ فوراً چوبدار کو بھیجکر دوکان سے وہ سارا مال طلب کر کے بہو بیگم کے سپرد کر دیا اور خوش ہوکر کہنے لگے کہ تمام روہیلکھنڈ مین یہی مال طیب ہاتھ آیا ہے۔ شاہ صدق علی کی بدولت شہامت خان مفلس ہوگیا اور اس دوغلے دغاباز دوست نے اُسکا کام خراب کر دیا اسلیے روہیلکھنڈ سے نکل کر دلی کو چلا گیا اور وہین رہنے لگا۔

سعادت خان نے دو ہزار اشرفیان باپ کے ترکے مین سے پائی تھین اور چونکہ دوندے خان کی ایک بیٹی اس سے بیاہی تھی اس لیے جہیز بھی بہت سا ملا تھا جب بخشی سردار خان کا انتقال ہوا تو اسنے امارت کا ٹھاٹ درست کرنے مین روپیہ صرف کرنا شروع کیا اور باپ کے ملک مین سے حصہ حاصل کرنے کی ہوس مین تمام نقد روپیہ اور زیور اور خانہ داری کا اسباب فروخت کر کے نوکرون چاکرون کے خرچ مین اُڑا دیا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تمام مال ومتاع اور زر نقد کھو کر خفیف اور خراب حال ہوگیا قلندرانہ اوقات گذاری کرنے لگا یہانتک کہ کھانے کو محتاج ہوگیا دوندے خان کی حویلی پر رہنے لگا وہین سے خورونوش کا کام چلنے لگا۔ جب حافظ صاحب مارے گئے

تو اسکے اہل و عیال اپنے والدین کے یہاں بسولی میں موجود تھے وہ بھی
دوندے خاں کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ شجاع الدولہ کے پیچھے میں
آکر الہ آباد میں مقید ہوگئے۔ سعادت خاں اُن کی رہائی کی کوشش میں
شجاع الدولہ کے لشکر میں پہونچا اور اُس کے ہمراہ لال ڈانگ تک رہا
اور صلح کے بعد فیض آباد کو ساتھ گیا۔ شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد
آصف الدولہ کے لشکر میں خراب و سرگردان پڑا رہا مگر کسی نے اُس کی
بیکسی پر رحم نہ کیا جن لوگوں نے اُسکا مال و اسباب کھایا اُڑایا تھا
انھوں نے اس مصیبت کے وقت میں اُسکی خبر نہ لی اکثر ایسا ہوتا کہ صبح سے
شام تک اور شام سے صبح تک فاقے سے پڑا رہتا۔ حتیٰکہ ۱۱۹۰ھ ہجری میں
قیدیان روہیلکھنڈ جلیخانۂ الہ آباد سے رہا ہو کر لکھنؤ پہونچے تو سعادت خاں
کی بی بی بھی رہا ہو کر لکھنؤ میں اپنے بھائی محب اللہ خان اور فتح اللہ خان
کے ساتھ رہنے لگی۔ ۱۲۱۰ھ ہجری میں انگریزوں نے حافظ رحمت خاں کے
خاندان کے وظائف میں ترقی کی تو سعادت خاں کے لیئے بھی مدمعاش مقرر کی
کلو خاں روہیلوں کی شکست کے بعد انولے کی فراری کے وقت اپنا
سامان ا ربار اور والدہ کو لے کر بسولی کو چلا گیا اور بہت سامال و اسباب
حفاظت کی غرض سے دوندے خاں کی حویلی میں رکھدیا اور اپنی ماں
کے ساتھ بسولی میں رہنے لگا جب بسولی کی طرف شجاع الدولہ کی آمد مشہور
ہوئی تو کلو خاں کے پاس جس قدر مال موجود تھا اُسکو اور اپنی ماں کو لیکر
دریاے گنگا کے پار چلا گیا دوندے خاں کی حویلی میں جو کچھ مال و اسباب

اُسکا رہگیا وہ شجاع الدولہ کی ضبطی مین آیا۔

نواب سیّد فیض اللہ خان کی سپاہ کی فوج آصفی و انگریزی کے ساتھ معبر دارانگر پر تقرری اور نواب سیّد فیض اللہ خانکی سپاہ کے ساتھ اُن دونون فوجونکا جھگڑا ہونا

جبکہ سکھون کی شورش اور تاخت وتاراج کا اثر دریاے گنگا کے کنارے تک ظاہر ہونے لگا تو نواب آصف الدولہ نے کچھ سپاہ انگریزی اور اپنی فوج دارانگر پر گنگا کے متصل متعین کردی اور نواب سیّد فیض اللہ خان کو لکھا کہ آپ بھی کچھ اپنی فوج وہان بھیجدین تاکہ یہ دونون فوجین ملکر سکھون کے ادھر آنے مین مزاحمت کرین۔ نواب سید فیض اللہ خان نے مولوی غلام جیلانی خان کا رسالہ وہان بھیجدیا باوصف اس فوج کے وہان پہونچ جانے کے اور گنگا کے گھاٹ پر احتیاط رکھنے کے بھی سکھون نے ایک بار یورش کرکے دریاے گنگا کو عبور کیا اور سنبھل کو لوٹ لیا اور شرفا کی ننگ وناموس کو برباد کیا۔ اسی طرح کئی سال یہ فوجین دارانگر مین مقیم رہین ماہ رمضان ۱۱۹۵ھ ہجری مین نواب آصف الدولہ کی اور انگریزی سپاہ کے ساتھ نواب سید فیض اللہ خان کے آدمیون کی لڑائی ہوئی۔ انگریزی اور آصفی سپاہ کو ہزیمت ہوئی اور نواب صاحب کا رسالہ فتحیاب ہوا مولوی غلام جیلانی خان کے رسالہ کے یہ تین جماعہ دار ارےگئے بیاس خان احد خان۔ میان صدیق ابن میران صاحب پٹھانون نے اُن پلٹنون کا

اسباب اور سامان لوٹ لیا۔ اس فساد کے بعد سے سپاہ کی تعیناتی دارانگر کے مقام سے موقوف ہوگئی مگر انگریز اور آصف الدولہ اس جھگڑے کا حال سن کر ہراساں ہوئے اور لکھنؤ سے پامر صاحب اور تفضل حسین خاں کشمیری تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ تاوان وصول کرنے کے لیے رام پور کو آئے یہ دونوں صاحب رام پور پہونچے اور نواب سید فیض اللہ خاں سے بات چیت ہوئی نواب صاحب چونکہ نہایت دوراندیش تھے اسلیے پندرہ لاکھ روپے دے کر راضی کر دیا۔ یہ بیان جام جہاں نما کے مطابق ہے مگر انگریزی کتب تواریخ میں ان پندرہ لاکھ روپوں کے دیے جانے کی حقیقت دوسرے طور پر لکھی ہے ممکن ہے کہ یہ واقعہ بھی ضمناً اس میں شامل ہو۔

گورنمنٹ انگریزی کا آصف الدولہ کو ترغیب کرنا کہ وہ ریاست رام پور کو ضبط کرلیں اور اس حیلے سے پندرہ لاکھ روپے اور بقولے تیس لاکھ روپے نواب سید فیض اللہ خان سے وصول کرنا

عہد نامۂ لال ڈانگ کے موجب نواب سید فیض اللہ خاں سے یہ شرط قرار پائی تھی کہ پانچ ہزار سے زیادہ سپاہ اپنے پاس نہ رکھیں اور نواب اودھ کی اعانت دو تین ہزار سپاہ سے ہنگام جنگ موافق اپنی قابلیت کے کیا کریں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں لڑائی شروع ہوئی تو نواب سید فیض اللہ خاں نے دو ہزار سوار بھیجنے کی درخواست انگریزوں سے کی

جس پر لارڈ وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل نے اُن کا بہت شکریہ ادا کیا کوئی کہتا ہے کہ ۱۷۸۱ء مین گورنر جنرل نے نواب سیّد فیض اللہ خان سے پانچ ہزار سپاہ مندرجۂ عہدنامہ مانگی اُنھون نے حسب الحکم انگریزی تین ہزار سپاہ بھیجی مگر وہ اس قدر نہ تھی جو اُن سے مانگی گئی تھی اس لیے وہ فوج نامنظور کی گئی۔ اور انگریزی گورنر جنرل نے مقام چنار گڑھ مین آصف الدولہ سے ملاقات کرکے اُن کو نواب سیّد فیض اللہ خان کی ریاست چھین لینے کی اجازت دیدی چنانچہ ۱۹ ستمبر ۱۷۸۱ء کو ایک عہدنامہ لکھا گیا جسکی تیسری دفعہ نواب سیّد فیض اللہ خان سے متعلق تھی کہ جوکہ نواب سید فیض اللہ خان نے بسبب شکست کرنے عہد کے حقوق حفاظت و حمایت گورنمنٹ انگریزی ضبط کرا دیے اور اپنی خودسری سے نواب آصف الدولہ کو بہت دقت اور تکلیف دیتے ہین لہذا آصف الدولہ کو اجازت ہے کہ جب موقع وقت ہو اُن کی جاگیر ضبط کرکے اُن کو نقد روپیہ مشروطہ عہدنامہ معرفت صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ کے دیا کرین مگر جس قدر روپیہ اُس فوج کا ہوگا جو اُنھون نے عہدنامے کی رو سے سرانجام کرنے کی شرط کی تھی وہ روپیہ اُن کی نقدی مین سے منہا ہوکر حساب کمپنی مین تا قائم رہنے جنگ حال کے محسوب ہوگا۔

یہ اجازت لارڈ مذکور کی سوانح عمری مین ایک مشہور یادگار باقی ہے یہ تدبیر صرف نواب سید فیض اللہ خان کے ڈرانے کے واسطے کی گئی تھی

کیونکہ آصف الدولہ کو اُس جاگیر سے نفع حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی
جب مدراس اور بمبئی کے احاطوں میں لڑائی کی آگ بھڑک رہی تھی تو لارڈ
ہیسٹنگز نے نواب آصف الدولہ سے کہا کہ تم نواب سید فیض اللہ خاں
سے پانچ ہزار سوار ایسی خدمت کے لیے مانگو تاکہ انگریزی سپاہ مدراس
جانے کے لیے کافی ہو۔ اور گورنر جنرل نے نواب سید فیض اللہ خاں کو
بھی پانچ ہزار فوج آصف الدولہ کے واسطے تیار کرنے کی ہدایت کی
اس درخواست پر نواب سید فیض اللہ خاں نے لکھا کہ مجھے عہد نامے
کے موافق کل پانچ ہزار سپاہ رکھنے کی اجازت ہے جس میں دو ہزار سوار ہیں
جو اس وقت سرکار کمپنی کی خدمت گذاری میں مصروف ہیں اور
تین ہزار پیادے ہیں وہ ملک کی تحصیل آمدنی کرتے ہیں اُن کے بغیر کام
ملک داری کا نہیں چل سکتا میں سپاہ کہاں سے لاؤں۔ گورنر جنرل نے
نواب سید فیض اللہ خاں کے اس جواب پر خاں برسٹو صاحب لکھنؤ کے
رزیڈنٹ کو لکھا کہ وہ نواب سید فیض اللہ خاں سے تین ہزار سوار مانگے پھر
پھر اُنھوں نے عذر کیا مگر دو ہزار سوار اور ایک ہزار پیدل بھیجدیے اس پر
انگریزوں نے نواب آصف الدولہ کو سمجھایا کہ وہ راضی نہ ہوں۔
غرض موافق دفعہ سوم عہد نامہ چیار گرنسھ نواب آصف الدولہ نے ارادہ
کیا کہ نواب سید فیض اللہ خان کی ریاست ضبط کرلیں کیونکہ انگریز اس
عہدنامے کے ضامن جب تک تھے کہ کوئی نقض عہد نواب سید فیض اللہ خاں
کی طرف سے نہ ہو۔ یہ بہت بڑی ہٹ دھرمی تھی کہ اس بہانے سے عہدنامے سے

پھرتے تھے اُس مین یہ کہان لکھا ہوا تھا کہ پانچ ہزار سوارون سے نواب اودھ
کی استعانت کی جائے گی اُس مین تو دو تین ہزار سپاہ کا بحسب قابلیت
وعدہ تھا وہ بھی سوارون کا نہ تھا غرض کہان یہ عہد کہ پانچ ہزار سپاہ سے
زیادہ نہ رکھو کہان اُس کے یہ معنی کہ پانچ ہزار سوار نواب اودھ کی خدمت
کے لیے بھیجو۔ زمین آسمان کا فرق تھا مگر زبردستون کو اختیار تھا کہ جو چاہین
سو کرین۔ اُس وقت تو فقط اس اصول پر ہیسٹنگز صاحب کا عمل تھا کہ جس
رئیس اور امیر سے جو کچھ اینٹھا جائے وہ اینٹھیے جو مرغی موٹی ہو اُسے ذبح کیجیے۔
۱۷۸۳ء مین آصف الدولہ کو از حد اصرار اسپر ہوا کہ گورنر جنرل اجازت
دیدین کہ وہ نواب سید فیض اللہ خان کی ریاست ضبط کرلین۔ نواب سیّد
فیض اللہ خان اس خدمت کے عوض ہرجانے کا روپیہ دینے پر راضی ہوئے
اور اُنھون نے اس نازک معاملے کے تصفیے کے لیے اپنے سفیر منشی لال جی داس
ابن راجہ کنور سین کو کلکتے کو بھیجا اور دس لاکھ روپون کی ہنڈیان اجراے کار
کے لیے اُن کے ہمراہ کین منشی لال جی داس نے اپنے حسن کارگذاری سے
اُس کام کو بلا صرف نواب صاحب کے اطمینان کے قابل طے کرادیا۔ یعنی
گورنر جنرل سے یہ بات قرار پائی کہ وہ اس شرط کو جس سے نواب سیّد
فیض اللہ خان پر فرض تھا کہ نواب وزیر کی اعانت دو تین ہزار فوج سے
ہنگام جنگ کرین مسترد کرادین۔ جبکہ منشی لال جی داس کلکتے سے واپس
آئے اور یہ خوشخبری نواب صاحب کو سنائی تو اُنھون نے دریافت فرمایا کہ
کس قدر رقم صرف ہوئی منشی نے کل ہنڈیان بجنسہ نواب صاحب کو واپس کین۔

نواب صاحب نہایت خوش ہوئے خلعت اور پالکی اور بارہ سو بیگہ
زمین معافی میں عنایت فرمائی اس زمین کے متعلق ایک موضع سالم
ہے نام اس کا کوڑیا گنج ہے کہ تحصیل ملک میں واقع ہے اور دو سو بیگہ
دوسری زمین ہے۔ ؎۱

چونکہ نواب سید فیض اللہ خاں ایک ذی مقدرت رئیس خیال
کیے جاتے تھے اس لیے پندرہ لاکھ روپے ہرجے کی بابت طلب کیے
گئے۔ اس روپے کے ادا کرنے پر نواب سید فیض اللہ خاں راضی ہوگئے
اور میجر پامر صاحب انگریزوں کی طرف سے رام پور آئے اور یہاں
ایک مہینہ رہے اور نواب سید فیض اللہ خاں سے پندرہ لاکھ روپے لیے
اور آئندہ سب دعووں سے فارغخطی لکھدی۔

؎۱ محکمۂ دار الانشا کا کام ان ہی کے خاندان سے مخصوص چلا آتا ہے۔ نواب سید فیض اللہ خاں
کے عہد میں اس سررشتہ کو منشی خانہ کہتے تھے نواب سید احمد علی خاں کے عہد تک ہی نام رہا
حکمت بہاری لال میر منشی فارسی ان منشی موہن لال ان کی اولاد میں سے ہیں ان کی قوم کایستھ
ماتھر مہاشی ہے۔ منشی لال جی داس کی وفات کے بعد منشی گری کی خدمت پر ایک کے دو منشی
مقرر ہوئے (۱) منشی سرب سکھ رائے (۲) منشی کشن داس خاص بات قابل تعجب یہ ہے
کہ ان دونوں صاحبوں نے خط شکستہ میں ایسا تطابق حاصل کیا کہ اکثر مسودہ کو نصف
ایک صاحب نے اور نصف دوسرے نے لکھا لیکن کوئی شخص امتیاز نہیں کر سکتا تھا
کہ کس کا لکھا ہوا ہے اور ان کا طرز تحریر ایسا خاص اور نئی قسم کا تھا کہ دور دور تک
اس کی شہرت اور وقعت سے صرف دیکھنے سے یہ کہا جاتا تھا کہ یہ خط سرکار رام پور کے
منشی خانہ کا ہے موجد اس طرز تحریر کے لالہ موجی لال ہیں کہ وہ بھی نواب سید فیض اللہ خاں کے
میر منشی تھے منشی کشن داس کی تاریخ وفات عمر شاہ خاں نے یوں موزوں کی ہے ؎
منشی نادر رقم کشن داس چون وجودش در عدم ساکن شد گفت تاریخ سالش آگاہ
جسم و جاں او ز آتش پاک ست ؟؟

تحریر جو میجر ولیم پامر صاحب نے نواب سیّد فیض اللہ خان بہادر کو دی تھی

چونکہ عہدنامہ اکثر شرائط کا سابق وزیر مرحوم شجاع الدولہ اور وزیر حال آصف الدولہ کے اور نواب سید فیض اللہ خان کے درمیان قرار پایا ہے اُس مین ایک یہ بھی شرط ہے کہ جب کہین نواب وزیر فوج کشی کرین تو نواب سید فیض اللہ خان دو تین ہزار سپاہ خود بھی فوج کے ہمراہ دین گے۔ اس سے فریقین مین گاہ گاہ تکرار اور شبہ پیدا ہوا ہے لہذا نواب سید فیض اللہ خان نے میری معرفت درخواست کی کہ نواب وزیر اس شرط کو جس سے اُن پر فرض ہے کہ بروقت ضرورت فوج سے مدد کرین مسترد کردین اور وعدہ کرتے ہین کہ اس خدمت یا مدد کے عوض پندرہ لاکھ روپے اس طرح دینگے۔ پانچ لاکھ روپے فوراً پانچ لاکھ روپے خریف مین اور دو لاکھ روپے ربیع ۱۱۹۱ فصلی مین اور باقی تین لاکھ روپے شروع خریف ۱۱۹۲ فصلی مین ادا کرینگے اور نواب وزیر نے بھی ان شرائط پر منظور کیا کہ وہ شرط مذکورۂ بالا عہدنامۂ سابق سے مسترد کردینگے۔ آج کی تاریخ سے یعنی ۱۴۔ ربیع الاول ۱۱۹۷ ہجری سے باقی شرائط عہدنامے کے بحال اور برقرار رہینگے۔ مجھے جو نواب وزیر اور ارباب کونسل نے بھیجا ہے تو مین اقرار کرتا ہون کہ آئندہ نواب وزیر توقع آپ کی فوج کے ملنے کی نہ رکھینگے اور اگر احیاناً وہ طلب کرین تو جو صاحب اُن کے پاس ارباب کونسل کی

جانب سے ہیں وہ اس بارے میں اُن سے مزاحمت کریں گے۔ بشرطیکہ نواب سید فیض اللہ خاں تمام شرائط عہدنامے کی تعمیل کریں جو اُن کے اور وزیر کے درمیان قرار پایا ہے بااستثنائے اُس شرط کے جس کی رو سے انھیں فوج دینی فرض ہے۔ اور نواب سید فیض اللہ خاں نواب وزیر کے کسی متاجر کو ترغیب نہ دیں اور اپنے علاقے میں رہنے نہ دیں اور نواب وزیر بھی عہدنامۂ سابق کی شرائط کی تعمیل کریں گے اور اُن کی ریاست کے اہلکار اس کے مطابق نواب سید فیض اللہ خاں کے کسی متاجر کو ترغیب نہ دیں گے اور نہ اپنے ملک میں پناہ دیں گے۔ میں اس عہدنامے کو نواب وزیر کی جانب سے منظور کر کے اقرار کرتا ہوں کہ نواب سید فیض اللہ خاں فرض مدد دہی سپاہ سے بری کیے گئے اور تحریر ضمانت ازجانب کونسل کی جانب سے جو نواب سید فیض اللہ خاں کے لیے تھی دیتا ہوں۔

المرقوم ۱۴ ماہ ربیع الاول ۱۱۹۷ھ ہجری مطابق ۱۷ فروری ۱۷۸۳ء۔

کونسل میں منظور ہوا فورٹ ولیم تاریخ ۳ جون ۱۷۸۳ء۔

دستخط وارن ہیسٹنگ۔ دستخط ایڈورڈ وہیلر۔ دستخط جان میکفرسن۔

دستخط جان اسٹیس۔

اسکے علاوہ پندرہ لاکھ اور اس بہانے سے وصول کیے کہ یہ جاگیر نواب سید فیض اللہ خاں کی جین حیات تھی اب یہ اُن سے عہد کیا گیا کہ نسلاً بعد نسل یہ ملک قائم رہیگا۔ اور مل کی انگریزی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس دوسری رقم کے دینے سے نواب فیض اللہ خاں نے انکار کر دیا۔

گورنر جنرل نے کورٹ ڈائرکٹرز کو رپورٹ بھیجدی کہ آصف الدولہ کی درخواست نواب سید فیض اللہ خان سے پانچ ہزار سوارون کی بیجا تھی موافق عہدنامے کے دو تین ہزار سپاہ سے خدمتگذاری اُن کے ذمے واجب تھی اور جو افواہین اُنکی بغاوت کی نسبت مشہور ہوئی تھین وہ محض بے اصل تھین۔

مل کی انگریزی تاریخ مین لکھا ہے کہ اس معاملے مین انگریزی دست اندازی نے صرف اپنا اعتبار ثابت کرنا چاہا مگر اُس کے خلاف لوگون مین یہ مشہور ہوا کہ آصف الدولہ نے اس دست اندازی کی بابت انگریزی حکومت کو کچھ معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا (انتہیٰ)

سرکار کمپنی کے روپے کی ضرورت نے روہیلون کے ساتھ سوائے ظلم و ستم کے اور کچھ کام نہ کیا۔ انتظام مین عدالت کو دخل نہ تھا عہد و پیمان کا تار کبھی بال سے زیادہ نازک اور کبھی لوہے سے زیادہ سخت ہو جاتا تھا ہر کام کے لیے یہ عذر تھا کہ سخت ضرورت تھی ؏ گر ضرورت بود روا باشد پر عمل تھا مگر بُرے کامون کو کہین ضرورت اچھا نہین بنا دیتی۔ ایک لٹیرا کہے کہ مجھے اپنے معصوم بچّون اور بیکس بیوی کے روٹی کپڑون کے لیے روپون کی ضرورت تھی اس لیے مین نے لوٹا تھا تو کیا بُرائی سے وہ بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ غرض اُس وقت فقط یہ دیکھ لیا جاتا تھا کہ کس کام کے کرنے مین بڑی بڑی مشکلین آسان ہوتی ہین اُسی کو کرنے لگے اور یہ نہ سمجھے کہ ہمیشہ عزت کو بٹہ لگتا ہے۔ اب بڑا سوال اکثر یہ کیا جاتا ہے کہ ایسی مصیبتون کی حالت مین یہ نہ کیا جاتا تو کیا کیا جاتا

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کام کرنا چاہیے تھا جو انصاف اور شرافت کے مناسب تھا۔

مرزا جوان بخت اور مرزا سلیمان شکوہ
شاہزادگان دہلی کا رام پور میں ورود

مرزا جوان بخت جو شاہ عالم کی نیابت میں دہلی میں رہ چکے تھے سنہ ۱۱۹۸ھ میں قلعۂ دہلی سے نکل کر لکھنؤ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب رام پور میں آئے تو نواب سید فیض اللہ خاں نے بہت کچھ پیش کش نذر کیا اور بڑی دھوم دھام سے مہمانی کی رسم ادا کی شاہزادے صاحب سات روز تک یہاں رہے پھر لکھنؤ کے ارادے سے دہلی کی طرف چلے گئے۔

سہ شنبہ ۳- جمادی الاخری سنہ ۲۶ جلوس شاہ عالم مطابق سنہ ۱۱۹۰ ہجری میں شاہزادہ سلیمان شکوہ بھی قلعۂ دہلی سے نکل کر لکھنؤ کے ارادے سے جمادی الاولیٰ میں مرادآباد میں داخل ہوئے۔ شب کے وقت نواب سید فیض اللہ خاں کو اُن کے داخلۂ مرادآباد کی خبر ملی صبح کو شاہزادے صاحب رام پور کی طرف روانہ ہوئے۔ نواب صاحب نے تیسرے چار کوس کے فاصلے پر استقبال کیا نذر گذرانی اور بڑے اعزاز کے ساتھ رام پور میں لاکر قلعہ میں اُتارا۔ نقد و جنس ہاتھی گھوڑے ہتھیار اور خیمے وغیرہ پیش کیے۔ وقائع عالم شاہی میں ان اشیا کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ نواب سیّد فیض اللہ خاں رئیس رام پور نے دو ہزار روپیہ اور دو ہاتھی

اور چند گھوڑے اور کئی خیمے مع لوازمہ باربرداری کے پیش کیے۔ چار روز تک شاہزادے صاحب رام پور مین مقیم رہے۔ جمعہ کو جامع مسجد رام پور مین نماز ادا کی۔ خطیب کو خلعت دیا۔ اور مسجد ہی سے روانگی کے ارادے پر گھوڑے پر سوار ہوکر بریلی کی طرف روانہ ہوے۔ نواب سید فیض اللہ خان اپنے بیٹون اور سردارون کے ساتھ ہمرکاب تھے۔ اور جہان شاہزادے کا خیمہ کھڑا تھا وہان پہونچا کر قلعہ کو واپس آئے۔ رات کو عمر خان بڑمونچھے کے ہاتھ دعوت کے خوان بھیجے۔ شاہزادے نے عمر خان کی معرفت نواب صاحب کے لیے خلعت بھیجا اور عمر خان کو دوشالہ ودستار عنایت کی اور صبح کو بریلی کو روانہ ہوگئے۔ ۳۔ جمادی الاخری ۱۲۰۱ ہجری کو بریلی مین پہونچ گئے۔

نواب سید فیض اللہ خان بہادر کے ذاتی عادات

نواب سید فیض اللہ خان کی طبیعت مین نہایت انتظام تھا روپے کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اُس کے جمع کرنے کا بھی اُن مین اعلیٰ درجے کا مادّہ تھا چار لاکھ پچیس ہزار اشرفیہاے سکہ جے پور خزانے مین جمع کرلی تھین جن مین سے تین لاکھ اکیس ہزار جنگ دوجوڑہ کے بعد نواب آصف الدولہ کے ہاتھ آئین خلیفہ معظم کہتا ہے کہ یہ اشرفیان پندرہ روپے کے بھاؤ سے خریدی گئی تھین۔ مگر جیسا کہ وہ بطور احسن جمع کرنا جانتے تھے اُسی طرح صرف کرنے کے مواقع بھی بخوبی پہچانتے تھے۔

یہ رامپور جو نواب صاحب نے آباد کیا ہے مصطفیٰ آباد اس لیے نام رکھا کہ
پس آباد ایک شہر قدیم مشہور تھا[1] اور بعض ثقہ لوگوں کا یہ بیان ہے کہ
نواب صاحب شاہ آباد میں رہتے تھے چونکہ اس کے تلے رام گنگا بہتی ہے
انھوں نے یہ خیال کیا کہ کبھی مرہٹے چڑھائی کریں اور رام گنگا طغیانی پر ہو
تو پہاڑ کی طرف چلنے میں دقت واقع ہوگی اسلیے انکو ایسا دار الریاست
ایک ایسے مقام پر مقرر کرنے کی ضرورت ہوئی جس کے اور پہاڑ کے درمیان
کوئی بڑا دریا حائل نہ ہو۔ پس انھوں نے صاحبزادہ سید مصطفیٰ خاں
ابن سید اللہ یار خاں ابن نواب سید علی محمد خاں کو ایسی جگہ تجویز کرنے
کے لیے بھیجا اور اُن کو یہ بھی ہدایت کردی کہ وہ مقام شارع عام سے علیحدہ ہو
سید مصطفیٰ خاں نے یہ سرزمین پسند کی۔ نئی آبادی کے بعد شہر کا نام سید
مصطفیٰ خاں کے نام کی رعایت سے مصطفیٰ آباد مقرر ہوا۔ عام زبانوں پر
گو محیط نہ ہوا لیکن دفاتر اور تسمیات میں عموماً حاکمانہ عزت اور رروز کے
ساتھ قائم ہوگیا۔ شہر کی آبادی سے پیشتر اس موقع پر ایک چھوٹا سا گاؤں
رامپور نامی آباد تھا جو شاہ آباد کے متعلق تھا اُسی کی وجہ سے نئی آبادی
بھی رامپور کے نام سے مشہور ہوگئی۔ محلہ ٹھوٹھر اور راج دوارہ اسی نام
کی پرانی بستیوں کی بقیہ آبادیوں میں سے ہیں اور شہر کا بہت بڑا حصہ ان
دو محلوں سے آباد ہے اگلے زمانے کے حکمراں راج دوارہ میں رہا کرتے تھے
چنانچہ اس محلے میں اب تک ہندوؤں کے مکانات زیادہ ہیں اس شہر کی

[1] دیکھو مخزن العلوم ۱۲

آبادی کے گرد نہایت گھنا اور چوڑا بانسی کا حصار تیار کرایا تھا اس حصار کا دور آٹھ دس میل کے قریب تھا صرف دس جگہ آمد ورفت کے واسطے دروازے بنائے گئے تھے۔ مساکن فلسفی میں لکھا ہے کہ نواب سید فیض اللہ خان نے شہر رام پور کے گرد بطور حصار کے بانسی لگوائی اور کچی شہر پناہ پانچ چھ کوس کے دور میں بنوائی تھی (انتھی) اس شہر پناہ اور بانسی کا اب نام ونشان باقی نہین رہا۔ پرانا قلعہ نامی مکان خاص انھین کا بنوایا ہوا تھا۔

یہ شہر ضلع مراد آباد کے سوانہ سے ملا ہوا مراد آباد سے اٹھارہ میل مشرق کی طرف آباد ہے اس شہر کا عرض البلد شمالی ۲۸ درجہ ۴۸ دقیقہ ۳۰ ثانیہ ہے اور طول البلد اس کا ۷۹ درجہ ۵ دقیقہ ۳۰ ثانیہ ہے۔ شہر کی آبادی کا رقبہ ۲٫۶ میل مربع یا ۱۶۶۴ ایکڑ ہے۔

رام پور کے تلے جو دریا ے کوسی بہتا ہے اُس کی طغیانی سے شہر کو بہت نقصان پہونچتا تھا صدہا مکانات منہدم ہو جاتے تھے کیونکہ خام مکانات زیادہ تھے خام اُس مکان کو کہتے ہین جسکی دیوارین مٹی سے بنائی جاتی ہین نواب سیّد فیض اللہ خان نے جب اس شہر کو آباد کیا تھا تو یہان صرف ایک تھانہ قائم کیا تھا گو اُن کے عہد مین واقعات بکثرت ہوتے تھے مگر کوئی شخص سرکار مین مستغیث ونالشی نہین ہوتا تھا حتی کہ اگر کوئی واردات قتل بھی وقوع مین آتی تو تا وقتیکہ سرکاری گرفت ہو مقتول کے وارث خود انتقام لے لیتے تھے یا سادات عظّام قرآن مجید لے کر جاتے تو خون معاف کر دیتے تھے یا سرداران قوم افاغنہ اپنے اپنے گروہ کے معاملات خود زبانی

طے کر لیا کرتے تھے اور سرداران افاغنہ کے معاملات دوستانہ طور سے نواب سید فیض اللہ خان فیصل فرماتے تھے یہ قاعدہ نواب سید احمد علی خان کے عہد تک اسی طرح جاری رہا بلکہ نواب سید محمد سعید خان نے اپنی مسند نشینی سے ایک سال تک وہی برتاؤ کیا۔

نواب سید فیض اللہ خان بڑے بہادر آدمی تھے اُن کی بہادری کا نمونہ اسی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام جسم زخموں سے چور تھا اور نہایت متقی و پرہیزگار تھے خیر و برکات کا ظہور اُن کے عہد میں بہت ہوا۔ اکثر رامپور کے آدمیوں نے نواب صاحب کے بعض بعض واقعات کو کمال اتفاق کے رنگ میں جلوہ دیا ہے کیونکہ اُن کی نیک روش سے تمام لوگ اُنکے دعا پرست مکھوار تھے اور پھر پٹھانوں کی لفاظی گرم مسالے کا کام دیتی ہے اگرچہ یہ ضرور نہیں کہ سب باتیں تسلیم کر لی جائیں لیکن اسی بات ہے کہ ایسے با اقبال اور نیک نیت لوگوں میں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عام لوگوں میں نہیں ہوتیں اُس میں سے ایک حکایت نقل کرتا ہوں جو بات واقعی ہے اور دل کو لگتی ہے خود معلوم ہو جاتی ہے سنا ہے کہ دریائے کوسی جو شہر رامپور کے تلے جانب غرب بہتا تھا اُس زمانے میں نہایت جوش پر تھا اور اُس کی دھار بند ہونے میں بڑا اہتمام تھا یہانتک کہ نواب صاحب بنفس نفیس گئے اور شاہ جمال اللہ صاحب قدس سرہ اور بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب وغیرہ ایسے اچھے ارباب کمال ہمراہ تھے نواب صاحب نے حکم دیا جو کوئی کبھی کسی فعل حرام کا مرتکب نہ ہوا ہو وہ پہلے دھار باندھے میں

دست انداز ہو یہ سُن کر بہت سے آدمیون نے ارادہ کیا نواب صاحب نے کہا کہ میرا مقصود یہ ہے کہ ارادہ بھی فعل بد کا نہ ہوا ہو یہ سنتے ہی سب سکوت ہوا اور کوئی متصف اس صفت کے ساتھ نہ نکلا جب دیر ہوئی تو اُس وقت آپ روئے اور سمت قبلہ ہاتھ اُٹھا کر بحلف مذہب کہا کہ میرے دل مین کبھی خطرہ بھی کسی فعل زشت و حرام کا نہین آیا یہ کہکر نواب صاحب نے بدایت کی۔ صلوٰۃ تنجینا کہ درود ماثور و مشہور ہے اُسکے عامل تھے۔ معقول مین قطبی میر تک عبور تھا۔ منقول مین اچھی استعداد رکھتے تھے۔ سادات کا بہت لحاظ کرتے تھے یہانتک کہ اگر کسی سید سے کوئی خطا ہو جاتی تھی تو بمقتضاے شرم و لحاظ اُس سے آنکھ نہین ملاتے تھے۔

مولوی قدرت اللہ شوق کہ نواب صاحب کے معاصر تھے جام جہان نما مین نواب صاحب کے حالات مین بیان کرتے ہین کہ نواب سید فیض اللہ خان کی نیک نیتی سے اُن کا تمام علاقہ سرسبز و آباد ہے اور سپاہ و رعایا شاد ہے دین کے کامون کا رواج جس قدر ریاست رام پور کی حدود کے اندر ہے اسکا دسوان حصہ بھی دوسرے ملک مین نہین ہے۔

دیوان منولال دہلوی نے اپنی کتاب جغرافیہ مین جسکا نام مساکن فلسفی ہے لکھا ہے کہ نواب سید فیض اللہ خان کی سرکار مین پانسو علما کو وظیفے ملتے تھے جو طلبا کو پڑھاتے تھے۔ اس زمانے مین علم کو بڑی رونق تھی چنانچہ رام پور بخاراے ہندی کہلاتا تھا۔

نواب صاحب کے حسن انتظام اور اُن کی رعایا کی خوش دلی ہی کی وجہ تھی

کروڑ پر دہ لاکھ روپے سالانہ آمدنی کی ریاست میں بائیس لاکھ روپے سالانہ کی بست ہوگئی تھی۔ [1]

نواب صاحب کے عہد میں مسجدیں بکثرت تعمیر ہوئیں جامع مسجد قدیم اُن ہی کی تعمیر کرائی ہوئی تھی جو نواب سید کلب علی خاں کی تعمیر کرائی ہوئی جامع مسجد کے پہلو میں آگئی تھی اب نواب سید حامد علی خاں صاحب بہادر نے ان دونوں کو ملا کر ایک خوبصورت اور عالی شان جامع مسجد بنوادی ہے۔

نواب صاحب کا دل نہایت نیک تھا اکابر اور مشائخ کے کلام پر بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ راسی معرفت کے نکتے پر آنسو بھر لاتے تھے۔ صحبت میں ہمیشہ قال اللہ وقال الرسول کا ذکر تھا۔

نواب سیّد فیض اللہ خان کی وفات

نواب سید فیض اللہ خاں سنہ ۱۱۴۶ ہجری میں پیدا ہوئے تھے جنگ نامہ لال ڈانگ کے بعد بیس برس ریاست کی۔ چونسٹھواں سال عمر کا شروع ہوا تھا کہ بغل میں داہنی طرف کو کھ پر پھوڑا نکلا اور وہ بڑھتے بڑھتے جگر تک سرایت کر گیا اُسی صدمے سے یکشنبہ کے دن ذیحجہ کی سترھویں تاریخ بارہ سو آٹھ ہجری میں بریسٹھ برس سات مہینے پانچ دن کی عمر پا کر عالم بقا کی راہ لی معظم نے دوجوڑہ کے جنگ نامے میں کہا ہے۔

سترھویں تھی تاریخ ذیحجہ کی تھا دن یکشنبہ جو رحلت ہوئی

---

[1] دیکھو جنگ نامۂ دوجوڑہ مؤلفہ معظم ۱۲

ترسیٹھ برس پانچ دن سات مہ ہوئی عمر از روے سال گرہ

انتخاب یادگار مین نواب سیّد فیض اللہ خان کی تاریخ وفات ۱۸۔ذیحجہ سنہ ۱۲۰۸ ہجری مطابق ۱۷۔جولائی سنہ ۱۷۹۴ع روز پنجشنبہ لکھی ہے اور تقویم یک صد وده سالہ من ابتداے سنہ ۱۷۶۴ع لغایت سنہ ۱۸۶۵ع مطبوعہ مطبع منشی نولکشور مین ۱۷۔ذیحجہ سنہ ۱۲۰۸ ہجری کو مطابق ۱۶۔جولائی سنہ ۱۷۹۴ع کے بتایا ہے مگر دن چہارشنبہ کا لکھا ہے۔

اسی شہر مین عیدگاہ دروازے کے قریب مقبرے مین مدفون ہوے ہین لفظ **غروب** مادۂ سال رحلت ہے اور **علیہ رضوان اللہ** بھی اُن کی رحلت کی تاریخ ہے۔عنبر شاہ خان عنبر تخلص نے تاریخ سال رحلت یون لکھی ہے۔

نسیم روضۂ جنت شمیم نافۂ خلد که نام فیض آنکش شده نگار بهشت

دلش چو عزم جنان کرد جان رضوان گفت میان معنی تاریخ او قرار بهشت

معظم جنگ نامۂ دو جوڑہ مین لکھتا ہے کہ نواب صاحب کی وفات کے بعد منگل داروغۂ باغات نے خواب مین دیکھا کہ نواب صاحب فرماتے ہین کہ ہماری تربت پر جو پھولون کی چادر چڑھائی جاتی ہے اُس مین گلاب کے پھول نہین ہوتے اس کے بعد نواب صاحب نے اُس سے کہا کہ تو پائین باغ مین جا وہان گلاب کے پھول موجود ہین وہ لے آ جب آنکھ کھلی اور جا کر دیکھا تو وہان دو پھول تازہ کھلے ہوے ملے۔

نواب صاحب کی مُہر

اُن کی مُہر مربع اور چھوٹی تھی اُسمیں یہ عبارت کندہ تھی اُفوّض امری الی اللہ یہ مہر میرے والد نور اللہ مرقدہ نے دیکھی تھی۔ مگر میرے ماموں حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم کہتے ہیں کہ اُن کی مہر میں اسقدر عبارت ہے افوض امری الی اللہ عبدہ فیض اللہ۔

نواب صاحب کے عہد کے علما اور مشائخ

نواب سید فیض اللہ خاں بہادر کے عہد میں اعلیٰ درجے کے مشائخ اور علما جمع تھے جیسے (۱) حضرت شاہ عبد الکریم صاحب عرف ملا فقیر اخوں جنھوں نے ۲۔ شعبان ۱۲۰۶ھ ہجری کو ۹۳ سال کی عمر میں انتقال کیا (۲) شاہ عبد اللہ صاحب بغدادی قادری عرف شاہ بغدادی صاحب (۳) شاہ جمال اللہ صاحب (۴) میاں حسن شاہ صاحب حضرت نے تقویۃ بدعات کے دیباچے میں ان کی بہت تعریف کی ہے (۵) بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب بن ملا نظام الدین لکھنوی (۶) مولانا رستم علی صاحب محشی میر زاہد رسالہ (۷) ملا حسن صاحب شارح سلم العلوم وغیرہ (۸) مولوی اعز الدین (۹) مفتی شرف الدین صاحب عالم متبحر (۱۰) مولوی عبد الرحیم صاحب بن مولوی محمد سعید صاحب جن کی قبر انگوری باغ کے پاس شمالی جانب

مسجد اور دیوار باغ کے درمیان سڑک مین آگئی ہے جو اصطبل کی طرف گئی ہے (۱۱) حکیم محمد بایزید صاحب شاگرد حکیم کبیر علی صاحب سنبھلی[1] حکیم بایزید ملا فقیر آخون کے چھوٹے بھائی تھے۔ ایک کتاب علم طب مین تالیف کرکے اُس کا نام فصول فیض اسد خانی رکھا اور عرف اقتباس العلاج مقرر کیا۔ اس کتاب مین مریضون کی حکایات بہت دلچسپ لکھی ہین آخر مین حدود الامراض کا ترجمہ لگا دیا ہے بیان اِس کتاب کا فارسی مین ہے اور یہ کتاب سنہ ۱۲۰۲ ہجری مین تالیف ہوئی ہے۔ ان کی تالیفات سے ایک قرابادین بھی ہے جس کا نام نافع الامراض ہے اس مین بھی نسخہاے مرکب جن جن لوگون کے لیے تجویز کیے ہین اُن کے نام ہر نسخے کے ساتھ درج کر دیے ہین روہیلہ سردارون کے بھی امراض گوناگون کا یہ ایک کچا چٹھا ہے (۱۲) فیض اللہ اخون زادہ مرید حضرت مرزا جان جانان مظہر (۱۳) قاضی سید نور الحق منعم تخلص عرف قاضی منعم ولد قاضی سید معصوم ساکن قصبہ کھاتہ تحصیل ملک۔ انھون نے ایک تفسیر کلام اللہ کی جناب نواب سید فیض اللہ خان کی فرمایش سے لکھی تھی۔[2]

حکیم میر ضیاء الدین عبرت نے مثنوی پدماوت کے دیباچے مین

---

[1] حکیم محمد بایزید نے اپنی قرابادین نافع الامراض کے ایک مفیض کے نسخے مین اس کی تصریح کی ہے حکیم کبیر علی انصاری قوانین العلاج کے مؤلف ہین ۱۲

[2] دیکھو تذکرۂ نشتر عشق ۱۲

نواب وصوف کی مدح میں بہت سے اشعار لکھے ہیں۔

منہ

اگر ہو مارجوں خط کے درپے خط اُسکے ہوش اُڑ اوسےجوں خط

ولہ

جہاں چیر وصدا از رحمی او | کہ آب تیغ حلقش در گرفتہ
ہمای شوکت او آسماں را | نسان بیضہ زیر پر گرفتہ
گدا از فیض او در کاسہ جود | صدف آسا ہمہ گوہر گرفتہ

ایک فتاوے فقہ کا زبان عربی میں تین مجلد کے اندر کتب خانہ ریاست رامپور میں رکھا ہوا ہے مؤلف نے دیباچے میں اپنا نام محمد بتایا ہے۔ نہ سنہ تالیف ذکر کیے اور نہ زیادہ پتہ جتایا۔ اسں فتاوے کا نام فتاوے فیض اللہ خانی رکھا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اس کو امیر امیر فیض اللہ خاں کے عہد میں تالیف کیا ہے اور وجہ تسمیہ اُس کی یہ بیان کی ہے ''وسمیتہا لفتاوے فیض اللہ خانی لانہ ھو العامل علیہا وھو ممدھا السترا ولی واحری۔ اس میں سے تیسری جلد خاص مؤلف کے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ پتہ نہیں۔ دیکھیے ایسے زمانے کے اعتبار پر آدمی کتنا نے غم ہوتا ہے مؤلف کا جویا یہ اُس کی حیات میں ہوگا اُس کے بھروسے پر اقتصار کیا مگر اب کوئی جانتا بھی نہیں۔

نواب سیّد فیض اللہ خان بہادر کی اولاد کا تذکرہ

(۱) نواب سید محمد علی خان گلزادی بیگم کلان ہمشیرۂ حقیقی بہادر خان کمالزئی کے بطن سے (۲) نواب سید غلام محمد خان گلزادی بیگم کلان کے بطن سے (۳) سید حسن علی خان تاج بیگم قوم کمالزئی کے بطن سے (۴) سید حسین علی خان تاج بیگم کے بطن سے (۵) سید فتح علی خان گلزادی بیگم خرد قوم کمالزئی کے بطن سے (۶) سید نظام علی خان گلزادی بیگم خرد کے بطن سے (۷) سید قاسم علی خان گلزادی بیگم خرد کے بطن سے (۸) سید یعقوب علی خان (۹) سیّد کریم اللہ خان نہایت بیگم قوم بنیروال کے بطن سے (۱۰) سیّد عبدالمجید خان (۱۱) عجیب بیگم زوجۂ سید مصطفیٰ خان خلف صاحبزادہ سیّد آکہ یار خان وہمشیرۂ حقیقی نواب سیّد محمد علی خان (۱۲) بادشاہ بیگم زوجۂ محمد نور خان ہمشیرہ زادۂ نواب سیّد فیض اللہ خان و خلف شاہ محمد خان بڑتیچ ہمشیرۂ حقیقی نواب سیّد محمد علی خان (۱۳) عمدہ بیگم زوجۂ صاحب زادہ سید احمد یار خان ابن سید محمد یار خان خلف نواب سید علی محمد خان ہمشیرۂ حقیقی سید حسن علی خان (۱۴) الٰہی بیگم زوجۂ محمد عظیم خان ولد بہادر خان کمالزئی ہمشیرۂ حقیقی سید حسن علی خان (۱۵) مینا بیگم زوجۂ محمد اکبر خان ولد حافظ الملک حافظ رحمت خان ہمشیرۂ حقیقی سیّد فتح علی خان (۱۶) امانی بیگم زوجۂ عثمان خان

ولد بہادر خاں کمالزئی ہمشیرہ حقیقی سید فتح علی خاں گلشن رحمت میں یوں ہی
لکھا ہے اور قانون حامداں میں سید نظام علی خاں کی ہمشیرہ حقیقی بتایا
ہے (۱۷) خانی بیگم زوجہ غلام نبی خاں ولد بہادر خاں کمالزئی ہمشیرہ حقیقی
سید کریم اللہ خاں (۱۸) انچوبہ بیگم عرف بوبو صاحبہ زوجہ مصطفےٰ خاں
عرف بحو خاں قوم اکرئی ہمشیرہ حقیقی سید کریم اللہ خاں۔



جناب نواب سید فیض اللہ خان بہادر۔ عرش منزل

اخبار الصّنادید کا دوسرا حصّہ

اسمین نواب سیّد محمد علی خان ابن نواب سیّد فیض اللہ خان بہادر کے عہد سے
نواب سیّد مشتاق علی خان بہادر کے زمانۂ آخر تک کے حالات مندرج ہین

نواب سیّد محمد علی خان کی مسند نشینی

نواب سیّد فیض اللہ خان کے تمام بیٹون مین یہ بڑے تھے ۱۱۶۶ھ ہجری مین پیدا ہوے تھے نواب موصوف نے ان ہی کو اپنا ولی عہد بھی کیا تھا اور اس امر کے استحکام کے لیے اپنی حیات مین اپنے تمام عہدہ دارون اور بیٹون اور بھتیجون سے جو سید محمد علی خان سے عمر مین چھوٹے تھے اُن کو نذرین دلوادی تھین[۱] معظم نے جنگنامۂ دو جوڑہ مین ذکر کیا ہے کہ نواب سیّد فیض اللہ خان نے اپنی حیات مین اُنکو اختیارات ریاست دیدیے تھے چنانچہ اُس مقام کی نظم یہ ہے۔

خلف اُن مین تھا اک محمد علی — اُسی پر پدر کی تھی شفقت دلی
وہ از بسکہ تھا پاک عالی مزاج — یہ چاہا پدر نے کہ دون اُسکو راج
لہٰذا اُسے اپنے جیتے ہی جی — زروے ولی عہدی دستار دی
یہ کہتا تھا ہر ایک سے اے حبیب — محمد علی خان ہے عالی نصیب
تولد ہوا گھر مین جب سے یہ پور — اُسی دن سے دولت نے پایا ظہور
کیا اس لیے مین نے مختار اسے — دل و جان سے کرتا ہون مین پیار اسے

[۱] دیکھو منتخب العلوم ۱۲

تم اس کو رئیس ایسا بنا یا کرو — کرے حکم جو اُس کو مانا کرو
غرض دیدیا اُس کو سب اختیار — ہوئے اُس کے تابع صغار و کبار
ہوئی ملک اور فوج زیرِ دست جس — پدر کی بنے جا ہوئی یہ ہوس
جو یہ خیال اُس کے دل میں ہوا — کہ مسند سے دوں میں پدر کو اُٹھا
تو دریافت یہ کرکے اُسکا خیال — وہ نواب ذی عقل اور خوردہ سال
نہایت ہی آزردہ خاطر ہوا — بہت دل میں بیٹے سے ماخر ہوا
کیا حکم آوے نہ دربار میں — رہے چوکی اور پہرے کی آڑ میں

نواب سید محمد علی خاں کی شادی محب اللہ خاں ولد دوندے خاں کی بیٹی اُخان بیگم کے ساتھ ہوئی تھی بیگم کو جہیز میں پرگنہ اکبر آباد ملا تھا جسکی آمدنی ۱۲۰۵ھ فصلی کے کاغذات اور جمع سے چھیاسٹھ ہزار چھ سو دو روپے پونے تین آنے معلوم ہوئی۔ ان ہی بیگم سے نواب سید احمد علی خاں پیدا ہوئے تھے۔

نواب سید فیض اللہ خاں کے مذہب کا حال معلوم ہے کہ وہ سنت جماعت تھے نواب سید محمد علی خاں اُن کے چاہیتے بیٹے تھے چاہیے تھا کہ ان کے خیالات بھی باپ کے خیالات کی نسل ہوتے مگر لکھنؤ کی آب و ہوا نے رنگ بدل گیا اور مذہب تشیع نواب آصف الدولہ کی تعلیم سے اختیار کر لیا[۱] ماہ شعبان[۲] ۱۲۱۱ھ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء[۳] میں نواب آصف الدولہ نے

---

[۱] دیکھو مصر التواریخ و طلسم ہند ۱۲ [۲] دیکھو گلستان برکات ۱۲ [۳] دیکھو قیصر التواریخ اور آصف نامے میں سال تاریخ اس شادی کا یوں لکھا ہے سہ درروئے وفاق درروئے وداد + کہ کمتر چنیں اتفاق او فتاد + دگر سال تاریخ آمد کف بہ قرآں دو کوکب سرج سرج ۱۲

وزیر علی خان کی شادی مین نواب سید فیض اللہ خان کو بھی بلایا تھا۔ نواب صاحب نے اپنے عوض نواب سید محمد علی خان کو خدم وحشم اور سپاہ کے ساتھ شادی سے ایک مہینہ پیشتر لکھنؤ کو روانہ کیا۔ آصف الدولہ نے اُنپر بہت مہربانی کی اور اپنا بیٹا کیا جیسا کہ قیصر التواریخ مین تصریح کی ہے۔ اور منتخب العلوم سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی بنایا تھا اور پگڑی بدلی تھی اور ملت اثنا عشری کی ہدایت بھی کی تھی۔ اُنکی مغروری کی ایک حکایت منتخب العلوم سے نقل کیجاتی ہے کہ ایک دن محفل شادی مین آصف الدولہ کے ساتھ بہت سے امرا اور نواب سید محمد علی خان بیٹھے ہوے تھے کہ نواب مظفر جنگ رئیس فرخ آباد آئے۔ آصف الدولہ اور تمام امرا تعظیم کو اُٹھے مگر نواب سید محمد علی خان اُسی طرح بیٹھے رہے آصف الدولہ نے نواب سید محمد علی خان کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ آپ نے اِن کی تعظیم کیون نہ ادا کی سید محمد علی خان نے جواب دیا کہ یہ ہمارے یہان سے بھاگے ہوے ہین آصف الدولہ خاموش ہو گئے" بعد شادی کے نواب سید محمد علی خان رام پور کو چلے آئے اور اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۷۔ ذیحجہ ۱۲۰۸ھ ہجری مطابق ۱۶ جولائی ۱۷۹۴ عیسوی کو مسند نشین ہوے۔ میان حسن شاہ نے جن کا ذکر میر ضیاء الدین عبرت نے مثنوی پدماوت کے دیباچے مین کیا ہے اپنے ہاتھ سے نواب سید فیض اللہ خان کی دستار اُن کے سر پر رکھی۔

معظم کہتا ہے کہ نواب سید محمد علی خان نے اپنے چھوٹے بھائی نواب سید غلام محمد خان کو بلا کر کہا کہ یہ مسند حاضر ہے تم اسپر بیٹھ جاؤ مین تمھاری رفاقت مین

ریاست کا کام انجام دوں گا نواب سید غلام محمد خاں نے کہا کہ یہ منصب آپکو
مبارک رہے آپ اپنے بھائیوں پر مہربانی کی نظر رکھیں ہم سب آپ کی
اطاعت کو حاضر رہینگے۔ پھر نواب سید محمد علی خاں نے افسران سپاہ کو تسلّی دی
اور اُن سے وفاداری کا عہد و پیمان و قسم لیا۔ نواب صاحب نے اپنے بھائیوں
کی تنخواہوں میں ہزار ہزار روپے کا اضافہ کیا اور ایک ایک ہزار اشرفیاں
بھی اُن کو عطا کیں پھر نواب سید غلام محمد خاں ایک ہزار آدمیوں کے رسالے
کے ساتھ اُجاؤں کے علاقے کو گئے۔

انتخاب یادگار سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سید محمد علی خاں سرور و گھمنڈ
اور خود ستائی کے مخترع خانہ ساز مود اور رنجی کے موجد تھے۔ قرابادین جامع الغرض
میں لکھا ہے کہ اُنکو چھٹپن سے مراق کا عارضہ تھا۔

عالم شاہی میں بیان کیا ہے کہ نواب سید محمد علی خاں امیر با ہیبت و تمہات
وجلادت تھے اُن کو غصہ بہت جلد آجاتا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ سامنے ہو کر
اُن سے کچھ کہہ سکتا اور نہ اُن میں مادۂ انتظامی تھا اسلیے کسی رکن ریاست کی
دلدہی نہیں کرتے تھے حالانکہ اُن کی حکومت کے دنوں میں کسی کو تکلیف
نہیں پہونچی وہ ہر ایک کے ساتھ سلوک سے پیش آتے تھے مگر چونکہ رسالہ دار
اُن کی تلوّن مزاجی اور تغیر حالت سے ناراض تھے۔ کسی کو اُن کی حالت پر
اطمینان نہ تھا اس لیے اُن کو ریاست سے ہٹانے کے لیے اُنکے بھائی کو
اپنے ساتھ متفق کیا۔

اخبار حسن میں بیان کیا ہے کہ نواب سید محمد علی خاں دربار آصفی کے آداب

دیکھے ہوے تھے چاہا کہ ہمارے دربار مین بھی وہی مراسم تعظیم جاری ہون اور ویسے ہی ہمارے سردار بھی ہمارا ادب کرین اور خلوت وجلوت مین اُنھون نے تکلفات اور شاہانہ مزاج کا برتاؤ شروع کیا روہیلے سردار ایسی باتون کے عادی نہ تھے اور تمام ریاست پر پُرانے خیالون کے سردار چھائے ہوے تھے نئی بات تو درکنار کوئی مناسبت وقت تبدیلی ہوتی تو ذراسی بات پر چمک اُٹھتے تھے اور اس مین بے اختیاری اور بے عزتی سمجھتے تھے اُنھین یہ باتین ناگوار ہوئین نواب نے اُنھین فرمانبرداری کے رستے پر کھینچنا چاہا اُنھون نے گردنین سخت کین اور چند روز مین وہ لوگ نواب سے ناراض ہوگئے اور اُن سے نفرت روہیلہ سردارون مین اس طرح پھیل پڑی جیسے بن مین آگ لگے نواب کا مزاج سخت تھا اُنپر شدت کرنے لگے انجام کار یہ ناراضی بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہونچی کہ نجو خان ابن مستقیم خان اور عمر خان بڑموچھے اور محمد سعید خان اور غلام حسن خان ولد مولوی غلام جیلانی خان اور سیف الدین خان ابن پرمول خان اور دوسرے کئی سردارون نے نواب سید محمد علی خان کو معزول کرکے نواب سید فیض اللہ خان کے دوسرے بیٹے نواب سید غلام محمد خان کو رئیس بنانے کی رائے قائم کی۔

نواب سید غلام محمد خان سے نواب سید محمد علی خان دس برس بڑے تھے اور چونکہ اُنکی ماں نے شیر خوارگی کے زمانے مین قضا کی تھی اور نواب سید محمد علی خان نے اُن کو فرزندون کی طرح پرورش کیا تھا اس سبب سے باہم ایسی محبت تھی کہ دیکھنے والے باپ بیٹے کا گمان کرتے تھے۔ زمانہ عجیب نیرنگ ساز ہے دیکھو جو بھائی باپ بیٹے کا دعویٰ رکھتے تھے اُنھین کیسا لڑائیگا۔

حکم نواب آصف الدولہ کو یہ خبر پہونچی کہ نواب سید فیض اللہ خاں کا
انتقال ہو گیا تو انھوں نے نواب سید محمد علی خاں کو لکھا کہ آپ لکھنؤ آکر
ہم سے مل جائیں۔ یہ تحریر رام پور پہونچی نواب سید محمد علی خاں نے نواب
سید غلام محمد خاں کو تحریر کیا کہ تم علاقے سے شہر میں چلے آؤ میں لکھنؤ کو جاؤنگا
اور انھوں نے اپنے سفر کے لیے ساماں کی تیاری کا بندوبست کیا اور پانسو
سواروں کو ساتھ چلنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔ افسران سپاہ اُنکی لکھنؤ کی
روانگی کے ارادے سے اور زیادہ پریشان ہوئے نواب سید غلام محمد خاں شہر
میں آئے تو تمام افسران سے ملے اور بیان کیا کہ ہم کو آپکے بھائی کا مسند نشین
رہنا گوارا نہیں۔ ان کا مزاج اس قابل نہیں کہ یہ رئیس ہوں انکا ہمیر عتاب
ہے یہ کوئی خرابی پیدا کرینگے نواب سید غلام محمد خاں افسروں کا یہ حال
معلوم کر کے نواب سید محمد علی خاں کے پاس پہونچے اور اُن سے عرض کیا
کہ آپ کا لکھنؤ کو جانا مناسب نہیں۔ آپ کے شہر میں موجود نہ ہونے سے اُسکے
لُٹ جانے کا اندیشہ ہے نواب سید محمد علی خاں نے جواب دیا کہ میرا وہاں
جانا بہت ضروری ہے مجھے وہاں سرفرازی حاصل ہوگی اور جس سے یہ
ریاست محفوظ رہیگی اور آصف الدولہ سے نیا عہد نامہ اپنے ساتھ مقرر کرونگا
تم افسران فوج کے کہنے پر خیال نہ کرو۔ یہ لوگ بڑے بے وفا ہیں مجھے اس
بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ آصف الدولہ سے مخالفت کروں اور یہ مشورہ
دیتے ہیں کہ جس طرح تمہارے دادا نے اودھ کا ملک دبا لیا تھا
تم بھی اُسی طرح اودھ کا ملک فتح کرو مگر میں اُس کا

کہنا کبھی نہین مانونگا یہ لوگ خانہ جنگ ہین مین آصف الدولہ سے صلاح کر کے اور
اُن سے مدد لے کر ان تمام سرکشون کو یہان سے نکال دونگا تم رامپور مین رہو
اور میری نیابت مین کام کیجیو۔ نواب سید غلام محمد خان نے پھر عرض کیا کہ
آپ اس عزم کو فسخ فرمائین آپکا یہان موجود رہنا ہی مناسب ہے نواب سید
محمد علی خان نے نہ مانا نواب سید غلام محمد خان مجبور ہوکر اپنے مکان کو چلے آئے
نواب سید محمد علی خان خودرائے غضب کے تھے باپ کے رکن دولت جان نثارون
کو ناحق ناراض کرتے۔ افسران فوج نواب سید غلام محمد خان کے پاس آئے
اور اُن سے مل کر کہا کہ نواب سید محمد علی خان کی تندخوئی۔ ترشروئی۔
کج رائی۔ خودستائی ناحق کوشی۔ مے نوشی کی وجہ سے ہمارے دل اُن سے
ناخوش ہین وہ منصب ریاست کے لائق نہین تمام پٹھان اُن کے ہاتھون سے
نالان ہین۔ یہ لکھنؤ جاتے ہین وہان خود بھی گرفتار ہونگے اور ہمکو بھی خراب
وخوار کرینگے ملک جاتا رہیگا۔ ہم ان کو مسند ریاست پر رکھنا نہین چاہتے
آپ سے تمام سپاہ راضی ہے آپ راضی ہو جائین تو ہم اُنکو گرفتار کر کے آپکو
مسند پر بٹھائین یہ سارے جھگڑے جاتے رہین اگر وزیر الممالک کی طرف سے
کوئی مخالفت وقوع مین آئے گی تو ہم سب آپ کا ساتھ دینگے۔ ہم اپنے اس
قول پر خدا کو درمیان کرتے ہین اور اگر یہ نہ کیجیے گا تو انجام کار آپ دونون
مارے جائینگے نواب سید غلام محمد خان متردد ہوئے مگر اُن کے عہد وپیمان
اور حلف وقسم کے سبب سے اُن کے شریک رائے ہو گئے۔
بعد اسکے سید حسن علی خان۔ سید فتح علی خان۔ سید نظام علی خان۔

سید یعقوب علی خاں سید قاسم علی خاں اور سید کریم اللہ خاں اپنے نواب سید فیض اللہ خاں کے پاس گئے اور اُس سے اس راز کو بیان کر کے مرضی معلوم کی تو اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ ہمکو اس میں کوئی خلاف نہیں ہے ہمکو ریاست کا دعویٰ۔ ہم مسند نشین کے تابعدار ہیں۔ اگر آپ مسند نشین ہوںگے تو آپ کی اطاعت کو حاضر ہیں۔"

جب صمد خاں کو یہ حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے نواب سید غلام محمد خاں کو بہت سی تلخ و شیریں اثر باتیں کہکر مصلحت کا راستہ بتایا اور سمجھایا کہ آپ کی تنخواہ چالیس ہزار روپے سالانہ ہیں اور جو علاقہ آپ کے پاس ہے اُسمیں ساٹھ ہزار روپیے کا نفع ہے ایک لاکھ روپیے سالانہ آپکو ملتا ہے اور نواب سید محمد علی خاں آپ کی مرضی پر چلتے ہیں پھر آپ کیوں اُن سے ریاست چھیننے کا ارادہ کرتے ہیں۔ انکی کسی کام میں اُنھوں نے کوئی خرابی بھی پیدا نہیں کی ہے اگر کوئی بُرائی اُنکی طرف سے ظہور میں آئے جب ہی کوئی ایسی تجویز سوچنی چاہیے۔ بلاوجہ بھائی سے نقض عہد کرنا مناسب نہیں۔ نواب سید غلام محمد خاں صمد خاں کی نصیحت سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے پرگنات کی طرف روانگی کا ارادہ کیا یہاں تک کہ ایک بار رات کے وقت اپنا اسباب بندھوا کر علاقے کی طرف روانہ کیا اور صبح کو سیر و شکار کے بہانے سے خود سوار ہونے کا تہیہ مصمم تھا مگر جب ایک قوم کے لوگ تھے یہ راز چھپ نہ سکا۔ افسر جمع ہو کر آئے اور کہا آپ کا ارادہ ایسا معلوم ہوتا ہے نواب موصوف نے کہا بیشک افسروں نے کہا ہم آپکو نہیں جانے دینگے۔

ہم نواب سید محمد علی خان کو قتل کرکے آپ کو مسند پر بٹھانا چاہتے ہین اور اگر آپ یہ نہ کیجیے گا تو انجام کار آپ دونون مارے جائینگے اور ہم نواب سید فیض اللہ خان کی اولاد مین سے کسی اور کو رئیس کر دینگے اور بالفرض اگر کوئی اُن کی اولاد مین راضی نہ ہوا تو قرعہ ڈال کے اپنی قوم مین سے کسی کو رئیس بنا کے اُسکی اطاعت کرینگے" نواب سید غلام محمد خان خاموش ہوگئے اور عزیمت سفر فسخ کی۔

تیرھوین محرم ۱۲۰۹ہجری کی شب مین سب افسر نواب سید غلام محمد خان کی حویلی مین جمع ہوے اور باہم مشورہ کرنے لگے۔ نواب سید محمد علی خان کی اردلی اور قلعہ اور دیوان خانے کی چوکی پہرون کے پانسو آدمی مقرر تھے جنکے افسر محمد شفاعت خان اور ارادت خان تھے اس لیے افسرون نے یہ صلاح کی کہ حضرت نور خان اور نسیم خان اخون زادہ کل صبح کو پہلے سے جاکر نواب صاحب کے پاس بیٹھ جائین اس غرض سے کہ اگر نواب کو فوج کے اجتماع کی خبر پہونچے تو یہ دونون افسر اُن سے عرض کر دین کہ سپاہ جمع ہوکر حضور کے پاس اس لیے آتی ہے کہ اُسکا چڑھا ہوا ہشت ماہہ مل جائے اور اُن دونون افسرون کو سمجھا دیا کہ جہانتک ممکن ہو نواب کا دل باتون مین بہلائے رکھین۔ اُن کو یہ خیال نہ پیدا ہونے دین کہ سپاہ میری گرفتاری کے لیے جمع ہوکر آرہی ہے اور ان افسرون نے عمر خان بڑموچھے سے یہ کہا کہ وہ فوج کی روانگی سے قبل قلعہ کے دروازے پر جاکر بیٹھ جائین تاکہ اردلی کے لوگون سے جھگڑا پیدا نہو اور چوکی پہرے والے روک ٹوک اور مقابلہ نہ کرین۔

غرضکہ محرم کی تیرھوین تاریخ بارہ سو نو ہجری کو پیر کے دن صبح کے وقت

پیادہ و سوار کہ جملہ چودہ ہزار آدمی تھے مع طبل و علم نواب سید محمد علی خان کو معزول کرنے کے لیے تیار ہوئے نواب سید غلام محمد خاں نے اپنے پیر مرشد حافظ جمال اللہ صاحب کو بُلاکر معاملات کے ایچ پیچ سے آگاہ کیا۔ جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ نواب سید محمد علی خاں کے آدمیوں نے اس جماعت کی تیاری کی خبر نواب سید محمد علی خاں کو پہلے سے کر دی تھی مگر وہ اپنے بھائی کی جانب سے ایسے مطمئن تھے کہ اس خبر کو بالکل بہتان خیال کرکے اصلا متنبہ نہ ہوئے۔

نواب سید محمد علی خاں کے ایک خواص نے جو اُن کے پیچھے کھڑا تھا عرض کیا کہ مجھے تو آج دغا نظر آتی ہے اور اچھے طور نہیں معلوم ہوتے نواب نے اُسکو جھڑک دیا کہ تو ہمارے بھائی پر تہمت کرتا ہے وہ میرے بڑے رفیق اور وفادار ہیں درباری آپس میں کُھسر پُھسر کرنے لگے جب یہ جماعت دیوانخانے کے دروازے پر پہونچی تو دلیر خاں کمالزئی جو نواب سید محمد علی خاں کا سمدھی تھا اور نواب سید فیض اللہ خاں کے رشتہ سے اُن ہی کی ارد لی میں رہتا تھا مجمع دیکھ کر پوچھا اور نواب سید غلام محمد خاں سے کہا کہ آپ اندر جائیں اور کچھ افسروں کو بھی ساتھ لیں مگر اس سارے مجمع کا لیجانا مناسب نہیں انھوں نے جواب نہ دیا اور آگے بڑھے دلیر خاں نے پھر کہا کہ جو کچھ میں نے عرض کیا شاید آپ نے نہیں سُنا۔ نواب سید غلام محمد خاں نے جھڑک دیا دلیر خاں تو کچھ سمجھ کر وہیں رہا نواب سید غلام محمد خاں، دیوانخانے کے چبوترے پر پڑھ گئے اور دیوانخانے کا تمام چوک فوج سے بھر گیا۔ نواب سید محمد علی خاں نے یہ رنگ دیکھکر نواب سید غلام محمد خاں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ صاحب منتخب العلوم کہتا ہے کہ اُس وقت

نواب سید غلام محمد خان نے کہا کہ "داداؑ آپ مسند سے اُتر جائیے تمام لوگ آپ سے ناراض ہین اور میری فہمائش کو خیال مین نہین لاتے مین آپ کو بھی سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا اور اُن کو بھی فہمائش کرتے کرتے عاجز ہوگیا"

کہتے ہین کہ نواب سید غلام محمد خان کی زبان سے ہنوز الفاظ جواب ادا نہ ہوچکے تھے کہ نواب سید محمد علی خان نے وہ تلوار جو اُنکی مسند پر رکھی ہوئی تھی کھینچ کر ایک ہاتھ مارا قضا کار تلوار کا بھیلا دیوان خانے کی محراب پر پڑا۔ جام جہان نما مین لکھا ہے کہ جب نواب سید محمد علی خان تلوار لے کر جھپٹے تھے تو سپاہی کائی کی طرح پھٹ گئے تھے بعض گھبراہٹ مین چبوترے کے تلے گر گئے نواب سید محمد علی خان نے نواب سید غلام محمد خان پر کئی وار کیے مگر سرداروں کی سپرون کی آڑ کی وجہ سے اُن کے کوئی زخم نہ آیا۔ اور تسلیم نے جنگنامہ دو جوڑا کے نظم مین کہا ہے کہ نواب سید غلام محمد خان آڑ مین آجانے کے خود تو محفوظ رہے مگر انکا دامن کٹ گیا۔ نواب سید محمد علی خان کے پیچھے سے بلند خان نے اُنکے تلوار ماری جو مونڈھے پر پڑی اور داہنا ہاتھ تلے کو لٹک آیا اور یہ تلوار پشت تک کاٹتی چلی گئی۔ اُس زمانے مین یہ مشہور ہوا تھا کہ یہ تلوار عمر خان بڑ موچھے نے ماری تھی مگر واقع مین بلند خان کے ہاتھ سے لگی تھی بالآخر سیف الدین خان اور اکبر خان نے اُس مجمع کو نواب سید محمد علی خان کے قتل کرنے سے روکا۔ نواب مجروح نے کہا کہ مجھکو محل مین پہونچا دو۔ بہادر خان ایک میانہ لایا اور اُن کو اُس مین لٹاکے ایک بنگلے مین جو قلعہ کے اندر تھا پہونچا دیا۔ محل مین جب

ؑ دادا ہندوستان کے محاورے مین بڑے بھائی کو کہتے ہین ۱۲ ؑ دیکھو جنگنامہ دو جوڑا نظم مولانا تسلیم

یہ خبر پہونچی تو بیگمات پیٹنے لگیں اور وہ سب جمع ہو کر نواب سید محمد علی خاں کو زنانے میں اٹھا لے گئیں محل میں پہونچکر نواب سید محمد علی خاں نے اپنے بیٹے سید احمد علی خاں کو جو اُس وقت نو برس کے تھے پاس بُلا کر کہا کہ میرے انتقال کے بعد تم نواب آصف الدولہ کی سرکار میں مستغیث ہونا وہ ضرور تمھاری کمک کرینگے اور تم رئیس ہو جاؤ گے مگر وقت پا کر نظر رسا سے میرے دشمنوں سے انتقام ضرور لینا۔ مؤلف کہتا ہے۔

ملا یاستانی سے عبد الغفور ۔۔۔ جو ٹانکے لگانے میں تھا ذی شعور
غلامی کا حکم آیا یہ پر خطر ۔۔۔ کہ زخمی کے زخموں کو اچھا نہ کر
ہمیشہ کو یہ گل کھلا ہی رہے ۔۔۔ اسی طرح گھر میں پڑا یہ سڑے
گیا خوف کھا کر وہ عبد الغفور ۔۔۔ کہا اُس نے لوگوں سے جانے شعور
خدا جانے کس سوئے دیوار کود ۔۔۔ ہوئے جا کے نابود و گم نمود
زنانے میں جا زخم کی دوخت کی ۔۔۔ دل سرد کو آتش گرم دی
جو ٹانکے لگے ساتھ سے چار زخم ۔۔۔ تو غفلت میں مجروح کا آیا دم

پھر دل رُبے افسران فوج نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اب نواب سید محمد علی خاں کو مروا ڈالنا چاہیے کیونکہ ان کے زندہ رہنے میں سادات کا اندیشہ ہے اور اُن کے قتل کے لیے دو آدمی بھیجے گئے یہ لوگ جب زنانے مکان کی ڈیوڑھی پر پہونچے تو بیگمات اس مطلب کو سمجھ گئیں اور مزاحمت کے لیے دروازے پر آ گئیں اور دروازے کو مقفل کر کے بند کر دیا اور لاٹھیوں وغیرہ سے مسلح ہو کر مقابلے کو تیار ہوئیں نواب سید محمد علی خاں کی دلہن ہونے

بڑی استقامت سے کنیزون اصیلون اور ماماؤن کو کہدیا کہ جو کوئی ادھر کا رخ کرے تو بانسون سے اُس کو مارو۔ کوئی کنیز ہاتھ مین پتھر لیے۔ کوئی کفگیر لیے کوئی بانس لیے مقابلے کو دروازے کے قریب کھڑی ہوگئی۔ جب اُن آدمیون نے یہ حال دیکھا تو جاکر کہا کہ ہم اس دشمن مستورسے کیسے عہدہ برآ ہون۔

شب کے وقت جو شور و غل کی آواز ہوئی نواب سید محمد علی خان نے جنکی غفلت سے آنکھین کھل گئی تھین دریافت کیا کہ یہ کیسا شور ہے۔ عورتون نے جواب دیا کہ نواب سید غلام محمد خان کی مسند نشینی کی خوشی ہو رہی ہے۔ اُنھون نے یہ جواب سُنکر بظاہر کوئی اندوہ و ملال نہین کیا۔ بلکہ کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے اگر مین مسند پر نہین رہا تو میرا بھائی اُسپر بیٹھا کسی غیر کو تو ریاست نہ پہونچی۔ اور بیگم کو اپنے بیٹے کی تعلیم کے لیے بہت کچھ وصیت کی۔

چودھوین محرم کو نواب سید غلام محمد خان نے دو آدمی بیگمات کے پاس بھیجکر پیام دیا کہ جو کچھ ہوا وہ نوشتہ تقدیر تھا میری تو نواب ممدوح سے کچھ عداوت نہین ہے وہ عیش و عشرت سے گھر مین رہین اپنے مصارف ماہ بماہ لیے جائین مین نے تو بھائی صاحب موصوف کو بہت کچھ سمجھایا مگر اُنھون نے میرا کہنا نہ مانا سردارون کو بھی مین نے بارہا فہمائش کی اُنپر بھی کچھ اثر نہ ہوا مجھے خود اپنی نسبت بھی طرح طرح کے اندیشے لاحق ہوے بالآخر صورت موجودہ پیش آئی۔ افسران سپاہ نے میان حسن شاہ صاحب کو بلاکر کہا کہ نواب سید محمد علی خان کا علاج عورتون سے نہ ہوسکیگا اسلیے آپ اُن کو باہر لے آئین اور اب ہم کسی طرح اُن کے ساتھ دغا نہ کرینگے۔ میان حسن شاہ نے کہا

کہ اگر آپ لوگ قرآن منگا کر اُسکی قسم کھا کر عہد کرلیں تو میں درمیان میں دخل
دوں سرداروں نے خدا کو درمیان میں کرکے قرآن کی قسم کھالی۔اہل اللہ لوگ
حال وقال کی محلسوں کو رونق دینے والے اُنھیں ریاست کے کاموں کا
کیا تجربہ چھٹے میاں حسن شاہ قرآن شریف ہاتھ میں لے کر نواب سید محمد علی خاں اور
بیگمات کے پاس گئے اور سرداروں کا پیام بیان کیا اور میاں صاحب نے
قول قسم کے ساتھ بیگمات کا اطمینان کیا کہ نواب سید محمد علی خاں کی جان کو ضرر نہ ہوگا۔
پھر دن چڑھے کہار اندر گئے اور پلنگ میں بانس باندھکر علاج کے لیے باہر
لائے جس وقت نواب سید محمد علی خاں کو لے چلے تو مارتم ہونے لگی نواب
موصوف کو گڑھ میں کہ در تہر سے ڈونگر پور دروازہ کہتے ہیں جانب شمال
پون میل کے فاصلے پر ہے نظر بند کیا اور حضرت نور خاں کو اُن کی حفاظت کے
لیے مقرر کیا نواب سید محمد علی خاں نے اس شخص کو ایک ہاتھی اور دو شالہ
بخشا تھا اور رسالہ دار کردیا تھا اور اسی ساعت میں رکھتے تھے نواب سید
محمد علی خاں کے پاس کوئی خدمتگار وغیرہ تک نہ رکھا گیا۔اور اُنکو ایسی جان کا
ہراسک خوف تھا کہ اپنی چلم پر آگ بھی اپنے ہاتھ سے رکھتے تھے اور زہر دیے
کے خوف سے کھانا نہیں کھاتے تھے جب فاقے پر فاقہ گذرا تو ایک سپاہی
سے آٹا مانگ کر اُسکو گوندھ کر ٹکیہ بنائی اور آگ پر دھر دیا اور سینک کر اُسکا
چھلکا اُتار کر کھالیا۔اور اُنھوں نے سونا چھوڑ دیا تھا رات دن جاگتے رہتے
تھے وہاں ایک سقہ اُن کا یار ہوگیا کہ مشک میں رکھکر کھانے کی چیزیں پہونچانے لگا۔

سلہ دیکھو نظم تسلیم ساکن رستم نگر ۱۲

اس زمانے مین صاحبزادہ سید مصطفےٰ خان ابن سید آکہ یار خان ابن نواب سید علی محمد خان بہادر کے توسط سے جن سے نواب سید محمد علی خان کی حقیقی بہن منسوب تھی آصف الدولہ تک خفیہ داد خواہی کی عرضی بھیجی۔ اُس پر اُنھون نے لکھا کہ نواب سید محمد علی خان مجروح کو فورًا یہان بھیجدو ہم یہان انگریزی ڈاکٹرون سے اُنکی مرہم پٹی کرائینگے۔ جب اس مضمون کا شقہ آصف الدولہ کا رام پور مین پہونچا تو سب افسرون نے صلاح کی کہ نواب سید محمد علی خان کا کام تمام کر دینا چاہیے ورنہ بڑا جھگڑا پیدا ہوگا۔ اُن کے مجروح کرنے کی آگ ابھی ٹھنڈی نہوئی تھی کہ اُن کے قتل کا شعلہ اور اُٹھا۔ یہ بیان معظم کی مثنوی کے موافق ہے۔

بہرصورت افسران فوج کے مشورے سے ۲۲- محرم کی شب کو اُن کے قتل کے لیے چار شخص مقرر کیے گئے جنکے نام معظم جانتا تھا مگر پردہ پوشی کی راہ سے نہین لکھے اور یہ قرار پایا کہ آج ہی شب مین اُنکا کام تمام کر دینا چاہیے بعض کہتے ہین کہ امام خان جسکی چوپال مشہور ہے اور منسارام بکسریہ جسکے چار سو بکسریے تابع تھے نواب سید محمد علی خان کے قتل کے لیے مامور کیے گئے تھے اور عطاء اللہ خان دو محلے والے جو خاندان مولوی غلام جیلانی خان سے ہین بیان کرتے تھے کہ شیر خان درویش ساکن گنج اور سراج الدین خان ساکن متصل مسجد قلاش خان کے باپون نے قتل کیا تھا یہ دونون شخص نواب کے پہرے پر تھے۔ خاص سراج الدین خان کے باپ نے تمنچہ مارا تھا۔ بہرصورت جب قاتل پہونچے تو نواب سید محمد علی خان اُس وقت بیدار تھے مگر تھوڑی دیر کے بعد گاؤ تکیہ پر ٹیک کر سو گئے اُنھون نے پشت مکان سے اُتر کر باطمینان تمام ایک نے شیر بچہ

گردے پر رکھا یا اور ایک نے بائیں بغل پر پستول مارا احشائے باطنی کے چھیچھڑے اڑ گئے معظم کہتا ہے کہ پیرکے بعد قاتلوں نے سینے پر چڑھکر گلے میں دو مٹھ باندھکر گھونٹا اور اُن کا کام تمام ہوگیا تسلیم نے جنگنامے میں قاتل کا نام نوریا بتایا ہے اور کہا ہے کہ اُس نے تیغہ کمر میں اور چھرا سر میں مارا تھا۔

پس اس حساب سے کہ ۱۷ ذیحجہ ۱۱۸۸ ہجری کو مسند پر بیٹھے تھے اور ۲۱ محرم ۱۱۹۰ ہجری کو مجروح ہوکر ریاست سے جدا ہوئے تئیس دن مقدار زمانۂ ریاست ہے کل تینتالیس برس کی عمر پائی سہ شنبہ کے دن محرم کی اکیسویں تاریخ بارہ سو نو ہجری میں صاحبزادۂ سید محمد یار خاں ابن نواب سید علی محمد خاں بہادر کے مقبرے میں جو فی الحال بڑا مدرسہ مشہور ہے دفن ہوئے معظم کہتا ہے۔

سہ شنبہ محرم کی اکیسویں ... تھی جب وہ ہوا دفن زیر زمیں

عمر شاہ خاں نے اُنکی شہادت کی تاریخ اس طرح لکھی ہے۔

جوہر برص شوکت وحشمت مہر سپہر داد و کرم ... اختر برج وقار و نور کشور جود و سخا را شہ

آنکہ محمد اول نامش آخر نامش ہست علی ... لشکر جاہش ملک حصار اکرد رو ر عدل تہ

بود جہاں از ذاتش روشن ہمچو عذار مہرویاں ... گشت کنوں از ظلمت مرگش شام سیاہ سیہ

می جست از ہر گوشۂ عالم بحر بہ اش را معیار ... نقدی صافش ماآخر کرد قضا از تیغ گرہ

چوں بر ختم از پاتف تاریخ سال شہادت او ... ناول بر اندوہ گفت ہائے ناحق کشتہ شد

نواب سید احمد علی خاں کے عہد میں اُن کی قبر خواص و عوام کی زیارت گاہ تھی بڑا بھاری عرس ہوتا تھا۔ عالم شاہی میں لکھا ہے کہ محمد علی خاں شہید اپنی قید کے دنوں میں توبہ اور تضرع جناب الٰہی میں کرتے رہتے تھے یہ اُن کے

حسن خاتمہ کے آثار تھے۔ اِن کا واقعہ مختلف صورتون سے مشہور ہے اگر اسکا صحیح پتہ چلتا ہے تو اُس وقت کے شاعرون کی نظمون سے چلتا ہے منظم اور عبدو اور رضا مین اور تسلیم نے جو شاعری مین پوری دستگاہ نہین رکھتے تھے اپنی اپنی نظمون مین اس واقعہ کو باندھا ہے چونکہ ان کے بیانات باہمی ملتے ہوے ہین اور اُن مین مضامین کا اغلاق اور قافیون کے مسلسل کھٹکے اور مبالغے کی دھوم دھام نہین ہے اس لیے قیاس یہ چاہتا ہے کہ ان کا بیان واقعات کا سچا فوٹو ہے۔ ہمنے جو کچھ لکھا ہے وہ منظم اور تسلیم کے جنگنامون سے زیادہ اقتباس کیا ہے۔ تسلیم رستم نگر کا رہنے والا ہے جو رام پور سے دس کوس کے فاصلے پر دوآبہ رام گنگا و گانگن مین ہے اور یہ شخص آصف الدولہ کا معاصر ہے۔ ہم یہان عبدو کی پوری چار بیت نقل کرتے ہین اُسکے اشعار زیادہ نہین ہین اس لیے امید ہے کہ ناظرین کے دل اُکتائینگے نہین بلکہ اسکو پڑھ کر اُن کے مارے جانے کے مجملاً حالات اور دشمنون کے اس امر مین مہمات سے ہر شخص آگاہ ہو سکتا ہے۔ اُنکی اولاد جو باقی نہین رہی اور غلام محمد خانی ریاست کے وارث ہو گئے تو کوئی انکا حال بھی پورا لکھنا اور اُن کی بیکسی کو بتانا عبث سمجھتا ہے خدا عبدو کو جزاے خیر دے کہ اُس نے اس چار بیت مین اُن کے واقعہ کو نہایت صحیح ادا کیا ہے اور اسکی حالت کی صاف تصویر کھینچی ہے اسمین عبارت آرائی کا نام نہین حالت کو بے تکلف لکھا ہے لفظ لفظ سے مصیبت ٹپکتی ہے۔

طور پر اس چرخ کے غور جو کرتے ہین ہم
جور سوا اور سب دور مین ہے اس کے کم

کسکو یہ گرداں کیا گردش افلاک نے — کسکو ملایا ہیں گرد میں اس خاک نے
کسکو ہلاکت سردی دہر کے سفاک نے — کسکے یہ سر پر چلی چرخ کی تیغ ستم
خان محمد علی تھا جو وہ نواب دہر — دہر میں تھا مثل مہر قہر میں قہر سپہر
حسن سے دکھایا اُسے دہر نے کچھ قہر و مہر — کہنے کی حاجت نہیں ہے وہ عیاں او رعلم
چرخ نے اول اُسے ملک کا مالک کیا — نقد ریاست کا سب ہاتھ میں اُسکے دیا
دیکھے یہ اول ولے جان کو آخر لیا — لکھتے ہوئے اُسکا حال جاری ہیں اشک قلم
شوکت شاہانہ تھی اُسکی نشان جلال — کیجے کہانتک بیان اُسکا شکوہ کمال
حکم سے اُسکے کوئی پھیرے جو سر کیا محال — کسکی یہ طاقت تھی ال رکھے جو پرے قدم
جو کہ تھے ارکان ملک اُس سے وہ ڈرتے تھے — چلتے تھے سرو ار وح رعب میں مرتے تھے سب
حکم کو اُسکے ادا جو سے کرتے تھے سب — غیر اطاعت و ہاں کوئی نہ مارے تھا دم
وہم حضوری نے جو دلمیں کیا اُسکے راہ — دشمن جان اُسکی سب ہو گئی قوم سیاہ
اُسکی اذیت پہ سب اپنی رکھے تھے نگاہ — ملکے کیا اتفاق قتل پہ اُس کے بہم
اُسکے برادر پہ جاسب نے یہ اغوا کیا — بہر ریاست تمہیں حق نے ہے پیدا کیا
تمنے ریاست کا کیوں ترک ارادا کیا — حکم کی نوبت بجا کیجیے بالا علم
جوہر انصاف کو صاف مکدر کیا — نسخۂ اخلاص کو جمع ہوا تر کیا
قتل کا نواب کے روز مقرر کیا — کچھ بھی نہ باقی رکھا جو مروت میں کم
الغرض اُس روز سب جتنے تھے وے کینہ ور — جمع ہو نواب کے بیٹھے وہ دروازے پر
کرکے وہاں بندوبست بھائی کو بھیجی خبر — آیا سبانی سے وہ ساتھ لے اپنے خدم
سکے تھی شانوں پہ تیغ اور تھی ہتو لئے ڈھال — جان کے کھو کے تھے سب جل کے بپاے کمال

جا کہا نواب سے ایک نے یہ دیکھ حال　　آج تو بے طور سا لوگون کو دیکھے ہین ہم

غفلت نواب کا کیجے کہانتک بیان　　بیٹھا تھا دالان مین صرف بیک جسم و جان

سُنکے وہ اس بات کو کچھ نہ ہوا بدگمان　　بولا کہ بھائی کو تو کرتا ہے کیون متّہم

پھر تو یکایک وہین آیا اُرخ کینہ خواہ　　بولا وہ نواب سے کرکے غضب کی نگاہ

تو نہین قابل کہ ہو صاحب ملک و سپاہ　　حکم کی مسند سے اب اپنا اُٹھالے قدم

کیا کہون نواب کی زور و شجاعت کی بات　　کہنے مین آتی نہین ذات کی اُسکی صفات

کچھ نہ ہوا خوف مرگ اور نہ فکر حیات　　سُنتے ہی اُٹھکر کیا تیغ کو اپنی علم

اسکا نہ غمخوار ایک اُسکے تھے غمخوار سب　　کوئی نہ اسکی مدد اُس کے مددگار سب

اسکی سپر اسکا جسم اُسکے سپر دار سب　　اُسکے تھے ہمدم ہزار اسکا تھا بس ایکدم

چلتا تھا جو اُسکا ہاتھ[1] اس پہ تھا وہ کارگر　　اسکا جو ہوتا تھا وار لیتے تھے سب ڈھال پہ

آخر اک شخص نے سوے قفا جاے کر　　زخم دیا کارگر ہاے کیا کیا ستم

پھر تو ہر اک طرف سے جوشش طوفان ہوا　　دست بداماں تھا جو دست گریبان ہوا

کرتا تھا جو پاے بوس سر کا وہ خواہان ہوا　　چرخ کی اُلٹی ہے بات کیجے کہانتک رقم

الغرض اعدا نے یون کرکے اُسے تنگ حال　　تھا جہان زخمی کیا لائے وہان سے نکال

لے چلے مجبور کو ایک محافے مین ڈال　　لاکے رکھا تھے جہان باپ کے اہل حرم

دیکھ کے غمگین ہوئین اُسکو وہ پردہ نشین　　جلد سے جرّاح کو سب نے بُلایا وہین

زخمون پہ ٹانکے دیے گرد سب اُسکے ہین　　کرتی تھین غمخوارگی مل کے وہ ہمشیر و عم

جاناعدو نے کہ وہ کرتی ہین تیمار کو　　حکم دیا تب تو پھر چند ستمگار کو

[1] یہ بیان صحیح نہین نواب سیّد غلام محمد خان نے اس موقع پر ہتھیار کا استعمال مطلق نہین کیا تھا ۱۲

لاؤ وہاں سے شتاب رحمی سرشار کو
تاکہ تسلی سے وہ جائے بطرفِ عدم

ہو بچے وہ بالاہل ستھیں جہاں وہاں تک
ہو گئیں سب حرکات اُسکے مقابل بے رنگ

لیک یہ تھا کچھ سلاح اُسیر بحرِ حوت و سنگ
حیف کہ مقدور تھا اُس میں کیا کچھ یہ کم

مردم بااہل نے محل میں ملوہ کیا
رحمی سرشار کو واں پہ سر رہنے دیا

چاہیں تھے حوفی یہ سب جوں کو اُسکے بیا
کھانے کو اُسکا جگر حالی تھا سب کا شکم

شہر کے پھر متصل ایک قلعہ خام تھا
اُس تن مجروح کو قید کیا واں پہ جا

کتنے ہی دن اس طرح قید میں ڈرتا رہا
حوائجِ ضرورتی کچھ نہ تھی خطر لیے دیے کم

پایا اس ایام میں زخموں نے کچھ التیام
زیست کی اُسکی ہوئی لوگوں کو امید تام

لیک وہ اعدائے جاں فکر میں تھے صبح و شام
گرچہ رہے تھا جو دم بخیر اُسکو تھا وہ مغتنم

آہ کہ آخر کو وہ دشمن دولتِ ملک
پائے کے حامل گئے جوان میں ہنگام شتا

سر سے سدوق کی لائے پھر اسیر معتصب
خاک میں غلطاں کیا اُسکا تنِ محتشم

پھر تو معائل ہوئی آکے شہادت دیں
جان فلک پر گئی جسم رہا بر زمیں

رحمت حق سے ہوا داخلِ خلدِ بریں
سرِ حادث کو چھوڑ پایا وہ ملک قدم

قتل کی نواب کے شہر میں پہونچی خبر
شور قیامت اُٹھا در بدر و گھر بہ گھر

چاک تھے سب کے جگر چاک تھی سینے بسر
ساحتِ دل سے کیا خلق نے راحت کو رم

بیگم عالی جناب سن کے یہ شوہر کا حال
کرتی تھی جس طور غم کہنے کی کس کو مجال

چہرہ تھا جو غم سے زرد پھر وہ ہوا خون سے لال
آہ سپہر دو رنگ تو نے دیا کیا الم

دیدۂ گریاں تھی وہ سینہ بریاں تھی وہ
خاک بداماں تھی وہ چاک گریباں تھی وہ

جسم سے لرزاں تھی وہ جیتے سے طولاں تھی وہ
پیٹنے سے دونوں ہاتھ تھامے رہتے تھے تھم

آہ کہ اطلس سے تھا جسکے بدن کو تماس — اُسکو فلک اطلسی خاک کا دیوے لباس
جوکہ ہوا میدگاہ اُسکو ہو پھر اتنی یاس — جوکہ ہو غمخوار خلق ہاے اُسے اتنا غم
اُسکا وہ فرزند خاص نور دو چشم بصر — زندہ رہے دائما تاکہ ہین شمس و قمر
واے کہ اس چرخ نے اُسکو کیا بے پدر — ہاے یہ سن صغیر اُسپہ یہ گذرے ستم
چرخ یہ لائق نہ تھا اُسکو کرے تو یتیم — باپ کی آغوش مین اُسکو تھا رکھنا مقیم
باد خزان یان نہ چل ہے یہان جاے نسیم — ہے نہ مکان ستم ہے یہ مکان کرم
آخرش اُس لاش کو لائے وہان سے اٹھا — دفن کیا اُس جگہ تھا کہ جہان مدرسا

عبد و اب اُس گور پہ جاکے تو پڑھ فاتحا
قصہ کو کر مختصر اب نہین آنکھون مین نم

اولاد نواب سیّد محمد علی خان

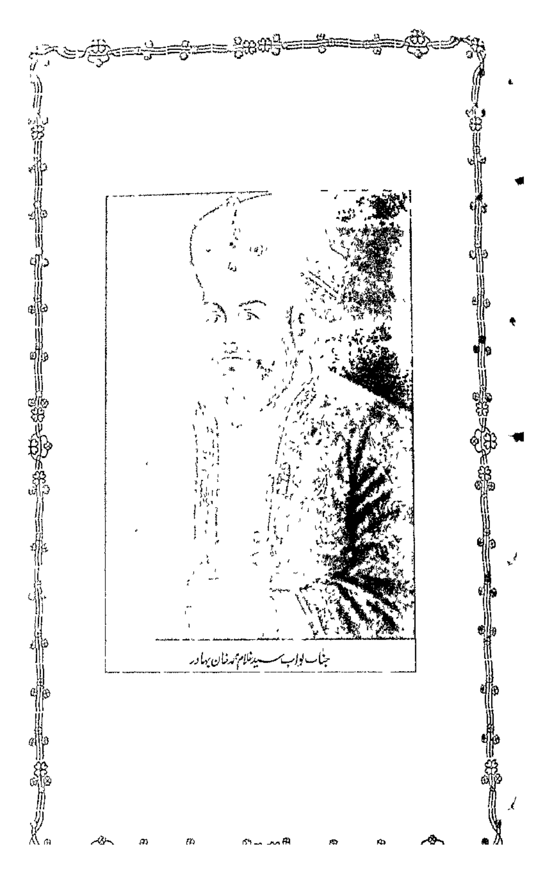
(۱) نواب سید احمد علی خان اُجان بیگم عرف اُچّو بیگم دختر محب اللہ خان خلف وندے خان کے بطن سے (۲) سید محمد اسحاق خان (۳) گمانی بیگم زوجہ محمد اعظم خان ولد دلیر خان کمالزئی جس نے جنگ دوجوڑہ مین نواب سیّد غلام محمد خان کی رفاقت سے گریز کیا تھا (۴) صالحہ بیگم زوجہ سیّد عبداللہ خان ولد سید فتح علی خان خلف نواب سیّد فیض اللہ خان۔

نواب سیّد غلام محمد خاں ابن نواب سیّد فیض اللہ خاں کی مسند نشینی

نواب سید غلام محمد خاں ۱۱۶۲ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ افسران فوج نے اُنکے بڑے بھائی نواب سید محمد علی خاں کو مجروح و معزول کیا تو اُسوقت نواب سید غلام محمد خاں نے اپنے دوسرے بھائیوں کو بلا کر کہا کہ یہ مسند موجود ہے جس کا جی چاہے بیٹھ جائے۔ سب نے جواب دیا کہ ہم سب میں آپ ہی منتخب ہیں اور اس منصب کے لائق آپ ہیں جبکہ نواب موصوف کو سب طرح سے اطمینان حاصل ہوگیا تو حافظ جمال اللہ صاحب کو جو نواب سید غلام محمد خاں کے پیر تھے بلا کر اُن سے کہا کہ آپ مسند نشینی کی رسم اپنے ہاتھ سے ادا کیجیے۔ چنانچہ اُنھوں نے ۱۳۔ محرم ۱۲۰۹ہجری کو نواب سید غلام محمد خاں کو اُس کے بھائی کی جگہ گادی پر بٹھا کر رئیس بنا دیا۔ اور اپنے ہاتھ سے دستار اُن کے سر پر رکھی اور نذرانہ دینے لگے۔

روہیلکھنڈ گزیٹیر میں بیان کیا ہے کہ نواب سید غلام محمد خاں نے اِس کوشش کے صلے میں اور اپنا پورا طرفدار بنانے کی غرض سے نجو خاں کے ساتھ اپنی بہن کا نکاح کر دیا اور اپنے بھائی کی تمام فوج اور ملازمین کو جمع کر کے اُن سے اپنے ساتھ وفاداری کرنے کی مذہبی قسمیں لیں اور سب کو اپنی اپنی جگہ بحال رکھا اور سب کو انعام و اکرام عطا کیا۔

جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ جبکہ استغاثہ قتل نواب سید محمد علی خاں بوکالت صاحبزادہ سید مصطفےٰ خاں نواب آصف الدولہ کے دربار میں ہوا تو وہ نہایت برہم ہوئے اور رامپور کے افسران فوج کو حکم لکھا کہ نواب سید غلام محمد خاں کو



جناب نواب سید غلام محمد خان بہادر

گرفتار کرکے یہان بھیجدو۔ ورنہ تم لوگون کو سخت سزا دیجائیگی۔ اور مظلم کہتا ہے کہ آصف الدولہ نے نواب سید محمد علی خان مجروح کو بلوایا تھا اس تحریر کے پہونچتے ہی سب نے صلاح کرکے نواب سید محمد علی خان کو مرواڈالا۔

قتل کی صبح کو نواب سید غلام محمد خان نے دربار کرکے فرمایا کہ نواب آصف الدولہ کے رقعے کا جلد جواب لکھنا چاہیے اور نواب سید محمد علی خان کو لکھنؤ بھیجدینا چاہیے اگر دیر ہوگی تو نواب وزیر ناخوش ہونگے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ منسا رام بکسریا بسورتی صورت بناکر نواب کے سامنے آیا اور عرض کیا نواب سید محمد علی خان نے شب کو سینے مین تمنچہ مارکر خودکشی کرلی یہ سنتے ہی دربار مین بہت رنج و افسوس ہوا اور محلات مین یہ خبر پہونچی تو وہان غم و ماتم برپا ہوگیا۔ نواب سید غلام محمد خان نے بھی بہت کچھ اندوہ و ملال کیا میان حسن شاہ کو جب یہ خبر پہونچی تو سنّاٹے کا عالم ہوگیا۔ نواب سید غلام محمد خان نے نواب سید محمد علی خان کی تجہیز و تکفین کے بعد ایک محضر تیار کرایا جسکا مضمون یہ تھا کہ "نواب محمد علی خان نے غیرت کی وجہ سے تمنچہ مارکر خودکشی کرلی ہے رشب کو انکی آرامگاہ مین فیر ہوا دیکھا تو وہ مرے پڑے تھے"۔ اس محضر پر چھوٹے بڑے تمام افسرون کی مہرین ہوئین علما کے پاس وہ محضر گیا تو انھون نے بھی مہرین کردین مشائخ نے بھی مہرین کین اور قاضی نے بھی مہر لگائی مگر سردارون مین سے محمد اکبر خان خلف حافظ رحمت خان نے اور افسران فوج مین سے قلندر خان نے اور علما مین سے اخون اکبر شاہ اور مولوی عبد العزیز نے اور مشائخ مین سے میان حسن شاہ نے اور خاندانیون مین سے سید نصر اللہ خان خلف نواب سید عبد اللہ خان نے مُہرین نکین اور دو تین اور بھی شخصون نے مہرین نہ کین۔ جب محضر تیار ہوچکا تو

نواب سید غلام محمد خاں نے ایک خط کے ساتھ نواب وزیر کے پاس بھیجا اور اپنے چھوٹے بھائی سید فتح علی خاں کو جو اُن کے مشیر خاص تھے اس مقدمے میں خواہش اور پیروی کے لیے روانہ کیا اور اُن کے ساتھ بہادر خاں اور نسیم خاں افغان زادے کو بھی بھیجا اور تحریر کے کام کے لیے موتی لال کو ہمراہ کیا۔

سید فتح علی خاں لکھنؤ میں پہونچکر ایک باغ میں مقیم ہوئے دیوان جھاؤلال کے ذریعہ سے جسکو اُس عہد میں بڑا رسوخ حاصل تھا گفتگو شروع ہوئی۔ شاہ عالم نے اس حادثے کی خبر سنکر آصف الدولہ کو روہیلوں کی شکایت لکھی اور اُنکی تنبیہ و تادیب کے لیے ایما کیا وادی قدرت اللہ نے جام جہاں نما میں کہا ہے کہ نواب آصف الدولہ نے سید فتح علی خاں کو عاشانہ کہلا بھیجا کہ تم تمام سرداران فوج کو خفیہ خطوط لکھکر اپنے ساتھ متفق کرکے یہاں ملاؤ میں تمکو ریاست دیدونگا مگر سید فتح علی خاں نے کسی مصلحت کی جہت سے یہ بات قبول نہ کی۔ سالم شاہی میں لکھا ہے کہ نواب سید غلام محمد خاں نے بہت سی تحریریں آصف الدولہ کے پاس بھیجیں مگر اُنھوں نے ایک کا جواب نہ دیا اور روہیلکھنڈ گزیٹیر میں ذکر کیا ہے کہ آصف الدولہ کو جب اس بلوے کی خبر ہوئی تو پہلے اُنھوں نے معقول رشوت لے کر اس معاملے کی طرف توجہ نہ کی اور کہا کہ یہ آپس کا فساد ہے لیکن مسٹر جیری انگریزی ریزیڈنٹ اس خبر کی تصدیق سے انکار کرتا ہے بلکہ اُسکا بیان ہے کہ آصف الدولہ کا خیال یہ تھا کہ نواب سید محمد علی خاں اور نواب سید غلام محمد خاں دونوں اس ریاست کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ یہ ریاست اُنکے باپ کی جس جائداد تھی لیکن تاریخ آصفی سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سید محمد علی خاں کی جانشینی وزیر کے حکم سے عمل میں آئی تھی پھر یہ کہنا کہ آصف الدولہ نے

دونون بھائیون کو اس ریاست کا مستحق نہ بتایا محل نظر ہے۔ آصف نامے کا ناظم کہتا ہے کہ نواب آصف الدولہ نے نواب سید غلام محمد خان کی سفارت کے مقاصد کو نامنظور کیا۔ مگر یہ قول صحیح نہین معلوم ہوتا کہ نواب آصف الدولہ نے نواب سید غلام محمد خان کی سفارت کے مضمون پر بالکل توجہ نہ کی۔ بلکہ انتخاب یادگار اور شمس العلما ذکاءاللہ صاحب کی تاریخ سے ثابت ہے کہ نواب سید غلام محمد خان نے نواب آصف الدولہ کو بیش بہا تحائف بھیجکر درخواست کی کہ میری مسند نشینی سے مخالفت نہ کی جائے اُس کے عوض مین چوبیس لاکھ روپے لے لیجیے نواب آصف الدولہ تو کچھ نیم راضی سے ہو گئے مگر یہ معاملہ ایسا نہ تھا کہ بغیر انگریزی گورنمنٹ کی مرضی کے طے ہوتا جب اُس سے کہا گیا تو اُسنے نواب سید غلام محمد خان کی جانشینی سے انکار کر دیا۔ مگر یہ اور تماشا کیا کہ یہ تجویز ٹھہری کہ نواب سید فیض اللہ خان کا سارا ملک لے کر نواب اودھ کو دیدیجیے یہ نہ خیال کیا کہ یہ سزا گناہگار اور بے گناہ دونون کو ہوتی ہے۔ نواب سید غلام محمد خان کے ساتھ کوئی مخالفانہ کارروائی کی جائے تو بظاہر مضائقہ نہین مگر نواب سید محمد علی خان کے بیٹے پر کیون ظلم روا رکھا جائے۔ سوا اسکے نواب سید فیض اللہ خان کے حسن انتظام سے اُنکا ملک نہایت سرسبز و شاداب تھا اور نواب اودھ کا ملک ویران و تباہ ایسے ملک کو ایک ظالم سرکار کے حوالے کرنا کب انصاف تھا۔

انگریزی اور آصف الدولہ کی فوج کی نواب سید غلام محمد خان پر چڑھائی

چونکہ رام پور کی ریاست انگریزی گورنمنٹ کی وساطت اور ضمانت سے تھی

اسلیے اُسپرلازم آیا کہ وہ آصف الدولہ کی مدد کرے تاکہ وہ نواب سید غلام محمد خان سے ملک نکال لیں۔ اسلیے گورنر جنرل کے حکم سے سر ابرٹ ابرکرمبی فوج آمادے انگریزی فوج لیکر اس ملوے کے انسداد کے واسطے روانہ ہوا اور اُسکے ساتھ نایبور کا کمپو بھی تھا۔ عماد السعادت میں لکھا ہے کہ انگریزی فوج میں دو پلٹنیں گوروں کی اور بارہ پلٹنیں تلنگوں کی اور دو رجمنٹ ترک سواروں کے تھے اور معظم نے انگریزی فوج کی تعداد چودہ ہزار بتائی ہے جن میں سے سات سو گورے تھے اور نواب آصف الدولہ بھی تیاری کرکے لکھنؤ سے چلے اُنکی توپوں کے عجیب و غریب نام ہیں جو بعض شاعروں نے نظم کیے ہیں۔ میں اُنکو یہاں لطف کے لیے بیان کرتا ہوں۔ دھوم دھانی حرم ڈکار۔ ملک میدان فتح مارا۔ اجگر۔ جودھیسد۔ کھنڈ ڈھانی۔ فتح مسدر۔ بھنگ تیز سیکر۔ کڑک بجلی سر حیو گھس گرج۔ سنگار دل۔ فتح لشکر۔ صف شکن وزیری۔ جہانگیری حیدری۔ سلیمانی۔ کیکھر دی۔ فتحیاب۔ عماری۔ انگریزیان۔ تیز مال۔ کرپال۔ متھال ان میں سے سرحیو بہت بڑی توپ تھی۔ الماس خان خواجہ سرا اپنی اٹاوے سے فوج لیکر چلا۔ نواب آصف الدولہ کے لشکر میں بہت سے امرا اور افسر تھے جیسے بھوانی سنگھ۔ کپتان ہزار سنگھ۔ دولم سنگھ۔ بھوانی سنگھ اور سالار جنگ کے دونوں بیٹے اکبر علی اور قاسم علی۔ عبدالرحمن خان قندھاری۔ مرزا اشرف الدین۔ مرزا حسن رضا خان بڑے مرزا داروغہ حبیب خاص راؤ کھولا مہاراجہ بلاس رائے راجہ ٹکیت رائے جھاؤلال۔ معظم خان۔ تحسین خان۔ میاں آدم۔ یعقوب علی خان۔ عظیم اور حکیم شفائی خاں یہ سب امرا و افسر ساتھ تھے

سلہ لکھنو جنگ نامہ معظم ۱۲

سید ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد مین لکھا ہے کہ جب نواب آصف الدولہ نے
سنہ ۱۲۰۸ ہجری مین نواب سید غلام محمد خان پر چڑھائی کی تو نواب مظفر جنگ بنگش رئیس
فرخ آباد بھی ہمراہ تھا اور انگریزی رزیڈنٹ چیری صاحب بھی نواب وزیر کے ساتھ تھا۔
نواب آصف الدولہ کی پہلی منزل نول گنج مین۔ دوسری الماس گنج مین۔ تیسری
سلطان گنج مین۔ چوتھی باون مین۔ پانچوین سرسن نگر مین۔ چھٹی شاہ آباد ضلع ہردوئی
مین۔ ساتوین شاہ جہان پور مین۔ آٹھوین قریب تلہر کے ہوئی۔ انگریزی فوج بھی
بڑی بڑی منزلین کرتی ہوئی بریلی آپہونچی اور یہان قیام کیا اور لکھنؤ کی فوج کا انتظار
کرنے لگی۔ لیکن لکھنؤ کی فوج نے اس فتح مین شریک ہونے کی عزت کی کوشش نہ کی۔
جب نواب سید غلام محمد خان کے پاس سید فتح علی خان کی تحریر اس مضمون کی
آئی کہ لکھنؤ کی فوج رام پور پر چڑھائی کرنے والی ہے تو انھون نے فوج کو بڑھانا شروع
کیا مگر نہ فوج تعلیم یافتہ تھی نہ سامان عمدہ تھا تھوڑی سی معمولی فوج تھی باقی ٹی بھرتی
سے تلوار و توپ کے منھ پر کیا ہوتا۔ شرح سپاہ کی پانچ چھہ سات روپے مقرر کی
اور جابجا سے ریاست کی فوج بھی بلا کر جمع کر لی معظم کہتا ہے کہ نواب صاحب کی
یہ جدید فوج کچھ عمدہ نہ تھی کچھ مئو کے پٹھان بھی ننگ قومی کی وجہ سے آکر شامل ہوگئے
تھے جیسا کہ تسلیم ساکن رستم نگر نے لکھا ہے۔

از مثنوی معظم

سپاہی کے فن مین نہ جن کو تمیز	نجانین قواعد کہ ہے کیا وہ چیز
جو افغان پسر تھے نہ تھے ہوش مین	تھی تیغ اُنکی اُبھی ہوئی دوش مین
یہی کہتے تھے بس وہ سب دم بدم	کہ مارینگے مارینگے مارین گے ہم

علامی نے دیکھا سپہ کا یہ حال
تو اُس کو ہوا اک ہراس و ملال

سوا کوہ کے کوئی بہتر مکاں
یہ سوجھا جہاں جا کے پائے اماں

کہا فلک گھاٹی کوئی کوہ کی
ملے تو کمی ہووے اندوہ کی

قبائل رہیں واں بہ حفظ و اماں
ضرورت ہو تو ہم وہاں ہوں نہاں

کسی نے یہ احوال ظاہر کیا
وہیں اُس نے جا کر یہ باہر کہا

ہوا جب کہ دریافت یہ ماجرا
روہیلوں نے آپس میں چرچا کیا

کہ جس وقت جائے اسے لوٹ لو
وہیں رخنہ کر کے اسے کوٹ لو

یہی تھی گرہ ہر جگہ تھا عیاں
گلی کوچے میں تھا یہ ورد زباں

جو مارا مس حسان نکو گیا
کہ اُس وقت تھا اُس کا وہ رہنما

جو ملوائیوں سے ہوا وہ دوچار
انھوں نے وہیں اُس پہ کی مار مار

دیا پالکی سے تلے اُس کو ڈال
کیا اُس کا لاتوں سے تن پائمال

کہا یہ کہ نواب کا تو مشیر
تری اس لیے فکر ہے ناگزیر

مریں گے بھی ہم اور ماریں گے ہم
تمھارا بھلا کیوں نکلتا ہے دم

غم جاں سے یہ حسرت ماری کری
دکھاتا ہے ہمکو وہ ماری گری

سپاہ نواب صاحب کے پاس آئی اور عرض کیا کہ ہم سب غنیم سے لڑنے کے لیے تیار ہیں مرنے مارنے پر مستعد ہیں آپ کس واسطے پہاڑ کو جانے کا ارادہ کرتے ہیں ہم آپ کے ساتھ جاں نثاری کریں گے نواب صاحب نے فرمایا کہ مصلحت وقت اور مقتضائے عقل یہ ہے کہ ہم اپنے اہل و عیال کو یہاں سے دور رکھیں جا جانے انجام کار کیا ہو روہیلوں نے عرض کیا کہ یہ بات نازیبا ہے

جبکہ یہ خبر مشہور ہوگی تو لوگ کہینگے کہ بغیر لڑے ہی یہ پٹھان اپنے مکانون کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تاب مقابلہ نہ لائے۔ یہ بات سُن کر نواب صاحب نے فرمایا کہ مین تمھارے بھروسے پر کس طرح رہون اُسوقت سب نے عرض کیا کہ ہم سب فرنگیونکی اور وزیر کی فوجون سے لڑینگے آپ ہمارے ساتھ چل کر میدان مین کھڑے تو ہون نواب نے اُسوقت سپاہ کو بہت تسلی دی اور اُنکی ہمت سے خوش ہوے۔ غرض جبکہ مقابلے کا تمام انتظام درست ہوگیا تو نواب صاحب نے افسران فوج سے کہا کہ یہ صلاح میری مانو کہ دلیر خان کمالزئی کو گرفتار کر لو۔ مجھے تحقیق معلوم ہوا ہے کہ ظاہر مین موافق ہے اور باطن مین مخالف۔ سردارون نے کہا کہ یہ امر کسی نے غلط عرض کیا ہے اور ہم اُسکو اگر گرفتار کرین تو آج ہی سارے کمالزئیون سے بگاڑ ہو جائے اور آپس مین پھوٹ پڑے ایسے وقت مین کہ معرکہ درپیش ہے یہ صورت اچھی نہین نواب سید غلام محمد خان نے کہا کہ مین نے جو کچھ تمسے کہا وہ تحقیق ہے اور قیاس بھی اسی کو چاہتا ہے اسواسطے کہ نواب سید محمد علی خان سے اُسکی قرابت اور تمام عمر کی رفاقت تھی ممکن نہین کہ اُنکے قتل ہونے کا داغ اُسکے دل پر نہو دیکھو یہ وقت پر دغا کریگا اور اگر تم باندیشہ فساد گرفتار نہین کرتے تو بجبایۂ انتظام شہر مین چھوڑ جاؤ۔ سردارون نے یہ بھی قبول نہ کیا اور کہا کہ اگر بالفرض اسکو آپ کی مسند آرائی پسند نہ ہو تو بھی اِس معرکے مین تندہی کریگا اسواسطے کہ اگر لڑائی بگڑ گئی تو فقط آپ کی ریاست مین خلل نہین آئے گا بلکہ تمام قوم کی بربادی ہو جائے گی اور یہ بھی اسی قوم مین سے ہے اپنی خرابی کیونکر گوارا ہوگی آپ خاطر جمع رکھین اور اسکی طرف سے مطمئن رہین نواب سید غلام محمد خان خاموش ہو رہے۔

نواب سید غلام محمد خان کا اپنی فوج کے ساتھ رامپور سے مخالف کی جانب روانہ ہونا

کاتک سمت ۱۸۵۱ بکرمی کا مہینہ بھا دیوالی کے چار پانچ دن باقی تھے جو لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں نواب صاحب کی فوج کی تعداد عماد السعادت میں بیتالیس ہزار سے ساٹھ ہزار تک بتائی ہے اور لکھا ہے کہ توپوں کے علاوہ بانوں کے بھی کئی چھکڑے تھے اور منتخب العلوم میں پچاس ہزار لکھی ہے اور تاریخ آصفی میں پچاس ساٹھ ہزار تعداد بتائی ہے اور گزیٹیر میں پچیس ہزار سپاہیوں کی ہے اور جام جہاں نما میں تیس ہزار ذکر کی ہے اور معظم نے صحیح تعداد بتائی ہے اُسکی روایت کے موافق ستر ہزار آدمی تھے اور وہ کہتا ہے کہ تیرہ توپیں بڑی بڑی تھیں جو گڑھ میں نواب سید فیض اللہ خاں کے وقت سے مخفی تھیں اُنکو پھر پہیوں پر چڑھوالیا تھا اور چالیس شترنال تھیں۔ اور نواب سید فیض اللہ خاں کے عہد سے ایک کوٹھا باروت اور سیسے سے بھرا ہوا تھا وہ کھولا گیا اور بارود گولا اندازوں اور مورچیوں کو تقسیم کی گئی نواب صاحب نے ایک دن بخشی کشن چند کو حکم دیا کہ کل صبح کو میں فوج کا جائزہ لونگا سب کو ایک جگہ جمع کیجیو چنانچہ مراد اور غوثو وغیرہ نقیب ہر ایک محلے میں یہ حکم سنا آئے کہ کل صبح کو تمام سپاہی مسلح ہو کر حاضر ہوں نواب صاحب ملاحظہ فرمائینگے دوسرے دن سپاہی اپنے اپنے مکانوں سے نکلے اور نواب صاحب محل سے برآمد ہوئے اور فوج کو دیکھتے ہوئے اپنے باپ کی قبر پر فاتحہ کو گئے اور فاتحہ پڑھکر قلعہ کو واپس آئے۔

نواب صاحب سپاہ کی تیاری دیکھکر بہت خوش ہوئے اور نجومی کو حاضری کا حکم دیا اور اُس سے ساعت نیک و بد کا سوال کیا نجومی نے عرض کیا اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپکے دشمن کو کمک ملے اور آپ فتحیاب ہوں اُسے بیان کیا کہ کاتک بدی اکادشی (۱۱)

سمت ۱۸۵۱ بکرمی مطابق ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۰۹ ہجری موافق ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۷۹۴ء کو اتوار کے دن آپکے لیے جنگ کرنا بہتر ہے۔ اُس دن آپ فتحیاب ہونگے اور آپکے دشمن کو ضرر پہونچے گا۔

نواب صاحب نے تیاری کرکے بریلی کی جانب کوچ کیا اور حمید خان کو ایک ہزار آدمیون کے رسالے کے ساتھ رامپور کے بندوبست پر چھوڑا۔ نواب صاحب ہاتھی پر سوار ہوکر شہر سے نکلے آنکی فتح کے لیے گھر گھر دعائین مانگی گئین اور بزرگون کی منتین مانی گئین۔ نواب صاحب کے ہمراہ اُنکے بھائی بھی تھے اور اُنکی فوج کے پٹھانونکا جوش بڑھا ہوا تھا۔ جب کڑکیت بولتے تو ہر ایک اینٹھتا اور سوار گھوڑا کوداتا۔ پٹے باز بینتی دکھاتا اور بھکیتی ظاہر کرتا تھا۔ کوئی نیزہ تولتا تھا بہت سے سپاہی زرہ وبکتر سے آراستہ تھے اور بعض کے پاس چلتے بھی تھے سیکڑون سپاہی راستے مین تنبل بجاتے اور چاربیتین گاتے جاتے تھے۔ کوئی ننگی تلوار لیکر ہاتھ مین گھماتا کوئی جنگ کی ترنگ مین نعرے مارنے لگتا۔ غرض ہر ایک پٹھان اپنے زعم مین سورما بنا ہوا تھا۔

نواب صاحب کی فوج کا پہلا مقام ملک مین ہوا۔ یہان خبر پہونچی کہ انگریزی لشکر بریلی کے متصل آپڑا ہے۔ نواب صاحب نے حکم دیا کہ کل صبح کو تمام نشانون کے آدمی جمع ہوکر ہمارے سامنے آئین۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ نواب صاحب نے ہر ایک سپاہی کو پانچ پانچ روپے دلوائے۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی سپاہی تلنگے کا سر کاٹ کر لائیگا اُسے پچیس روپے انعام دیے جائینگے اور جو انگریز کا سر کاٹ کر لائے گا اُسکو پانسو روپے عطا ہونگے اس حکم کا اعلان ہوتے ہی سپاہ کے دلون مین عجب جوش مارنے لگی اور ہمت بڑھ گئی۔ بعد اسکے نواب صاحب نے بخشی کشن چند اور

ح کشش سے فوج کی سرآورد طلب کرکے سپاہیوں کو ایک مہینا پیشگی تقسیم کیا اور
تنخواہ میں اشرفیاں دیں [1]

نواب سید غلام محمد خان نے اس مقام سے جنرل اَرکرمبی کو لکھا کہ آپ
درمیان میں پڑکر نواب وزیر سے ہماری صفائی کرا دیجیے۔ جنرل صاحب نے جواب
بھیجا کہ آپ مطمئن رہیے جب نواب آصف الدولہ یہاں آجائیںگے تو میں صلح کرادونگا
لیکن نواب سید فیض اللہ خان کا جس قدر خزانہ ہے وہ میرے پاس پہونچا دیا جائے
اور آپ اپنی سرحد سے آگے قدم نہ بڑھائیں جب یہ جواب نواب صاحب کے پاس
پہونچا تو افسران سپاہ کو جمع کرکے کہا کہ اپنے ملک کے دھرے سے آگے قدم نہ بڑھانا
چاہیے جاجائیگا تو سب کام نہیں درست ہوجائیگا لیکن روہیلہ سرداروں نے
جواب دیا کہ انگریزوں کی بات قابل اعتبار نہیں۔ جنرل صاحب نے یہ بات صرف
اس واسطے لکھی ہے کہ اسکی فوج سے وزیر اودھ کی فوج بھی آکر مل جائے اور دونوں
وہیں مل کر جنگ کریں۔ اور سب نے یہی رائے دی کہ صبح کو آگے بڑھنا چاہیے
نواب صاحب نے آگے کو کوچ کیا۔

نواب صاحب کے بعض بھائیون اور بعض سردارون کا نواب صاحب سے نفاق اور روہیلون کی فوج کا میدان جنگ مین پہونچ جانا

سید فتح علی خان ابن نواب سید فیض اللہ خان اودھ کو گئے ہوئے تھے

---

[1] دیکھو جام جہاں نما

اور سید نظام علی خان جو اُن کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے نواب سید غلام محمد خان کے ساتھ تھے اس منزل مین سید نظام علی خان نے یہ دغا کی کہ بریلی کو چلے گئے اور لشکر سے اس ترکیب سے نکلے کہ اپنے ہاتھ پر باشہ بٹھا کر ٹوپی اوڑھ لی اور شکار کے حیلے سے میانے مین سوار ہوکر پہاڑ کی جانب روانہ ہوے تاکہ اہل فوج یہ سمجھین کہ شکار کھیلنے کو جاتے ہین اور لوگون کی نظر بچاکر بریلی کی سیدھ بھرلی۔ جب بریلی مین پہونچے اور جنرل ابَرکرَمبی کو اُنکے آنے کی اطلاع ہوئی تو بہت خوش ہوا اور بہت تعظیم و تکریم کی نواب سید غلام محمد خان نے جب سید نظام علی خان کو اپنے لشکر مین نہ پایا تو اُن کا حال استفسار کیا لوگون نے بیان کیا کہ شکار کھیلنے کو گئے تھے۔ اب تک نہین آئے یقین ہے بریلی کو چلے گئے ہونگے۔

اُسی وقت ایک اور گل کھلا کہ سپاہی نواب صاحب کے پاس ایک آدمی کو پکڑ کر لائے اس شخص کو مار پیٹ کر تلاشی لی تو اُسکی کمر مین سے کئی خط نکلے یہ خط بعض روہیلہ افسرون کی طرف سے جنرل ابَرکرَمبی کے نام پر تھے۔ ان کا مضمون یہ تھا کہ آپ آکر جنگ کیجیے وقت پر ہم طرح دے جائینگے۔ روہیلے اُسی وقت اُن افسران نمک حرام کے ڈیرون پر چڑھ گئے۔ وہ افسر پہلے ہی سے قاصد کی گرفتاری کی خبر سُنکر لشکر سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگ گئے تھے۔ روہیلون نے اُن کے ڈیرے لوٹ لیے ان افسرون مین سے ایک کا بیٹا ہاتھ آگیا تھا جو زخمی ہوا۔ نواب صاحب بہت متحیر ہوے اور اُن کا دل ٹوٹ گیا۔ اور اب وہ ہر ایک کو قسمین دے کر کہنے لگے کہ جسکی خوشی اس جنگ مین شریک ہونے کی نہ ہو وہ چلا جائے میری طرف سے اُسکو اجازت ہے اور جسکو رہنا ہو رہجائے

میری طرف سے کسی پر جبر نہیں۔ غرضکہ یہ سپاہ آگے کو بڑھی گزیٹیر میں لکھا ہے کہ پٹھانوں کی فوج رام پور سے چل کر تین دن میں میرگنج پہونچی آج دوالی کا دن تھا گھمٹ کی رات وہیں گذری[1] صبح کو آگے بڑھی اور دوجوڑہ کو عبور کرنے لگی۔ نواب صاحب نے فراسخانہ کے داروغہ کو حکم دیا کہ تمام فوج کا مقام تو دریا کے پرلے پار ہو اور ہمارے ڈیرے اس پار کھڑے کیے جائیں جب رو ہیلوں کو یہ خبر پہونچی تو کہنے لگے کہ آپ کا ارادہ یہاں سے علٰحدہ ہونے کا معلوم ہوتا ہے ہم آپکو نہیں چھوڑینگے آپکے ڈیرے بھی دریا کے پار نصب ہونا چاہییں نواب صاحب نے منظور کرلیا معلم کہتا ہے کہ روہیلے نواب کی کوئی بات نہیں چلنے دیتے تھے نواب کا سارا لشکر دوجوڑہ کے پار اُتر گیا اور سب فوج کے ساتھ نواب صاحب کے ڈیرے بھی دریا کے پار کھڑے ہوئے۔

انگریزی فوج نے بھی بریلی سے آگے بڑھکر اُس سے سات میل پچھاں کی طرف سکھا کے پل کے پاس قیام کیا بریلی کا صوبہ دار تمسو ماتھر بھی پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ انگریزی فوج کے ہمراہ تھا۔ جب جنرل اُبرگرمبی کو یہ خبر پہونچی کہ نواب سید غلام محمد خاں ملک سے کوچ کرکے دوجوڑہ کو عبور کر آئے تو اُسے ناخوش ہو کر نواب صاحب کے سفیر کو جو انگریزی کیمپ میں موجود تھا بلا کر کہا کہ نواب صاحب نے یہ اچھا نہیں کیا جو آگے کو بڑھ آئے۔ ہمارا اُن کا عہد و پیماں اب شکست ہو گیا۔ اُنکو لڑائی کا سدِ دست کرنا چاہیے اور اُس سفیر کو لشکر سے رخصت کر دیا جب وہ منشی نواب صاحب کے پاس آیا تو نواب صاحب کو صلح کی امید جاتی رہی

[1] دیکھو اسباب یادگار ۱۲

اور دوسرے دن صبح کو ہاتھی پر سوار ہوکر آگے کو بڑھے اور موضع بھٹورہ کے کھیڑے پر انکی فوج قبضہ کرنے لگی۔ یہ مقام انگریزی فوج کے سامنے دو میل کے فاصلے پر معلوم ہوتا تھا اور یہ مقام اب فتح گنج (یا فتح گنج غربی) کہلاتا ہے اور توپ خانہ کھیڑے پر چڑھا دیا۔ جس کا صوبہ دار علی محمد خان تھا اور باقی سپاہ کا پڑاؤ اس ترتیب سے ہوا کہ دلیر خان ابن ستار خان کمالزئی اور تمام کمال زئی سوارون کا جتھا اور محمد شفاعت خان اور عبداللہ خان پسر سلطان خان کھیڑے کی غربی جانب ایک باغ مین جس کے تلے ایک نالہ بھی جاری تھا مقیم ہوے۔ اور محمد حسن خان ابن ملا محسن خان اپنے پیادون کے ساتھ کھیڑے کی جنوبی جانب باغ کے کنارے پر ٹھہرے۔ اور عمر خان بڑموچھے ابن شہامت خان ولد دراز خان اور اُن کے تینون بیٹے (یعنی عبدالصمد خان عرف سمند خان اور سربلند خان عرف بلند خان اور محمد یوسف خان عرف جنگی خان) اور نجو خان خلفِ مستقیم خان ابن شیخ کبیر اور محمد نسیم خان جو ملا رحم داد خان کا بیٹا اور عمر خان کا بھانجا تھا اور غازی خان جو عمر خان کا چچازاد بھائی اور جنگی خان کا خسر تھا اور نعیم خان اور حرمت خان اور سیف الدین خان ابن پرمول خان جن کے نام سے رام پور مین ایک گھیر مشہور ہے اور سیف الدین خان کے تمام بھائی اور بدھو خان کا سارا کنبہ اور الف خان اور محمد سلیم خان اور حضرت نور خان اکزئی جنکا گھیر گوجر ٹولہ مین ہے اور اُن کے دادا اخون علی پیر بابا کے نواسے ہین اور طرّہ باز خان ولد حضرت نور خان اور غلام حسن خان خلف اکبر مولوی غلام جیلانی خان اور غلام حسن خان کے تین بھائی (یعنی غلام حسین خان۔ غلام محمد خان۔ غلام حیدر خان) اور محبت خان

اور اُسکا بیٹا اور بھتیجا جسکا نام ظہور خاں تھا اور اولیا خاں اور محمد سعید خاں جن کے
نام سے ایک چوک مشہور ہے اور قلندر خاں جسکا ایک گھیر مشہور ہے اور سپاہی خاں
ان قلندر خاں پر سب چھوٹے بڑے افسر اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ گھیرے کی
شمالی طرف قیام پذیر ہوئے۔ اور گھیرے کے تلے توپ خانے کے متصل تلنگوں کی
پلٹن ٹھہری اس کا افسر اعلیٰ غلام حسین خاں تھا جو کمیدان کہلاتا تھا۔ جتنے افسروں
کے ہمنے نام لیے انمیں سے بعض کا اب پتا نہیں چلتا۔ انمیں سے بڑے بڑے افسر
رسالدار کہلاتے تھے اور وہ گنتی کے آدمی تھے سیف الدین خاں۔ غلام سبحان
حضرت نور خاں۔ عمر خاں۔ دلیر خاں وغیرہ یہ عہدہ آج کل کے جنرل کی طرح سمجھنا
چاہیے۔ ہر ایک رسالے میں ہزار پندرہ سو پیادہ و سوار ہوتے تھے اور نقارہ و
نشان ساتھ ہوتا تھا۔ رسالدار کے ماتحت کئی جمعدار ہوتے تھے جنکی حکومت
میں کئی کئی سو جوان ہوتے تھے رسالدار کو اپنی سپاہ کی موقوفی بحالی کا پورا اختیار
حاصل ہوتا تھا اور رسالدار کی تنخواہ ہزار ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار ہوتی تھی اور
جمعدار کی تنخواہ سو روپیے سے کم نہیں ہوتی تھی ان جماعتوں کو تمام بے قاعدہ
پلٹن سمجھنا چاہیے اور ایسے لوگ سہ بندی کے سپاہی کہلاتے تھے۔ اصلیت
میں اس لفظ کی اصل سہ بندی تنائی ہے جسکے معنی فوج کی نگہداشت ہیں۔
افسران مذکورۂ بالا کے علاوہ اور بہت سے نامی افسر اور سردار نواب صاحب
کے لشکر میں تھے جیسے محمد عظیم خاں ابن فتح خاں خانسامان اور محمد نعیم خاں ابن
محمد عظیم خاں اور محمد عظیم خاں کے بھتیجے اور عصمت خاں جنکی املیاں مشہور ہیں اور
عظیم اللہ خاں ابن دوندے خاں اور اللہ دی خاں سرف روری خاں جمعدار

جنگا گھیر پرانے شترخانے کے پاس واقع ہے اور اس زمانے تک پرگنات ربہڑ اور ٹپہ اور کاشی پور مین اُنکا رسالہ متعین تھا۔[1] سید نصراللہ خان ولد نواب سیّد عبداللہ خان اور سید احمد یار خان ابن صاحبزادہ سید محمد یار خان اور محمد اکبر خان ابن حافظ رحمت خان بھی نواب صاحب کے ہمراہ تھے مگر تسلیم ساکن رستم نگر اس جنگ مین عظیم اللہ خان پسر دوندے خان کی شرکت سے انکار کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ بدستور رام پور مین رہے اور اُن کے دوسرے بھائی بھی جو اُس وقت تک زندہ تھے شریک جنگ نہ ہوے مگر معظم عظیم اللہ خان کی شرکت بتاتا ہے۔

نواب صاحب کے بھائیون مین سے سید حسن علی خان بھی اس وقت بریلی کو چلے گئے اُن سے اور انگریزون سے خفیہ عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ انگریزون نے اُن کو ریاست کا امیدوار کیا تھا اور لکھنؤ سے سیّد فتح علی خان بھی بریلی مین آ گئے تھے۔ پس سیّد نظام علی خان۔ سیّد حسن علی خان۔ سیّد فتح علی خان نواب صاحب کے یہ تین بھائی مخالف کے پاس تھے اور اُنکے تین بھائی یعنی سیّد یعقوب علی خان سیّد کریم اللہ خان سیّد قاسم علی خان نواب صاحب کے لشکر مین موجود تھے معظم کہتا ہے۔

بہت تھے ملے انمین انگریز سے   بہت اپنے ناموس پر تھے جمے

بلکہ جام جہان نما سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی فوج کا افسر اعلیٰ چاہتا تھا کہ نواب سیّد غلام محمد خان بھی ہمسے آ کر مل لین اور لڑائی ٹل جائے۔ مگر

---

[1] زبانی حکیم محمد اعظم خان مؤلف اکسیر اعظم نبیرہ رضی خان ۱۲

نواب صاحب نے قبول نہ کیا۔

نواب صاحب کا خاص ڈیرہ کھیڑے کے اوپر تھا اور کچھ سیاہ کھیڑے کے آگے بھی تھی۔

مقابلے میں روہیلوں کا انگریزی فوج پر غلبہ ظاہر کرنا

۲۴۔اکتوبر ۱۷۹۴ء مطابق ۲۸۔ربیع الاول ۱۲۰۹ھ ہجری روز جمعہ کو سکھاکے مغربی کنارے پر دن نکلنے سے ایک گھنٹہ پہلے انگریزی فوج کی کمر بندی ہوئی۔ نوجی جنرل نے گھوڑے پر سوار ہوکر نواب سید غلام محمد خاں کی فوج کا تاؤ بھاؤ لیا تو معلوم ہوا کہ اُنکی فوج موضع کٹورہ کے سامنے میدان میں پڑی ہوئی ہے۔ اس میدان میں تھوڑا تھوڑا جنگل بھی ہے جو کسی قدر اُن کی جماعت کو چھپائے ہوئے ہے نواب کی فوج کا اگلا حصہ کسی قدر آگے بڑھا ہوا تھا اس واسطے انگریزی جنرل نے اپنی جماعت کو زیادہ پھیلنے کا حکم دیا۔ دن نکلتے نکلتے انگریزی فوج نے اپنا کام شروع کر دیا چار گھڑی دن چڑھا ہوگا کہ اس طرف کی فوج کو انگریزی فوج کی سنگینوں کی چمک نظر آنے لگی۔ نواب صاحب نے بھی اپنی فوج کو مقابلے کے لیے تیار کیا اور خود مع اپنے تین بھائیوں اور سید نصراللہ خاں اور سید احمد یار خاں اور محمد اکبر خاں کے ہاتھیوں پر سوار ہوکر قلب لشکر میں کھڑے ہوئے۔ نواب کی فوج نے مقابلے کے واسطے آگے بڑھ کر پہلے جنگل پر قبضہ کر لیا اور دونوں طرف سے توپیں چلنے لگیں۔ اور نواب کی فوج میں سے بان بھی چھوٹنے لگے۔ انگریزی فوج کا ایک گولہ نواب صاحب کی بارود کے چھکڑے میں لگا جس سے بارود اُڑ گئی

شاید اسی وجہ سے جام جہان نما مین لکھا ہے کہ انگریزون نے نواب سید غلام محمد خان کی توپین بیکار کردین - جنگنامے مین معظم کا بیان ہے -

فرنگی نے گولے غلامی کے کھا دیا اُسکی بارود کو بس اُڑا
وہ چھکڑا جو بارود کا اُڑگیا ہر اک کا ہوا رنگ اُسدم ہَوا
دیا توڑ منھ ضرب سے ضرب کا گئی ٹوٹ پلٹن وہین ضرب کھا

کہ اتنے مین انگریزی فوج مین سے کپتان رامزی کو ہندوستانی رجمنٹ (ترکسوارون) کے ساتھ نواب صاحب کی فوج پر دھاوا کرنے کا حکم ملا مگر کپتان مذکور یا تو اُس حکم کو بھول گیا یا گھبرا گیا کہ اُس نے اپنی رجمنٹ کو جلدی نواب کی فوج کی جانب پھیر دیا - اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رجمنٹ مذکور انگریزی فوج کے محاذ مین ہوکر گذرا - اس حالت کو دیکھ کر مصطفٰے خان عرف نجو خان حضرت شاہ خان عرف سنو خان برادر نجو خان اور بلند خان او قلندر خان اور سپاہی خان اور محمد نعیم خان اور محبت خان اور عمر خان اور عبدالصمد خان عرف سمند خان اور جنگی خان اور اسد خان عرف استو خان اور غلام حسن خان اور نور خان کا بیٹا اور ملا محسن کے کنبے کے تمام جوان اور محمد سعید خان اور محمد عظیم خان وغیرہ فتح خان خانسامان کی اولاد اور سیف الدین خان اور مرتضٰی خان اور عبدالحکیم خان اور مقیم خان اور عصمت خان اور یار خان اور نسیم خان اور سبحان شاہ اور افضل خان اور سلطان شاہ اور محمد کبیر خان اور محمد منیر خان اور الف خان اور سرافراز خان و اور ستو خان پسر دلیر خان اور عبداللہ خان اور مؤ کے پٹھانون نے اپنے سوارون کے ساتھ جن سب کی تعداد بقول مؤلف عماد السعادت ڈیڑھ ہزار تھی

انگریزی رجمنٹ پر گھوڑے اڑائے اور بادل کی طرح شکار پر پڑ گئے اور کپتان رامزی کو پوری شکست دی اور اس کی بھاگی ہوئی جماعت کو انگریزی کیمپ تک لتاڑتے ہوئے چلے گئے اور انگریزی فوج کا داہنا بازو توڑ ڈالا۔ شکست پائی ہوئی جماعت انگریزی کیمپ کے داہنی طرف بھاگ کر آئی یہ لوگ توپوں کے سامنے بھاگتے ہوئے آرہے تھے۔ اس واسطے انگریزی توپ بالکل چلنے سے معذور تھی۔ انگریزی بھاگے ہوئے رسالوں اور باقی ماندہ بائیں بازو کی فوج کو لفٹنٹ گاہن اور ریچارڈسن نے دوبارہ درست کرکے صف آرا کیا۔ لیکن روہیلے غول باندھ کر انگریزی کیمپ میں گھس آئے اور تلوار وغیرہ اور بندوقوں سے مردانہ وار لڑنے لگے۔ انگریزی ملازموں نے بھی سیدھے ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں سنگیں (سنگیں اس حربہ کو کہتے ہیں جو بندوق کے منہ پر لگایا جاتا ہے) لے کر ان لوگوں کا خوب مقابلہ کیا۔

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ روہیلوں نے تلنگوں کے سر اڑانا شروع کیے اُن کے زور دست بازو کی یہ حالت تھی کہ جس آدمی کے سر پر پٹھان کی تلوار پڑ گئی ککڑی کی طرح اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اگر بندوق کی نال پر پڑی تو اُسکے بھی دو حصے کر دیے یہ تمام پٹھان سوار انگریزی فوج میں اس سرے سے اُس سرے تک نکل گئے لیکن انگریزی تلنگوں پر بھی آفریں ہے کہ جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے کھڑے کٹ گئے مگر قدم نہیں ہٹایا۔ عمر خاں بلند خاں ملا رحیم خاں اور اُنکا بیٹا محمد نسیم خاں خوب لڑے محمد نسیم خاں گھوڑے سے اُتر گیا تھا اُسے کئی انگریز قتل کیے بحوخاں نے ایک تیغا ایسے زور سے

توپ مین مارا کہ اُسکے اندر گھُس گیا نکل نہ سکا اس لیے اُسی مین چھوڑ دیا۔
بلند خان نے اتنی نیزہ بازی کی کہ اُس کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ تلوار سے لڑنے لگا اُسکے ہاتھ سے سات انگریز پارے گئے قلندر خان نے بھی بہت سے مخالفونکا کام تمام کیا۔ عمر خان نے بھی بہت سے آدمی ہلاک کیے۔ جنگی خان نے بھی خوب تلوار زنی کی یہ خود زخمی ہوا اور گھوڑا مارا گیا تو پیادہ پا ہی لڑتا رہا معظم کہتا ہے کہ سرفراز خان ڈو پہلے تلوار سے لڑا اور یہان تک تلوار زنی کی کہ اُس کے ہاتھ مین چار تلوارین ٹوٹین آخر کار اپنے لٹھ سے جو نہایت موٹا اور بھاری تھا اسی وجہ سے اُس کو ڈُو (بدال ثقیل و واؤ معروف) کہتے تھے لڑنے لگا علیم اللہ خان پسر دوندے خان نے بھی خوب کام کیا اور غلام حسن خان ابن مولوی غلام جیلانی خان اور محمد حسن خان اور محمد سعید خان اور بدل خان پسر بڈو خان اور سیف الدین خان اور مرتضیٰ خان اور عبد الحکیم خان اور حضرت نور خان اور عصمت خان اور مستو خان ابن دلیر خان کہ کم عمر نوجوان تھا یہ سب نہایت دلیری سے لڑے عبد اللہ خان ولد محمد خان کے شکم پر دو گولیان آئین مگر وہ ایسی ترچھی نکل گئین کہ وہ ہلاکت سے بچ گیا یہ شخص جنگ کنان پلٹن مین گھس کر سنگین سے مارا گیا اور اسکا تمام بدن بارود سے جھلس بھی گیا۔ مولوی غلام جیلانی رفعت نے اس جنگ کے بیان مین ایک مثنوی لکھی ہے نام اُسکا "دُرِ منظوم" ہے نہایت نزاکت اور لطافت اور بلند پروازی کو کام مین لائے ہین کہ انشا پردازی اُنکے قلم کو سجدہ کرتی ہے اُسمین کیا مزے کا ایک شعر لکھا ہے۔

بکرسی نشینان چنان تیغ راند　　　که حرف شجاعت بکرسی نشاند

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ اڑھائی سو کے قریب گورے اور پچاس سردار کام آئے اور سترہ سو کے قریب تلنگے (یعنی ہندوستانی پیادے) مارے گئے اور معظم کہتا ہے کہ دو ہزار تلنگے اور ڈیڑھ سو یا اس سے زائد گورے کھیت رہے جن کی لاشوں کو خندق میں ڈال کے پاٹ دیا تھا اور زخمی بے انتہا ہوئے تھے جو بریلی کو بھیج دیے گئے جو بڑے بڑے یورپین افسر مارے گئے اُن کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں یہ نام گورنر جنرل کے حکم سے کرنل جارج رنگٹن کی یادگار میں ایک پتھر پر کندہ کر کے نصب کیے گئے ہیں یہ کرنل کرج سے تیس پٹھانوں کو مار کر تسلیم ساکن رستم نگر کے قول کے مطابق نجو خاں کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ بڑا بہادر آدمی تھا ٹیپو کی لڑائیوں میں شریک رہا تھا۔

(۱) کرنل جارج رنگٹن (۲) میجر تھامس پالئن (۳) کپتان جان موبی (۴) کپتان مارمکلیڈ (۵) کپتان جان مرڈوک (۶) لفٹنٹ اینڈریو کمینگ (۷) لفٹنٹ ایڈمنڈ ویلر (۸) لفٹنٹ ولیم ہنکسمن (۹) لفٹنٹ جاسف ریچارڈسن (۱۰) لفٹنٹ جان پلمر (۱۱) لفٹنٹ برج (۱۲) لفٹنٹ ولیم آڈیل (۱۳) لفٹنٹ ایڈورڈ ڈنگز (۱۴) لفٹنٹ فایز وزگر (۱۵) لفٹنٹ جیمس ٹلفر۔

ان کے سوا اور بہت سے یورپین اور ہندوستانی چھوٹے سردار اور ہمراہی وغیرہ کثرت سے مارے گئے اور زخمی ہوئے تھے تاریخ آصفی کا مؤلف کہتا ہے کہ اگر ایسی ضرب فوج وزیر کو لگتی تو وہ ایسی تباہ ہو جاتی کہ انگریزوں سے بھی تدارک نہ ہو سکتا۔

روہیلون کا شکست فاش پانا اور دامن کوہ مین پناہ لینا

نواب سید غلام محمد خان بہادر اُس ٹیلے پر جہان آج کل انگریزی کشتونکی یادگار کا پتھر نصب ہے مع اپنے بھائیون اور سید نصراللہ خان اور سید احمد یار خان اور محمد اکبر خان کے ہاتھیون پر سوار کھڑے ہوے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور اُنھون نے کپتان رامزی کی رجمنٹ کی شکست دیکھ کر قبل از وقت فتح کے نقارے بجوادیے تھے۔ مگر جس قدر سوار ترک سوارون کو لتاڑتے ہوے انگریزی کیمپ مین گھس گئے تھے۔ اُنکو کوئی کمک نہ پہونچی اور وہ پٹھان جو لشکر انگریزی مین گھس گئے تھے لوٹ مین مصروف ہوگئے تھے۔ کوئی گورے کا سر کاٹ کر لے چلا کہ نواب صاحب سے انعام لونگا۔ کسی نے گھوڑا پکڑ لیا کسی نے ہاتھی کو گھیرا کسی نے کوئی اور چیز بغل مین دابی کہ یکایک جنرل ابر کرمبی نے گورون کی پلٹن اور چار توپین اور بقولے دو توپین پٹھانون کی سیدھی طرف گھما کر لگادین اور معظم کا بیان یہ ہے کہ یہ پلٹن ایک نالے مین بیٹھی ہوئی تھی اور تاریخ مظفری مین ذکر کیا ہے کہ کچھ فوج انگریزی پیچھے رہ گئی تھی وہ آگئی اور عالم شاہی مین لکھا ہے کہ کمپو کے بھاگے ہوے سپاہی اُس پلٹن سے جا ملے جو علیحدہ کھڑی تھی اور پٹھانون کی توپون پر قبضہ کر لیا۔ اور تاریخ آصفی مین ہے کہ انگریزی جنرل جو قلب لشکر مین تھا اُس نے فوج میمنہ کو جمع کرکے روہیلون پر توپون سے آگ اور لوہے پر لوہا برسایا۔ بعض مؤرخ کہتے ہین کہ تلنگون کو جمع کرکے حلقہ باندھ دیا تھا۔ شاید اُس مقام پر گنون کا کھیت ہوگا جس مین ہوکر یہ پلٹن گذری تھی کیونکہ

[illegible]

معدن العلوم میں لکھا ہے کہ انگریزوں کی ایک پلٹن گیہوں کے کھیت میں پہلے سے چھپی ہوئی بیٹھی تھی جس نے اُس میں سے نکل کر ان لوٹنے والے پٹھانوں پر بندوقوں سے گولیاں برسائیں اور توپوں سے گراب اور گولے مارے بخو خاں کے سینے میں گولہ لگا کہ وہ ٹھنڈے ہوئے۔ نسیم خاں گولی سے مارا گیا۔ ملند خاں کے سر میں دو گولیاں لگیں اور ٹھنڈا ہو گیا۔ محبت خاں کا بھی کام تمام ہوا۔ عمر خاں کا برچھا گولی سے ٹوٹ گیا انگوٹھا اُڑ گیا اور ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ گل خاں کا گھوڑا مارا گیا۔ سمند خاں کے گھوڑے کے پیٹ میں دو گولیاں لگیں اور محمد مبین خاں بھی مارا گیا۔ رضی خاں عرف روری خاں کا بیٹا محمد شاہ خاں زخمی ہوا۔ عظیم اللہ خاں ان دو مدے خاں بھی زخموں سے چور ہو گیا۔ اور جو لوگ بھتورے کے باغ میں کھیڑے سے عرب کی طرف کھڑے تھے وہ گولوں سے بہت سے ہلاک ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں چڑھا ہوا دریا ایک دم سیلاب کی طرح اُتر گیا۔ پٹھان یہ سمجھے کہ کوئی تازہ فوج انگریزوں کی میدان میں آگئی ہے غرض ایک ہزار پٹھان اس لڑائی میں اول سے آخر تک بندوقوں اور توپوں کا نشانہ ہوئے عجیب بات یہ ہے کہ روہیلے بندوق اور توپ سے مرے اور انگریزی فوج تلوار سے کٹی انجام کار روہیلوں نے منتشر اور متفرق ہو کر بھاگنا شروع کیا اور بے سری بہادری باقاعدہ جرأت کو نہ پہونچ سکی۔ اس ہنگامے میں محمد عمر خاں اور اُن کے دو بیٹے عبدالصمد خاں اور محمد یوسف خاں عرف جنگی خاں مارے تو نہیں گئے مگر زخموں سے چور ہو گئے۔ ملند خاں نامی ایک بیٹا مارا گیا تھا

اور خوش نصیب کہ سرخرو دنیا سے گیا پھر بھی کم بخت باپ کے حال پر افسوس کرنا چاہیے کہ جوان بیٹے کا داغ بڑھاپے مین دیکھا۔

حکایت تسلیم ساکن رستم نگر کہتا ہے کہ ایک روہیلے کی ٹانگ اڑ گئی تھی میدان جنگ مین ایک طرف کو اکیلا پڑا ہوا تھا پیاس غالب تھی اُدھر سے انگریزی لشکر کا ایک بھشتی مشک بھرے ہوئے نکلا روہیلے نے اُس سے پانی مانگا اُس نے انکار کیا روہیلے نے دو روپے دیے تب پلایا جب وہ بخوبی پی چکا تو ستقے کے ایسی تلوار ماری کہ اُس کی دونون ٹانگین اڑ گئین اس کے بعد روہیلہ کہنے لگا کہ مین تنہا تھا وحشت تنہائی مٹانے کے لیے تجھے زخمی کیا اور جب پیاس لگے گی تو اس مشک مین سے پانی پیتا رہونگا۔

بھٹورے کے میدان کی فتح انگریزی فوج کے نصیب مین لکھی تھی انجام کار روہیلون کو کامل شکست ہوئی اور کوئی پٹھان میدان مین باقی نہ رہا۔ بڑا باعث اس کا یہ ہے کہ جب بجو خان اور بلند خان مارے گئے اور عمر خان مجروح ہوئے تو نواب سید غلام محمد خان نے دلیر خان کمالزئی سے جو بقول مؤلف منتخب العلوم پانچ ہزار آدمیون کے جتھے کے ساتھ کھڑا تھا کہا کہ فوج جانب شمال نے دلاوری سے جیسے کام کیے وہ تمنے دیکھے اب تم ہمت کر کے دھاوا کرو" دلیر خان نے کہا کہ "مار لینا اس فوج کا تو میرے نزدیک کچھ بات نہین مگر وہ دن مجھے یاد ہے کہ آپ فوج کے ہمراہ دیوان خانے مین آتے تھے اور مین نے کہا تھا کہ آپ کے ساتھ مجمع کثیر ہے جو لوگ دربار مین باریاب ہوتے تھے اُن ہی کو لے جائیے اور آپ نے سو بھائیون مین مجھے جھڑک دیا تھا

وہ بات میرے دل میں نشتر کی طرح چبھ گئی ہے اور آج کسی طرح آپ کے ساتھ جان دینے پر ہمت نہیں بندھتی اور اس سے قطع نظر آپ خیال فرمائیں کہ نواب سید محمد علی خاں اس طرح جہان سے جائیں اور اُن کی اولاد ہوتے ہوئے میں آپ کو مسند ریاست پر دیکھوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے اور جانتا کہ یہ کہار کتنی بزدلی کے سبب سے ہوا اگر جانے دیا جاتا اور کبھی اور کہیں لڑائی پڑ گئی تو سب لیجیے گا کہ دلیر کس دلیری سے لڑا" یہ کہکر گھوڑے کی باگ پھیر دی اور اپنے گروہ کو آواز دی کہ بن طلاق ہو جو اب یہاں ٹھہرے یہ سنتے ہی دفعۃً میدان میں بھاگڑ پڑ گئی اور اُس کے پیچھے پیچھے اُس کے سوار جیسے چیونٹیوں کی قطار بھاگ نکلے۔ ہر چند نواب صاحب نے اُس فوج کے روکنے کی کوشش کی مگر ایک نے نہ سنا دم بھر میں میدان صاف ہو گیا۔ اور عصمت خاں اور محمد سعید خاں اور غلام حسن خاں وغیرہ بھی میدان جنگ میں نہ ٹھہرے۔ نواب نے جو دیکھا کہ تمام سپاہ بھاگی جاتی ہے تو وہ ایک ایک سردار کا نام لے کر پکارنے لگے اور جب کوئی نہیں رُکا تو اُس کے روکنے کو سوار کھینچے۔ [1]

منتخب العلوم سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سعد اللہ خاں کے ہمراہ صاحبزادہ سید احمد یار خاں اور صاحبزادہ سید نصر اللہ خاں اور دو چار اور رفیق باقی رہ گئے اور نواب صاحب ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہو گئے تھے اور ایک ترکش تیروں کا پہلے خالی کر چکے تھے دوسرا ترکش جو گھوڑے پر لگا تھا اُسکے تیر لگانے لگے جسکی ورم کر گئی تھی مگر برابر تیر لگاتے تھے ہر چند

[1] دیکھو جنگ نامہ سطر ۱۲

سید نصر اللہ خان اور دوسرے رفقا سمجھاتے تھے کہ اب یہان ٹھہرنا مفت جان دینا ہے مگر وہ نہین مانتے تھے اور چاہتے تھے کہ گھوڑا بڑھا کر خود غنیم کے لشکر مین گھس جاوُن سید احمد یار خان نے جب یہ دیکھا کہ انکا قدم گریز یہان سے نہین ہٹتا تو اُنکے گھوڑے کی باگ پھیر کر اُسکے کوڑا ماردیا اور کہا کہ اکثر بادشاہون نے میدان چھوڑ دیا ہے اور پھر فوج کو جمع کر کے اپنے مخالف کو شکست دی ہے ہم پھر اپنے دشمنون سے لڑ سکتے ہین۔ نواب سید غلام محمد خان مجبور ہو کر رام پور کی طرف چلے اور میر گنج مین پہونچے راستے مین سب بھاگے ہوے سپاہی اور سردار ملے۔ نواب صاحب نے اُنکی تسلی کی۔ یکم ربیع الثانی ۱۲۰۹ھ ہجری مطابق ۲۶۔ اکتوبر ۱۷۹۴ء کو یکشنبہ کے دن چار گھڑی دن رہے رام پور مین داخل ہوے اور صید خان کو حکم دیا کہ خزانون کے چھکڑون کو اپنے ہمراہ لے کر چلو۔ اور خود بھی چھوٹے بڑے صاحبزادون اور بیگمات اور اسباب کو لیکر پہاڑ کی طرف روانہ ہوے اور رعایاے رام پور مین سے بہت سے شرفا اپنی عورتون اور بچون کو لیکر نہایت ابتری کی حالت مین اُدھر ہی کو چلے۔ صرف نواب سید احمد علی خان اور اُنکی مان اور سید مصطفیٰ خان ابن سید آکہ یار خان کی حویلی کے آدمی اور نواب سید محمد علی خان کی بہنین اور نواب سید سعد اللہ خان کی بیگم اور رعایا مین سے وہ لوگ جو نہایت مفلس تھے رام پور مین رہ گئے۔ بھاگنے والون کے پاس باربرداری اور سواری کہان تھی عورتین اور بچے گرتے پڑتے چلتے تھے جن عورتون نے کبھی دروازے کے باہر قدم نہین رکھا تھا وہ نہایت پریشانی کی حالت مین پیادہ پا چلتی تھین غرضکہ نواب صاحب اور یہ تمام پٹھان پہاڑ کی ایک گھاٹی مین جو نہایت دشوار گذار جگہ تھی مقیم ہوے۔

اُنکی بیاہ کے مقام میں اختلاف ہے اصحاب یادگار میں لال ڈانگ مذکور ہے اور یہ محض غلط ہے اور عالم شاہی اور جام جہاں نما میں ان کا ماخذ چوہ میں ساگرس ہوا ذکر کیا ہے عماد السعادت اور تبصیر التواریخ اور منتخب العلوم میں لکھا ہے کہ نواب سید غلام محمد خاں نے رہبر کی طرف بیاہ لی تھی دُرِ منظوم سے بھی کہ وہ نواب سید غلام محمد خاں کا جنگ نامہ ہے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اُسکی نظم یہ ہے۔

رہ دامن کوہ را برگرفت	در فتح جوں آں مظفر گرفت
نخستیں مقامے ۔ رہبر نمود	کہ یک جانتو دلشکر جنگ سود
مدحارا کہ دریائے آں درہ بود	دم تیغ او برق کیں مے نمود
گرفتند آں درہ ار مور جیل	کہ تا پایدار خصم سیل جلل

اور عباس علی خاں متخلص بہ عباس ولد زیارت خاں نے اپنے سوانح میں لکھا ہے کہ میں نے لاہور میں یہ خبر سنی تھی کہ نواب سید غلام محمد خاں نے کوہ جلکیا میں بیاہ لی تھی۔

سر رابرٹ ابر کرمبی نے روہیلوں کا دو جوڑا ایک تعاقب کیا اسکے بعد اپنے مقتولوں کی لاشیں گاڑنے کے واسطے جنرل مذکور کو ایک روز وہاں قیام کرنا پڑا۔

سلہ واکے بعد تاے و دالی سے کسی نسخے میں دیا حور یعنی واکے بعد نون سے ہے اور عماد السعادت کے نسخے میں دھاجور واقع ہے جسمیں واکے بعد ش معجمہ اور اس کے بعد نانے تحتانی سے ہے ۱۲ منہ

سلہ دھارا نام ایک ندی کا لالگڑھ سے چھ کوس پورب کو بہتی ہے اور کالاگڑھ نگینہ سے پورب کو دس کوس کے فاصلے پر رام گنگا کے کنارے ایک پہاڑی مقام ہے لفظ دریاے میں لفے باریکی پائی جاتی ہے دم تیغ تلوار کی دھار کے حصہ کو کہتے ہیں جو کاٹنے والی ہے اس لفظ سے مراد برش شمشیر جہل ہے ۱۲ منہ

اب لشکر آصف الدولہ کا حال سُنیے جو ٹلہر مین مقیم تھا کہ جسوقت میدان جنگ مین لڑائی بگڑ گئی اور آصف الدولہ کے پاس اس بات کی خبر پہونچی تو اُنھون نے عبدالرحمن خان قندھاری اور الماس خان کے رسالون کو کرنیل مارٹین کے ساتھ جس کا نام کرنیل کلود اور خطاب اشرف الدولہ تھا اور فوج آصفی کا سپہ سالار تھا روانہ کیا ان کے عقب مین نواب آصف الدولہ خود روانہ ہو اور جھاؤلال کو حکم دیا کہ میدان جنگ سے جو خبرین موصول ہون وہ ہم کو ہر وقت پہونچتی رہین۔ نواب آصف الدولہ ابھی کٹرہ کمالزئی مین پہونچے تھے کہ آدھی رات کے وقت خبر ملی کہ نواب سید غلام محمد خان کو شکست ہوئی۔ فتح کی توپین چھوٹنے لگین جھاؤلال کو خلعت مرحمت ہوا[۱]۔ اس جنگ کو دوجوڑہ کی لڑائی بولتے ہین مگر تذکرۂ حکومۃ المسلمین مین لکھا ہے کہ اس محاربے کو **جنگ نجو خانی** کہتے ہین۔

انگریزی فوج اپنے مقتولون کی لاشین دفنانے سے فارغ ہو کر میر گنج کو چلی گئی اور شمبو ناتھ حاکم بریلی کے ملازم نجو خان اور بلند خان کا سر کاٹ کر آصف الدولہ کے پاس لے گئے[۲]۔ جو کٹرے سے بریلی کی طرف روانہ ہو چکے تھے[۳] لائی کھیڑے کے پل کے پاس سواری پہونچی تھی کہ شتر سوار دونون سر لے کر پہونچا اور وہ سر نواب کو دکھائے گئے[۴] اور وہان سے واپس لاکر فتح گنج کے کھیڑے مین دفن کیے گئے۔ عنبر شاہ نے نجو خان کے مارے جانے کی تاریخ یون کہی ہے۔

---

[۱] دیکھو آصف نامہ ۱۲۵ [۲] دیکھو گزیٹیر ۱۳۵ [۳] دیکھو آصف نامہ ۱۲۷ [۴] دیکھو جنگ نامۂ معظم ۱۲

مصطفیٰ خاں آنکہ نجو خاں بود نامش بعرف　　　شد شہادت یاب چوں بر فوج اعدا در رده

مہر تاریخ شہادت وقت قتل دشمناں　　　رستم روز نبردم از زبانش سر زده

نجو خاں کو شعر خوانی اور معنی رسی اور زبان دانی کا شوق زیادہ تھا۔ حکیم میر ضیاء الدین عشرت شاگرد نواب محبت خاں محبت ان کے نوکر تھے اور انھوں نے ان کی فرمائش سے قصۂ راجہ رتن سین و پدماوت کو زبان ریختہ میں نظم کرنا شروع کیا تھا چہارم قصہ نظم ہونے پایا تھا کہ عشرت نے انتقال کیا۔

آصف الدولہ نے بریلی کے باہر مقام کیا اور جنرل ارکرمبی کو کہلا بھیجا کہ آپ ہمارے پہونچنے تک آگے کو نہ بڑھیں۔ جب نواب آصف الدولہ کا گذر میدان جنگ میں ہوا اور پٹھانوں کی لاشیں پڑی دیکھیں تو راجہ جھاؤلال کو حکم دیا کہ جتنے مقتول اس میدان میں پڑے ہیں اُنکی لاشیں دفن کرا دینا چاہیے چنانچہ بہادر علی اس خدمت پر متعین کیا گیا اُس نے کشتوں کو جمع کرا کے دفن کر دیا[1] تاریخ مظفری میں ہے کہ زخمیوں کو چھوا کر مرہم پٹی کے لیے جراح مقرر کیے جب وہ تندرست ہو گئے تو ہر ایک کو مکان تک پہونچ جانے کے لیے خرچ دے کر رخصت کیا۔

انگریزی اور آصفی فوجوں کا روہیلوں کے تعاقب میں دامن کوہ کی طرف جانا

آصف الدولہ بریلی سے کوچ کر کے میر گنج میں انگریزی فوج سے آملے

[1] دیکھو آصف نامہ ۱۲

یہان سے دونون فوجون نے رام پور کی طرف کوچ کیا جب یہ لشکر رام پور کے قریب پہونچا تو راجہ جھاؤلال نے آصف الدولہ کے حکم سے شہر کی محافظت کے لیے ایک پلٹن مقرر کر دی تاکہ کوئی شخص سپاہ انگریزی یا آصفی مین سے رام پور مین گھس کر کسی کو لوٹنے کھسوٹنے نہین اور حکم سنا دیا گیا کہ کوئی لشکری شہر کے اندر نہ جائے۔ نواب آصف الدولہ نے کوسی کے کنارے مقام کیا اور یہان دو دن اور دو رات قیام کر کے تیسرے دن نواب سید غلام محمد خان کا تعاقب کیا۔ یہ فوجین ریٹھر تک پہونچین اور میدان ٹپّہ مین ٹھہرین۔ مولوی غلام جیلانی رفعت دُرِ منظوم مین کہتے ہین۔

وز انجا دو اسپہ بہ ریٹھر رسید بمیدان ٹپّہ بکین آرمید

مگر روہیلون نے آصف الدولہ کے قریب پہونچنے کی خبر سنکر ٹپّے کو پہلے ہی لوٹ کھسوٹ کے تباہ کر دیا تھا انگریزی فوج نے روہیلون پر بہت کچھ گولہ باری کی مگر اُن کے مورچے ایسے محفوظ تھے کہ وہان مطلق نقصان کا اثر نہ ہوا۔ جب[1] کہ متفقہ فوجون سے پٹھانون کے مورچے مسخّر نہ ہو سکے تو انگریزون نے نواب سیّد غلام محمد خان کو تحریر کیا کہ آپ ہمارے پاس چلے آئیے اور صلح کر لیجیے" نواب موصوف نے جواب دیا کہ مجھکو پہلے سے صلح کا خیال تھا آپ کی جانب سے لڑائی کی ابتدا ہوئی تو مجھکو بھی ناچار مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر آپ عہد و پیمان کر لین تو مین آپ کے پاس چلا آؤن۔ انگریزون نے اس تحریر کا یہ جواب دیا کہ آپ بے کھٹکے چلے آئین یہان آنیکے بعد

[1] دیکھو جنگنامۂ معظم ۱۲ ص ۲۱ یہ بیان آصف نامہ اور دُرِ منظوم سے شروع ہوتا ہے ۱۲

سب امور مسارنہ میسل ہو جائیںگے۔ نواب صاحب نے اس امر کے استحکام اور صلح کی پختگی کی غرض سے ایک سیر انگریزی کیمپ میں روانہ کیا آصف نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفارت پر صاحبزادہ سید نصراللہ خاں آئے تھے اور نواب آصف الدولہ کی طرف سے راجہ جھاؤلال گفتگو کے لیے مقرر ہوئے سید نصراللہ خاں نے نواب سید غلام محمد خاں کی طرف سے اطاعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ جھاؤلال نے آصف الدولہ کے پاس پہونچکر یہ بات بیان کی۔ نواب آصف الدولہ نے اس دینے کا وعدہ کیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ریاست پر نواب سید غلام محمد خاں کو مسند نشین کرنے کا کوئی صریح وعدہ نہیں کیا گیا اس لیے کہ 'دُرِ مسطوم' میں لکھا ہے کہ اس سفیر (سید نصراللہ خاں) نے نواب سید غلام محمد خاں کے پاس واپس پہونچ کر بیان کیا کہ وہ انگریز صلح کرنے اور اس دینے کو تیار ہیں مگر یہ نہ کھُلا کہ وہ اور کیا کریں گے ملک دینے کا اُنھوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا۔" عالم شاہی میں بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ جب نواب سید غلام محمد خاں نے آصف الدولہ کو لکھا کہ اگر مجھے ملک بحال کر دیا جائے تو میں آ جاؤں ورنہ میرے جواب میں تحریر کیا کہ "اُس صورت میں جان ومال کی امن البتہ متصور ہے۔ ریاست اور ملک کا سوال وجواب آپ کے آجانے پر موقوف ہے۔"

جب نواب سید غلام محمد خاں اس مجمل جواب کو پاکر امید برآری سے مایوس ہوئے تو اُنھوں نے مقابلہ جاری رکھنے کے خیال سے سپاہ کو اشرفیاں تقسیم کیں ہر ایک پیادے کو ایک اشرفی اور سوار کو دو اشرفیاں دیں

اور رسد حاصل کرنے کا یہ انتظام کیا کہ راجہ کمستان کے پاس اپنا ایک ایلچی بھیجکر اُس سے التجا کی کہ وہ اپنے بیوپاریون کو حکم دیدے کہ روہیلون کے لشکر مین رسد پہونچاتے رہین۔ راجہ نے اُن کی درخواست قبول کی اور روہیلون کے لشکر مین رسد پہونچانے کا حکم جاری کردیا پٹھانون کے مورچون مین بہت سا غلّہ آگیا۔ آصف نامے مین لکھا ہے کہ جب آصف الدولہ نے یہ دیکھا کہ روہیلے قابو مین نہین آتے اور ہماری تدبیر کارگر نہین ہوتی تو ایک روز شب کے وقت انگریزون سے مشورہ کرکے یہ تجویز کیا کہ یہان سے فوج کو آگے بڑھانا چاہیے تاکہ پٹھانون پر رعب پڑے چنانچہ ٹیپے سے فوج آگے بڑھائی اور پہاڑ کی تلی تک اُن کا تعاقب کیا گیا۔ انگریزی لشکر کے خیمے نواب آصف الدولہ کی فوج کے آگے کھڑے ہوے اور نواب کی فوج کی پشت پر ظفر جنگ کی سپاہ تھی لیکن روہیلون کی سپاہ پر اس بات نے کوئی ہیبت پیدا نہ کی بلکہ انگریزی لشکر مین ہمیشہ اس بات کا خوف رہتا تھا کہ روہیلے توپون پر کوئی حملہ نہ کر بیٹھین یا شب خون مارین۔ اور جاڑا بخار بھی شدت سے انگریزی فوج مین پیدا ہوگیا۔

نواب سیّد غلام محمد خان کا اپنے بعض افسرون کے نفاق کی وجہ سے اپنے آپ کو مخالف کے حوالے کردینا اور انگریزون کا اُن کو حراست مین لے کر بنارس کو بھیجدینا

نواب سیّد غلام محمد خان نے اُس مقام دشوار گذار کو ایسا حصار بنا یا تھا

کہ مخالف سے سر نہ ہو سکا تو ناچار انگریزوں نے فوج روہیلہ کے سرداروں کو خط لکھے کہ تم یہاں چلے آؤ تمھارے قصور معاف کیے گئے۔ جب نواب سید غلام محمد خاں کو یہ حال معلوم ہوا کہ انگریز میرے لشکر میں تفرقہ پردازی کی فکر کر رہے ہیں اور انھوں نے میرے افسروں کے پاس خط بھیجے ہیں تو انھوں نے عہدہ داروں سے وہ خط طلب کیے جو دل سے خیرخواہ تھے انھوں نے تو پیش کر دیے منافقوں نے نہ دکھائے خط کے آنے سے انکار محض کیا۔ نواب نے دل میں خیال کیا کہ دشمن تو صلح پر آمادہ ہے اور بعضے ظاہری دوست دغا اور فریب کی فکر میں ہیں اور رفاقت سے جی چراتے ہیں تو ایسی حالت میں یہی مناسب ہے کہ تن بہ تقدیر مخالف کے لشکر میں چلے جانا چاہیے اور انگریزی کیمپ میں چلے جانے کا قصد کیا۔

جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ نواب سید غلام محمد خاں کے انگریزوں کے پاس چلے جانے کی دو وجہیں تھیں ایک تو پٹھانوں کے پاس رسد ختم ہو چکی تھی دوسرے اپنے افسران لشکر کی خیرخواہی میں فرق دیکھا۔ اور نواب صاحب نے اول صید خاں کو جنرل صاحب کے پاس بھیجا تاکہ وہ مراتب صلح کو طے کر لیں۔ منظم کا بیان ہے۔

روانہ ہوئے الغرض صید خاں — پھر اک آن میں جا کے پہنچے وہاں
غرض کر کے تعظیم سب ماجرا — انھوں نے کہا اور انھوں نے سنا
بہم کھل گیا گفتگو کا جو باب — دیا اُن کو جنرل نے یوں جواب

۱؎ نسانِ دُرِ منظوم سے اقتباس کیا ہے ۱۲

کہ انکار کچھ اس سے ہم کو نہین — ہے بے شبہہ یہ مصلحت کے قرین
ہے بہتر کہ نواب آوے چلا — کرے گا خدا بس اسی مین بھلا
حفاظت کرین اُس کی ہم جان کی — قسم ہے ہمین اپنے ایمان کی
جو پھر صید خان جی نے تکرار کی — تو اُس نے وہی اپنی گفتار کی
کتاب ایک لاکر رکھی درمیان — ہوا محکم اک عہد و پیمان وہان
یہ ٹھہری کہ اسکاٹ صاحب چلین — جو ہین چیری صاحب وہ ہمرہ رہین
یہ لے آئین نواب کو اپنے ساتھ — ہوے عہد مارے گئے اسپہ ہاتھ
اک اقرار نامہ لکھا وان گیا — بہ ظاہر وہ مہرون سے پختہ ہوا
نہ سمجھے وہان سے چلے صید خان — کہ اقرار نامہ کرے صید جان
چلے آئے نواب کے روبرو — کیا عرض احوال سب ہو بہو
سنے سب وہان کے سوال جواب — کہا ہان چلا چاہیے اب شتاب

نواب سید غلام محمد خان نے اپنے عزیز و اقارب کو جمع کر کے کہا کہ میری جگہ سید نصر اللہ خان کو سمجھنا چاہیے مین انگریزون کے لشکر مین جاتا ہون" بعض یہ صلاح دینے لگے کہ آپ کا وہان جانا اچھا نہین اور بعض نے کہا کہ آپکے لیے وہان جانے مین اندیشہ ہے۔ اس عرصے مین اسکاٹ صاحب نواب صاحب کے پاس پہونچ گیا اور چیری صاحب بن سے باہر کھڑا رہا۔ نواب صاحب اسکاٹ صاحب کے ساتھ روانگی کو ہاتھی پر سوار ہوے اور عمر خان بڑمونچھے اور نواب صاحب کے چھوٹے بھائی سید کریم اللہ خان بھی اُن کے ہمراہ ہوے۔ سپاہ کو جب یہ خبر لگی کہ نواب صاحب مخالف کے لشکر مین جاتے ہین تو اُسنے

اُن کو روکا اور کہا کہ آپ نہ جائیے ہم آپ کو نہ جانے دینگے ہم آپ کے ساتھ جاں ساری کو حاضر ہیں اور اُن کے ہاتھی کا منھ پھیر کر راستہ روک لیا نواب صاحب نے فرمایا میں اس معاملے میں تم سے زیادہ واقفیت رکھتا ہوں میرے نائب نواب سید عظیم اللہ خاں صاحب جو لال ڈانگ میں انگریزوں سے ملے تھے اور اُن کی معرفت صلح ہو گئی اور وہ انگریزوں کے لشکر میں چلے گئے تھے اس لیے میرا بھی اُن سے ملنا ضروری ہے" سپاہ نے عرض کیا کہ مخالف آپ کے ساتھ دھوکا کرینگے اُن سے مل کر آپ کو پشیمانی ہوگی اور نقصان پہونچے گا نواب نے فرمایا کہ میری رائے میں اب لڑنا مناسب نہیں تم اب لڑائی کو ختم کرو ورنہ بنا ہوا کام بگڑ جائے گا اور بغیر کسی قسم کے قرار و مدار کے اسکاٹ صاحب کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ معظم کہتا ہے۔

غرض سب روہیلوں نے جتنا کہا	اثر اُسکا مطلق نہ اُن پر ہوا
کہ تقدیر کا امر مٹتا نہیں	عمل عقل کا کوئی چلتا نہیں
وہ اسکاٹ جیری لعر و وقار	لئے آئے اُنھیں کر کے قول و قرار
ملاآ کے جرنیل با اختیار	ملے اور صاحب سعر و بیار

انجامِ یادگار میں لکھا ہے کہ جب نواب سید غلام محمد خاں روانہ ہوئے اور جیری صاحب کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت صاحب زادۂ سید نصر اللہ خاں نے کہا کہ "جیری صاحب کے ملنے سے کچھ کام نہ نکلے گا ملک دلوانے میں اُن کو کیا اختیار ہے۔ آپ نواب آصف الدولہ سے ملاقات کریں"

ملاحظہ دیکھو سوانح محمد سعادت علی خاں ابن ربار بے خاں ہو

لیکن نواب صاحب نے قبول نہ کیا اور کہا کہ "ہمارے والد کا معاملہ کرنل چمپین کے توسط سے طے ہوا تھا چیری صاحب سے ملنا چاہیے"۔ اور منتخب العلوم مین بیان کیا ہے کہ بعض مصاحبون نے نواب سیّد غلام محمد خان کو صلاح دی کہ اگر آپ چیری صاحب سے ملاقات کرین تو یقین کامل ہے کہ وہ آصف الدولہ سے صلح کرا کے ملک دلوا دین۔

عماد السعادت مین ذکر کیا ہے کہ "نواب سیّد غلام محمد خان چیری صاحب کی کوشش سے ملک ملنے کی امید مین خود بخود چیری صاحب کے پاس چلے آئے اور اُن کے کیمپ مین ٹھہرے"۔ اس بیان مین یہ بات واقعہ کے خلاف ہے کہ نواب سیّد غلام محمد خان خود بخود چیری صاحب کے پاس چلے آئے تھے اسکے بعد عماد السعادت کا مؤلف کہتا ہے کہ "نواب سیّد غلام محمد خان کے انگریزی کیمپ مین چلے آنے کے بعد سید نصر اللہ خان بہت سی جمعیت کے ساتھ فتیا چور مقام مین جو دامن کوہ مین تھا ٹھہر گئے اس خیال سے کہ مبادا کوئی "دغابازی" نواب موصوف کے ساتھ کی جائے تو مین ادھر سے جنگ کو مستعد ہو کر زور ڈالون اور نواب آصف الدولہ چیری صاحب کے مشورے سے نواب سیّد غلام محمد خان پر ملک بحال کرین"۔ لیکن تاریخ آصفی مین لکھا ہے کہ "چیری صاحب نے سیّد نصر اللہ خان کو در پردہ ملا لیا تھا نواب سیّد غلام محمد خان کو یہ حال معلوم ہونے کے بعد بہت مایوسی پیدا ہو گئی اور اسی وجہ سے اپنے مورچون مین سے انگریزی کیمپ مین چلے آئے"۔ تاریخ مذکور مین چیری صاحب کے اس کام کو نہایت دانشمندانہ بتایا ہے۔

آصف نامے[1] میں کہا ہے کہ تم آصف الدولہ نے انگریزوں سے صاف کہدیا کہ میں نواب سید غلام محمد خاں کو ملک نہیں دونگا"۔ ملاقات کے وقت مراسم ظاہرداری کے بعد معاملات ضروری کے بارے میں چند سوال وجواب ہوکر جنرل صاحب نے نواب صاحب کو اُس خیمے میں جانے کے لیے رخصت کیا جو اُن کے ٹھہرنے کے لیے تیار تھا۔ جب وہ اُس میں پہونچ گئے تو ڈیرے کے گرد پہرے کھڑے کردیے اور اُن کو نظربند کرلیا۔ جب[2] نواب نے اُن سے کہا کہ ایسی وعدہ خلافی مروت تہذیب اور انسانیت سے بعید ہے تو جنرل ابرکرمبی نے یہ جواب دیا کہ ہمارا اقرار آپ سے یہ تھا کہ آپ کی ذات کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچے گی۔ ہر طرح کی آسایش کا سامان ملے گا۔ اُس اقرار پر ہم اب بھی قائم ہیں لیکن ملک آپ کو نہیں مل سکتا۔ اب نواب صاحب کے ہاتھ میں چارہ کچھ نہ تھا۔ مجبور تھے مخالف کے قبضے میں آگئے تھے اُنھوں نے اپنی فوج میں کہلا بھیجا کہ "میرے اہل وعیال اور خزانے کو میرے پاس پہونچا دو اور تم اب مختار ہو چاہو صلح کرو یا جنگ"۔ وہاں سپاہ کو جب یہ خبر پہونچی تو اُنے صاحبزادۂ سید عبدالعلی خاں خلف نواب سید غلام محمد خاں کو سردار کرکے مقابلے پر کمر باندھی اور جنگل کی آڑ سے انگریزی لشکر پر بندوقیں مارنے لگے اور رات کو بھی ستانے لگے۔

عمر خاں[3] جو نواب کے ساتھ تھے اُنھوں نے عرض کیا کہ "آپ بے ڈھب آکر پھنس گئے اگر مجھکو رہائی حاصل ہوجائے تو تیغوں مار کر آپکو یہاں سے نکال لیجاؤں"۔

---

[1] یہ بیان علم کے جنگنامے میں ہے۔ [2] یہ بیان آسودہ در سطور سے ماخوذ ہے۔ [3] یہ بیان علم کے جنگنامے میں ہے۔

نواب[1] سید غلام محمد خان نے انگریزون سے کہا کہ "جس قدر خزانہ وہان موجود ہے اُسے روہیلے تلف کر دینگے آپ مجھکو یا عمر خان کو چھوڑ دین تاکہ خزانہ بربادی سے بچاکر آپ کے لشکر مین لے آئین"۔ انگریزون نے نواب کو تو نہ چھوڑا۔ عمر خان کو چھوڑ دیا۔ جب کہ عمر خان نے لشکر روہیلہ مین پہونچ کر یہ پیام دیا کہ سارا خزانہ اور نواب سید غلام محمد خان کے اہل و عیال کو انگریزی لشکر مین بھیجدو تو اُنھون نے یہ جواب دیا کہ جب تک ہمارے تن مین جان باقی ہے ایسا نہین کر سکتے اور عمر خان کو بھی روک لیا۔ عمر خان کے ساتھ جو آدمی انگریزی لشکر کے گئے تھے عمر خان نے اُن کو واپس کر دیا اور کہا کہ مجھکو بھی سپاہ روہیلہ نہین چھوڑتی انگریز یہ خبر سنکر مشوش ہوے اور رؤساے افاغنہ کو کہلا بھیجا کہ "ہمکو تو تمھارے معاملات کی درستی منظور ہے اور تم ہم سے جنگ کرتے ہو۔ نواب کا خزانہ لے کر یہان چلے آؤ نصف ملک تمکو دیدیا جائے گا۔" مگر فوج روہیلہ نے یہ جواب دیا کہ "نواب سید غلام محمد خان کو رہا کر کے ہمارے پاس پہونچا دو۔" اسپر انگریزون نے یہ کہا کہ "وہ رہا نہین ہو سکتے کیونکہ نواب سید محمد علی خان کے بیٹے نواب سید احمد علیخان مستحق ریاست ہین اُن کو مسند نشین کیا جائیگا البتہ نائب کا تقرر تمھاری مرضی پر ہے جس کو منظور کروگے ہم اُس کو مقرر کر دین گے۔" جو لوگ نواب سید غلام محمد خان کے ہوا خواہ تھے اُنھون نے اس طرح صلح پسند نہ کی بلکہ انگریزی فوج کو تیر و بندوق سے تنگ کرنے لگے معظم کہتا ہے۔

غلامی کا تھا جو مخالف وہان   دیا مشورہ اُسنے اُن کو نہان

[1] پھر درمنظوم کا انتخاب چلا ۱۲

کر جٹار گڑھ میں اُنھیں محصور ... سا کام سارا پھر اک پل میں لو
انگریزوں کے بھی خیال میں یہ بات آگئی کہ جب تک نواب سید غلام محمد خاں
یہاں موجود رہینگے روہیلے اپنی ہٹ سے مارے آئینگے اور صلح کی طرف کبھی
مائل نہ ہونگے اس لیے جمعے کی شب کو آدھی رات کے وقت ہاتھی پر بٹھا کر بہت سے
سواروں کی حراست میں سارس کی طرف بھیجدیا۔ جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ جبکہ
انگریزوں نے نواب سید غلام محمد خاں کے ساتھ نقض عہد کیا تو اُنھوں نے
استدعا کی کہ "میری جگہ میرے کسی بھائی کو مسند نشین کر دیا جائے" انگریزوں نے
جواب دیا کہ ہم کو بدوں مرضی آصف الدولہ اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔
سید کریم اللہ خاں نواب موصوف کے ہمراہ نہیں بھیجے گئے اور نواب کی بیگم
روہیلوں کے لشکر میں مقیم تھیں۔

روہیلوں اور انگریزوں کا تھوڑا سا مقابلہ ہو کر صلح کی تجویز پیش ہونا

نواب سید غلام محمد خاں کی روانگی کے بعد لشکر انگریزی اور آصفی روہیلوں
کو مارنے کے لیے بھیاجور کی طرف بڑھا اُدھر سے پٹھان بھی مقابل ہوئے
اور بندوقیں مارنے لگے۔ چونکہ روہیلے ایسے موقع پر سیاگہریں تھے کہ انگریزوں
کے ہاتھ سے اُن کو کوئی نقصان نہیں ہو پہنچ سکتا تھا اس لیے اُنکا کوئی آدمی
کام نہ آیا اور انگریزی فوج کے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ اگرچہ

ملہ دیکھو عماد السعادت ۱۲ صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ سے اسباب چلا ۱۲

بڑے بڑے افسران روہیلہ کی یہ مرضی نہ تھی کہ جنگ جاری رکھی جائے مگر سپاہ برابر لڑتی رہی کہ اثنائے جنگ مین انگریزون کی طرف سے سفید جھنڈی جنگ بند کرنے کی علامت کے لیئے ہلائی گئی بعد اسکے انگریزون کا ایک سپاہی اس مضمون کا خط لے کر روہیلون کے پاس گیا کہ "یہ صورت اچھی نہین ہے سب اعزہ واقارب تمھارے رام پور مین موجود ہین مخالفت کی صورت مین اُن کے واسطے بہت بُرا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ لڑائی کو موقوف کر کے نواب کا خزانہ یہان بھیجدو نواب سیّد احمد علی خان کو مسند نشین ریاست کیا جائے۔ اور جس کو تم نائب تجویز کروگے اُسے نائب ومختار ریاست مقرر کیا جائے گا" اُس تحریر کو دیکھکر تمام سرداران روہیلہ جمع ہوے اور مشورہ کیا کہ نواب سیّد غلام محمّد خان مخالف کے قبضے مین آ گئے اُن کا رہا ہونا معلوم دو مہینے سے ہم یہان محصور ہین ہر طرح کی تکلیف اُٹھا رہے ہین اور پہاڑ کی آب وہوا نہایت خراب ہے بہت سے روہیلے تپ ولرزہ اور اسہال کی بیماری مین مبتلا ہین۔ قوم اور طاقت کو بے حد نقصان پہونچ رہا ہے اگر دشمن دباتا ہوا ہمارے مورچون مین گھُس آیا تو تمام عزت وناموس برباد ہو جائے گی بہتر یہ ہے کہ انگریزون کے حکم کی تعمیل کی جائے اور نواب سیّد نصر اللہ خان کی نیابت کے لیے استدعا کی جائے اس مشورے کے بعد روہیلون نے انگریزون کو کہلا بھیجا کہ "ہم کو آپ کے حکم کی تعمیل منظور ہے اور ہماری خواہش یہ ہے کہ مختار ونائب ریاست نواب سیّد نصر اللہ خان مقرر کیے جائین آپ نے جو کچھ زبانی پیام دیا ہے اُس مضمون کو تحریر کر کے اور پختگی اُسکی قسم سے کر کے بھیجدیجیے تو ہم سارا خزانہ بھی آپ کے پاس بھیجدین اور اطاعت کو بھی حاضر ہو جائین

انگریزوں نے روہیلوں کی درخواست کے موجب یہ حکم لکھ بھیجا۔

دوسرے روز[1] نواب سید نصر اللہ خان عہدنامے کی تکمیل کیلئے مخالفوں کے پاس چلے گئے و آصف الدولہ نے نواب سید احمد علی خان اور اُس کی والدہ کو بھی رام پور سے اپنے لشکر میں طلب کر لیا تھا بیگم نے بھی یہی خواہش ظاہر کی کہ سید نصر اللہ خان نواب سید احمد علی خان کے نائب مقرر کیے جائیں۔ ۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۰۹ ہجری کو عہدنامۂ تمہیدی تحریر ہوا اس حساب سے نواب سید غلام محمد خان کا زمانۂ حکومت ریاست ۱۳ محرم سے ۵ جمادی الاولیٰ تک تین مہینے اُنیس دن ہوتے ہیں اور بہار اقبال نے تو چند دن بھی دور دورہ نمائی بس آصف نامے میں جو اس واقعہ کا مادہ تاریخ جنگ افاغنہ[2] لکھا ہے جس سے سنہ ۱۲۱۰ ہجری نکلتے ہیں اُس میں ایک عدد کی کمی ہے اس لیے کہ دوجوڑہ کی لڑائی سنہ ۱۲۰۹ ہجری مطابق سنہ ۱۷۹۴ء میں ہوئی تھی۔

نواب سید غلام محمد خان کا انگریزوں سے اجازت لیکر بنارس سے حج بیت اللہ کو جانا اور وہان سے لوٹ کر افغانستان مین زمان شاہ نبیرۂ احمد شاہ دُرّانی کے پاس پہونچنا۔ شاہ کا نواب کی بہت عزت کرنا۔ نواب کا شاہ کو ترغیب دینا کہ ہندوستان پر فوج کشی کرکے ہمارے مخالفون سے عوض لین لیکن اس کام کا ظہور وقوع مین نہ آسکنا

[1] دیکھو عماد السعادت ۱۲ [2] دیکھو جنگ نامہ معظم ۱۲

چند مدت کے بعد نواب سید غلام محمد خان نے بنارس مین اپنے اہل و عیال واطفال اور اعزہ و اقربا کو چھوڑ کر اور نواب سید محمد سعید خان کو رئیس خانہ قرار دے کر اور انگریزون سے یہ اقرار کر کے کہ رام پور کو نہ جاؤنگا حج کا عزم کیا ۱۶ شعبان ۱۲۰۹ھ ہجری کو عظیم آباد پٹنہ کی طرف چلے گئے اور چند دن وہان رہ کر جہاز مین بیٹھنے کے ارادے سے کلکتے کی طرف روانہ ہوے۔ اور حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر کابل کو گئے۔ واقعات دُرّانی مین ذکر کیا ہے کہ ماہ رجب ۱۲۱۲ھ ہجری مین نواب سید غلام محمد خان خلف نواب سید فیض اللہ خان حج سے لوٹ کر دکن جے نگر ملتان کھڈ کوہاٹ اور پشاور کی راہ سے کابل پہونچے اُن کے ساتھ دو سو پیادے اور پچاس اونٹ اسباب سے لدے ہوے تھے اور وفادار خان کے توسط سے زمان شاہ نبیرۂ احمد شاہ دُرّانی کی ملازمت سے مشرف ہوے خلعت فاخرہ اور سرفرازی منصب سے ترقی پائی۔ شاہ نے اُن کو ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ بہادر خطاب دیا اور یہ خطاب بادشاہ کے ایک فرمان سے معلوم ہوا۔

مومن خان کا کلیات ایک شخص نے مقام راٹھ ضلع بُندیلکھنڈ مین لکھا ہے اور بہت سے طبّی نسخے اور متفرق اشعار اور فوائد اُس کے ساتھ درج کیے ہین۔ یہ کتاب ۳ - رجب ۱۲۳۵ھ ہجری کی لکھی ہوئی ہے کتب خانۂ ریاست رام پور مین موجود ہے۔ اِس کلیات کے ساتھ زمان شاہ کے حکم کی نقل بھی درج ہے مین اُس کو بجنسہ یہان لکھتا ہون -

---

۱ دیکھو تاریخ مظفری ۱۲

بسم الله الرحمن الرحیم

حکم همایون آنکه چون پیوسته مسطور نظر خورشید اثر و مرکوز خاطر انور اشرف
آنست که هر یک از دودمان این آستان معدلت نشان و عقیدت اندیشان
این دودمان رفیع الشان که داغ بندگی این دولت بر جبین و نقش غلامی
این سلطنت بر نگین داشته باشند بعنایت خاص بادشاهی و اشفاق لاانتهاهی
پایهٔ قدرش را از همگنان بالاتر فرمائیم لهذا مصداق این مقال صورت احوال
صداقت اشتمال عالی جاه رفیع جایگاه نتیجة الامراء العظام اسوة الکبراء
الفخام حاجی الحرمین الشریفین حاجی غلام محمد خان است که مرحوم و مغفور
فیض الله خان والد او در ایام خاقان خلد آشیان مصدر خدمات نمایان شده
نقد حیات خود را در شاه راه اخلاص این دولت صرف نموده و درین ولا که
عالی جاه مشار الیه از جبهه سائی این آستان سعادت اندوز گردیده نظر بر
خدمات سابقهٔ والد و ظهور اخلاص او آثار عنایت و مرحمت خسروانی
ضیا افزای کاشانهٔ آمال و امانی او گردید از ابتدای یکم ماه [illegible] سنه مبارک
سلان ئیل[1] و از انعطاف ناصر الملک مخلص الدوله مستعد جنگ بهادر بخطاب
وشان و از اشفاق شاهانه و مراحم بیکران از اکفا و اقران رفیع و برتر
فرمودیم که چنانچه شیوهٔ خدمت گذاران عقیدت اساس و دوربینی جان سپاران

---

[1] زبان ترکی میں سالوں کے نام ہیں یہی سال ہشتہ دورہ کرتے ہیں ایک شاعر نے نظم کیا ہے
سیچقان و او و بارس و توشقان لوئے ئیل ✦ بعد ئیلان یونت باشد بعد آنها قوی ئیل
پیچی ئیل ارسانها باشد هم دور در گرد ✦ پس تخاقوی است زان پس ایت و تنگوز ئیل
فرمان کی ہر نقل میں یلان ئیل لکھا ہوا ہے اسی طرح ہم نے بھی لکھ دیا ہے شاید یلان ئیل ہوگا جو ٹھیک معلوم ہوتا ہے ۔۔

عقیدت مناص ست درمراسم ہوا خواہی این دولت دیرمدار ولوازم ارادت شعاری این آستان گردون وقار قیام واقدام داشتہ بدستور مرحوم والد خود رہگراے وادی خدمت وجان فشانی بودہ حسن خدمت وفدویت ورسوخ ارادت و عقیدت خود را یوماً فیوماً بمنصۂ ظہور وبروز رساند کہ فراخور آن مشمول عوارف ونوازش شاہانہ خواہد شد۔ مستوفیان عظام کرام دیوان اعلیٰ صورت رقم مبارک اشرف را در دفاتر لازمہ ثبت وحسب المقرر عالی جاہ مشارٌ الیہ را مخاطب بخطاب مرقوم دانستہ در عہدہ شناسند۔ ۲۲۔ شہر شعبان سنہ ۱۲۱۲ ہجری۔

واقعات دُرّانی کا مؤلف کہتا ہے کہ نواب سید غلام محمد خان نے بادشاہ سے اپنی ریاست کی تباہی اور بربادی کا حال عرض کرکے مدد اور کمک کی درخواست کی بادشاہ نے اُن کو امیدوار عنایت کرکے سو روپے روز اُن کے کھانے کے لیے مقرر فرمائے اور وکیل الرعایا جامی کی حویلی مین اُن کو رہنے کے لیے حکم دیا اور ارشاد کیا کہ اب پیش خانہ کابل سے پشاور کی طرف روانہ ہو کہ ہم ملک پنجاب اور ہندوستان پر تصرف کرین گے۔ امراے لشکر نے عرض کیا کہ تمام لشکر دو ہزار کوس کی مسافت طے کرکے بہت تھک گیا ہے سب آدمی امیدوار ہین کہ مہربانی فرماکر حکم ہو جائے کہ دو تین مہینے آرام کرکے اپنے گھوڑون کو کھلا پلا کر تازہ کرلین اور خود بھی راہ کی کوفت اور ماندگی سے سستالین بادشاہ نے ان لوگون کی عرض مصلحتہً قبول کرکے دو تین مہینے کی مہلت دی اور زنبورکون اور دوسرے سامان کی تیاری کے لیے حکم دیا۔ جب زمان شاہ نے اپنے سوتیلے بھائی

محمود کی بغاوت کو دفع کرکے اُس کو ہزیمت دی اور وہ اپنے اہل و عیال اور حقیقی بھائی حاجی قمرالدین کے ساتھ بھاگ کر ترکستان کے پہاڑوں میں چلا گیا تو زماں شاہ مطمئن ہو کر ہندوستان کے قصد سے براہ کابل لاہور میں داخل ہوئے نواب سید غلام محمد خاں کہ اس بار بھی لشکر شاہی کے ہمراہ تھے بادشاہ کو ہندوستان میں لے جانے کو انگریزوں اور صوبۂ اودھ کے مقابلے کے لیے بہت کوشاں تھے اُنھوں نے اصرار کیا اور زماں شاہ بھی چاہتے تھے کہ ملک پنجاب کے انتظام کے بعد جریدہ کچھ جرار فوج لے کر دلی کو روانہ ہوں اس عرصے میں اخبار اور ہوا خواہان دولت کے عرائض سے دریافت ہوا کہ محمود نے ہرات کی طرف سر نکالا ہے بادشاہ قندھار کی طرف لوٹ گئے اور نواب سید غلام محمد خاں ہندوستان کو چلے آئے۔

نواب سید غلام محمد خان کا نادون مین سکونت اختیار کر لینا اور اُن کی وفات

نواب سید غلام محمد خاں کشمیر ہوتے ہوئے نادون میں داخل ہوئے۔ راجہ سنسار چند وہاں کا حاکم تھا اور قلعۂ کوٹ کانگڑا اُسی کے زیر حکومت تھا اُس سے ملاقات ہوئی وہ راجہ بہت اخلاق سے پیش آیا تعظیم و تکریم اچھی طرح بجا لایا اور پانسو روپے بطور دعوت مادرچی خانے کے مصارف کے لیے ہر مہینے بھیجنے لگا۔ اتفاقاً اُسی زمانے میں نیپال کے راجہ نے لشکر عظیم

سلہ دیکھو جام جہاں نما

نادون پر بھیجا اور چاہا کہ اس ملک کو اپنے تصرف مین لائے، راجہ نادون نے ارادہ کیا کہ نواب کو رخصت کرکے خود حریف کے مقابلے کو جائے، نواب نے کہا کہ یہ کسی طرح نہین ہو سکتا کہ مین ایسے وقت مین تم کو چھوڑ کر چلا جاؤن، تم قلعہ مین بیٹھو اپنی فوج میرے ہمراہ کرو تو معرکہ آرائی کا تماشا دکھاؤن نواب سید غلام محمد خان نے نہایت جرأت اور شجاعت سے گورکھا کے لشکر کو وہان سے بھگا دیا۔ بعد اس جنگ کے جب نواب صاحب نے چاہا کہ وہان سے کوچ کرین کسی اور طرف کو جائین راجہ نے بہت اصرار کرکے روکا اس لیے وہین ٹھہر گئے راجہ نے کئی پرگنے بھی اُن کے مصارف کے لیے چھوڑ دیے اور اتنی خاطر کرتا تھا کہ اُن کے بیٹے سید عبدالرحمٰن خان نے ایک آدمی کو مار ڈالا راجہ نے اُن سے کوئی باز پرس اور مواخذہ نہ کیا[1]

نواب سید غلام محمد خان نے تریسٹھ برس کی عمر مین جمعرات کے دن ۷۔ جمادی الاخری ۱۲۳۸ھ ہجری کو انتقال کیا۔ نادون مین مزار ہے مرزا مکھو عرف کرم خان نے تاریخ رحلت جو موزون کی ہے وہ اس جگہ لکھی جاتی ہے:۔

چو نواب حاجی بیت الحرم	زدنیا سوئے خلد رحلت نمود
بسالش خرد گفت رضوان مقام	ریاض جنان گشت آرام گاہ

اور عنبر شاہ خان نے یون تاریخ کہی ہے:۔

درجنان نور مہر و پرتو ماہ	چون نمایان شد از رخ نواب
آفتاب بہشت والا جاہ	گشتہ تاریخ مرگ چہرہ فروز

[1] دیکھو قانون خاندان رام پور ۱۲

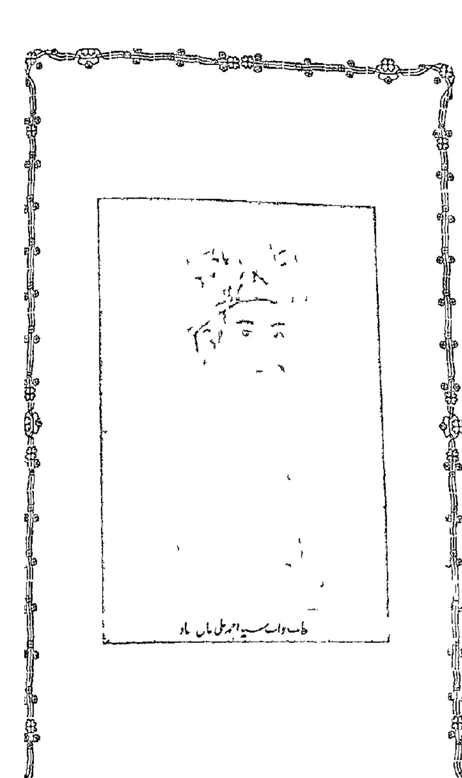
اُن کے انتقال کے بعد نواب صاحب نادون نواب سید محمد سعید خان کے ساتھ بھی بہت دوستی رکھتا تھا۔

نواب سید غلام محمد خاں بڑے پہلوان اور تنومند تھے ایک حلوان کا دم تخت جس میں سیر بھر بادام وکشمش وغیرہ میوہ ہوتا اور مطعومات کے علاوہ نوش فرماتے تھے۔ تیر نہایت اچھا لگاتے تھے علم حساب میں خوب دستگاہ تھی خلاصۃ الحساب تمام حفظ تھی اور اُس کے جملہ اعمال پر قدرت تھی قطبی میرتک تحصیل کتب درسیہ کا اتفاق ہوا تھا۔

اولاد

(۱) سید مدد علی خاں (۲) نواب سید محمد سعید خاں (۳) سید عبدالعلی خاں (۴) سید حفیظ اللہ خاں (۵) سید عبداللہ خاں ظریف تخلص (۶) سید عبدالرحمٰن خاں (۷) شمس النساء بیگم ملقب بہ نواب بیگم زوجہ سید کفایت اللہ خاں خلف نواب سید نصراللہ خاں (۸) حبیب النساء بیگم (۹) ایک صبیہ پیدا ہوتے ہی مرگئی جس کا نام بھی نہیں رکھا گیا تھا۔

یہ سب اولاد عزیز النساء بیگم بنت یعقوب علی خاں کے بطن سے ہیں یعقوب علی خاں شاہ ولی خاں کے چچازاد بھائی ہیں اور شاہ ولی خاں امیر دوست محمد خاں والی کابل کے دادا اور احمد شاہ دُرّانی کے وزیر اعظم تھے۔



نواب سید احمد علی خاں بہادر

نواب سید احمد علی خان خلف نواب سید محمد علی خان کی مسند نشینی

نواب سید غلام محمد خان کے ترک وطن کردینے کے بعد اُن کے افسرون سے اِس شرط پر صلح ہوگئی کہ نواب سید فیض اللہ خان کا جس قدر خزانہ باقی ہے وہ تو کمپنی کے پاس امانةً رکھا جائے اور قدیمی ملک مین سے کچھ گھٹا کر نواب سید محمد علی خان کے بیٹے نواب سید احمد علی خان کے نام سند تحریر کی جائے اور بنظر اسکے کہ مسند نشین کی عمر نو برس کی تھی نواب آصف الدولہ نے بمشورہ حکام انگریزی نواب سید نصر اللہ خان کو کہ لیاقت علمی بھی رکھتے تھے نیابت پر مقرر فرمایا چنانچہ موضع ٹپّہ کے کھاٹے مین اِسی مضمون کا عہدنامہ تمہیدی لکھا گیا۔

عہدنامۂ تمہیدی جو نواب آصف الدولہ اور انگریزی کمپنی اور سرداران روہیلہ کے درمیان منعقد ہوا

شرط اوّل جب یہ تمہیدی عہدنامہ منظور ہوجائے گا تو دشمنی درمیان وزیرالممالک آصف الدولہ بہادر اور اُن کے دوست انگریز اور فوج روہیلہ کے موقوف ہوگی۔

شرط دوم نواب وزیرالممالک آصف الدولہ بہادر وعدہ کرتے ہین کہ اُنھون نے خاندان نواب سید فیض اللہ خان اور اُس کے شرکا کا قصور

معاف کردیا۔

شرط سوم فوج روہیلہ وعدہ کرتی ہے کہ جو کچھ باقی خزانہ خاندان نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کا ہوگا وہ اسکو امانۃً کمپنی کے حوالے کردیگی موجب اِس کے نواب سید غلام محمد خان نے حساب خزانہ بیباق نواب سید فیض اللہ خان مرحوم اپنی ذمہ داری کے وقت تک کا داخل کیا۔ اس حساب میں سے ایک لاکھ اور چار ہزار اشرفیاں صرف میں آئیں۔ جب سے نواب سید غلام محمد خان فوج روہیلہ سے جدا ہوئے تھے یہ مہا اور مجرا دیکر باقی روپیہ طلب ہوا۔

شرط چہارم نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر وعدہ کرتے ہیں کہ وہ نواب سید احمد علی خاں کو جو نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کے پوتے ہیں محالات جمعی دس لاکھ روپے سالانہ کا ملک دین گے اور تھرام پور بھی اس میں شامل ہوگا اور چونکہ نواب سید احمد علی خان بہادر صغیر سن ہیں اس لیے سید نصر اللہ خان بہادر پسر سید عبداللہ خان مرحوم بطور منصرم ریاست اور محافظ احمد علی خان مقرر ہوں گے۔ جب تک نواب سید احمد علی خان سن تمیز ۱۲ سال کو پہونچین گے۔

شرط پنجم۔ جب فوج روہیلہ خزانہ حوالے کردے گی جیساکہ شرط سوم میں مندرج ہے اُس وقت نواب وزیر الممالک آصف الدولہ اور انگریزی کمپنی کی فوجیں یہاں سے روانہ ہونگی اور فوج روہیلہ منتشر اور متفرق ہو کر جہاں چاہے گی چلی جائے گی۔

مقام گھاٹہ ٹیپہ کیمپ انگریزی تاریخ ۵ جمادی الاولی ۱۲۰۹ھ ہجری

(مہر) یہ مہر وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاہ یحییٰ خان بہادر ہزبر جنگ کی ہے۔

(مہر) یہ مہر مسٹر جارج فریڈرک چیری منجانب انگریزی کمپنی بطور ضامن تعمیل اس عہدنامہ کے ہے

(مہر) یہ مہر سید نصر اللہ خان کی ہے۔

جب یہ عہدنامہ تمہیدی تحریر ہو چکا تو نواب سید نصر اللہ خان روہیلون کے لشکر مین گئے اور تین لاکھ اکیس ہزار اشرفیہاے سکۂ جیپوری بارہ چھکڑون مین لدا کر انگریزی لشکر مین پہونچا دین اور چیری صاحب کے سپرد کر دین اور نواب آصف الدولہ نے نواب سید فیض اللہ خان کے دیوان طوطا رام کو رام پور سے بلوایا وہ حساب خزانہ کے کاغذات لیکر لشکر مین پہونچا اور تمام جمع خرچ سمجھا دیا اور دیوان مذکور سے نواب مرحوم کے ملک کی نکاسی کا حساب لیا گیا تو بائیس لاکھ روپے سے زائد کی آمدنی پائی گئی اِس حساب سے نواب وزیر نے اصل جاگیر مین سے بارہ لاکھ روپے سالانہ کی آمدنی کا ملک کاٹ لیا۔

بعد اسکے آصف الدولہ مع لشکر ذاتی و انگریزی دامن کوہ سے کوچ کر کے رام پور کی طرف روانہ ہوے اسکے بعد پٹھانون کی سپاہ اپنے مورچون سے نکلی اور سید نصر اللہ خان روہیلون کے لشکر کو حضرت نگر مین چھوڑ کر آصف الدولہ کے لشکر مین شریک ہو گئے۔ نواب آصف الدولہ نے رام پور کے قریب پہونچکر

احیت پور میں مقام کیا۔ جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ دوسرے روز نواب آصف الدولہ سوار ہو کر رام پور کی سیر کو نکلے کوچہ و بازار میں پھرے کئی ہزار روپیہ مساکین کو دیا۔ جب نواب سید نصر اللہ خان کے ڈیرے کے پاس پہونچے تو انھوں نے ایک ہزار اشرفیاں نذر کیں اور نواب آصف الدولہ اُنکے ڈیرے کے اندر داخل ہوئے۔

قیصر التواریخ میں بیان کیا ہے کہ نواب آصف الدولہ نے نواب سید محمد علی خاں کے بیٹے نواب احمد علی خان کو محل سے بلواکر مسند ریاست پر بٹھایا۔ نواب سید احمد علی خاں کو پہلے بیگمات خوف سے باہر نہیں بھیجتی تھیں مگر آصف الدولہ کے حکم سے مجبور ہو کر باہر کھیجا نواب سید احمد علی خان جب تک زندہ رہے اس احسان کے مرہون منت رہے اُن کی تحریرین نواب سعادت علی خان کے عہد تک آتی رہیں۔

بعد اسکے آصف الدولہ اور انگریزی تمام فوج کے ساتھ ۲۵ جمادی الاولی کو بریلی کی طرف روانہ ہوئے جب دونوں لشکر سرحد رام پور سے نکل گئے تو تمام پٹھان رام پور مین آکر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو گئے مگر جائداں ریاست اور نواب سید احمد علی خاں اور سید نصر اللہ خان آصف الدولہ کے ساتھ بریلی کو چلے گئے وہاں تفصیلی عہد ناموں کی تکمیل ہوئی۔ ان عہد ناموں مین عہد نامہ تمہیدی کی آتنی مخالفت کی گئی کہ اس مین تو صرف خزانہ نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کا کمپنی کے پاس امانۃً رکھنا قرار پایا تھا اور اس پر شرط لگائی گئی کہ کمپنی نے یہ سارا خزانہ نواب آصف الدولہ کو بطور نذرانہ

بابت ریاست رام پور کے اور بعوض کل حقوق ضبطی وغیرہ املاک نواب سید فیض اللہ خان اور نواب سید محمد علی خان کے دیدیا۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ سارا لشکر روہیلون پر اسواسطے چڑھکر آیا تھا کہ ایک مستحق کے ہاتھ سے ریاست نکالکر احق کو دیدی جاوے اور وہ احق بھی ایسا تھا جس کے باپ پر وزیر کی عنایت تھی اوسکو بیٹا یا بھائی بنایا تھا۔ پھر وزیر کو ضبطی ریاست کے حقوق کیسے حاصل ہو گئے تھے۔ اگر کہیے کہ خرچ فوج کشی کے عوض مین لیا گیا تو پھر نصف آمدنی سے زیادہ کے محالات کیون ضبط کر لیے۔ غرضکہ وزیر اور کمپنی کے افسرون نے یہ لالچ کیا کہ ملک بھی کاٹ لیا اور خزانے پر بھی جھاڑو پھیر دی۔

جبکہ نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹون نے دیکھا کہ سید نصر اللہ خان نائب ہو گئے تو انگریزون سے کہا کہ ہماری تنخواہ کا تصفیہ کر دینا چاہیے تاکہ نواب سید نصر اللہ خان پھر تغافل نہ کرین اس لیے اُن کی تنخواہین بھی عہدنامے مین داخل کر دی گئین اور نواب سید فیض اللہ خان نے جسقدر تنخواہ اپنے بیٹون کی مقرر کی تھی نواب آصف الدولہ نے اُس سے زیادہ اُنکے درماہے مقرر کیے۔

عہدنامہ بطور ضمانت جو آنریبل انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے وزیر الممالک آصف الدولہ اور نواب سید احمد علی خان بہادر کے درمیان تحریر کیا

چونکہ بموجب عہدنامۂ تمہیدی مرقومہ پنجم جمادی الاولی ۱۲۰۹ھ ہجری

مطابق ۲۹ ماہ نومبر ۱۷۹۴ء مطابق ۱۲۰۹ھ ہجری نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر وجارج فریڈرک چیری صاحب ریذیڈنٹ دربار نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر صاحب آنریبل انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب سید نصر اللہ خاں بہادر صاحب فوج روہیلہ کہ ایک نقل جسکی ملفوف ہے کمپنی مذکور نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضامن واسطے تعمیل شرائط مذکورہ کے صاحب نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر ایک فریق اور صاحب نواب سید نصر اللہ خاں بہادر فریق ثانی کے ہوگی موجب اسکے جارج فریڈرک چیری صاحب صاحب آنریبل سر جان شور بارٹ گورنر جنرل امور کمپنی عہد شرائط مفصلۂ ذیل کا وعدہ کرتے ہیں۔

شرط اوّل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر نے شرط دوم عہد نامۂ تمہیدی میں ظاہر کیا ہے کہ انھوں نے خاندان نواب سید فیض اللہ خاں مرحوم اور اسکے سرکار کا قصور معاف کیا۔ موجب شرط دوم عہد نامۂ مذکور انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کچھ تکلیف خاندان اور سرکار سے خاندان مذکور کو بسبب کسی قصور موقوعہ قبل تاریخ بست و سوم جمادی الاخری ۱۲۰۹ھ ہجری کے نہ دیں گے۔

شرط دوم نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر نے شرط چہارم عہد نامۂ مذکور میں وعدہ کیا ہے کہ وہ ایک ملک نواب سید احمد علی خاں نبیرۂ نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کو دیں گے اور اسکے مطابق انھوں نے

ایک سند نواب سید احمد علی خان کو دی جسکی پشت پر محالات ریاست کے نام مع جمع محالات لکھے ہین اور جس کی تاریخ ۷ جمادی الاخری ۱۲۰۹ ہجری ہے اسلیے کمپنی مذکور وعدہ کرتی ہے کہ وہ قبضہ احمد علی خان کو بموجب سند مذکور کے بلا تاخیر محالات مذکور پر دلادے گی۔

شرط سوم۔ شرط چہارم عہدنامۂ مذکور مین یہ وعدہ ہوا ہے کہ نواب سید نصر اللہ خان بہادر پسر نواب سید عبداللہ خان مرحوم نواب سید احمد علی خان بہادر کے محافظ اور ریاست کے منصرم نواب سید احمد علی خان کی اکیس سال کی عمر تک مقرر ہونگے کمپنی مذکور وعدہ کرتی ہے کہ وہ اُن کی تقرری منظور کرتی ہے اور پھر نواب سید نصر اللہ خان بہادر مذکور کو جب تک وہ محافظ نواب سید احمد علی خان بہادر موصوف اور منصرم ریاست رہین گے بطور مُہر نواب سید احمد علی خان بہادر کے مُستند گردانے گی۔

شرط چہارم۔ شرط سوم عہدنامۂ مذکور مین یہ وعدہ ہوا ہے کہ خزانہ خاندان نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کا کمپنی مذکور کے پاس امانت رہے گا اور کمپنی مذکور نے بر طبق اُسکے تین لاکھ اکیس ہزار مہر طلائی پائین۔ اور یہ تین لاکھ اکیس ہزار مہر نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کو بطور نذرانہ بابت ریاست کے اور بعوض تمام حقوق ضبطی وغیرہ املاک نواب سید فیض اللہ خان مرحوم اور نواب سید محمد علی خان مرحوم کے دی گئین اس لیے کمپنی مذکور وعدہ کرتی ہے کہ کوئی اور رقم نقدی کی فریقین مین طلب نہو گی۔

شرط پنجم جب نواب سید احمد علی خاں بہادر اکیس برس کی عمر کو پہنچیں گے تو کمپنی مذکور وعدہ کرتی ہے کہ یہ عہد نامہ قائم اور جاری رہے گا اور کوئی اور عہد نامے کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر خدانخواستہ نواب سید نصر اللہ خاں بہادر مر جائیں یا کسی سبب سے ایسے عہدۂ محافظی نواب سید احمد علی خاں بہادر اور مصری ریاست سے برخاست ہو جائیں تو نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر بصلاح کمپنی مذکور کسی شخص کو روہیلوں میں سے پسند کر کے اس عہدے پر مامور کریں گے۔

شرط ششم چونکہ نواب سید نصر اللہ خاں بہادر موصوف نے ایک قبولیت محررہ ۷ جمادی الاخری سنہ ۱۲۰۹ ہجری بجانب نواب سید احمد علی خان نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کے پاس، اصل کی ہے کمپنی مذکور وعدہ کرتی ہے کہ وہ خاص وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کے پاس رہتی ہے کہ قبولیت مذکور کی تعمیل نواب سید نصر اللہ خاں بہادر بجانب نواب سید احمد علی خاں بہادر مذکور کریں گے اور انحراف شرائط عہد نامہ ہذا کو شکستگی عہد و دوستی بجانب نواب احمد علی خاں بہادر مست وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر موصوف کے تصور کرے گی۔

شرط ہفتم۔ اس عہد نامے پر مہر اور دستخط جارج فریڈرک چیری صاحب کے بجانب کمپنی مذکور اور تصدیق بہ دستخط آنریبل سر جان شور بارنٹ گورنر جنرل اور ممبر کمپنی مذکور کی ہو کر دو نقلیں ہوئیں ایک نقل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر موصوف کو اور دوسری نقل نواب سید نصر اللہ خاں بہادر کو دی گئی اسی طرح قبولیت مذکورہ شرط ششم عہد نامہ ہذا کی دو نقلیں

نواب سید نصر اللہ خان بہادر کی مہر سے ہو کر ایک نقل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کو اور دوسری نقل جارج فریڈرک چیری صاحب کو دی گئی اور سند جسپر مُہر نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کی ہے اور جس کا ذکر شرط دوم عہد نامۂ ہذا میں درج ہے نواب سید احمد علی خان بہادر کو دی گئی اور نقل اسکی مہری نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کی جارج فریڈرک چیری صاحب کو دی گئی۔

مقام بریلی، ۷ جمادی الاخری ۱۲۰۹ھ ہجری مطابق ۳۰ دسمبر ۱۷۹۴ء

دستخط جی ایف چیری رزیڈنٹ

تصدیق اسکی مقام فورٹ ولیم مین بدستخط آنریبل سرجان شور بارٹ گورنر جنرل و مُہر آنریبل انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ۶ مارچ ۱۷۹۵ء کو ہوئی

دستخط جی شور

قبولیت منجانب نواب سید احمد علی خان بہادر بنام وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر

چونکہ بموجب عہد نامۂ تمہیدی مرقومہ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۰۹ھ ہجری مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۹۴ء کے (جسپر نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر اور مسٹر جارج فریڈرک چیری صاحب رزیڈنٹ بدربار نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر منجانب انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی اور منجانب روہیلہ نواب سید نصر اللہ خان بہادر کی مہرین ہین اور اُسکی نقل اس قبولیت کے ہمراہ ہے) بعض شرائط

نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر ایک فریق اور قوم روہیلہ فریق ثانی سے مسطور کی ہیں اِسلیے میں سید نصر اللہ خان بہادر جو شرائط مذکور کی رو سے نواب سید احمد علی خاں کا محافظ اور ریاست مذکور کا مصرم حسب شرائط مذکور مقرر ہوا ہوں، اپنی جانب سے بحیثیت محافظ نواب سید احمد علی خان بہادر اور مصرم ریاست کے اور نواب سید احمد علی خاں بہادر رئیس کی جانب سے شرائط ذیل مسطور کرتا ہوں۔

شرط اوّل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر نے شرط دوم عہد نامۂ تمہیدی مذکور میں ظاہر کیا ہے کہ اُنھوں نے قصور خاندان نواب سید فیض اللہ خاں بہادر مرحوم اور اُسکے سرکار کے معاف کیے ہیں شرط مذکور کے مطابق میں عہد کرتا ہوں کہ کچھ تکلیف بابت تصورات موقوعہ ماقبل بحم جمادی الاخری ۱۲۱۱ ہجری کے اُس خاندان کے کسی آدمی کو یا اُسکے سرکار کو نہ دی جائے گی۔

شرط دوم نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر نے شرط چہارم عہد نامۂ مذکور میں بیان کیا ہے کہ وہ ایک ملک احمد علی خان بہادر پسرہ نواب سید فیض اللہ خاں مرحوم کو دینگے اور بموجب اُسکے اُنھوں نے نواب سید احمد علی خاں بہادر موصوف کے ہاتھ میں ایک سند مہری دی ہے جسکی پشت پر نام محالات مع ملک مذکور کے درج ہیں اور تاریخ جس کی ۲۹ جمادی الاخری ۱۲۱۱ ہجری ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں نواب سید احمد علی خاں بہادر کو وزیر الممالک کی نسبت فرمانبرداری اور وفاداری کے

عقائد تلقین کرونگا۔ اور شرائط مندرجۂ سند کے بموجب مین ریاست کا انتظام کرونگا
اور مین حتی المقدور تمام روہیلون کو اور دوسرے اشخاص کو جن کا گذارہ اس جاگیر
سے ہوگا تفہیم کرونگا کہ وہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کے شکر گذار
بابت اس عنایت کے رہین اور اُن کے ساتھ وفا داری و دوستی سے بذریعہ
اپنے رئیس نواب سید احمد علی خان بہادر موصوف کے پیش آئین۔

شرط سوم شرط چہارم عہدنامۂ مذکور مین مشروط ہے کہ مین سید نصراللہ خان
ولد نواب سید عبداللہ خان مرحوم نواب سید احمد علی خان کا محافظ اور ملک
کا منصرم نواب سید احمد علی خان بہادر کے اکیس برس کی عمر کو پہونچنے تک
مقرر رہونگا مین اقرار کرتا ہون کہ نواب سید احمد علی خان بہادر کا فائدہ مدنظر
رکھکر اس کام کو مین حتی المقدور بلیاقت سرانجام دونگا۔

شرط چہارم شرط سوم عہدنامۂ مذکور مین یہ وعدہ ہوا ہے کہ خاندان
نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کا خزانہ کمپنی مذکور کے پاس امانت رہیگا
اور کمپنی مذکور نے برطبق اُسکے تین لاکھ اکیس ہزار اشرفیان پائین اور یہ
تین لاکھ اکیس ہزار اشرفیان نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کو
بطور نذرانہ بابت ریاست کے اور بعوض تمام حقوق ضبطی وغیرہ املاک نواب
سید فیض اللہ خان و محمد علی خان کے دی گئین۔ اس لیے مین وعدہ کرتا
کہ کوئی اور رقم نقدی فریقین مین طلب نہوگی۔

شرط پنجم مین وعدہ کرتا ہون کہ نواب سید غلام محمد خان اس
ریاست مین ہرگز نہ رہنے پائین گے اور نہ کسی طرح کی حکومت اس ریاست

میں کر سکیں گے اور نواب سید احمد علی خاں بہادر کے امورات میں داخلت کرنے پائیں گے۔

شرط ششم میں وعدہ کرتا ہوں کہ پندرہ سو روپیہ ماہوار شروع یکم دسمبر ۱۷۹۴ء مطابق ۷ جمادی الاولی ۱۲۰۹ ہجری سے نواب سید غلام محمد خاں موصوف کے گذارے کے لیے کمپنی ممدوح کو مقام لکھنؤ میں جاگیر کی آمدنی سے دیا جائے گا۔

شرط ہفتم میں اقرار کرتا ہوں کہ مفصلۂ ذیل روپیہ مقام رام پور میں نواب سید فیض اللہ خاں مرحوم کے بیٹوں کو شروع ۱۲۰۲ فصلی سے حسب ذیل دیا جائے گا۔

سید حسن علی خاں کو مبلغ ۱۰۰ء — سید فتح علی خاں کو مبلغ ۱۰۰ء
سید نظام علی خاں کو مبلغ ۱۰۰ء — سید یعقوب علی خاں کو مبلغ ۵۰ء
سید قاسم علی خاں کو مبلغ ۵۰ء — سید کریم اللہ خاں کو مبلغ ۵۰ء

شرط ہشتم جب نواب سید احمد علی خاں بہادر سن تمیز کو پہونچیں گے تو یہی قولیت کافی متصور ہوگی اور دوسری قولیت جدید کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر خدانخواستہ میں مر جاؤں یا عہدۂ محافظی نواب سید احمد علی خاں و مصرمی ریاست سے برخاست ہو جاؤں تو نواب وزیر الممالک کمپنی کی رائے اور مشورے سے روہیلوں میں سے کسی شخص کو پسند کر کے عہدۂ مذکور پر مامور کریں گے۔

شرط نہم میں مسطور کرتا ہوں کہ عہد نامہ مرقومہ ۷ جمادی الاخری ۱۲۰۹ھ

کے مطابق جسپر مہر و دستخط جارج فریڈرک چیری صاحب کے کمپنی مذکور کی جانب سے ہین اور تصدیق آنریبل سر جان شور بارٹ گورنر جنرل کی ہے اور جسکی دونون نقلون پر بھی یہ مہر اور دستخط ہو کر ایک وزیر الممالک بہادر کو اور دوسری مجکو ملی ہے کمپنی مذکور نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کے پاس اِس عہدنامے یا قبولیت کی جو نواب سید احمد علی خان بہادر کی طرف سے ہے اور جسپر مین نے اپنی مہر دستخط کیے ہین اور جسکی ایک نقل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کو دی گئی اور دوسری جارج فریڈرک چیری صاحب کے پاس رہی تعمیل کرانے کے واسطے ضامن ہوئی ہے اور نواب سید احمد علی خان بہادر کے پاس مُلک پر قبضہ دلانے کے لیے جو اُن کو نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر نے سند مذکور شرط دوم عہدنامہ مذکور کے مطابق ہے جس کی ایک نقل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کی مہری جارج فریڈرک چیری صاحب کو دی گئی ہے ضامن ہوئی ہے۔

مقام بریلی، ۷ جمادی الاخری ۱۲۰۹ ہجری مطابق ۳ دسمبر ۱۷۹۴ء

اقرار نامہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر بنام آنریبل انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی

چونکہ آنریبل انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی بموجب ضمانت نامہ مرقومہ (۷) جمادی الاخری ۱۲۰۹ ہجری مہری و دستخطی جارج فریڈرک چیری صاحب زیڈنٹ دربار منجانب کمپنی مذکور و دستخطی آنریبل سر جان شور بارٹ گورنر جنرل اُمور کمپنی

سکات ہندو مہری کیسی مذکورہ کے حکم کی دو نقلیں ہو کر ایک مجھے ملی ہے اور دوسری نقل سید نصر اللہ خاں بہادر کو دی گئی ہے میرے پاس ضامن ہوئی ہے کہ شرائط قبولیت مرقومہ ۷ جمادی الاخری ۱۲۰۷ھ ہجری کی حکم کی دو نقلیں سید نصر اللہ خاں بہادر کی مہری ہو کر ایک نقل مجکو ملی ہے اور دوسری نقل جارج فریڈرک چیری صاحب کو دی ہے تعمیل کامل ہوگی اور میر نواب سید احمد علی خاں کے پاس اس بات کی ضامن ہوئی ہے کہ اُن کو قبضہ ملک کا (جو میں نے اُنکو ایسی مہری سند مرقومہ ۷ جمادی الاُخری ۱۲۰۹ھ ہجری کے مطابق حکم کی پشت پر محالات کے نام مع جمع سالانہ درج ہیں دیا ہے) ملا طلب رقم تو فیر وغیرہ ملے گا۔ اور اُس سند کی ایک نقل میری مہری مسٹر جارج فریڈرک چیری صاحب کو بھی دی گئی ہے میں اسکو منظور کرتا ہوں کہ مجھے شرط ضمانت نامہ قبول و منظور ہیں۔

نواب سید نصر اللہ خاں نے مقام بریلی میں ایک واجب العرض بعض معاملات کی نواب آصف الدولہ کے حضور میں مثل کی تھی جس پر نواب وزیر الممالک نے جواب دیئے اُسکو بھی اِس جگہ ناظرین کی آگاہی کے لیے درج کیا جاتا ہے۔

سوال اوّل

خانداں نواب سید غلام محمد خاں بالفعل بمکان رامپور میں رہیں اور وہ اُن کو طلب کریں تو اُن کی روانگی با مقام بیگم کی مرضی پر منحصر ہو۔

سوال چہارم

منشی تلسی رام جرائچی جو اتفاقات وقت سے یہاں سے جا کر دہلی میں رہتا ہے اُسکو ناظم دہلی کے آدمی اور مرہٹے سنگ کرتے ہیں اور یہاں آنے نہیں دیتے جو کہ حسابات سرکاری و خرچ جاگیر اس سے متعلق ہیں اسلیئے مجھے اُمید ہے کہ نواب صاحب ایک تحریر ناظم دہلی کو بھیجکر اُسکو ممانعت کر دینگے کہ تلسی رام سے مزاحم ہو اور اُسکو یہاں واپس آنے دے تاکہ یہاں آکر پھر اپنے کام پر مامور ہو۔

جواب چہارم

تحریر اس مضمون کی نواب صاحب نے لکھ بھیجی ہے۔

سوال پنجم

جو اسباب کسی کا رام پور سے جنگ کے ہنگامے میں لٹ گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور ایک حکم ناظم بریلی کے نام صادر فرمائیں کہ انکا مال کو اسباب معروقہ تحقیقات کے بعد ملجائے۔

جواب پنجم

مضمون حکم حضور سے صادر ہوگا جب کوئی درخواست ایسے اسباب کے واسطے گذرانیگا۔

سوال ششم

سرکاری جنگ جو نواب سید فیض اللہ خاں نے راجہ جائل سے خریدے تھے وہ اب تک اُسکے قبضے مین ہین مجھے اُمید ہے کہ حضور ایک حکم ناظم بریلی

کے نام صادر فرمائین کہ اُن کو واگذاشت کردے۔

جواب ششم

جو ایسے چک محالات ریاست مین واقع ہین وہ بموجب سند نواب صاحب کے واگذاشت ہوگئے ہین۔

سوال ہفتم

اکثر مقامات وقطعات زمین وچکہاے دیہات خریدکردہ سنو خان وغلام علی خان وغیرہ افغانان سرکاری مالگذاری سے معاف ہین اور اُن لوگون کے قبضے مین اُسوقت تک تھے جب تک وہ دامن کوہ مین گئے۔ مجھے امید ہے کہ پروانہ اُنکی معافی کی نسبت ناظم بریلی کے نام صادر ہو۔

جواب ہفتم

رئیس کو اس شرط کا اختیار اپنے محالات ریاست مین حاصل ہے۔

سوال ہشتم

مین چاہتا ہون کہ ناظم بریلی کے نام پروانہ اُن لوگون کے باب مین جو وزیر کے علاقے مین رہتے ہون اور غارتگری نواب سید احمد علی خان کے علاقے مین کرتے ہون اِس مضمون کا جاری ہو کہ تحقیقات کے بعد چورون کو سزا دین اور مال مسروقہ ساکنان جاگیر کو واپس دین۔

جواب ہشتم

اس بارے مین جو رسم نواب سید فیض اللہ خان کے وقت مین تھی

وہی مرعی رہے گی۔

سوال نہم

اعانون سے کے اسباب تجارت پر جو محصول سابق میں لیا جاتا تھا وہی بدستور رہے اور اہلکاران پرمٹ سرکار زیادہ طلب نہ کریں۔

جواب نہم

جو قاعدہ اس بارے میں نواب سید فیض اللہ خان کے وقت میں تھا وہی اب بھی مرعی ہوگا۔

سوال دہم

نواب سید فیض اللہ خاں کے عہد میں دادو ستد جو حافظ رحمت خاں کے وقت کی کسی کے ساتھ تھی اور ہر کے حکم سے مسموع نہیں ہوتی تھی پس اب بھی اس دادو ستد کے باعث کسی سے مزاحمت ہو اور اگر کوئی حضور میں نالشی ہو تو اسکی سماعت نہ ہو۔

جواب دہم

رسم قدیم اس بارے میں جاری ہے۔

سوال یازدہم

موضع صاحب گنج واقع پرگنہ حضرت نگر دیہ معافی نواب سید فیض اللہ خاں نے ساعت راے متوفی کو دیا تھا میں چاہتا ہوں کہ اس موضع کے معاف رہنے کے باب میں ایک پروانہ عنایت ہو۔

جواب یازدہم

اگر یہ موضع محالات ریاست مین آگیا ہے تو رئیس کو اختیار حاصل ہے

نواب آصف الدولہ کا نواب سید احمد علی خان اور اُنکے امرا کو خلعت عطا کرنا۔ ریاست رام پور کی آمدنی کے مصارف مقرر کر دینا۔ آصف الدولہ کا اودھ کو چلے جانا اور نواب سید احمد علی خان کا مع اپنے خاندان کے بریلی سے رام پور مین آجانا

معظم کہتا ہے کہ نواب آصف الدولہ نے ۵ جمادی الاخری ۱۲۰۹؁ھ کو اپنے دربار مین نواب سید احمد علی خان کو طلب کرکے ایک خلعت عطا کیا جس مین ایک زرین دستار ایک ٹوپی اور سرپیچ اور کلغی اور موتیون کی مالا اور سپر اور تیغ تھی اور یہ چیزین کشتیون مین رکھی ہوئی تھین اور ایک گھوڑا اور ہاتھی اور پالکی بھی دی جب نواب سید احمد علی خان خلعت پہن چکے تو ایک خلعت سید نصر اللہ خان کو دیا اور دربار مین دو کرسیان بچھائی گئین ایک پر نواب سید احمد علی خان اور دوسری پر سید نصر اللہ خان بیٹھے۔ پھر ریاست رام پور کے ارکان دولت کو طلب کرکے اُنکو بائیس خلعت عطا کیے اور نواب فیض اللہ خان بہادر کے بیٹون کو بھی خلعت مرحمت کیے۔

نواب آصف الدولہ نے آمدنی ریاست مین خرچ کا سالانہ

اس طرح انتظام کیا۔

ذات خاص نواب سید احمد علی خاں بہادر	۱۰۰۰۰۰ روپیہ
سید نصر اللہ خاں کے لیے	۶۰۰۰ "
سید حسن علی خاں۔ سید فتح علی خان۔ سید نظام علی خاں اسامے نواب سید فیض اللہ خاں	۷۲۰۰ "
سید یعقوب علی خاں۔ سید قاسم علی خاں۔ سید کریم اللہ خاں۔ اسامے نواب سید فیض اللہ خاں	۶۰۰۰ "
صاحبزادہ سید احمد یار خان بن سید محمد یار خاں بن نواب سید علی محمد خان اور سید مصطفےٰ خاں ابن سید اللہ یار خان ابن نواب سید علی محمد خاں	۲۵ "
محمد اکبر خاں ابن حافظ رحمت خاں کے لیے	۶۰ "
بیگمات کے مصارف کے لیے	۵۹۰۰۰ "
نواب سید غلام محمد خاں کے بیٹوں کے واسطے	۱۸۰ "

مجموعی تعداد ان مصارف کی چار لاکھ روپیے سالانہ جو کل مالی آمدنی سپاہ کے خرچ کے لیے مقرر کی اور اُسکے مطابق سند خرچ تیار ہو کر سید نصر اللہ خاں کو دربار میں دیدیا گیا۔

۹ جمادی الآخر ۱۲۰۹؁ ہجری کو نواب آصف الدولہ مع فوج انگریزی کے اودھ کو چلے گئے اور نواب سید احمد علی خان اور اُسکے اہل خاندان اور امرائے فوج رام پور آ گئے۔

نواب سید نصر اللہ خان کے واقعات فوج مین تخفیف

نواب سید نصر اللہ خان نے تخفیف شروع کی نصف فوج کم کردی منتخب العلوم مین لکھا ہے کہ اکثر خاندانی لوگ اور بڑے بڑے روہیلے سردار نواب سید نصر اللہ خان کی اطاعت نہین کرتے تھے۔ اُنھون نے انگریزون کی مدد سے اُن لوگون کو جلا وطن کرکے بنارس اور لکھنؤ کو بھجوا دیا اور اِس بات کے مخفی رکھنے کے لیے اپنے بیٹے سید کفایت اللہ خان کو بھی جلا وطنی مین خاندانیون کا شریک کردیا۔ ان لوگون کی درستی کے بعد پھر سب کو رام پور مین بلوایا بعض ثقہ آدمیون کا بیان ہے کہ سید نصر اللہ خان سرداران روہیلہ کی شکایات لیکر بذات خود بنارس کو ریذیڈنٹ کے پاس گئے تھے اور سرداران روہیلہ بھی ساتھ ساتھ جوابدہی کو پہونچے سردارون کے ساتھ رسالے مع نقارہ و نشان تھے اور نواب سید نصر اللہ خان جریدہ گئے تھے۔ نواب صاحب نے رزیڈنٹ سے کہا کہ دیکھیے میری بدرعبی کا یہ حال ہے کہ مجھے پالکی کے لیے چار کہار اور دو خدمتگار بمشکل ملے ہین اور یہ لوگ اِس کرّ و فر سے آئے ہین، رزیڈنٹ نے اپنی نظر سے طرفین کی سواریون کا واقعہ دیکھا اسلیے گورنر جنرل کو رپورٹ کردی کہ یہ تمام سرکش افسر رام پور سے علٰحدہ کیے جائین۔ گورنر جنرل نے منظور کرلیا اور کپتان جیری صاحب اِس کام کے لیے مقرر ہو کر رام پور مین آیا اور اُس نے بڑے بڑے روہیلہ سردارون کے رسالے توڑ کر اُن کو علٰحدہ کردیا۔

اس طرح انتظام کیا۔

ذات خاص نواب سید احمد علی خاں بہادر ۱۰۰۰۰۰ روپے

سید نصر اللہ خاں کے لیے ۳۰۰۰ ״

سید حسن علی خاں۔ سید فتح علی خاں۔ سید نظام علی خاں

اسنائے نواب سید فیض اللہ خاں ۷۲۰۰ ״

سید یعقوب علی خاں سید قاسم علی خاں۔ سید

کریم اللہ خاں۔ ابنائے نواب سید فیض اللہ خاں ۹۰ ״

صاحبزادہ سید احمد یار خان بن سید محمد یار خان بن

نواب سید علی محمد خاں اور سید مصطفےٰ خان ابن سید

الہ یار خان ابن نواب سید علی محمد خاں ۴۵۰ ״

محمد اکبر خاں ابن حافظ رحمت خاں کے لیے ۹۰ ״

بیگمات کے مصارف کے لیے ۵۹۰۰ ״

نواب سید غلام محمد خاں کے بیٹوں کے واسطے ۱۸۰۰ ״

مجموعی تعداد ان مصارف کی چار لاکھ روپیے سالانہ جولی مالی آمدنی سپاہ کے خرچ کے لیے مقرر کی اور اسکے مطابق سد خرچ تیار ہو کر سید نصر اللہ خاں کو دربار میں دیدیا گیا۔

۹ جمادی الاخریٰ ۱۲۰۹ھ ہجری کو نواب آصف الدولہ مع فوج انگریزی کے اودھ کو چلے گئے اور نواب سید احمد علی خان اور اُنکے اہل خاندان اور افسران فوج رام پور آ گئے۔

نواب سید نصراللہ خان کے واقعات فوج میں تخفیف

نواب سید نصراللہ خان نے تخفیف شروع کی نصف فوج کم کردی منتخب العلوم میں لکھا ہے کہ اکثر خاندانی لوگ اور بڑے بڑے روہیلے سردار نواب سید نصراللہ خان کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے انگریزوں کی مدد سے اِن لوگوں کو جلاوطن کرکے بنارس اور لکھنؤ کو بھجوا دیا اور اِس بات کے مخفی رکھنے کے لیے اپنے بیٹے سید کفایت اللہ خان کو بھی جلاوطنی میں خاندانیوں کا شریک کردیا۔ ان لوگوں کی درستی کے بعد پھر سب کو رام پور میں بلوایا بعض ثقہ آدمیوں کا بیان ہے کہ سید نصراللہ خان سرداران روہیلہ کی شکایت لیکر بذات خود بنارس کو رزیڈنٹ کے پاس گئے تھے اور سرداران روہیلہ بھی ساتھ ساتھ جوابدہی کو پہونچے سرداروں کے ساتھ رسالے مع نقارہ و نشان تھے اور نواب سید نصراللہ خان جریدہ گئے تھے۔ نواب صاحب نے رزیڈنٹ سے کہا کہ دیکھیے میری بدرعبی کا یہ حال ہے کہ مجھے پالکی کے لیے چار کہار اور دو خدمتگار بمشکل ملے ہیں اور یہ لوگ اس کرّوفر سے آئے ہیں" رزیڈنٹ نے اپنی نظر سے طرفین کی سواریوں کا واقعہ دیکھا اسلیے گورنر جنرل کو رپورٹ کردی کہ تمام سرکش افسر رام پور سے علیحدہ کیے جائیں۔ گورنر جنرل نے منظور کرلیا اور کپتان جیری صاحب اِس کام کے لیے مقرر ہو کر رام پور میں آیا اور اُس نے بڑے بڑے روہیلہ سرداروں کے رسالے توڑ کر اُن کو علیحدہ کردیا۔

راجہ جھاؤلال نے ایک بار نواب سید نصراللہ خاں کی معزولی کی بھی کوشش کی تھی۔ چنانچہ طلسم ہند میں بیان کیا ہے کہ عمر خاں بڑموچھے کو رام پور سے بلاکر آصف الدولہ کی سرکار میں نوکر رکھا یا اور منظور یہ تھا کہ نواب سید نصراللہ خاں کو نواب سید احمد علی خاں کی نیابت سے موقوف کرا کے عمر خاں کو رام پور کا نائب بنائے تاکہ پٹھان ضرورت کے وقت کام آئیں مگر یہ تدبیر ظہور میں نہ آسکی۔

زمان شاہ نبیرہ احمد شاہ دُرّانی کا آصف الدولہ اور انگریزوں سے روہیلوں کی سفارش کرنا

ایک شخص محمد عباس علی خاں نامی پٹھان نے بڑی بارہ بڑے رُئی ستور ریسواتی نے اپنی سوانح عمری لکھی ہے یہ شخص فارسی اور اُردو کا شاعر صاحب دیوان ہے پشتو میں بھی شعر کہتا تھا۔ اس کتاب میں لکھتا ہے کہ میرے باپ یار محمد خاں حافظ رحمت خاں کے ہمراہ سوات سے روہیلکھنڈ میں آئے اور نواب سید علی محمد خاں کی سرکار میں نوکر ہوئے اور نواب موصوف کے بعد حافظ رحمت خاں کی رفاقت میں بڑی ثروت کے ساتھ رہنے لگے اور ۱۲۰۳ھ ہجری میں انتقال کیا۔ عباس علی خاں کو ابتدا میں نظم اُردو کا شوق تھا اور قائم چاند پوری سے مشورہ تھا۔ نواب شجاع الدولہ نے جب نواب سید فیض اللہ خاں کو لال ڈانگ پر محصور کیا تو عباس علی خاں کی عمر اسوقت سولہ برس کی تھی اور اپنے بھائی احمد مراد ارادت خاں کے ساتھ نواب سید فیض اللہ خاں بہادر کے

لشکر مین تھا۔
سنہ ۱۱۹۰ ہجری مین مرزا جوان بخت نواب سید فیض اللہ خان کے عہد مین رام پور آئے تو اُنکے ساتھ رام پور سے چلا گیا اور شاہزادے کی بدولت خطاب اقتدار الدولہ عباس علی خان بہادر صمصام جنگ اور پنجہزاری منصب پایا۔ پھر شاہزادۂ احسان بخت ولد شاہ عالم کی رفاقت اختیار کی اور مقام خیر پور مین عماد الملک نواب غازی الدین خان کے شوق دلانے سے شعر فارسی بھی کہنے لگا اور اُنہی سے اصلاح لینے لگا اور سات برس تک اس ملک مین رہکر اُن کو کلام دکھایا پھر شاہزادے کے ساتھ مع عماد الملک کے افغانستان کو زمان شاہ نبیرۂ احمد شاہ ابدالی کے پاس گیا شاہ نے احسان بخت سے وعدہ کیا کہ مین اپنے بیٹے کے ساتھ سوارون کی زبردست فوج بھیجکر تم کو نواب غازی الدین خان کے مشورے سے سلطنت ہند کا تخت نشین کردونگا اُسی زمانے مین شاہزادے کو جنون ہو گیا تو عباس علی خان زمان شاہ کے حکم سے نواب مظفر خان صفدر جنگ صوبہ دار ملتان کے پاس متعین ہو گیا۔ ملتان مین عباس علی خان کو یہ خبر ملی کہ نواب سید فیض اللہ خان کی وفات کے بعد اُن کے سردارون نے نواب سید غلام محمد خان کو خفیہ متفق کر کے نواب سید محمد علی خان کو مار ڈالا۔ اور آصف الدولہ نے رام پور پر فوج کشی کی۔ نواب سید غلام محمد خان نے انگریزون سے شکست پائی۔ آصف الدولہ نے نصف ریاست رام پور ضبط کر لی اور نصف پر نواب سید احمد علی خان کو مسند نشین کر دیا۔ عباس علی خان کو اس خبر سے بہت رنج و ملال ہوا اور جب زمان شاہ کابل سے ڈیرہ غازی خان مین آئے

تو عباس علی خاں صفدر جنگ کی عرضی کے ساتھ لشکر میں گیا اور نور محمد خاں وزیر اعظم کی معرفت بادشاہ کی ملازمت حاصل کر کے پٹھانوں کی حیرانی اور مُلک کی ساری سرگذشت عرض کی اور درخواست کی کہ مجھکو رخصت مرحمت ہو جائے تاکہ وہاں جا کر مقتولوں اور پسماندوں کا حال معلوم کروں۔ شاہ کو روہیلوں کی اس حیرانی کا حال سُنکر جوش حمیت پیدا ہوا اور فرمایا کہ ہم آصف الدولہ اور اعتضاد الدولہ لسپیر الملک ولیم مالمر (یا مر) صاحب بہادر شوکت جنگ کو لکھیں گے اگر انھوں نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تو خیر ورنہ سال آئندہ کے آغاز میں ہم خود ہندوستان پر چڑھائی کریں گے عباس علیخاں نے عرض کیا کہ اس سفارت پر یہ فدوی مقرر فرمایا جائے اور وہ فرمان مجھکو عطا ہو جائیں میں اُن کو پہونچاؤں گا وزیر اعظم نے بھی سفارش کی شاہ نے منظور فرما لیا اور وزیر اعظم کی تاکید سے اُسی دن دونوں فرمان تیار ہو کر عباس علی خاں کو ملگئے۔ آصف الدولہ کے نام کے فرمان کی نقل یہ ہے۔

الله

گشت مرداد و داد الطاف خویشتن یزداں
نگیں حاتم حکم جہاں بہ شاہ زماں

آنکہ عالی جاہ رفیع جائگاہ حشمت و شوکت دستگاہ وزارت و امارت پناہ امیر الامراء العظام اسوۃ الکبراء الفخام معتمد الدولۃ البہیہ اعتضاد السلطنۃ العالیہ حملۃ الممالک مدار المہام آصف جاہ وزیر الممالک ہندوستان یحییٰ خاں آصف الدولہ بہادر بعوارف عواطف بے پایاں شاہانہ سرافراز گشتہ بداند کہ چوں

قبل ازین رایات عالیات روشنی بخش دار السلطنہ لاہور گردید سیر و شکار پنجاب منظور نظر انور بود بنا بر آن رقم مبارک بہ سرفرازی آن عالیجاہ شرف نفاذ یافت و درین سال بخواست حضرت ایزد متعال سیر و گشت مملکت ہندوستان مطمح خاطر خطیر ست و رفاہیت و آسودگی کافۂ انام و استعلام اعلام طریقہ حضرت خیر الانام علیہ وآلہ افضل التحیتہ والسلام و انتظام مہام خاندان رفیع الشان خلافت بنیان چغتائیہ نیز منظور نظر مہر اثر اشرف می باشد و رسوخ ارادت و عقیدت آن عالیجاہ باین آستان ملک پاسبان اَبًا عن جدٍّ مربوط ست بہمان نحو قدیم بر جادۂ ارادت مستقیم بودہ سالک طریق ارادت و خدمت گذاری باشد۔

چون علی محمد خان و فیض اللہ خان از طائفۂ افغان و مسلمین و غاشیہ بر دوشان و حلقۂ اطاعت بر گوشان این دولت ابد قرین می بودند و با آن عالیجاہ نیز طریق موافقت و مصافات می پیمودند بعد از واقعہ فیض اللہ خان ولدان او از راہ پندار مصدر برخے حرکات ناہنجار گردیدند کہ ملک آنہا بہ تصرف آن عالیجاہ در آمدہ۔ لہذا درین ولا نظر بر رسوخ ارادت آن عالی جاہ رفیع جاسے گاہ عباس علی خان را با رقم محترم نزد آن عالیجاہ روانہ فرمودہ ایم ہر چہ از ملک آنہا کہ بتصرف آن عالیجاہ در آمدہ است مناصفہ آنرا بنا بر مراقبت احوال وابستگان فیض اللہ خان باآنہا واگذارد کہ متصرف بودہ مرفہ الحال مشغول دعاگوی ذات اشرف واز دیاد دوام دولت ابدی اتصال بودہ باشند و بنحویکہ امر شدہ از راہ دولت خواہی معمول داشتہ ہر چہ کہ عباس علی خان بیان نماید اصغا نمودہ او را بزودی مرخص نماید و در ہر باب الطاف شاہانہ را شامل حال خود دانستہ در طریق ارادت و اخلاص

ثابت قدم و صادق دم باشد۔

تحریر شہر صفر المظفر ۱۳۱۲ ہجری

عباس علی خاں وہاں سے روانہ ہوکر ملسان پہونچا اور نواب صفدر جنگ سے رخصت ہوکر بھاولپور۔ بیکا نیر۔ اور ناگور ہوتا ہوا جے پور میں داخل ہوا یہاں دو مقام ہوئے۔ ناظر صاحب کا وقائع نگار گوپی ناتھ جو جے پور میں موجود تھا اُسے عباس علی خاں کے آنے کی خبر سنی تو اُس سے ملاقات کو آیا اور بیان کیا کہ ان دنوں ہمارے صاحب پونا کو گئے ہیں اور چودہ روز کا عرصہ ہوا کہ نواب آصف الدولہ کا انتقال ہوگیا وزیر علی خان اُن کی جگہ مسند نشیں ہوا ہے عباس علی خاں کو اس واقعہ سے سخت کوفت پیدا ہوئی اور ناظر صاحب کے نام ایک خط اپنی طرف سے لکھکر اور اپنے آنے اور فرمان لانے کا حال تحریر کر کے گوپی ناتھ کو دیدیا اور آپ رام پور چلا آیا۔ نواب سید نصر اللہ خاں جو پہلے سے عباس علی خاں سے محبت رکھتے تھے اُنھوں نے خاطر کی اور التفات سے پیش آئے۔ ناظر صاحب کو جب پونا میں یہ خبر پہونچی کہ عباس علی خاں بادشاہ کی طرف سے ہمارے نام فرمان لائے ہیں تو اُنھوں نے عباس علی خاں کو تحریر کیا کہ آپ بُعد مسافت کی وجہ سے پونا نہ آسکے جے پور سے رام پور بریلی چلے گئے اسلیے التماس یہ ہے کہ فرمان شاہی جو میرے نام ہے ڈاک کے ذریعہ سے فرخ آباد کو فتح گڑھ کے کیمپ میں گوپی ناتھ اور ادھاکر مصر کے پاس بھیجدیجیے جو مجلس کی طرف سے ڈاک کے منتظم ہیں وہاں سے سرکاری ڈاک کے ذریعہ سے پونا میں میرے پاس پہونچ جائیگا اُس فرمان کا مضمون معلوم ہونے کے بعد

جیسا جواب مناسب ہوگا دیا جائے گا۔ عباس علی خان نے یہ سارا ماجرا نواب سید نصراللہ خان سے کہا اور بالمر صاحب کا خط اور شاہ کے دونون فرمان اُنکو دکھائے چونکہ آصف الدولہ کا انتقال ہو چکا تھا اُن کا متبنّٰی وزیر علی خان اُنکا قائم مقام ہوا تھا اور اسوجہ سے آصف الدولہ کے بھائی اور بڑے آدمی وزیر علی خان کی اطاعت کرنے مین دریغ کرتے تھے۔ لکھنؤ مین ایک عجیب تلاطم مچا ہوا تھا اور رام پور کی ریاست کا معاملہ لکھنؤ کی ریاست پر موقوف تھا جب وہان کی یہ حالت تھی تو کیا کام نکل سکتا تھا اُدھر کی سلسلہ جنبانی موقوف ہو کر یہ بندوبست کیا گیا کہ بالمر صاحب کے نام کا فرمان ہرکارے کے ہاتھ فرخ آباد کو بھیجدیا اور عباس علیخان نے یہ ساری کیفیت زمان شاہ اور اُن کے وزیر اعظم اور نواب صفدر جنگ کو لکھ بھیجی۔ اور چار مہینے کے بعد عباس علی خان نے رخصت چاہی۔ نواب سید نصراللہ خان نے روک لیا۔ پھر عباس علی خان علیل ہوگیا۔ ڈیڑھ برس علیل رہا۔ اس عرصے مین یہ خبر پہونچی کہ زمان شاہ کے امرا اور فوج نے محمود کو اپنا بادشاہ بنا کر زمان شاہ سے مخالفت کی زمان شاہ او محمود کی فوجون کا قریب درۂ خیبر کے مقابلہ ہوا اور جنگ عظیم واقع ہوئی آخرکار محمود غالب آیا اور زمان شاہ اسیر ہوے جن کو محمود نے نابینا کرا کے قلعۂ بالاحصار مین قید کر دیا۔ نواب سید نصراللہ خان نے عباس علی خان کو جاگیر اور رسالہ عنایت کر کے رام پور مین رکھ لیا۔ عباس علی خان نے یہین سکونت اختیار کی۔

آصف الدولہ کی جگہ نواب سعادت علی خان کی مسند نشینی نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹوں کو شبہ مخالفانہ پر نواب سعادت علی خان کا کچھ فوج کھیجکر لکھنؤ کو بلالینا آخرکار گورنر جنرل کے ایماسے ان صاحبزادوں کی رام پور کو واپسی

جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ جب نواب سعادت علی خان آصف الدولہ کے جانشین ہوئے تو کچھ عرصے کے بعد اُن کو یہ خبر پہونچی کہ نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹے مخالفت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اُنھوں نے اپنے بیٹے نصیر الدولہ مرزا محمد علی خان[1] اور اسٹور صاحب کے ساتھ پانچ چھ ہزار فوج رام پور کو بھیجی اور حکم دیا کہ اُن صاحبزادوں کو لکھنؤ لے آئیں یہ سپاہ رام پور کے متصل پہونچکر کوسی کے قریب مقیم ہوئی نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹے اس بات سے بالکل بے خبر تھے اُن کا ارادہ فساد کا نہ تھا اسلیے محمد علی خان کے پاس چلے گئے مرزا محمد علی خان نے سب کو خلعت دیے اسٹور صاحب بھی اُن سے ملنے کے لیے مرزا محمد علی خان کے خیمے میں آیا اور صاحبزادوں سے ملکر اُن کی بہت دلجوئی کی اور غرۂ جمادی الاخری سنہ ۱۲۱۳ھ ہجری کو اسٹور صاحب اور مرزا محمد علی خان نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹوں کو اپنے ہمراہ لیکر رام پور سے لکھنؤ کی طرف واپس ہوئے اور لکھنؤ پہونچکر اُن دونوں صاحبوں نے نواب سعادت علی خان سے

---

[1] مرزا محمد علی خان نواب سعادت علی خان کے تیسرے بیٹے تھے بڑے بیٹے غازی الدین حیدر تھے جام جہاں نما میں غلطی سے مرزا محمد علی کو سعادت علی خان کا بڑا بیٹا لکھا ہے۔

اُن صاحبزادون کی ملاقات کرائی نواب موصوف نے سب کو خلعت اور ہاتھی اور شمشیر عطا کرکے لکھنؤ مین رہنے کے لیے حویلیان دیدین یہ صاحبزادے ڈیڑھ برس تک وہان مقیم رہے اور نواب سید غلام محمد خان کے عیال و اطفال بنارس بھیجدیے گئے - چونکہ نواب سید فیض اللہ خان کے بیٹون سے کوئی جرم سرزد نہین ہوا تھا اسلیے لارڈ ولزلی ارل مارنگٹن گورنر جنرل نے کلکتے سے نواب سعادت علیخان کو لکھا کہ اِن صاحبزادون کو رامپور رخصت کردینا چاہیے نواب سعادت علیخان نے ہر ایک صاحبزادے کو خلعت ہفت پارچہ اور فیل و شمشیر دیکر رامپور کو چلے جانے کی اجازت دیدی چنانچہ تمام بھائی یہان آکر رہنے لگے

ریاست رامپور کا حکومت انگریزی کی حفاظت مین آجانا

لارڈ ولزلی صاحب گورنر جنرل ہندوستان نے یہ خیال کیا کہ اودھ پر زمان شاہ دُرّانی حملہ کرنے کو ہین جو دلّی کے بادشاہ کو بحال کرکے مسلمانون کی سلطنت جمانے کا ہندوستان مین دل سے ارادہ رکھتے تھے وہ لاہور تک تو آپہونچے تھے اگرچہ وہ اِس وقت اُلٹے اپنے وطن کو ضرورت کے سبب سے واپس چلے گئے تھے مگر پھر اُن کا آنا آسان تھا - سیندھیا بھی اودھ کی تاک مین بیٹھا ہے کہ جب اُسکو موقع ملے تو اُسکے غلّہ لگائے روہیلہ بھی بغلی دشمن موجود ہین نواب سعادت علی خان کے سارے ملک کی رعایا اور سپاہ بگڑی ہوئی بیٹھی ہے ایک والی کی جان کو رو رہی ہے اور دوسری اُسکے خون کی پیاسی ہے تو اُنھون نے ۱۷۹۹ع مین نواب سعادت علی خان کو اِس نیت سے ایک تحریر روانہ کی کہ

سلہ ۱۷۹۳ع کے اختتام تک ہندوستان کے سرجان شور صاحب گورنر جنرل تھے ۱۸ اکتوبر ۱۷۹۸ع سے لارڈ ارل مارنگٹن گورنر جنرل ہندوستان کے مقرر ہوئے جو نومبر ۱۷۹۷ع مین ولایت سے چلے تھے ۱۲

اُس کو ترغیب اپنی فوج کے کم کرنے کی اور اُسکے عوض میں فوج انگریزی کے رکھنے
کی ہوا اور اُس تحریر کے لیجانے کو اور نواب سعادت علی خاں کے سمجھانے کو کہ
وہ نقدی دینے کی جگہ کچھ ملک اس فوج انگریزی کے خرچ کے لیے دیدیں
میجر سکوٹ تجویز ہوا۔ سعادت علی خاں کی بالکل مرضی اُسکے قبول کرنے کی نہ تھی
مگر اُن کو دھمکایا کہ وہ مسند ریاست اپنے بیٹے کے لیے خالی کر دیں آخرکار گورنر
نے اپنے بھائی ہنری ولزلی کو اپنا پرائیویٹ سکرٹری بناکے نواب کے پاس
بھیجا کہ شاید میرا بھائی نواب کی ہٹ کو دور کرے۔ ۳ ستمبر سنہ ۱۸۰۱ع کو وہ لکھنؤ میں
آگئے اور نواب کو سمجھایا اور بعد بہت تکرار اور مباحثے کے نواب سعادت علی خاں
نے عہدنامے پر جو پہلے سے مرتب تھا دستخط کر دیے اس عہدنامے کے موافق
سرکار کمپنی کو وہ ملک حاصل ہوا جسکی آمدنی ایک کروڑ پینتیس لاکھ تئیس ہزار
چارسو چوہتر روپے کی تھی اور نواب کے پاس اس قدر ملک نکل جانے کے بعد
کروڑ روپے کا ملک باقی رہا غرض کہ نصف سے کچھ زیادہ اور دو تہائی سے کچھ کم
ملک کا وہ حصہ جو ہندوستان بھر میں ایسی زرخیزی میں جواب نہیں رکھتا تھا
اور لکھنؤ کی حکومت کے ظلم کے تودوں کے نیچے دب کر خاک میں ملا جاتا تھا
لکھنؤ کی حکومت کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ان اضلاع میں جو سنہ ۱۸۰۱ع میں گورنمنٹ
انگریزی کو اودھ سے ہاتھ آئے روہیلکھنڈ بھی شامل تھا اور ریاست رامپور
پر یہ خاندان اُس وقت بھی قابض رہا۔ گورنر جنرل نے ان اضلاع پر اپنے
بھائی ہنری ولزلی کو لفٹنٹ گورنر مقرر کیا جب ہنری ولزلی صاحب
لفٹنٹ گورنر بریلی میں آئے اور نواب سعادت علی خاں کی حکومت اُٹھی تو

سید نصر اللہ خان اہل خاندان اور افسرون کو ہمراہ لیکر اُن سے ملنے کی غرض سے بریلی پہونچے ملاقات کے بعد ریاست کی طرف سے دعوت دی بعد اسکے رام پور کو لوٹ آئے۔ بریلی کے انتظام کے بعد لفٹننٹ گورنر اور مقامات کے انتظام کیلیے بریلی سے روانہ ہوے اور رام پور کے قریب پہونچکر دریاے کوسی کے متصل قیام کیا۔ شام کے وقت نواب سید احمد علی خان اُن کی ملاقات کو تشریف لے گئے ولزلی صاحب اور اُنکے اسٹاف نے ہاتھیون پر بیٹھکر نواب صاحب کا استقبال کیا۔ نواب صاحب بھی ہاتھی پر سوار تھے۔ جب دور سے انگریزون کی نظر اُن پر پڑی تو تعظیم کی غرض سے ٹوپیان اُتار کر ہاتھیون پر کھڑے ہوگئے۔ نواب صاحب بھی ذرا جُھک گئے۔ بعد اسکے ملاقات ہوئی۔ دوسرے روز نواب صاحب کی ملاقات بازدید کے لیے ولزلی صاحب شہر مین آئے نواب صاحب کی طرف سے نقد و جنس کی کشتیان پیش کی گئین ولزلی صاحب نے کچھ نہ لیا صرف عطر و پان پر اکتفا کیا۔

نواب امیر خان کا بطریق غارتگری کے رام پور کی حد مین ورود

نواب سید نصر اللہ خان کے زمانۂ مدار المہامی مین نواب امیر خان جن کے خاندان مین ریاست ٹونک ہے بحالت غارتگری رامپور کے بعض پرگنون کو تاخت و تاراج کر گئے تھے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب جسونت راؤ ہلکر کو فرخ آباد کے پاس فتح گڑھ مین انگریزون نے شکست دی تو وہ سیدھا بھرت پور پہونچا راجہ رنجیت سنگھ والی بھرت پور نے اپنی حمایت سے پھر اُسکی ہمت بندھوائی اور اُسنے ڈیگ پر ہلکر کی مدد کو کچھ توپ خانہ اور لشکر بھیجا انگریزون نے یہ سنکر ڈیگ

کے قلعہ پر چڑھائی کی اس خبر کو سن کر امیر خان بھی ایسے سواروں سمیت ہلکر سے
آن ملے اور انگریزی لشکر کو حیران کرنا شروع کیا ایک روز راجہ نے امیر خان اور
ہلکر کو مشورہ دیا کہ دونوں سرداروں کا ایک جگہ رہنا مناسب نہیں صلاح وقت یہ ہے
کہ ایک یہاں انگریزوں سے مقابل رہے دوسرا ملک حریف میں تاخت و تاراج
کرے ہلکر در میدان ایسے رہتے کہ وہ کہیں اڑ جاتے فرخ آباد اور ڈیگ میں
شکست پا چکے تھے امیر خان البتہ دل چلے تھے اور جان باز سپاہی تھے وہ روہیلکھنڈ
کی طرف چلے یہاں کے رہنے والے تھے مگر جس روز ہلکر سے جدا ہوئے اسی روز
جنرل اسمتھ سواروں اور توپخانے کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ ہوا امیر خان مرادآباد
پہونچے وہاں انگریز کچھ سپاہ کے ساتھ پڑے ہوئے تھے دور دور تک وہ ان سے
لڑے مگر ہارے گئے بقیۃ السیف بھاگے امیر خان نے امیران جیل خانہ چھوڑ دیے
اور سب کو خرچ دیکر رخصت کیا شہر کے ساہوکاروں اور رئیسوں نے اتفاق کر کے
بطور ضمان کے کچھ پیش کیا تاکہ شہر لوٹ سے امن میں رہے امیر خان نے بھی یہ
خیال کیا کہ تاخت و تاراج سے اس ملک کے باشندے گھبرا جائیں گے پھر کچھ
حاجت برآری ہوگی مرادآباد کو نہ لوٹا رام گنگا سے اتر کر رامپور کی طرف کسی گاؤں
میں خیمہ کیا وہاں کسی خیرخواہ مخبر نے خبر دی کہ یہاں رتن چند دیوان لکھنؤ کا خزانہ
ہے آپ لے لیجیے امیر خان نے اپنے بھائی احمد خان و شیخ اللہ خان بنگش
و عبداللہ خان کو دفینہ نکالنے کے لیے بھیجا سرداروں نے اس جگہ کو کھدوایا پہلے
اقمشہ نفیس کمخواب اور دوشالے کی قسم سے نکلے پھر روپیہ تمام ہو گئی تھی تو مال
سپاہیوں کو بانٹ دیا کئی ہزار روپے امیر خان کے پاس لیکر آئے دوسرے دن

امیرخان نے انگریزون کے کردنیہ جس مین کئی کمپنیان تلنگون کی تھین یورش کی عمق خندق کی وجہ سے یورش نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ مورچے جاتے آدھی رات گئے امیرخان کے ہرکارے جرنیل اسمتھ کے ہرکارون کو جو چٹھیان لیے جاتے تھے پکڑ لائے اُن چٹھیون سے دریافت ہوا کہ جرنیل با افواج جرار اُسی دن دوپہر تک آنے والا ہے وہ ایسے ہوشیار رہتے تھے کہ پہلے اس سے کہ لشکر انگریزی اُن کے نزدیک آئے مرہٹون کا لشکر لیکر پہاڑ کی طرف بھاگے گھوڑے اُنکے غضب کے تھے سیکڑون کوس اُڑے ہوے چلے جاتے تھے۔ امیرخان کو بھی بھاگنے مین کمال تھا انگریزی لشکر کے سائے سے بھاگتے تھے کہین اُنسے دست وگریبان ہوکر نہین لڑتے تھے امیرخان زیر کوہستان متعلقہ کمایون مین ہوتے ہوے باجپور آئے جو کاشی پور اور رُدر پور کے درمیان مین ہے تین دن تک اُس علاقے کو لوٹا جرنیل صاحب دونون رجمنٹون کو لیے ہوے مرادآباد سے کوچ کرکے رام پور آئے تمام رات شہر مین تہلکہ رہا شام کو سید نصراللہ خان نے اُنسے ملاقات کی جرنیل صاحب نے اُن سے حال لشکر امیرخان کا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ باجپور تک پہونچا ہے امیرخان کے لشکر کے پنڈارے ریاست رام پور کے علاقہ بلاسپور اور بیلی اور کیمری تک پھیل گئے تھے۔ اور رعایا سے روپیہ وصول کرنے کے لیے بڑے بڑے ظلم کرتے تھے مرحون کے توبڑے چڑھاتے تھے۔

جرنیل اسمتھ بھی امیرخان کے پیچھے پیچھے چلا افضل گڑھ پر ۱۲۔ مارچ ۱۸۰۵ء مطابق ۲۹ ذیقعدہ سنہ ۱۲۱۹ ہجری کو شنبے کے دن لڑائی ہوئی رام پور کے بہت سے پٹھان بھی امیرخان کے پاس چلے گئے تھے دوچار دھاوے اُنھون نے اچھے کیے

مگر میر میدان سے بھاگ نکلے بہت سے پٹھان مارے گئے رام پور کے پٹھان جو حاکر وکر ہوے تھے اکثر کام آئے اور بہت سی سپاہ انگریزی اور کچھ انگریز بھی کھیت رہے غرض یہ کٹ کھٹ روہیلکھنڈ کو تلیٹ کرتے اور اُسکے قصبوں کو لوٹتے اور مارتے اور انگریزی سپاہ سے کہیں کہیں چھیڑ چھاڑ کرکے ۱۳ مارچ مطابق ۱۰ ذی الحجہ کو گنگا پار اُترے اُس وقت سو آدمی امیر خان کے ساتھ تھے اُنھوں نے اپنی پراگندہ سپاہ جمع کی اور ۲ مارچ مطابق ۱۷ ذیحجہ کو ہلکرسے جاملے اور جرنل اسمتھ بھی سات سو میل اُن کے تعاقب میں ۴۳ دن میں طے کرکے ۲۳ مارچ مطابق ۲ دیحجہ کو اپنے کیمپ میں آپہونچا۔

نواب سید احمد علی خان بہادر کی شادی

۱۲۳۲ھ ہجری میں شادی کتخدائی نواب سید احمد علی خان بہادر کی مریم بیگم بنت صاحبزادہ سید نصراللہ خاں کے ساتھ ہوئی اِس خوشی اور جشن میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا یہ بیگم صاحبزادہ سید کفایت اللہ خاں کی حقیقی بھتیجی اور محبوب بیگم بنت صاحبزادہ سید محمد یار خاں کے بطن سے تھیں۔

نواب سید نصراللہ خان بہادر کے ذاتی حالات اور وفات اور اُنکی اولاد کے ساتھ نواب سید احمد علی خان کا برتاؤ

نواب سید نصراللہ خان سمجھدار اور عقیل آدمی تھے خط نسخ اور نستعلیق اور سپہگری خوب جانتے تھے حسن خلق اور حسن جواد شجاع وسخی تھے۔ نواب سید فیض اللہ خان بہادر فرمایا کرتے تھے کہ ۱۷۷۴ء میں شجاع الدولہ اور حافظ

رحمت خان کی لڑائی مین سوائے انکے وقت سخت مین کسی کو اپنے پہلو مین نہین پایا۔ نواب موصوف اُن کو چالیس ہزار روپیے سال مصارف کے لیے دیتے تھے۔
عالمشاہی مین لکھا ہے کہ نواب سید غلام محمد خان سے نصر اللہ خان ناخوش تھے کیونکہ اُن کو واقعۂ سید محمد علی خان کا ملال بہت تھا اور اس بات کی فکر بھی کی تھی کہ دونون بھائیون مین مصالحت کرادی جائے کہ آخرکار سید محمد علی خان مارے گئے۔ مگر جبکہ دوجوڑہ کا معرکہ پیش آگیا تو اُنھون نے اپنی بدنامی کے خوف اور شجاعت ذاتی کے خیال سے نواب سید غلام محمد خان کا ساتھ دیا دوجوڑہ کی لڑائی مین نواب سید غلام محمد خان کے ایک پہلو مین یہ تھے اور ایک پہلو مین صاحبزادۂ سید احمد یار خان تھے اور یہ الکن (ہکلے) تھے اور کسی قدر ثقل سماع بھی تھا مگر تمام عمر کسی پر ظاہر نہ ہوا کہ زبان کو لکنت ہے یا ثقل سماعت سے شعر بھی کہتے تھے اور سلطان تخلص کرتے تھے یہ اُن کا کلام ہے۔

ہجر مین مجکو بھروسا نہین اپنے دم کا		کل گیا، آج گیا، صبح گیا، شام گیا
ہاتھ وہ بھی نہ لگا اپنے کہ جس کی خاطر		دین و دنیا کا مرے ہاتھ سے سب کام گیا
اُس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر		دیکھا تو نہین اُسکے یہ پاسنگ برابر
مجھکو اپنی اسلیے بھاتی ہے آنکھ		کام تیرے دید کے آتی ہے آنکھ

قاضی سید نورالحق منعم تخلص نے نواب سید نصر اللہ خان کی مدح مین کہا ہے

بگلروے دل خودداده ام کز جوشش نازش
زہر چین جبین موج تبسم راعیان بینی
ترا گر شرم می آید بہ مشتاقان نظر کردن

فدائے آں جیاگردم کہ سوے من نہاں بینی

طرب با عہدِ او ہمدم چو بادام دو مغز آمد

اید با حشمتِ او چوں دو طفل تو اماں بینی

سکندر رابتدبیر آئینہ دار و آمکش حضرستش

چو فغفور و چو قیصر بردرش صد پاساں بینی

علم گردیدار رفعت عصائے پیری گردون

ستونِ درگہ او تکیہ گاہِ سے کساں بینی

صفت فیل ممدوح

ہلال عید مشتاقان چشم ار دور بنماید

کجک بر فرق ادچون ماہِ نو بر آسماں بینی

صفت اسپ ممدوح

چو گلگونِ نگہ اررہ عنانش بر نمی گیرد

شتاب برداریش با کہتِ گل ہم عناں بینی

یہ جب تک رندہ رہے کبھی نواب سید احمد علی خاں کو معاملات میں دخل دیے نہ دیا تھوڑے اہر بارہ دری میں رہتے تھے عیدیں کو نواب صاحب کے پاس آتے اور استریوں کی مدد اس طرح دکھاتے جیسے کوئی بزرگ چھوٹے کو عیدی دیتا ہے[۱] احبار حسن میں لکھا ہے کہ نواب سید نصر اللہ خاں نے سات ہزار روح جمع کی تھی۔ یہ بارہ برس پانچ مہینے اکیس دن ریاست کا کام کرکے اور مہمات

---

[۱] دیکھو منتخب العلوم ۱۲

مالی وملکی کو سرانجام دے کے ۲۶ شوال ۱۲۲۵ ہجری کو شنبے کے دن رحلت کی ۱۱۶۱ ہجری مین پیدا ہوے تھے باسٹھ برس کی عمر پائی ۲۸ اولادین ہوئین جنمین سات بیٹے تھے باقی بیٹیان۔ عنبر شاہ خان عنبر نے تاریخ رحلت اس طرح نظم کی ہے۔

یک ہزار و دو صد و بست و پنج　　بود از ہجرت رسول گواہ

ماہ شوال بود بست و ششم　　کہ بہ جنت رسید نصراللہ

نصراللہ خان کے انتقال کی شب کو صاحبزادۂ سید کفایت اللہ خان رام پور سے چھپ کر نکل گئے اور ڈامسن بروک صاحب سے استدعا کی کہ مجھکو میرے باپ کی جگہ ریاست رام پور کی نیابت دلوا دی جائے نواب سید احمد علی خان نے جوابدہی کے لیے محمد اکبر خان پسر حافظ رحمت خان کو بھیجا سید کفایت اللہ خان کی استدعا پذیرا نہو ئی۔ لارڈ منٹو صاحب گورنر جنرل نے حکم دیا کہ چالیس ہزار روپے سالانہ جو نواب سید فیض اللہ خان کے عہد سے سید نصراللہ خان کے مصارف کے لیے مقرر ہین وہ اُنکی اولاد پر تقسیم کر دیے جائین۔ ۲۵ صفر ۱۲۲۸ ہجری کو سید کفایت اللہ خان نے بھی ۲۶ برس کی عمر مین قضا کی اُنکی رحلت کی تاریخ عنبر شاہ خان نے یون کہی ہے۔

چو زیب صدر ریاست کفایت اللہ خان　　وداع کرد جہان دل بجوش فکرت رفت

بیک ہزار و دو صد سال ہجر بست و ہشت　　بہ بست و پنجم ماہ صفر بہ جنت رفت

منتخب العلوم مین ذکر کیا ہے کہ نواب سید احمد علی خان سے نواب سید نصراللہ خان کی ضبطی کی تو کوئی من مسی اور عطر نکلا مگر یہ بات بالکل بعید از قیاس ہے

اصل یہ ہے کہ سی کے قبل طرف کا لفظ کاتب سے سہواً چھوٹ گیا ہے ورنہ سی جس کو داسوں پر ملتے ہیں وہ موں کی مقدار میں ہونے کے کیا معنی۔ اگر طرف سی مان لیا جائے تاہم اُنکا اسقدر دیوالیہ ہونا عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی اور تحریری ثبوت تحت العلوم کی روایت کے خلاف موجود ہے چنانچہ قانون خاندان میں بیان کیا ہے کہ نواب سید احمد علی خاں نے سید نصر اللہ خاں کا تمام مال و اسباب ضبط کر کے اُسکے عوض میں اُنکے سارے قرضے کا بار ریاست کے ذمے لے لیا اور اس بات کی اطلاع انگریزی گورنمنٹ کو بھی کر دی۔

نواب سید احمد علی خان بہادر کو اختیارات کلی و جزئی حاصل ہونا۔ ملک میں بدنظمی کا بڑھ جانا۔ نواب صاحب کا لہو و لعب اور شکار میں مصروف رہنا

نواب سید نصر اللہ خاں کے انتقال کے بعد نواب سید احمد علی خاں نے کہ اُس زمانے میں ۲۵۔ برس کی عمر تھی اختیار کامل پایا اُسکے حصول اختیارات کی تاریخ عباس علی خاں متخلص بہ عباس نے یوں موزوں کی ہے

چو نواب احمد علی خاں بہادر	مسر گرد تشریف ملک و ریاست
خداوند نعمت بود اور اوّل	بتاریخ ہم شد خداوند نعمت

نواب صاحب نے اپنا نائب حکیم سلام حسین خاں کشمیری کو بنایا۔ نواب صاحب کو اختیارات حاصل ہوتے ہی بدنظمی پیدا ہو گئی۔ ہزاروں نوکر تخفیف میں آئے بہت سی مسجدیں ویران ہوئیں زیارت گاہیں کھنڈر مدرسے مدارد۔ اکثر بزرگان اکابر اور روشناس مشاہیر شہر میں تنگدست ہو کر جلاوطن ہو گئے تباہ ہو گئے جو رہے بنام کرنے والے

آرام کے بندے باپ دادا کی ہڈیاں بیچنے والے جنکو بھی نواب نے نان شبینہ کو محتاج کر دیا اور جو کچھ حسن عقیدت سے دیا وہ اُن کی بسر اوقات کو کافی نہ تھا سرکشی اور خانہ جنگی کی چار طرف سے پکار مچ گئی بیگناہوں کا خون باتوں باتوں مین اُڑ جاتا تھا ہر طرف ملک مین ڈاکہ زنی اور چوری کی دھوم تھی۔ اُلوا۔ بیجا۔ بجے سنگھ اور چکملا ڈاکون نے علاقے کو ویران کر دیا تھا لوٹ مار سے ملک مین بربادی کی جھاڑو پھیر دی تھی یہانتک کہ گلاب سنگھ خزانچی کی دوکان پر خاص شہر مین جہان اب سٹن گنج اور خزانے کی دوکان ہے ڈاکہ ڈالا دونون طرف سے راستے گھیر لیے تھے تلنگے کی بندوق سے ایک ڈاکو مارا گیا تو ہمراہی اُس کا سر کاٹ کر لے گئے۔ نواب صاحب نے مجبور ہو کر ان بدمعاشون سے اسطرح پیچھا چھڑایا کہ اُنسے معاملہ کر لیا اور کہدیا کہ اور علاقون مین وارداتین کرین اور ہمارے علاقے مین چھپ جایا کرین لیکن اس علاقے مین لوٹ مار نہ کرین۔

نواب صاحب تو اپنا اکثر وقت زنانے مین بسر کرتے تھے اصیلین اور ماما ئین نواب صاحب اور نائب کے درمیان پیام رسانی کیا کرتین تھین۔ سلّو۔ اور بٹیا (بٹّو) اور شاہ بی بی جنکا محل محلہ مدرسہ مین مشہور تھا اُسوقت مشہور ماما ئین تھین حکم کا عنوان اسطرح ہوتا تھا "حسب الحکم حضور پرنور زبانی بٹّو یا سلّو ماما الی آخرہ" اسوقت مین یہ کہاوت مشہور تھی "اندھا دیوان مرا فوطہ دار" جس کا مطلب یہ ہے کہ دیوان ہردیال کم نظر تھا اور فوطہ دار مر چکا تھا مگر احکام اُسکے نام سے جاری ہوتے تھے۔

نواب صاحب نے ایک بار رحمت خان کو جو چند سال نواب سید نصر اللہ خان کے عہد نیابت اور نیز نواب سید احمد علی خان کے اختیارات کی حالت مین معتمد رہا تھا کلکتے کو بھیجا چند

سادہ خطوط پر اپنی مہر کر کے اُسکو دیدیے اور فرمایا کہ کلکتہ رام پور سے دور دور دراز فاصلے پر ہے جب کوئی ضرورت پیش آئے تو وہیں اُس مضامین مناسب لکھوا کر ہماری طرف سے گورنری میں پیش کر دیا کیجیو۔

نواب سید احمد علی خاں بیشتر جنگلوں میں مصروف سیر و شکار رہتے تھے نائب اپنے اختیارات سے کام کرتے تھے شہر میں رمضان اور محرم کے مہینوں میں آجایا کرتے تھے یہاں پر کشی محلات میں رہتے تھے باہر کم نکلتے تھے رات بھر رقص و سرود عیش و طرب مستی اور لہو و لعب میں جاگتے تھے اور دن بھر سوتے تھے غور کا مقام ہے کہ آج کل مسلمان عمل اسلام پر مٹے جاتے ہیں باوجودیکہ نہ شرع کے ویسے علما ہیں اور نہ اسلامی حکومت کو قوت ہے عقل حیران ہے کہ اُسوقت مسلمانوں کی تلوار اور علوم شرعی میں قوت تھی مگر یہ مدت نواب بہادر کی طرح شراب پیتے جاتا تھا اور کوئی اسکو ٹوکتا نہ تھا ایک شراب کو کیا روئیے بس جیکے اور بس لوگے کر کیا کچھ ہوتا تھا۔

نواب کو نظم و نسق ریاست سے مطلق سروکار نہ تھا ہزارہا آدمی گھر چھوڑ کر ٹونک وغیرہ اور ریاستوں کو چلے گئے۔ نواب امیر خاں کی نوکری کر لی روز بروز ملک ویران تباہ برباد گھر گھر خانہ جنگیاں گلی کوچہ فتنہ و فساد تھا۔

حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم بیان کرتے تھے کہ نواب سید احمد علی خاں کو مڈل اور بٹیروں سے بہت شوق تھا اُنکے بھرے پر بھنگی مقرر تھے قلعہ کے دروازے پر ایک لوہے کا چھکڑا رہتا تھا جس میں تین پھیلے لگے ہوتے تھے اسمیں رکھوا کر چھکڑ ڈلواتے اور آپ تماشا دیکھتے لشکر میں کبھی کوئی سانڈ چھوڑا جاتا اور وہ اڑا اڑ جاتا تو ڈیروں کو اکھاڑتا اور شور مچاتا چلا جاتا۔

شیر کا شکار بہت کھیلتے تھے اسیوجہ سے بیشتر بن مین پڑے رہتے تھے اکثر ایسا واقع ہوا ہے
کہ فیل شکاری پر سوار ہوکر شیرون کو تنہا بذاتِ خود مارا ہے۔
اہل قلم و تیغ کی نسبت ارباب نشاط کے زیادہ قدر دان تھے وہ دربار قدرت سے
اپنے ساتھ جس قدر نعمتین لائے تھے اُنمین طبیعت موزون بھی لائے تھے اسواسطے کبھی کبھی
شعر زبان سے نکل جاتے تھے۔ رند تخلص تھا یہ شعر اُنکے ہین جو اُنکے بالکل حسب حال ہین اور
اُنکے دلی اثر مین ڈوبے ہوے ہین اور ہر شعر سے عیاشی کے فوارے جاری ہین۔

ساقی و مطرب و شراب ہے آج	خانۂ توبہ بس خراب ہے آج
مہر ہو یا کہ بے وفائی ہو	رند اس در سے کوئی جاتا ہے
حشر کو جب حساب مانگینگے	الامان شیخ و شاب مانگینگے
اپنے ساقی لاابالی سے	رندوان بھی شراب مانگینگے

نواب صاحب کی رحمدلی۔ شرع کی پابندی۔ سادات اور علما اور فقرا کے ساتھ محبت۔ بعض وقت کا جوش تعصّب۔ رعایا کے ساتھ برادرانہ برتاؤ اور غیوّری

نواب سید احمد علی خان کو سادات عظام سے بہت محبت تھی علما اور فقرا سے بھی
بہت عقیدت تھی شرفا کے قدر دان تھے سادات عظام کے ساتھ جس قدر محبت کا برتاؤ
کیا وہ لابیان ہے ہمیشہ سیدون کو ملکین اور زر نقد نذر کیا علما کو بھی ملکین دی فقرا کے
ساتھ بھی کمال ادب کا برتاؤ تھا ہر عرس مین پچاس روپے نقد اور پلاؤ کی چار دیگین بھیجتے
تھے اور خود بھی عرس مین شریک ہوتے تھے۔ رندانہ مشرب اور رند ہی تخلص تھا مگر
عشرۂ محرم اور بارہ وفات مین بارہ روز اور تمام رمضان مین ساقی و شراب اور

مطرب جاہ حوالے سے مطلق رہبر رکھتے تھے حالانکہ قادری میں سید حسن شاہ صاحب سے بیعت تھی پہلی ربیع الاول سے بارہویں تک پلاؤ پکوا کر مساجد شہر میں اور قیدیوں کو تقسیم کراتے تھے۔

نواب صاحب مسائل ظاہری کی بہت حفاظت کرتے تھے ایک بار وہ شکار کھیلنے کے لیے ہاتھی پر سوار ہوکر رام پور سے روانہ ہوئے سواری موری دروازے کے باہر پل کے متصل پہونچی تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا کہ نواب صاحب میدان حشر میں میرا ہاتھ اور آپکا دامن ہوگا۔ نواب صاحب نے فوراً ہاتھی روک لیا اور اُسکو قریب بُلا کر کہا کہ کہو کیا واقعہ ہے اُسنے عرض کیا کہ مولوی شرف الدین اور عظیم احمد برادرے میرے مقدمے کو خراب کررہے ہیں میں چاہتا ہوں کہ میری مثل مولوی عبدالرحیم صاحب (ابن مولانا حاجی محمد سعید صاحب محدث) کے پاس بھجوادی جائے اور وہ جو رائے اُسپر لکھیں مجھے منظور ہے۔ نواب صاحب نے اُسی وقت ایک نوکر کو حکم دیا کہ مولوی شرف الدین اور عظیم احمد برادرے سے جاکر کہو کہ اس شخص کی مثل مولوی عبدالرحیم صاحب کے پاس بھیجدیں۔ بعد اسکے مستغیث کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا اب تو میں تمہارے مواخذے سے بری ہوگیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوگیا کہ اُس زمانے میں شہ ون کو مہمات سلاطین میں بڑی بڑی تاثیریں تھیں شریعت کے زور اور رعبوں کی موج سے نواب تک کو دبا لیا کرتے تھے مولوی عبدالرحیم صاحب نے مُلّائی کی دائرے سے قدم نکالنا چاہا اور اُسکو ایسا فخر تھا وہ ایک فاضل تبحر داں تھے اور دماغ ایسا روشن لیکر آئے تھے کہ چراغ علم کے لیے قندیل فروزاں تھا وہ ہر علم کی کتابیں کامل اُستادوں سے پڑھے تھے اور پڑھاتے تھے اور نظر اُنکی تمام علوم عقلی و نقلی پر برابر چھائی ہوئی تھی۔

نواب صاحب گو خود مذہبی معاملات کے پابند نہ تھے۔ مگر اسلام کی طرفداری مین بعض وقت وہ جوش تعصّب دکھا جاتے تھے کہ دوسرے دین والون کی دلشکنی کا بھی خیال نہ کرتے تھے چنانچہ مقام بلاسپور مین ۱۲۵۳ھ ہجری مین اُن کا مقام ہوا وہان ہندوون نے مندر مین سنکھ بجایا بلاسپور کے مسلمان مزاحمت کے لیے جمع ہو گئے۔ نواب صاحب کو جب اِس واقعہ کی خبر ہوئی تو خود مندر مین پہونچکر بت کو اپنے ہاتھ سے توڑ ڈالا اور مندر کو کھدوا کر اُس جگہ مسجد بنوادی یہ مسجد بھکڑا ندی کے کنارے کے متصل واقع ہے مولوی حفظ اللہ صاحب ولد مولوی شیخ کرامت اللہ صاحب جو اُردو مین بندہ اور فارسی مین حفظ تخلص کرتے تھے اور موضع ستورا ضلع بلاسپور مین اُنکا مزار ہے اس سانحہ کی تاریخ انشاے فیض رسان مین سطرح موزون کرتے ہین۔

چو شد ناقوس زن قوم ہنود ان — بدفع او فراہم شد مسلمان
خبر شد در حضور سرور عہد — بہین نواب دین احمد علی خان
بدست خویشتن بت را شکستہ — بجایش بہر مسجد کرد فرمان
لب دریا و آن مسجد چو دیدم — بہ بحر فکر خوردم غوطہ چندان
کہ آوردم دُر تاریخ سالش — منور تر ز خورشید دُر خشان
روان گفتم زہے بر روے دریا — بنا شد سجدہ گاہ نیک بختان

نواب صاحب کبھی کبھی اپنی رعایا سے بہت بے تکلفی کا برتاؤ کر جاتے تھے چنانچہ ایکبار اُنکی سواری جارہی تھی چھوٹے والی املی کے پاس پہونچی تو حسن جان کا نذار نے چبوترے پر کھڑے ہو کر اپنا معمولی حقہ پیش کیا۔ نواب صاحب نے اُسیوقت خانسامان کو حکم دیا کہ ہمارا پیچوان اسکو دیدو چنانچہ ایک عمدہ پیچوان جسکے حقے اور چلم پر بہت سی

جاری تھی اُسکو دیدیا گیا۔

نواب صاحب نہایت غیور تھے اگر کوئی شخص اپنی عورت کو بدکاری کی وجہ سے مار ڈالتا تھا یا اُسکے آشنا کو قتل کرڈالتا تھا تو نواب اُسپر قصاص جاری نہ کرتے تھے چنانچہ مبارک شاہ کے تکیے میں ایک سپاہی رہا کرتا تھا اُس شخص کی ملازمت میں تعیناتی تھی عورت اُسکی بدچلن تھی اُسکے چلے جانے کے بعد اپنے آشنا کو گھر میں بلایا کرتی تھی اہل محلہ نے اُس عورت کی بداطواری کی شکایت اُسکے شوہر سے کی اُسنے ثبوت طلب کیا محلے والوں نے جواب دیا کہ ہم تجھکو دکھا دیں گے وہ شخص ایک بار اپنی بی بی سے رخصت ہوکر نوکری پر جانے کے بہانے سے گھر سے روانہ ہوا اور پڑوس میں ایک شخص کے مکان میں بیٹھ گیا اُس عورت کا آشنا شوہر کے چلے جانے کی خبر پاکر دوپہر کے وقت خربوزے لیکر آیا پڑوسی نے اپنے دروازے کی دراڑ میں سے اُس عورت کے شوہر کو اُس مرد اجنبی کو گھر میں گھستا ہوا دکھا دیا جب دونوں مکان میں بیٹھ کر خربوزے کھانے لگے تو صاحب خانہ نے دروازے کے کواڑوں کی زنجیر باہر سے لگا دی اور دیوار پھاند کر گھر میں کودا اور تلوار سے اُن کو قتل کرڈالا اور اُسی حالت میں خون سے تر شمشیر بکف نواب صاحب کے قلعہ کے دروازے پر چلا گیا سہ پہر کے وقت نواب صاحب بیدار ہوئے تو اُسنے سارا واقعہ حضور میں کہلا بھیجا نواب صاحب نے اُس کی غیرت وحمیت کی تعریف کی اور فرمایا کہ تجھ پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ یہاں تک کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی مارا جاتا تو صد یا دو صد روپیہ خون بہا کے طور پر مقتول کے ورثہ کو دیکر قصاص معاف کرادیتے تھے۔

نواب صاحب کی فوج

اُن کی فوج کے پاس نہ کوئی وردی تھی نہ قواعد کا دستور تھا۔ نواب صاحب سے اُنکے ایک دوست نے کہا کہ آپ اپنی فوج کو وردی کیون نہین دیتے فرمایا کہ اس حالت مین نوکر اور بے نوکر سب میری فوج کے آدمی معلوم ہوتے ہین وردی دینے سے اُنمین تفریق ہوجائے گی اور فوج تعداد مین کم معلوم ہوگی سوار کو نو اور دس روپے ماہوار اور پیدل کو تین روپے ماہوار ملتے تھے ہر ایک سوار و پیادے کی تنخواہ بخشی گری مین وگنی بندھتی تھی اور نصف ملتی تھی سوار کے اٹھارہ اور بیس روپے اور پیادے کے چھ روپے بندھتے تھے ہزارہا آدمی تخفیف مین آکر روٹیون کے محتاج ہوکر ٹھوکرین کھاتے رامپور سے نکل گئے مرہٹون اور نواب امیر خان کے پاس چلے گئے جو شخص مرتا نواب صاحب اُسکی جگہ اُس کی اولاد کو کم دیتے فوج کی حالت اچھی نہ تھی ایک مسلح گروہ تھا سوار ان کے گھوڑے نہایت لاغر خراب حالت مین تھے سوار گھوڑے اپنے گھرون پر رکھتے اور قبرون پر چرتے پھرتے تھے سپاہی مال تجارت پردیس مین لیجاتے اور مہینون تک وہان تجارت کرتے تھے اور جب کئی مہینے کے بعد واپس آتے تو چڑھی ہوئی تنخواہ پاتے۔ افسران سپاہ حاضری کے وقت کچھ اصلی کچھ نقلی وہی لفافے کی فوج لاکر دکھا دیتے بعد کو سب رخصت یہ فرضی گھوڑے کیسے اور کرائے کے سپاہی کہان جب کام کا وقت ہوگا تو دیکھا جائیگا

اُس زمانے مین تنخواہ تھوڑی تھی مگر غلہ اور دوسری اشیاء بہت ارزان تھین اسلیے اس قلیل تنخواہ مین بھی لوگ آسائش سے زندگی بسر کرتے تھے اور طرز معاشرت بھی بہت سادہ تھا

نواب سید احمد علی خان کی تعزیہ داری

سرخ لباس ہندو مسلمان محرم بھر نہین پہن سکتے تھے اور نکاح شادی بھی ممنوع تھی

تذکرہ حکومتہ المسلمین میں لکھا ہے کہ نواب سید احمد علی خان تخمیناً پچاس ہزار روپیے
مجلس عزاداری میں خرچ کرتے تھے بہت سے مرثیہ خواں اور کتاب خواں لکھنؤ اور
فیض آباد اور بریلی اور فرخ آباد وغیرہ کے رامپور میں آتے اور بعد عشرۂ محرم انعام پاتے
مجھکو جو تفصیل اُن کے مصارف تعزیہ داری کی زبان بزبان معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے
کہ یکم محرم سے ۱۳ محرم تک ہزار روپیے روز اسطرح صرف ہوتے تھے لنگر یا سو روپیے کا
سبیل شربت تیس سو روپے کی۔ تبرک تقسیم مجلس دو سو روپیے کی۔ ساتویں محرم کو مہندیاں
بڑی دھوم دھام سے مکان گلاب خانہ سرکاری میں تیار ہو کر امام باڑے میں آتی
تھی لکھنؤ کے عمدہ عمدہ مرثیہ خواں نوکر تھے اور اطراف و جوانب سے بھی عشرے میں
آجاتے تھے سب کو بقدر لیاقت و حیثیت انعام ملتا تھا۔ اور کبھی کبھی آپ بھی آدھی
رات کے قریب امام باڑے میں اکثر مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ علام غوث اور علام جعفر
سرکاری گوئیے بارد ہوتے تھے نواب صاحب نہایت خوش گلو اور علم موسیقی سے ماہر تھے
شریک ماتم بھی ہو جاتے تھے دسویں محرم کو بادشاہ اپنے ہاتھ سے فیرنی پکاتے اور بارہ خواں
بہت تکلف سے تیار کرتے سوا سیر چاندی کی سینی میں پا سیر چاندی کی سیڑھیاں اور
اڑھائی سیر چاندی کی ہتکڑی اور سوا سیر کا طوق یہ سب چیزیں اپنے ہمراہ لیکر امام باڑے
کو جاتے اور بارہ خوانوں پر بارہ اماموں کی فاتحہ دیکر وہیں سے بیڑیاں اور ہتکڑیاں
اور طوق پہنکر محل میں تشریف لاتے اور صبح کے وقت یہ چیزیں اُتار کر سادات کو تقسیم
کر دیتے۔ اور علم وغیرہ اُٹھوانے کی بابت حکم دیتے تھے تعزیہ بڑی دھوم دھام سے فوج
اور جلوس کے ساتھ کربلا کو جاتا تھا مدر و سیار چہلم تک جاری رہتی تھی۔
ایک ایسے نواب کے ہاتھ سے جو بالکل عاقل ہو مذہبی قیود سے بے پرواہ مقدر

نیک کام کا ظہور مین آنا گو اہل شرع کو اُس مین کچھ کلام ہو تعجب سے خالی نہین اور غنیمت ہے
اگرچہ اولوالعزم طبیعتین اور زندہ دل تو مین اس سے بھی اُنکی کمزوری طبع پر استدلال کرینگی
مگر اُسوقت کی حالت ہی ایسی واقع ہوئی تھی۔

ماماؤن اور اصیلون کے اقتدار پر ایک نظر

نواب صاحب کے وقت مین ماماؤن اور اصیلون کا کہنا سننا بہت چلتا تھا جب
کسی کو کوئی خاص بات نواب صاحب سے عرض کرنا ہوتی تو وہ محل کی کسی بوڑھیا سے ملکر
اُسے عرضی دیتا وہ نواب صاحب کی خدمت مین پیش کرکے حکم حاصل کرلیتی اس وقت
جس گھرانے کی کوئی بوڑھیا محل کے اندر تھی وہ سب لوگ اپنے آپ کو سکندر سمجھتے تھے
شاہ بی بی جسکے نام سے محلۂ مدرسہ مین ایک محل مشہور تھا نواب صاحب کی خدمت مین
اسکا بڑا رسوخ تھا۔ برف خانے کا کام بھی اسی کے متعلق تھا یہ عورت زبان پشتو صاف طور
پر بولتی تھی نواب صاحب اُس سے اکثر اس زبان مین بات چیت کیا کرتے تھے۔ کچھیا
محبوبہ نواب صاحب کھٹکتی تھی اسلیے اُسنے شاہ بی بی کے تین۳ روپے ماہوار اس شرط پر
مقرر کردیے کہ میرے روبرو نواب صاحب سے پشتو مین باتین کرنا چھوڑ دے۔

اگر ہم عبرت کے لیے یہ تھوڑا سا حال نہ لکھدیتے تو اپنی تاریخ کا حق تلف کردیتے۔
شاید بعض کوتاہ نظر ناظرین تعجب کرینگے کہ صنادید کے کارنامون کے ساتھ ایسی رکیک عورتون
کے ذکر کے لیے علیحدہ عنوان قائم کرنے کی کیا ضرورت۔ مگر اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ
تاریخ کے لکھنے سے غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ اہل دل کسی ناہنجار کام پر بصیرت و عبرت
حاصل کرین۔

یہی وجہ ہے کہ نواب سید احمد علی خان کے عہد مین خلیفہ غیاث الدین مرحوم نے

غیاث اللغات تالیف کرکے اُنکے نام سے معنون کی دیباچے میں اُنکے محامد لکھے مگر
اُنکے مزاج کی عیش پرستی اور بدمستی نے کتاب کی قدردانی پر متوجہ ہونے دیا جب نواب
سید محمد سعید خاں کا دورِ حکومت آیا تو نواب سید احمد علی خاں کا ذکر اور نام نکال ڈالا اور
نواب ممدوح ایک علمی مشہور نام کتاب میں شہرت دوامی کا شرف اور فضل حاصل کرنے سے محروم رہے

گورنر جنرلوں کی تشریف آوری

(۱) ارل مائرا جن کا لقب بعد کو مارکوئیس ہیسٹنگز ہوا اور سنہ ۱۸۱۳ء سے سنہ ۱۸۲۳ء
تک ہندوستان کے گورنر جنرل رہے اور لارڈ مائرا کے نام سے مشہور تھے جب انھوں نے
شمالی ہند کا سفر کیا تو رامپور میں بھی آئے تھے اور نواب سید احمد علی خاں بریلی جاکر بھی اُنسے
ملے تھے اُنکے ساتھ فرانسس ہاکنس صاحب کمشنر بریلی و ایجنٹ ریاست بھی تھے۔ نواب سیّد
احمد علی خاں نے اُنکو ریاست میں داخلے کے بعد منجملہ اور تحفوں کے ایک ہاتھی دانت پیش کیا
جو نادر تھی اور بڑا تھا کہ چار کہار اُٹھا کر لے گئے تھے اور اس نے بھینسے کے بڑے بڑے
سینگ تھے جنکے سروں پر چاندی کے لٹو لگے ہوئے تھے اور کرسیاں دی تھیں جن میں
ہاتھی دانت کی پچی کاری تھی سنہ ۱۸۱۴ء میں گورنر جنرل موصوف نے اپنے دورۂ شمالی ہند
کا پرائیویٹ سفرنامہ لکھا جسمیں اُس زمانے کے رامپور کا حال درج تھا وہ ۱۱ نومبر کو لکھنؤ سے
روانہ ہوکر یکم دسمبر سنہ ۱۸۱۴ء مطابق ۱۹ ذیحجہ سنہ ۱۲۲۹ ہجری کو رامپور میں داخل ہوئے
نواب سید احمد علی خاں نے اپنے بہت سے سواروں اور سپاہیوں اور ہاتھیوں کو لیکر شہر سے
تین میل پر استقبال کیا تھا مارکوئس موصوف نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ اس شہر
کے گرداگرد بانس کی ایسی بڑی اور اونچی جھاڑی ہے جس سے کوئی شہر کے اندر نہیں جا سکتا
یہاں کی سڑکیں ایسی تنگ اور گھماؤدار ہیں کہ اور ہندوستانی شہروں میں بھی نہیں ہوتیں

اور مکانات بھی غریبون کی طرح ہین ایوان مین بھی کسی طرح کی کوئی نمائش اور آرائش نہین ہے اور بڑی بے پروائی پائی جاتی ہے۔

گورنر جنرل نے عند الملاقات نواب صاحب سے کہا کہ آپ اپنی ریاست مین نہایت مضبوطی کے ساتھ انتظام رکھین ہم مرہٹون اور پنڈارون پر فوج کشی کرنا چاہتے ہین اُنسے اور سرکاری فوج سے لڑائی چھڑے تو ایسا نہو کہ وہ اِدھر پھیل پڑین" گورنر جنرل نے انکے قلع قمع کرنے کے لیے ایک لاکھ سولہ ہزار سپاہ اور تین سو توپین جمع کی تھین۔

(۲) لارڈ ولیم بن ٹنگ جن کا عہد گورنر جنرلی ۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۵ء تک ہوا۔ جب انکا ورود بریلی مین ہوا تو ریاست سے نواب سید احمد علی خان بہادر بھی ملاقات کو گئے۔ میان کلیم اللہ نائب ریاست ہمراہ تھے نواب صاحب گورنر جنرل سے ملکر رامپور کو واپس آئے تو میان کلیم اللہ نے کہ ذرا آگے آگئے تھے سب فوج ہمراہی کو حکم دیا کہ بازار مین جمی رہے تاکہ جب نواب صاحب یہان آجاوین تو اُنھین سلام کرکے سب سپاہی اپنے اپنے گھرون کو جاوین نواب صاحب کے تشریف لانے مین دیر ہوئی اور سپاہی بھوکے تھے میان کلیم اللہ نے تمام بازار کے حلوائیون کی دوکانون سے مٹھائی اُٹھوا منگوائی اور اُن سپاہیون کو کھلوا دی اور قیمت سرکار سے دلوا دی۔ بریلی سے گورنر جنرل چلکر رامپور مین آئے اُنکے ہمراہ جو جلیل القدر انگریز تھے وہ علوم عربیہ کے بڑے ماہر تھے۔ ان صاحبون نے نواب سید احمد علی خان سے کہا کہ ہم نے آپ کے یہان کے ایک بڑے عالم مفتی شرف الدین کی تعریف سنی ہے اُن کو ملاقات کے لیے بلوانا چاہیئے" نواب صاحب نے مفتی صاحب سے اُنکی ملاقات کرائی اُنمین سے ایک صاحب نے مفتی شرف الدین سے مسائل علمیہ کے کئی دقیق سوال کیے مفتی صاحب نے سب کا جواب شافی دیا وہ انگریز بہت خوش ہوا اور اُسنے کہا کہ

„ ہمارے ایک عزیز سارن میں ہیں اُن کو عربی کی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے کوئی ایسا عالم یہاں سے تجویز کر دیا جائے کہ ہم اُسے وہاں بھجوا دیں شفقتی صاحب نے اپنے داماد حافظ محمد سعید کو پیش کیا صاحب نے ایک چٹھی لکھدی وہ اُس چٹھی کے ذریعہ سے سارن گئے اور اُنکی تعلیم کے لیے سو روپے ماہوار کے نوکر ہو گئے۔

علاقے کی مالگذاری کا انتظام

کل ملک میں امانی کے طور پر صرف بٹائی اور کنکوت کا طریقہ مروج تھا اور تمام علاقہ میں پرگنوں پر منقسم تھا ہر پرگنہ میں بیس بیس تیس تیس گاؤں شامل تھے پرگنے کا افسر تعلقدار یا حاکم کہلاتا تھا یہ پرگنے مواضعات ذیل کے ساتھ قائم تھے اکبر آباد عرف سوار کھوٹ نقال (حضور تحصیل) ملاسیور۔ پٹوائی (شاہ آباد)۔ شاہ کھیڑا (سوار) چمروہ (ملک) ساگر پور (شاہ آباد) بیلغی (شاہ آباد) سینڈولی (ملک) سوار شاہ آباد۔ گلیا عارف گنج (حضور تحصیل) بریت نگر (سوار) بیگم کھیڑہ (حضور تحصیل) نگریا (ملک) کیمری (ملاسیور) لکروہ (حضور تحصیل) کرا (شاہ آباد) لاشا کھیڑہ (سوار) ہاپور (سوار) ان پرگنوں کے حاکموں میں سے جس جس سے جس قدر روپیہ علاقے کی آمدنی میں بٹھانے کا معاہدہ ہو گیا وہ اُسکو ادا کرتا تھا لیکن ایک سال سے زیادہ کے واسطے کسی شخص کو علاقہ نہیں دیا جاتا تھا اور نہ کسی کو اجارہ دیتے تھے جو بڑے بڑے علاقے تھے مثلاً ملاسیور اور اکبر آباد وہاں کے حاکموں کی تنخواہ پچیس پچیس روپے ماہوار تھی باقی پندرہ پندرہ روپے پاتے تھے ایک ایک محرر پانچ پانچ روپے ماہوار کا اور دس بارہ سپاہی ہمراہ رہتے تھے ان لوگوں کی یہ تنخواہ سرا سر نام کاغذ میں لکھی جاتی تھی جسکو یہ لوگ خرچ خرچ کے تتمہ میں لکھدیا کرتے تھے اور ایسی بے حد چالاکیوں سے پوشیدہ فوائد حاصل کر کے مزے اُڑاتے تھے حاکم

جب علاقے مین پہونچتا تو پدھان کی چوپال مین قیام کرتا ایک ایک کاٹھ[۱] ہر پدھان کی
چوپال مین موجود رہتا تھا۔ علاقے کے جملہ مقدمات دیوانی و فوجداری ومال حاکم کے
اختیار مین تھے مگر پدھانان دیہات کی راے حاکم کو شریک کرنا ہوتی تھی اور سال بھر
کے بعد شروع جیٹھ مین جملہ علاقہ دارون سے واصلات دیوان صدر سمجھا کرتا تھا جب
کسی علاقے دار کی نسبت غبن ثابت ہوتا تو اُسکی تہدید اور تنبیہ اور روپے کے وصول
کرنے کی یہ تدبیر ہوتی کہ کڑھاؤ مین تیل گرم ہو رہا ہے ایک طرف آرہ رکھا ہوا ہے ایک ٹکٹی
کھڑی ہے کچھ پیسے سامنے رکھے ہین۔ اور مٹی کے گھڑون مین چونے کی گٹّی بھری ہے
جس وقت مخبر نے خبر دی کہ فلان حاکم جس کی نیت بدلگئی ہے اور زر سرکاری دینے مین
تساہل کرتا ہے فلان مقام پر مخفی و مستور ہے فوراً فرمان صادر ہوتا تھا کہ ابھی گرفتار
کرلاؤ جو شخص کہ اپنی بدقسمتی سے گرفتار ہوتا تو وہ یا بیل[؟] دے روپیہ کی کرتا تھا ورنہ
ان سزاؤن مین سے کہ جن کا اوپر ذکر کیا گیا کسی سزا کا مستحق و مستوجب ہوتا تھا بعض
کے سر پر پیسہ رکھکر گٹی بھرے ہوے گھڑے کو پانی سے لبریز کرکے سر پر رکھدیتے تھے کہ چونے کی
حرارت سے پیسہ سر مین داخل ہو کر ہلاکت کا موجب ہوتا تھا لیکن یہ کارروائی اُسوقت تک
جاری رہی کہ جب تک مختلف اشخاص سے علاقون کی آمدنی بٹھلانے کا معاہدہ ہوتا رہا۔
جس زمانے مین کہ نواب سید احمد علی خان نے راے دھونکل سنگھ کو اپنا نائب اور کارکن مقرر
کیا تو دھونکل سنگھ نے کل علاقے کا ٹھیکہ بارہ لاکھ روپے سالانہ پر نواب صاحب سے لیا اور

---

[۱] فرہنگ آصفیہ مین ہے کہ یہ لفظ اسم مذکر ہے اور وہ موٹا لٹھا ہوتا ہے جس مین مجرمون
کے پاؤن ٹھونکنے کے لیے چھید کرتے ہین اصل مین یہ دو برابر کے ترشے ہوے لکڑ
ہوتے ہین جن مین مجرمون کے پاؤن رکھ کر دونون کو ملا دیتے ہین اور اوپر سے قفل
جڑ دیتے ہین ۱۲

ایک لاکھ روپیہ ماہوار اس طریق سے ادا کرنا اختیار کیا کہ ملازمین کی تنخواہ اور وظائف و ذوی الحیات کے مقررہ وثیقے اور کارخانجات اور مد تعمیرات وغیرہ کا روپیہ ماہواری منہا کر کے باقی روپیہ داخل خزانہ کرتا تھا وہ بھی اس طرح سے کہ مہاجنوں سے اپنی خزانہ کارروائی سے قرض لیا اُس کار پرداز کا شیوہ تھا جیسی کہ رعایا دھوکل سنگھ ساہو جہاں پوری کی پیاس کے زمانے میں برباد و خراب ہوئی ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی چنانچہ جب نواب سیّد محمد سعید خان ۱۲۵۶ ہجری مطابق ۱۸۴۰ء میں مسند نشین ہوئے تو اُس سال خراج ملک میں چار لاکھ اکیس ہزار نو سو سترہ روپے بارہ آنے کی آمدنی ہوئی جس میں سے پرگنات کی بکاسی دو لاکھ اکانوے ہزار چار سو تینتیس روپے نو لے چودہ آنے تھی باقی رقم سوائے کی آمدنی تھی۔

محصول پرمٹ

کل اشیاء جو بیرونجات سے آتی تھیں محصول لیا جاتا تھا البتہ جن چیزوں کا محصول نواب سید فیض اللہ خان کے عہد سے معاف تھا وہ مستثنیٰ رہی تھیں اس کام کے احکام دینے والے کو کوتوال پرمٹ کہا کرتے تھے اور یہ کوتوالی چبوترہ گنج میں تھا۔

دیوانی و فوجداری کا انتظام

مقدمات دیوانی کا فیصلہ ایک مفتی کیا کرتا تھا مفتی شرف الدین اور قاضی غلام رسول اس خدمت پر بڑے مامور رہے اسکے پاس ایک ہرکارہ اور پانچ سپاہی میں رہتے تھے دعوے اور جواب اور گواہ سب زبانی جمع خرچ تھا حکم یا میں فیصلے میں لکھی جایا کرتی ہیں خلاصہ دعوے اور جواب اور بیان گواہان سب فیصلے میں لکھ دیا کرتے تھے بحالت اراضی مقدمے کو دوسرے علمائے شہر کے سپرد کر دیتے تھے اور حلئیے واحد میں

بعد مباحثہ فیصلہ کرتے تھے اور اُنکی مہر و دستخط سے مرتب کرکے حوالۂ متخاصمین کیا جاتا تھا وہ فیصلہ ناطق کہلاتا تھا۔

مقدّمات فوجداری کے لیے کوئی تھانہ یا کوتوالی یا محکمہ نہ تھا کم و بیش تین سو آدمیون کے قریب رسالے کے ملازم گشت وگرداوری کے واسطے مقرر رہتے تھے اور اُن کا نام **چور مار** تھا۔ اُنکے افسر جمعدار کہلاتے تھے جس کسی کے یہان چوری ہوئی چور مار فوراً پہونچکر اپنی تجویز و تشخیص سے گرفتار کرلیتے تھے اگر مار پیٹ سے مال برآمد ہوگیا تو مدعی کے حوالے کردیتے اور چور کو کارندۂ ذی اختیار کے سپرد کردیتے تھے وہ اُسکو جیل مین بلا میعاد بھیج دیتا تھا بیڑیان پڑجاتین مشقت کرنے لگتا جب کبھی نواب صاحب بیمار ہوتے یا کوئی ادرحادثہ پیش آتا تو اُس مین قیدی چھوٹتے اور یہ رہائی بھی قیدیون کی فریاد پر منحصر ہوتی تھی قیدی منتظر رہتے تھے کہ جب کبھی نواب صاحب رمضان یا محرم یا اور تقریب مین آجاتے تو رات کے وقت باواز بلند الغیاث کرتے اور دوہائی دیتے تھے اُس وقت حکم ہوتا کہ قیدی رہا کردیں کارندے کے نام حکم ہوتا وہ جسکو مناسب جانتا رہا کرتا۔

نواب صاحب کی بیٹی شمسۂ تاجدار بیگم اور اُنکی والدہ بہار خانم اور اُن کی دوسری اولاد اور عورات کا بیان۔ اور گھسیا ڈومنی سے تعشق کا حال

نواب صاحب اپنی سب بیویون سے زیادہ گھسیا ڈومنی پر شیدا تھے امتیاز محل اُس کو خطاب دیا تھا اور اُسکو تعویذ کی طرح گلے سے لگائے رہتے تھے۔ ایکبار گھسیا کی طرف سے نواب صاحب بہادر کو کچھ رُکاوٹ پیدا ہوگئی جمنیا نامی ایک نومسلمہ کہ اسلام کے بعد اُسکا نام لذّت رکھا گیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُسکے بدن پر برص کا داغ بھی تھا اُن کے محلات مین

اسطرح پیوند کی گئی تھی کہ نواب صاحب کو حقہ پلانے والی عورت نے اُسکو اپنے پاس رکھ لیا
تھا گویا کی معارفت اور رکھ وٹ کے بارے میں کہتیں جیسے کہ باقی رہی تھی ایک دن
وہ حقہ پلانے والی عورت علیل ہو گئی اُسکے عوض نواب صاحب کے پاس حقہ لیکر لذت
پہونچی۔ نواب صاحب نے اُسپر التفات کیا مس خدمتوں نے لذت کو بہلا دھلا کر عمدہ
کپڑے اور زیور پہنا کر نواب صاحب کے پاس خلوت میں پہونچا دیا نواب صاحب سے
اُسکے حمل رہ گیا جب اُن کو اسکا حال معلوم ہوا تو بہت مسرور ہوئے اُن کی یہ تمنا تھی کہ
بیٹا پیدا ہو جائے اور ریاست بعد میرے میرے چچا زادوں کو نہ پہونچے مگر ہوا
سے بجتی ملاپ ہو گیا۔ لذت کے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا تمنۂ تاجدار بیگم نام رکھا اور
چھوٹی بیگم کہا کرتے تھے نواب صاحب نے لذت کو بہار خانم لقب دیا مشہور یہی روایت
ہے مگر گلشن نوبت میں لکھا ہے کہ تمنۂ تاجدار بیگم از بطن لذت خانم حوری کہ بعد
ماندن حمل مشرف باسلام شدہ داخل محل گشت ملقب بہار خانم گردید تمنۂ تاجدار بیگم
کے شوہر کا نام سید مہدی علی خاں ابن سید حفیظ اللہ خاں خلف نواب سید غلام محمد خاں
ہے حکیم احمد خاں فاخر رام پوری شاگرد حکیم سید اکبر علی نے زبان اُردو میں ایک رسالہ بچوں کے
واقعات پیدائش اور معالجات میں نواب سید احمد علی خان کے عہد میں تالیف کیا تھا اُسکے
دیباچے میں نواب موصوف اور اُن کی کوٹھی اور باغ کی بہت تعریف لکھی ہے اُسمیں کہتے
ہیں کہ یہ رسالہ میں نے نواب کی اس بیٹی کے واسطے تالیف کیا ہے کہ بہ اتفاق اگر کسی قسم کا
عارضہ لاحق ہو تو کھلائیاں اور دائیاں اور مامائیں اُسکا علاج آسانی سے کر سکیں نام اس
رسالے کا نوطرز حکمت رکھا ہے"۔ اسی میں لکھتے ہیں کہ اُن کی "وفات کی تاریخ خورشید ماہ بیگم
سے نکلتی ہے"

گل اندام نام ایک خسنی سے بھی نواب صاحب کے ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جسکو بڑی بیگیا کہا کرتے تھے اور خورشید بیگم نام تھا۔ اس لڑکی نے ۱۲۳۶ ہجری مین انتقال کیا کرم نے اُسکی وفات کی تاریخ یون کہی ہے۔

چو پرسیدم زہاتف سال تاریخ ندا آمد رضاے حق ہمین بود

عنبر شاہ خان نے اس واقعہ کی تاریخ یون موزون کی ہے۔

دختر نواب عالی مرتبت چون درگذشت در غمش ہر مرد و زن شد خاک بر سر ہاے ہاے

بر زبان ہر عزادارے بتاریخ وفات سر زد اندر نوحہ جانکاہ دختر ہاے ہاے

فائدہ خسیہ ایک قوم ہے پہاڑی نینی تال کی طرف رہتی ہے۔ ہندو ہے ہمالہ مین کھاسیا نام ایک پہاڑ ہے وہان کی سکونت کی وجہ سے کھسیا اور پھر خسیہ کہنے لگے۔

۷ جمادی الاولی ۱۲۴۲ ہجری کو اسی خسنی سے نواب صاحب کے محلات مین ایک بیٹا پیدا ہوا رشید اعلی خان اُس کا نام رکھا نواب نے لاکھون روپے اس خوشی مین صرف کیے ایک شاعر نے اُسکی ولادت کی تاریخ کا یہ قطعہ لکھا ہے۔

تافت از مہر خدا بر اُفق جاہ و حشم کوکب برج امارت بکمال تنویر

بہر تاریخ عطارد بخط نورانی کرد بر لوح فلک نجم درخشان تحریر[1]

ایام طفلی مین یہ لڑکا بیمار رہا نواب کو فقرا سے بڑی عقیدت تھی اُن لوگون سے بہت کچھ دعا چاہی مگر وہ جانبر ہنوا۔ اُسکی وفات کے بعد نواب کے عناصر پر افسردگی نے بہت ہی اثر کر لیا یہان تک کہ عیدین کی سواری بھی موقوف کر دی۔

لطیفہ نواب احمد علی خان بہت حسن پرست تھے کثرت ازواج کے خیال سے اگر

---

[1] یہ تاریخ وسنہ اور ولادت کا بیان اور قطعہ اخبار حسن مین موجود ہے ۱۲

اگر کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ سلطان تالی تھے اُن کے محل میں بہت سی عورتیں تھیں حسین حسینی۔ فرگس ڈومنی۔ بٹھانی۔ وغیرہ سب سی ذات کی عورتیں تھیں۔ فرگس کا لقب صاحبہ محل تھا شہر میں اسی کا سوایا ہوا ایک محل ہے جو فرگس کے محل کے نام سے مشہور ہے اسکے ایک بیٹی نواب صاحب سے پیدا ہوئی تھی جسکا نام شجاعت النسا بیگم تھا یہ لڑکی نواب کی زندگی ہی میں مر چکی تھی۔

اُن عورتوں میں سے بہتوں نے اپنے مالک کا چہرہ تمام زندگی میں ایک ہی مرتبہ دیکھا تھا لیکن تمام عمر اُن کو ماہوار تنخواہ جو ابتداءً مقرر ہوئی تھی برابر ملتے گئی۔

نواب سید احمد علی خاں کے مزاج پر گھیسا ڈومنی حاوی تھی ریاست کے کاموں میں اُس کا کہنا سننا بہت چلتا تھا اور اُسکے لواحقین کو نواب صاحب نے بہت کچھ ثروت دی تھی یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گھیسا کل ریاست کی مالک تھی ۱۲۵۵ھ ہجری میں جب سے انتقال کیا تو نواب صاحب کو ایسی زیست وبال ہو گئی اسے مقبرے کے قریب جو قبل سے سوایا تھا دفن کیا گیا تخلص ایوب خاں نام مختار محمد الدین خاں عرف محمد خاں مرادآبادی نے تڑے مرے کی تاریخ کہی ہے۔

چوں رسیدش زحم مضراب قضا   ماند چنگ قد او بے تار ہا

خواستم تاریخ گویم ناگہاں   گفت زہرہ از عوں تند بے نوا

اِس تاریخ میں صنعت تخرجہ ہے اعداد ازعوں سے کہ تیرہ سو سات ہوتے ہیں اعداد لفظ نوا کے کہ ستاون ہیں نکال ڈالیے تو بارہ سو پچاس رہتے ہیں۔

حوادث عظیمہ

(۱) ۱۲۳۱ھ ہجری میں ایک قحط سخت واقع ہوا اور اس شہر میں جو کہ کوئی کسی کا

خبر لینے والا نہ تھا محتاجون کی جانین بھوک سے تڑپ تڑپ کر نکلتی تھین ہر روز صبح کو دوکانون مین پندرہ پندرہ بیس بیس لاشین پڑی ہوئی ملتی تھین۔

(۲) نواب صاحب کے محلات کے سامنے باروو خانہ تھا ۲۷ جمادی الاخر ۱۲۶۳ھ دن چہار شنبے کو چار گھڑی دن رہے نوبت بج رہی تھی کہ دفعتہً بارود مین آگ لگ گئی اور اُس میگزین اُڑ گیا اور اُسکے ساتھ ہی توپخانۂ سرکاری بھی بالکل اُڑ گیا کتنے آدمی تو وہین جل بھنکر کباب ہوگئے اور کتنے مکانات مستحکم شق ہو ہو کر خراب ہوئے غربا کے ہت سے مکان گر پڑے اور بعض مکانون کی کڑیان تختے اُڑ اُڑ کر دور دور جا پڑے کہ اُسکی چوٹ سے صدہا آدمیون کو صدمہ پہونچا۔ جا بجا اینٹین اور لاشین اور جو انسان کہ اُسمین اُڑ گئے تھے گرتے تھے شہر والے اور سوداگران بازار تہ و بالا تھے ایک دوسرے کو امتیاز اپنے بیگانے کا نہ تھا۔ نواب صاحب یہ حال دیکھکر دفعتہً قلعہ کے دروازے پر آئے اور آواز دلوائی کہ دوسرے بارو دخانے نے آگ لیلی جو مجمع تھا منتشر ہوگیا جب لوگ چلے گئے اور چوک خالی ہوگیا تو چوکی پہرے مقرر کر کے انتظام کر لیا زخمیون کا تو شمار نہین چونسٹھ آدمی ہلاک ہوگئے۔ اُسدن سے بارود خانہ یہان سے موقوف اور بیرون شہر قرار پایا۔

قابل یادگار عمارتون کی تعمیر

نواب سید احمد علی خان کو تعمیرات کا بہت شوق تھا ۱۲۱۳ھ ہجری مین کوٹھی خورشید منزل تعمیر کرائی اُسکی تاریخ اکبر شاہ خان فرحت نے یون کہی ہے۔

بنی خاص کوٹھی عجیب و غریب کرون وصف کیا اُسکی تعمیر کا
ہوا سرد آتی ہے گرمی مین دان وہ گویا ہے اک باغ کشمیر کا
وہ رنگین چھتین اور وہ دیوار و در فدا جسپہ عالم ہو تصویر کا

صفائی کا کیا اسکی کچھے بیاں کھلتا ہے داں گام تقدیر کا
یہ کرد رکھو اس کی تاریخ حلد نہیں کام فرحت یہ تاخیر کا
اٹھاکر سر ہوش راوسے کہہ مناالک مرقع یہ تسویر کا

یہ کوٹھی اب باقی نہیں نواب سید حامد علی خاں بہادر کے تیار کرلئے ہوئے قلعہ میں آکر توڑوا دی گئی۔

سنہ ۱۲۲۲ ہجری میں رام پور سے تین میل کے فاصلے پر باغ بے نظیر تیار کرایا اُس کی تاریخ نگھو خاں کرم نے یوں کہی ہے۔

ہوا تعمیر باغ نو حسن دم اور نام اُس کا بے نظیر رکھا
دل نے رو سے حساب سے تاریخ کہی مجھ سے کہ بے نظیر سا

اسی سال باغ بے نظیر کی کوٹھی کے سامنے نہر تیار کرائی اسکی تاریخ نگھو خاں کرم نے یوں موزوں کی ہے۔

ہی آگئے کوٹھی د دالاں کے عجب نہر پاکیزہ پر بہت مسرت
میں تاریخ اسکی جو یوچھی کہی خرد نے کہ ہے نہر نہر بہشت

سنہ ۱۲۲۶ ہجری میں ایک عالی شان دروازہ تعمیر کرایا۔ نواب سید حامد علی خاں بہادر کے تعمیر کرائے ہوئے قلعہ کے غربی دروازے کے سامنے ایک سو حروہ قدم کے فاصلے پر اسکا مقام تھا اس دروازے کی تین محرابیں تھیں اس واسطے اسکا نام تر پولیار رکھا گیا تھا اس دروازے کے اوپر نوبت خانہ تھا۔ دستور شرعی رواج کے موافق اوقات معینہ پر نوبت بجائی جاتی تھی اُسکی تعمیر کی تاریخ کرم نے یوں کہی ہے۔

کریم الخلق عالی ترین نواب سردکوہ سخا ماسے حاتم

برائے فیض یابی کرد تعمیر — بنائے جود شد زین باب محکم
پرسیدند چون تاریخ از من — چنان گفتم در فیاض عالم

اس دروازے کی بے مرمتی نواب سید کلب علی خان کے بعد کونسل کے عہد سے شروع ہوئی اور نواب سید حامد علی خان بہادر کے عہد مین منہدم ہو گیا۔

نواب سید احمد علی خان کا شوق شکار

نواب صاحب کو سپاہگری کا شوق تھا گولی خوب لگاتے تھے زیادہ بن مین شکار مین مصروف رہتے تھے اُنکے شکار کھیلنے کے مقامات ذیل تھے۔ گورکا تلاؤ۔ کوب۔ ہرایا۔ بسونٹہ لنگڑے کی بوچھی۔ دھن پور بجے پور گلزار پور۔

ایک شخص نے جسکا تخلص شاہ ہے اُنکے شکار کے بیان مین ایک مثنوی لکھی ہے اُسکے ضروری مقامات کا اقتباس پیش کرتا ہون تاکہ اشاعت سے اُسکی محنت وجانفشانی کا ثمرہ حاصل ہو جائے وہ کہتا ہے کہ نواب صاحب کو شکار کھلانے کے لیے قراول ہمراہ رہتے تھے اور خود بدولت مع مصاحبون کے ہاتھیون پر سوار ہو کر شکار کو جاتے تھے۔ گلزار پور اور ہرسان کے جنگلون مین آپ نے بہت سے شیر مارے تیسہ اور قردلی مین بہت سے نیلے شکار کیے۔ ارنے بھینسے اور گینڈے بھی شکار کرتے تھے ایک گینڈے نے ہاتھی کے ایسی ٹکر ماری کہ اُسکے اگلے پیر اُٹھ گئے نواب نے اُسے گولی سے ہلاک کیا۔ ایک بار انجنی اور ہمت گڑھ مین پاڑھے بہت سے شکار کیے۔ ہاتھیون کا شکار کھپانڈون سے کرتے تھے ہاتھیون کو ہاتھیون سے گھیر کر کھپا ندمارتے تھے ایکبار ایک فیل پاٹھا پکڑا اُسکی مان نے ٹکرون سے کئی ہاتھی گرادیے نواب نے اُسکے رفل مارا وہ بھاگ نکلی موضع سیٹا کھیڑہ مین نواب نے ایک ہرن کا پیچھا کیا ہرن ایک جھاڑی کی آڑ مین ہو گیا نواب وہان پہونچے

تو دیکھا کہ ایک کالا ناگ پڑا ہے آپ نے اُسکا سر چھری سے کاٹ لیا ایک بار نواب کو
شکار مارنے کی حالت میں جنگلی ہاتھیوں کے حلقے نے گھیر لیا اُسوقت نواب نے رفل
کے فیروں سے دس ہاتھی گرا دیے اور باقی بھاگ نکلے آپ کے ساتھ ایک انگریز بھی تھا
وہ اس جرأت دستی اور دلیری کو دیکھکر دنگ ہو گیا تھا اسی ترائی میں ایک اکڑ ہاتھی کو گھیرا جب
اسے بھاگنے نہیں دیا تو گولی سے کام تمام کر دیا۔ لنگٹیے کی ترائی میں جھاڑک جنگل در شیر
کثرت سے مارتے تھے جھیلوں میں سرخاب مرغابیاں قازیں گج جوٹھ۔ گھڑیال
مگرمچھ شکار کرتے تھے۔ دریائے گھاگرہ میں وہ شکار کرتے تھے جنگلوں میں کئی کئی من کے
اژدہے ہلاک کرتے تھے اکبرآباد کے پاس دریائے کوسی میں ایک اودبلاؤ نے کئی آدمیوں
کا ماؤں دانتوں سے زخمی کیا نواب صاحب نے اُسے برچھے سے مار ڈالا۔ اور دریاؤں میں
شست سے مچھلیوں کا بھی شکار کھیلتے تھے یہ گوشت اور ریلنگ بھی مارتے تھے۔ باز اور
جُرّوں سے بھی شکار کھلاتے تھے آپ اِس مثنوی کے کچھ شعر سنیے۔

لے عدد فیل ہر سحر تیار　　جو دمدولت کے ہیں برائے شکار
آپ ہیں بس قراول اور سوار　　ساتھ ہر فیل پر ہیں دو یا چار
خاص ہودے میں رکھکے چیلے ور　　تو رطے دار اور رفل دو لے یا
صبحدم روز ہیں جاکے شکار　　لاتے فیلوں پہ کھیل کر دہ مار
سب قراول کے آگے انکا رفل　　مارا صید پر کیا ہے چل
شخص کوئی کہیں ہیں پڑ جاتا　　دم صید بھی کچھ جاتا
دائرہ گاہ پر حضور آکر　　توپ دغواتے اُسکو گم پاکر
ما وہ آواز توپ کی سُنکر　　آئے سیدھا چلا صدا پہ اِدھر

دیکھا ہے شاہ جو عیان تونے | کیا ہیگا وہی بیان تونے
مارے ایسے ہی ارنے گینڈے شیر | استخوان کے لگے ہزارون ڈھیر
کیسے اُسکو کرے کوئی باطل | جسکے ہووین گواہ لاکھون دل
کھیلے نواب اس نمط کا صید | شیر و ہاتھی پکڑ کیے سب قید
یہ تو ہر اک بشر کو ہے روشن | خالی جملہ دواب سے کیے بَن
تیز دستی مین خوب ہینگے تیز | کس طرح صید کی ہو انسے گریز
جس جگہ پر جو آیا صید نظر | مارا نواب نے ہے شاہ دکشر

نواب سید احمد علی خان اور اُن کے اہلِ خاندان مین مخالفت

نواب صاحب کو خاندان مین سوائے اولاد صاحبزادہ سید مصطفےٰ خان اور سرداروں مین سوائے دلیر خان کمالزئی کے سب سے عداوت تھی۔ جانتے تھے کہ جملہ اہل خاندان اور تمام افسر و ارکان نے اتفاق کر کے میرے باپ کو مار ڈالا اور یہ سب نواب سید غلام محمد خان سے ملے ہوئے تھے۔ جب دَور اختیار آیا مقصود یہ ہوا کہ اِن سب سے اُسکا بدلہ لیجیے۔ اُن کی عادت تھی کہ اہل خاندان کی تنخواہ بند کر لیا کرتے تھے۔ ایک بار رحیم النسا بیگم بنت نواب سید نصر اللہ خان کی تنخواہ بند کر لی جب بیگم نے گورنمنٹ انگریزی مین استغاثہ کیا تو تمام زر مجتمعہ دلوایا گیا اور تنخواہ کھلوا ئی گئی۔

ایسی باتون سے ایک بار نواب اور اُن کے خاندان مین ایسی بدمزگی پیدا ہو گئی کہ بہت سے خاندانی اُنسے ناخوش ہو کر رامپور سے چلے گئے۔ صاحبزادہ سید کریم اللہ خان ابن نواب سید فیض اللہ خان بھی اُن کے شریک تھے۔ اُنھون نے اپنے سفر کے تمام واقعات کو زبان فارسی مین قلمبند کیا ہے اور اُسکا نام سیر کریمی رکھا ہے اُس مین لکھتے ہین کہ

"میں ۳ صفر ۱۲۳۹ھ کو رامپور سے روانہ ہو کر مراد آباد پہونچا اور ۱۹ رجب ۱۲۳۹ ہجری کو
مع سید سعادت علی خاں ابن صاحبزادہ سید حسن علی خاں ابن نواب سید فیض اللہ خاں
بہادر اور سید مظفر علی خاں و سید جعفر علی خاں ابنائے سید نظام علی خاں ابن نواب موصوف
اور سید عبدالعلی خاں و سید حفیظ اللہ خاں و سید عبداللہ خاں و سید عبدالرحمن خاں
ابنائے نواب سید امام محمد خاں اور سید عنایت علی خاں فرزند سید فتح علی خاں ابن نواب
سید فیض اللہ خاں بہادر کے مراد آباد سے بنارس کی طرف نواب سید احمد علی خاں پر تنبیہ
کے لیے روانہ ہوا۔ یہ تمام گروہ ۱۳ شعبان کو کانپور پہونچا اور ۱۹ کو الہ آباد اور یہاں سے
کلکٹر نے انھیں ایک سفارشی چٹھی اندر واسٹرلنگ صاحب سکریٹری فارسی گورنر جنرل کے
نام لکھ دی۔ وہاں سے یہ سب صاحبزادے بنارس گئے ۲۔ رمضان کو وہاں کے ریزیڈنٹ
کینٹس بروک صاحب سے ملاقات کی ۱۴ رمضان کو ریزیڈنٹ نے تمام صاحبزادوں کی عرضیاں
اپنے ذریعہ سے کلکتہ کو بھیج دیں۔"

چونکہ نواب سید احمد علی خاں کی طرف سے گورنمنٹ کو یہ تحریر پہونچی کہ یہ لوگ بلا وجہ
ریاست سے مخالفت کر کے چلے گئے اور چاہتے ہیں کہ بنارس میں رہیں تو گورنمنٹ نے حکم دیا
کہ جب تک یہ صاحبزادے ریاست میں حاضر ہو کر رئیس کی اطاعت نہ کریں ان کی تنخواہیں
نہ دیا جانا چاہیے گورنر جنرل نے صاحب ریزیڈنٹ کو اکتوبر ۱۸۲۳ء میں لکھا کہ تم ان تمام صاحبزادوں کو ہدایت
کرو کہ دہلی کے صاحب ایجنٹ کے پاس چلے جائیں ۱۹ ربیع الاول ۱۲۳۹ ہجری کو بنارس کے صاحب
ریزیڈنٹ نے چٹھی کے مضمون سے ان صاحبزادوں کو اطلاع دی چنانچہ تمام صاحبزادے سوائے میاں
کریم اللہ خاں کے دلی کو چلے گئے سید کریم اللہ خاں کی چونکہ خواہش تھی کہ میں رام پور میں نہ رہوں بلکہ جہاں میں مناسب سمجھوں
وہاں رہوں اور تنخواہ مجھکو صاحب ایجنٹ دہلی کی معرفت ملتی رہے۔ رام پور کی سکونت

کی نسبت انکا یہ عذر تھا کہ وہان کی آب و ہوا مجھکو ناموافق ہے لیکن لارڈ امہرسٹ صاحب گورنر جنرل اُن سے ناخوش تھے اور وہ اُن کو اُن خاندانیون کا سرغنہ اور مغوی خیال کرتے تھے جنھون نے رئیس رام پور سے مخالفت کی تھی کیونکہ مسٹر الیسٹ صاحب ایجنٹ دہلی نے گورنر جنرل کو اس مضمون کی ایک رپورٹ کی تھی کہ سید کریم اللہ خان نے تمام خاندانیون کو بہکاکر رئیس رام پور کی مخالفت پر آمادہ کیا ہے مین اُن خاندانیون کو سمجھا تا ہون کہ تم رام پور کو چلے جاؤ وہ نہین مانتے۔ جبکہ اُن تمام صاحبزادون نے رزیڈنٹ بنارس کے سامنے بحلف بیان کیا کہ ہم کو سید کریم اللہ خان نے بہکاکر رام پور سے نہین نکالا۔ ہم خود رئیس رام پور سے ناخوش ہوکر چلے آئے ہین اور پھر صاحب رزیڈنٹ نے صاحبزادہ سید کریم اللہ خان کی برارت کی نسبت چٹھیان لکھین اور اندرواسٹرلنگ صاحب نے سفارش کی تو گورنر جنرل کا دل اُن سے صاف ہوگیا اور صاحب ایجنٹ کے نام حکم لکھوا دیا کہ جس قدر تنخواہ سید کریم اللہ خان کی رئیس رام پور کے یہان واجب الادا ہے منگاکر انھین دیدی جائے اور وہ آئندہ جہان رہا کرین اُن کی تنخواہ وہان پہونچتی رہا کرے اور جبتک اُن کا مزاج صحت یاب ہو اُن کو اختیار ہے کہ جہان کی آب و ہوا اپنے مزاج کے موافق سمجھین وہان رہین تنخواہ بدستور پاوینگے۔ اس لیے کہ ہر طرح سرکار کمپنی اُن کے مشاہرے کی کفیل ہے اور کفالت کی وجہ سے سرکار کمپنی پر اس مقدمے مین دخل دینا واجب ہے بشرطیکہ کوئی حرکت اُن سے سرکار کمپنی کے خلاف صادر نہ ہو۔ سید کریم اللہ خان کی بقایا تنخواہ مین سے پانچ ہزار روپے ایک بار اُن کو صاحب رزیڈنٹ کی وساطت سے ریاست رام پور سے ملے۔ اور ۲ محرم ۱۲۴۲ ہجری کو تیس ہزار روپے کی ایک ہنڈی جو صاحب ایجنٹ دہلی نے ریاست رام پور سے منگاکر بھیجی تھی صاحب رزیڈنٹ

کی معرفت سید کریم اللہ خاں سے پائی۔ ۹ ربیع الاول کو گورنر جنرل نارس پہنچے تو (۱۳)
ربیع الاول کو سید کریم اللہ خاں بھی شریک دربار کیے گئے۔ انھوں نے ۲۱ اشرفیاں
گورنر جنرل کو نذر دکھائیں۔ گورنر جنرل نے اپنے ہاتھ سے سید کریم اللہ خاں کو عطر و
پان عطا کیا۔

نواب سید محمد سعید خاں بھی نارس میں صاحبزادہ سید کریم اللہ خاں کے پاس
گئے تھے انھوں نے بیان کیا کہ کلکتہ میں مجھ سے اندرو اسٹرلنگ صاحب کہتے تھے کہ
نواب سید احمد علی خاں نے لکھا ہے کہ سید کریم اللہ خاں کا رام پور میں آنا باعث زوال
ریاست ہے" اسٹرلنگ صاحب نے جواب دیا کہ اُن کا رام پور کو زبردستی جانا منظور نہیں
جب گورنر جنرل بریلی آئے تو فرانسس اکس صاحب کمشنر بریلی وایجنٹ ریاست رام پور نے
وہاں کہ اگر سید کریم اللہ خاں رئیس رام پور کی طرف سے مطمئن ہیں اور صفائی دل حاصل ہے
تو بدستور قدیم رام پور میں رہیں اور توہم کی صورت میں بریلی یا مرادآباد میں جہاں
چاہیں کسی کی عملداری میں رہیں۔ آپ اُن کے معاملات کے کفیل رہیں۔ گورنر جنرل
کی یہ ساری توجہ اندرو اسٹرلنگ کی وجہ سے تھی اور اندرو اسٹرلنگ ریذیڈنٹ نارس
کی سفارش سے اُن کے معاملے میں ساعی ہوئے تھے جب تمام معاملات کی درستی ہوگئی
تو ۱۱ رمضان کو سید کریم اللہ خاں نارس سے روانہ ہوئے ارشوال کو بریلی آئے۔
الہ یار خاں کے مکان میں ٹھہرے ۴ کو اکس صاحب سے ملاقات ہوئی صاحب کمشنر
نے سید کریم اللہ خاں سے کہا کہ آپ رام پور کیوں نہیں چلے جاتے سید کریم اللہ خاں نے
جواب دیا کہ میرا وہاں جانا مناسب نہیں نواب سید احمد علی خان سے ایک دن بھی نباہ
نہ ہوسکے گا۔ میں مرادآباد میں رہونگا وہ رام پور سے قریب ہے وہاں سے متعلقین کی خبرگیری

بخوبی ہوتی رہے گی۔ صاحب کمشنر نے عطر و پان کی تواضع کی اور رخصت کے وقت اُن کا ہاتھ پکڑ کر زینے تک پہونچانے آئے۔ ایک دن صاحب کمشنر نے سید کریم اللہ خان سے کہا کہ ہمارے دل مین یہ بات تھی کہ اگر آپ رام پور جائین تو ہم بھی وہان جاکر آپکے ساتھ سیر کرین" سید کریم اللہ خان نے جواب دیا کہ "آپ کا جانا رام پور کے لیے باعث فخر ہے اور میرا وہان موجود نہونا کم طالعی کا موجب ہے مگر مین رام پور مین کسی صورت سے نہین رہ سکتا" پھر کمشنر صاحب نے کہا کہ "اگر آپ اپنی تنخواہ کے ساتھ اپنی والدہ اور سید عبدالمجید خان کی تنخواہین بھی پاتے اور آپ کو ۲۳ ہزار روپے سالانہ ریاست سے ملتے تو اس سے میرا دل خوش ہوتا" سید کریم اللہ خان نے جواب دیا کہ "مین اپنی تنخواہ کے بیس ہزار روپے سالانہ جو پاتا ہون اور عہد نامۂ سرکار کمپنی مین داخل ہین میرے مصارف کے لیے یہ کافی ہین اور مین ان کو ۲۳ ہزار روپیون سے زیادہ جانتا ہون" صاحب کمشنر نے یہ جواب پاکر منشی ولایت حسین خان کو حکم دیا کہ نواب سید احمد علی خان کو لکھدو کہ "مین نے سید کریم اللہ خان کو بہت سا سمجھایا کہ وہ رام پور چلے جائین چونکہ اُن کو آپ کی طرف سے اطمینان نہین ہے اس لیے آپ کی اور اُن کی صفائی ممکن نہین معلوم ہوتی۔ اُن کو گورنر جنرل کی طرف سے اختیار حاصل ہے کہ انگریزی علاقے مین جہان چاہین رہین آپ اُن کی باقی تنخواہ بھیجدین کہ اُن کو دیکر رسید بھیجدی جائے" سید کریم اللہ خان کو ۲۷ ہزار آٹھ سو سترہ روپے چھ آنے باقی تنخواہ ذیقعدہ ۱۲۴۲ھ ہجری تک کے مرسلہ ریاست رام پور ۱۲ ذیحجہ کو کمشنر صاحب کی معرفت وصول ہوے اور ماہ ذیحجہ ۱۲۴۲ھ ہجری سے آخر شوال ۱۲۴۳ھ ہجری تک کی قسطین سال آئندہ پر مقرر ہوگئین اور یہ قرار پاگیا کہ آئندہ زر تنخواہ مراد آباد مین ملتا رہے گا۔ غرۂ محرم ۱۲۴۳ھ ہجری کو صاحبزادہ سید

کریم اللہ خاں بریلی سے روانہ ہوئے ۱۴ محرم کو مراد آباد پہونچکر مجد الدین احمد خاں عرف مجو خاں کی حویلی میں اُترے۔

ایکبار نواب سید احمد علی خاں مراد آباد کو خود گئے اور سید کریم اللہ خاں کو منا کر اپنے ساتھ رام پور میں لے آئے باقی اہل خاندان خراب و سرگرداں پھرتے رہے اور لاچار ہو کر رام پور میں بطور خود چلے آئے اور نواب صاحب بہادر سے اپنے قصورات کی معافی چاہی۔ نواب صاحب نے اُسوقت اُن کی تنخواہیں کھولیں۔

نواب صاحب کے مصاحبین اور اہلکاران نامی کا تذکرہ

نواب سید احمد علی خاں کے مصاحب مُلّا الیاس۔ محمد علی خاں تنّی ہتا۔ ملا تمتیر سید دوستہ میاں احمد شاہ خاں خٹک اور میاں محمد شفاعت وغیرہ تھے۔

حکیم غلام حسین خاں میاں کلیم اللہ اور اُس کے حقیقی چھوٹے بھائی میاں مقیم غلام حسن خاں شمو خانساماں میر شجاعت علی ساکن سرسی محمود پور۔ شمو خاں[1] رحمت خاں۔ احمد زادہ محمد سلیم کپتان برنار دو ماتوم۔ دھونکل سنگھ وغیرہ نواب صاحب کی سرکار میں کارندے تھے انہیں سے بعض نے نیابت کا کام بھی کیا ہے میاں مقیم۔ غلام حسن خاں اور دھونکل سنگھ مارے گئے تھے۔

(۱) حکیم غلام حسین خان ولد غلام رسول خاں کشمیری کی قلمبرداری کی

---

[1] - شمس احمد خاں زرگر کا بیٹا ہے جس کے نام سے رام پور میں پولیس کا ایک تھانہ مشہور ہے شمو خاں زرسا کمپیر کے لقب سے تھا اور بہادت سپاہ نام تھا خاں کہلاتا تھا ایک بار رات کے وقت نواب سید احمد علی خاں کے پاس سے اپنے گھر کو آتا تھا راستے میں دشمنوں نے بندوقیں ماریں مگر صحت پائی نواب سید محمد سعید خاں کے عہد میں انتقال کیا اُسنے مسمّاۃ صفیا دھوبن سے نکاح کر لیا تھا اُس سے احمد یار خاں متبنّی پیدا ہوئے ۱۲

عباس علی خان ابن زیارت خان اپنے وقائع مین بڑی شکایت کرتا ہے اور نہایت فریبی و مفتنی بتاتا ہے ایک فقرہ لکھا ہے "طائر خرد بلند پرواز از تلبیس ابلیس برسائی اوج فریبش شکستہ بال،، حکیم صاحب کو ریاست مین اتنا اقتدار حاصل تھا کہ ہر شخص کا عدم و وجود برابر جانتے تھے ۔ نواب صاحب کی طرف سے عباس علی خان کی نسبت یہ تجویز کی کہ ہادی یار خان کی جگہ ایجنٹ گورنر کول برک صاحب کے پاس فرخ آباد کو جائین اور اُس سے ایک راز کے مخفی رکھنے کی بابت سخت قسم لیکر اپنا ایسا منشا ظاہر کیا کہ اُس مضمون کو سننے سے عباس علی خان کو بہت تردد پیدا ہوا اور تین پشت کی نمک خواری نے ایسا جوش مارا کہ پسینے کے دریا مین غرق ہو گیا اور اُسی تحیّر کے عالم مین اُن کے مدّعا کی بجا آوری سے انکار کر دیا ۔ اب حکیم صاحب افشاے راز کے خیال سے عباس علی خان سے دشمنی رکھنے لگے اور اُن کی طرف سے نواب سید احمد علی خان کو برہم و مکدر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباس علی خان نے دوری کو بہتر سمجھا اور ریاست رام پور سے قطع تعلق کر کے اپنے عیال و اطفال کو لیکر بریلی کو چلا گیا جہان اُسکے والد کے عہد سے حویلی و مکانات و بازار و باغات اور دیہات تھے ۔ عباس علی خان کا قول ہے کہ "میری طرح ایک مخلوق حکیم صاحب کی نیش زنی اور ایذا رسانی سے مصیبت مین ہے" یہ نظم عباس علی خان کی حکیم غلام حسین خان کے اخلاق کے بیان مین ہے ۔

ظہور خلقتِ او بود زور و مکر و فریب — چو زہر افعی و عقرب خمیر طینت آن
ہر آنکہ دید ز خش را بگفت از سرِ صدق — بر حم مادر این ست نطفۂ شیطان
اگر بگفتہ آن بدسیر عمل کردم — نمی شدم ہمہ آماج ناوک حرمان
فغان و نالہ و فریاد و حسرتا دردا — نمک حلالی من شد وبال گردن جان

نواب سید احمد علی خاں نے حسب حکیم غلام حبیب خاں کو کار ریاست سے علیحدہ کیا تو یہ زیارت حرمین تشریف کو چلے لاکھ روپئے اُنکے پاس تھے سب اموال کی فردِ سیاہ کر نواب صاحب کے حضور میں پیش کی حکم ہوا کہ مال تمہارا ہے ہم کو اس سے کچھ علاقہ نہیں شعر بھی کہتے تھے آزاد تخلص کرتے تھے یہ اُنکا کلام ہے۔

ہم پہ تیرے ہنسی آتی ہے مجھکو آزاد ۔۔۔ پھوٹتی ہی نہیں کہتا ہے مری بات کہیں
حاشیہ کرتے ہیں جو چار ری مدعی کا ۔۔۔ دو کہیں چار کہیں پانچ کہیں سات کہیں

(۲) میاں کلیم اللہ بھی مدار المہام تھے اور مرجع طوائف انام تھے یہ نواب صاحب کی خفگی کے خوف سے ہیرے کی کنی کھا کر مر گئے۔ وطن اصلی اُنکا امروہہ تھا۔

(۳) میاں مقیم نے بھی ریاست کا کام کیا تھا یہ ایک مجرم کے ہاتھ سے مارے گئے تفصیل اسکی یہ ہے کہ نواب صاحب کی منظور نظر گھیبا ڈومنی محلات میں رہتی تھی اُس کا مکان پیلے تالاب کے قریب تھا اُسکی بہن کا نام جو ہیا تھا اور اُسکے شوہر کو شجاعت خاں کہا کرتے تھے اور گھیبا کے بھائی کا نام متھو تھا ان کے مکان پر بھگیڑے اور افیونی اکثر تماشا جمع رہتے تھے نواب صاحب کو بذریعہ پرچۂ اخبار اطلاع ہوئی کہ مستقیم خاں اور مصطفےٰ خاں دو مشہور اشتہاری انگریزی یہاں وارد ہیں اور شجاعت خاں کے شریک جلسہ ہیں مغرب کے بعد میاں مقیم کو حکم دیا کہ ان دونوں اشتہاریوں کو گرفتار کر لاؤ میاں مقیم نے اُسدن مسہل لیا تھا اسلیئے میانے میں سوار ہو کر چند سپاہی ہمراہ لیے اور موقع پر پہونچے رات کا وقت تھا مستقیم خاں نے چراغ بجھا دیا اور میاں مقیم کے تمنچہ مار دیا لیکن وہ بھی مارا گیا اور بقول نے پکڑا گیا اور مصطفےٰ خاں فرار ہو گیا اور میاں مقیم میانے میں پڑ کر اپنے گھر کو گئے وہاں پہونچتے ہی دم دیدیا۔

نواب ممدوح کے نوکر ہوئے [illegible]ھ میں قضا کی۔

(۵) غلام حسن خان پٹھان رامپوری نے بھی بڑی بڑی خدمتیں کیں یہ نہایت سخت گیر اور درشت خو تھے اہلکارون کی توہین ذرا ذرا سی بات پر کرتے تھے نواب صاحب کو ان کا بہت اعتماد تھا ان کی کثرت اس زمانے میں مشہور تھی سبب اس کا یہ ہے کہ نواب صاحب زنانے سے بہت کم برآمد ہوتے تھے اب کو جو کچھ بات عرض کرنی ہوتی کاغذ کے ایک ذرا سے پرزے پر لکھ کر نواب صاحب کے ملاحظے کے لیے ماما کے ہاتھ بھیج دیتا وہاں سے جواب آجاتا۔ ایک بار غلام حسن خان نے یہ لکھ کر نواب صاحب کو بھیجا کہ میں حضور کی خیر خواہی میں مارا جاؤں گا تو نواب صاحب نے جواب دیا کہ ہمیں پہلے سے اس بات کی خبر مل چکی ہے کہ تمھارے دشمن قصد رکھتے

قتل کی فکر میں ہیں مگر ہم بھی اُن لوگوں کی سرکوبی کر دیں گے"۔ اہلکاروں نے اُسکے قتل کی صلاح کر کے چوک محمد سعید خاں کے قریب غلام حیدر خاں کے تکیے میں ایک شخص کو آمادہ کر کے رات کو بٹھادیا اُس نے گولی ماری خطا گئی۔ بعد اس کے نواب صاحب شکار کھیلنے کے واسطے گئے دشمنوں نے ایک ٹھاکر حیدیلا نامی ساکن موضع کونسیل ملک کو غلام حسن خاں کے قتل کے لیے مقرر کیا یہ ٹھاکر گولی اچھی لگاتا تھا اسی لیے اس کو اس کام کے لیے منتخب کیا تھا۔ ایک روز تھوڑا دن رہے غلام حسن خاں اور اُسکے بھتیجے نصیر الدین خاں اور غلام ناصر خاں تینوں شخص شکار کے لیے جنگل میں گئے اور تینوں الگ الگ ہو گئے حیدیلا بھی اُن کو نشانہ مارنے کے لیے تاک میں تھا سینے میں گولی ماردی اور بندوق پھینک کر کنڈے میں لگا تلاش ہوئی و قاتل کا نشانہ لگا مگر بڑے سے خاں لیا گیا کہ اسی ٹھاکر نے قتل کیا ہے بعد اس کے وہ بھی اپنے اس فعل پر افسوس کرتا تھا۔

نواب صاحب نے اس سازش کے دریافت کرنے کے لیے عجیب دانائی سے کام لیا جو یاد رکھنے کے قابل ہے تھوڑے دنوں کے بعد کوسی کے کنارے کچیا کے بنگلے میں اپنی بیماری کی خبر مشہور کر دی اُس دن سے تہذیب نامیں اور حرکتیں کیں کہ مشہور ہو گیا کہ نواب صاحب کے دماغ میں خلل آگیا ہے لیکن اُن کی یہ دیوانگی ہزار فرزانگی سے بہتر تھی اس پردے میں دوست اور دشمن کا امتحان منظور تھا مفتی شرف الدین صاحب احمد علی خانساماں برادر وزیر علی خانساماں نظام دار وغہ میر شجاعت علی ساکن مری محمود اور حسن خاں ولد نعمت خاں کمالزئی نے یہ مشورہ کیا کہ صاحب ایجنٹ کو اطلاع کیجائے کہ نواب صاحب کے ۔ ۔ ر کار ریاست سے معطل ہو گئے آپ آکر انتظام ریاست کیجئے مگر

اخوند زادہ محمد عظیم نے اتفاق راے نہ کیا اور صاحب ایجنٹ کو اطلاع کرنے سے روکا اس لیے وہ تجویز ملتوی رہی بعض کہتے ہین کہ ان لوگون نے یہ بھی چاہا کہ نواب صاحب کے پانون مین بیڑیان ڈالدین اور اس کام کی تکمیل کے لیے رام پور سے تمام صاحبزادون کو بلا یا جب کہ خانہ انیون کے جمع ہونے کی نواب صاحب کو خبر پہونچی تو باہر نکل آئے اُنکو دیکھکر صاحبزادے بھاگ نکلے نواب صاحب مُسکراتے ہوے پھر اندر چلے گئے اور اب نواب صاحب اچھے ہوگئے اور شکار کو چلے گئے اور اُن شخصون کی نسبت اغماض کرکے بظاہر ایسا معاملہ رکھا کہ کسی طرح گمان نار اضی نواب صاحب اُن کو نہوا ایک دن مغرب کے بعد احمد علی خانساماں کو حکم دیا کہ توشہ خانہ مین جاکر زیور کا فلان ڈبّہ لے آؤ وہ توشے خانے کی طرف روانہ ہوا پیچھے سے فانتوم صاحب اور محمد شاہ خان توغہ جامہ دار سواران کو حکم دیا کہ توشے خانے جاکر خانساماں کو گرفتار کر لائین وہان خانساماں ابھی صندوق کا قفل بھی نہین کھولنے پایا تھا کہ گرفتار ہوگیا بعض نے مجھ سے یون روایت کی ہے کہ نواب صاحب نے احمد علی خانساماں کو کہا کہ مجھکو اب صحت ہے تم شہر کو جاؤ اور توشے خانے مین سے دوشالے نکال لاؤ غسل صحت کے بعد تقسیم کرونگا خانساماں شہر کو چلا گیا۔ نواب صاحب کے شکار رکھانے کے لیے پانسو قرّاول نوکر تھے۔ نواب صاحب نے محمد شاہ خان توغے کو حکم دیا کہ دو سو قرول ساتھ لے جاؤ اور احمد علی خانساماں کو گرفتار کر لاؤ خانساماں توشے خانے مین دوشالے نکال رہا تھا کہ محمد شاہ خان جا پہونچا اور پکڑ کر نواب صاحب کے پاس لے گیا اُنھون نے غلام حسن خان کے بیٹے محمد حسین خان کو طلب فرما کر کہا کہ "یہ تمھارے باپ کا قاتل ہے تم اسکو اپنے باپ کے قصاص مین قتل کرڈالو" عجز و انکسار نے پہونچکر شفاعت کی مگر قبول نہوی

کہ سے وقت تھی محمد حسین خاں نے خانساماں کی گردن ماردی اور بعض کہتے ہیں کہ خود نواب صاحب نے اپنے ہاتھ سے گردن ماری تھی۔

نواب صاحب نے شجاعت علی کو گرفتار کرایا تو اُس نے بڑی عاجزی سے عرض کیا کہ حضور میرے اعمال پر نظر نہ کریں جس کی میں اولاد سے ہوں اُسکے وسیلے سے میری جان بخشی کی جائے نواب صاحب نے اُسکو چھوڑ دیا اور شہر سے نکلوادیا۔

مفتی شرف الدین صاحب کو گرفتار کراکے گدھے کی دُم سے اُسکے ہاتھ بندھوا کے تمام شہر میں پھروایا اُسکے آگے آگے شہدائی ہیں یہ شعر کہتے جاتے تھے۔

نکل کے وادیٔ وحشت سے دیکھئے مجنوں　　　کہ شور و دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلےٰ

ان کو خوب تشہیر کراکے حوالات میں رکھا دروازہ تڑوالیا کے سرا مر مکانات سے ہوئے تھے اُن کی چھتوں پر حوالاتی رہا کرتے تھے مفتی صاحب اسی جگہ رکھے گئے جن کو اُن کے چند شاگرد باعانت الٰہی خفیہ وہاں سے نکال کر لے گئے اور وہ لکھنؤ چلے گئے۔

نواب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے کانوں سے مفتی صاحب کی زبانی یہ لفظ سُنے تھے یہاں ان ذکر کیا ہے" بعض صاحبوں کا بیان ہے کہ جب نواب صاحب کی مصنوعی دیوانگی میں اُن کے قید اور معزول کرنے کا مشورہ ہوا تو مفتی صاحب نے نواب صاحب کے قتل کر دینے کے لیے ایما کیا تھا۔

مفتی صاحب کی تصنیفات سے کچھ اعتراضی رسائل میں ہیں جن میں کافیہ کے مطالب پر بحث کی ہے اُن کو حل کیا ہے مفتی صاحب کو مولوی عبدالرحیم صاحب خلف مولانا حاجی محمد سعید صاحب شاگرد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مخطی کہا کرتے تھے۔ ابجد العلوم میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ شرح المیزان منطق میں اور شرح مسلم

مقام لایحد ولا یتصور تک مفتی صاحب کی تالیفات سے ہین " نواب صاحب اُنکی درشطبی
اور بد دیانتی کی بڑی شکایت لکھتے ہین - یہ اُن کے الفاظ ہین "کان شرف الدین
لا شرف الدین کما اسماہ بذلک سیدی الوالد قدس سرہ وکان ابعد خلق
اللہ من السنۃ مع حفظ الحواشی والشروح الکثیرات لکتب الدرسیۃ
المتداولۃ منتصر اللبدعۃ رادا علی اھل الحق بخرافاتہ محبًا للدنیا
عفی اللہ عنہ واجناہ" یہ جو کچھ نواب صاحب نے لکھا اُس خصومت کا اظہار ہے جو
اُنکو تمام حنفیہ کے ساتھ ہے - اخونزادہ احمد خان غفلت نے مفتی صاحب کی مدح مین
کہا ہے ؎

بس ہو زاغ جہل میانِ سوادِ شام پھینکے جو سوے روم وہ تیر کمانِ علم

نواب سید احمد علی خان نے حسن خان ولد نعمت خان کما لڑکی کو اتنا پٹوایا کہ وہ
اسی صدمے سے مرگیا۔

نظام داروغہ کی طرف سے بھی نواب صاحب کے دل مین اُسی وقت سے کدورت
تھی چنانچہ اُسکو کبھی قید کر دیا قید کے دنون مین اُسکی تہدید کے واسطے کبھی آرہ منگا یا جاتا
کبھی دیگ منگا کر اُسمین تیل گرم کرایا جاتا تاکہ اُسکو بڑے عذاب کے ساتھ ہلاک کیا جائے
مگر کسی وجہ سے اُسکو معافی دیدی ایک شب نواب صاحب دیوانخانے مین ناچ دیکھ رہے
تھے نظام نواب کی رنڈی کی طرف دیکھ کر مسکرایا نواب صاحب نے دیکھ لیا اور اُسکو
اپنے پاس بُلا کر کہا کہ ہماری فلان تلوار اُٹھا لا جب اُسنے تلوار حاضر کی تو فرمایا کہ
گردن جھکا دے جون ہی اُسنے گردن جھکائی نواب نے اُسکی گردن مین مار دی اور نظام
کے بیٹے کو حکم دیا کہ نمک حرام کی ٹانگ کھینچ کر دیوان خانے کے باہر ڈالدے اُسنے تعمیل کی

نواب صاحب نے اُسکو وہ تلوار دی اور فرمایا کہ اسکو چھپاکر رکھ آ وہ رکھ آیا اور چھوڑ کے کر
جو اُسکا باپ ہلا رہا تھا ہلانے لگا غلام مجروح تھا آکھی مر رہا تھا سردی کا موسم تھا پڑے
ہوئے کو فالج نے مار لیا اور مر گیا۔

(۶) **دھونکل سنگھ شاہجہان پوری** نواب سید احمد علی خان کا سے
پچھلا نائب تھا یہ شخص کاربساری اور منصوبہ بازی میں یکتا تھا اسے وہ خدمات کیں کہ
نواب سید احمد علی خان کے دل پر ایسی ہوا خواہی پتھر کی لکیر کر دی۔ اُسنے ریاست کا کام
بڑی سختی اور سطوت سے کیا اُسکے ہاتھ سے تمام پٹھان تنگ تھے اسلیئے کہ یہ قوم کسی کا
دباؤ مانتی نہ تھی سرکشی اور سرکشی ان کی سیرت میں بڑی ہوئی تھی وہ ان پر سیاست
کرتا تھا مگر کوئی شخص نواب سید احمد علی خان کے خوف سے دم نہیں مارتا تھا تاہم اُسکے
قتل کے لیے کئی حملے ہوئے ایک سید کی حکایت یہاں بیان کی جاتی ہے اُس سے دھونکل سنگھ
کے مزاج کو سمجھ لینا چاہیے۔

(الف) کریم خان کے باغ کے جنوبی جانب ایک سید زکریا شاہ نام رہتے تھے
اُنھوں نے بازار کا ٹھیکہ لیا جب اُس پر روپیہ ٹوٹا اور باقی کی سبیل نہ ہو سکی تو دھونکل سنگھ
نے زر مطالبہ کے وصول کرنے کے لیے سختی کرائی یہاں تک کہ گھڑے میں چونے کی
کٹی بھروا کر اُن کے سر پر رکھوایا اور کھوپڑی پر ایک پیسہ رکھا اور گٹی میں پانی ڈلوا دیا
وہ پکنے لگی حرارت سے پیسہ سر میں گھس گیا اور سید کی روح قالب سے پرواز کر گئی اور
بعض نے ہم سے یوں روایت کی ہے کہ ایک سید امام علی نام بریلی دروازے رہتے تھے
تحصیل و تحویل پرمٹ اُن کے متعلق تھی دھونکل سنگھ نے ایک بار اُنکو بجرم تغلب سرکاری
ماخوذ کر کے ایک بلسہ اُن کے تالو پر رکھوا کر اوپر سے پکتے ہوئے چونے کا گھڑا رکھوا دیا

اس صدمے سے اُن کی جان نکل گئی اس خبر کے مشہور ہوتے ہی شہر میں عام ناراضی کو بے حد جوش پیدا ہو گیا اور ایک پٹھان نے جو جوتے بنایا کرتا تھا محمدی جھنڈا کھڑا کیا ہزاروں مسلمان اس جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور دھونکل سنگھ کے قتل پر آمادہ ہوئے غصے سے اُن کا ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا غازی مظفر اس جماعت میں سرغنہ تھا اسی لیے غازی مشہور ہوا دھونکل سنگھ مودی خانہ سرکاری واقع تالیہ غلام حسین خان قریب چوک محمد سعید خان میں رہا کرتا تھا اس مسلح جماعت نے اسکا مکان جا گھیرا اور پانچ ہزار آدمی ملازم و غیر ملازم جمع ہو گئے دھونکل سنگھ بلوائیوں کے خوف سے تمام روز میں بیٹھ رہا گھر کو نہ گیا نواب صاحب نے جو یہ حال سنا تو دھونکل سنگھ کو قلعہ میں بازنجیر کر دیا۔ اور بلوائیوں سے بہ تواضع و خاطر داری پیش آئے اور فہمائش کی کہ فتنہ بپا موقوف کر دو مقدمہ تحقیق کر لیں اگر جرم موت سید مذکور دھونکل سنگھ کے ذمے ثابت ہوا تو ہم تمہارا انصاف کرینگے بلوائیوں نے کچھ التفات نہ کیا اور جواب دیا کہ "دھونکل سنگھ کو دیدو کہ سید کے خون کا عوض اُس سے لے لیں"۔

اس قضیے کو تین روز گذرے اب اُن کے مجمع میں بھوک پیاس کی تکلیف سے تفرقہ شروع ہوا بتدریج جماعت کم ہونا شروع ہوئی قریب پانچ چھ سو آدمیوں کے باقی رہ گئے نواب صاحب یہ خبر سنکر آدھی رات کے قریب بذات خود مسلح ہو کر قلعہ کے دروازے پر آ گئے اور ایک خدمتگار کو حکم دیا کہ جا کر سرشور رعایا کو سمجھائے کہ راہ پر آ جائے تو بہتر ہے ورنہ اپنی سزا کو پہونچیں گے اور جو جو سرکاری نوکر وہاں جمع ہوں اُن کے نام لکھ لے میں اُن کو موقوف کر دونگا اور میں خود آتا ہوں اور تدارک کرتا ہوں یہ بات سنتے ہی تمام سرکاری نوکر وہاں سے کھسک گئے صرف تھوڑے سے سید جو متوفی

کے بچانے سے بچے باقی رہ گئے نواب صاحب نے اُن کو بلا کر تسلی و تشفی کی اور کچھ روپیہ دیکر رخصت کیا۔ یہ ہنگامہ کیا اور مُفت ذلت اُٹھائی۔ مقدمہ کی تحقیقات ہوئی یہ بات قرار پائی کہ سید متوفی اُس صدمہ سے نہیں مرے گھر میں چوری کی گئی نہ تھی بلکہ وہ غیرت سے کہ مجھ کو سر بازار ذلت ہوئی کچھ کھا کر مر گئے۔ دھونکل سنگھ کی بیڑیاں کٹوا دی گئیں۔ رہا کیا گیا کام بھی دستور رہا یہ بات اہل شہر کو بہت شاق گذری اور نواب صاحب نے بھی اگرچہ کسی مصلحت سے بچایا مگر اُس کی جانب سے کدورت پیدا ہو گئی۔

(ب) ایک بار دھونکل سنگھ کو ٹنڈا پور کے عظیم خاں نامی ایک پٹھان نے زخمی کیا یہ گاؤں شاہ آباد کے قریب واقع ہے اور اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ وہ شخص اپنی ماں کو نہایت تکلیف دیا کرتا تھا ایک دن اُس کی ماں نے طعنہ دیا کہ "دھونکل سنگھ رام پور کے تمام رہنے والوں اور پٹھانوں کو ذلیل و حقیر جانتا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ رام پور کے پٹھانوں کو شیر سمجھتے تھے یہاں گیدڑ بھی نہیں دیکھا تو مجھ سے تکرار کرتا ہے اور بہادری جتاتا ہے جب جانوں کہ اُس کو مار ڈالے۔" اجل اُسکے سر پر سوار تھی ماں کا طعنہ دل پر چُبھ گیا اور دھونکل سنگھ کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا بعض شخصوں نے مجھ سے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ ایک روز عظیم خاں اپنے گاؤں میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ یہ ذکر باہم ہونے لگا کہ رام پور کے پٹھانوں پر دھونکل سنگھ نے سخت ظلم کر رکھا ہے اور کوئی اُسکو قتل نہیں کر سکتا عظیم خاں نے کہا کہ میں یہ کام کر دونگا اُسکے یار ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ تو لڑکا ہے تجھ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا عظیم خاں اپنے گھر گیا اور سفید کپڑے بدلکر تلوار لیکر

دھونکل سنگھ کے قتل کے ارادے سے نکلا۔ نواب صاحب اُن دنون گور کے تالاب پر تحصیل شاہ آباد مین مقیم تھے عظیم خان وہان پہونچا اور دھونکل سنگھ کے خیمے کے پاس دست بقبضہ کھڑا ہو گیا۔ یہ شخص ایسا نحیف الجثہ اور کمزور ضعیف القویٰ تھا کہ کسی کو اُسکے ارادہ فاسد کی نسبت گمان بھی نہوا جب دھونکل سنگھ پالکی مین سوار اپنے خیمے کے قریب پہونچا اور پالکی سے اُترا تو عظیم خان نے باآواز بلند للکارا کہ "او گنوار کھڑا رہ" یہ کہکر دھونکل سنگھ پر حملہ کیا سپاہیان ہمراہی کائی کی طرح پھٹ گئے دھونکل سنگھ نے بھی اپنی جان بچانے کا ارادہ کیا پٹھان نے ایک تلوار اُس کی پشت پر ماری ہاتھ اوچھا پڑا پوست مال گذر گئی۔ وہ زخمی ہوکر خیمے مین چھپ گیا عظیم خان کے ہاتھ مین ننگی تلوار تھی شکاریون نے جو دھونکل سنگھ کے ہمراہ تھے اُسے گھیر لیا لیکن اُسکے گرفتار کرنے کی کسیکو جرأت نہوئی اتنے مین مظفر خان نے پیچھے سے عظیم خان کے ایک تلوار ماری اور راجہ سرفراز علی خان نے جو علاقہ لکھنؤ کا رہنے والا تھا اور نواب سید احمد علی خان نے اُسکو مسلمان کیا تھا تنچہ مارا پٹھان کا کام تمام ہو گیا۔ اُس کا سر کاٹ کر لٹکا دیا جب یہ خبر نواب صاحب کو پہونچی کہ ایک نو عمر شخص نے لشکر مین آکر دھونکل سنگھ کو زخمی کیا اور کسی مین اُسکے مقابلے کی تاب نہ تھی مگر غازی مظفر خان اور راجہ سرفراز علی خان نے بہزار دشواری اُسکے پیچھے سے تلوار اور دوسرے تنچہ مارکر کام تمام کیا تو نہایت افسوس کیا اور فرمایا کہ یہ آدمی قابل مار ڈالنے کے نہ تھا اسکو زندہ گرفتار کرکے لائے ہوتے جنازہ اُسکا ہنود کو بھیجدیا اور دھونکل سنگھ کی مرہم پٹی کے لیے حکم دیا جب اُسنے غسل صحت کیا تمام ارکان دولت اور اہل خاندان ریاست نے بطرز مذہب بطریق تصدق بھیجے نواب صاحب نے بھی ایک تلوار اور کچھ نقد عنایت کیا۔

نواب صاحب کے مرض الموت میں دھونکل سنگھ کا بادائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوکر ایسے بارِ گران سے زمین کو ہلکا کرنا اور دوزخ کے ٹھکانے پہونچنا

نواب صاحب بہت دنوں سے مستسقی تھے آخر آخر سرسام طبعی جسے لیتر غش کہتے ہیں ہوگیا اور تا انتقال یہی حالت طاری رہی سا کنان شہر اور جملہ ملازمان سرکار اور دھونکل سنگھ کے درمیان جو مواد فساد جمع ہوتا جاتا تھا اب وہ کیا شروع ہوا دھونکل سنگھ کو بھی اس کا خوف تھا کہ دیکھیے اہل شہر کس طرح پیش آئیں اُس نے اپنے مکان کے دروازے بند کرا کے صرف کھڑکی مردمان ضروری کے آنے جانے کے لیے کھلی رکھی اور اپنے خاص خاص آدمیوں کو جو اُس سے رفاقت رکھتے تھے مسلح کر دیا اور حکم دیا کہ ہر وقت حاضر رہیں اور منتظر تھا کہ رات یا دن میں جس وقت موقع ملے نکل جائے اور اپنے حملہ عزیزوں کو جو علاقے پر مامور تھے اطلاع کر دی تھی کہ جس وقت میرے پیلے جانے کی خبر سنو فوراً سے چلے جاؤ۔ شہر والوں میں جا بجا اور کوچہ کوچہ چھوٹے بڑے کی زبان پر تھا کہ "دھونکل سنگھ نے دو جادوگر بہار سے بلوائے ہیں اور بمدد ت جمع کیے ہیں ہلاکت نواب صاحب کی فکر کر رہا ہے نواب صاحب کو مرض نہیں ہے صرف جادو کا اثر ہے اور اُس نے بکار روائی اس واسطے کی ہے کہ سرکاری علاقے کو لوٹ لیا ہے بہت سا روپیہ کھا گیا ہے اگر نواب صاحب صحت یاب ہو گئے تو اُسکو ضرور بداعمالی کی سزا دیں گے" یہ ذکر کرتے ہوئے عوام الناس مکان دھونکل سنگھ کے گرد مست ست ورود پھرتے تھے اور یہ یا میں دھونکل سنگھ بھی سنتا تھا نواب صاحب شدت مرض سے غافل تھے اُسی حالت بیہوشی میں زبان محل نے عمّت اُٹھلا اُٹھایا

کہ ایک دن قراولون سے کہلا بھیجا کہ جلد کبوتر شکار کر کے لاؤ نواب صاحب شوربا نوش فرمائینگے بعد اس کے جمادی الاول کی ۲۳ تاریخ ۱۲۵۶ہجری مطابق ۲۴ جولائی ۱۸۴۰ء کو جمعہ کے دن نو بجے نواب صاحب نے کروٹ بدلی اور حقہ مانگا تمام قلعہ مین چرچا ہو گیا کہ جادو اُتر گیا نواب صاحب اچھے ہو گئے مبارک باد کا غلغلہ پڑ گیا مگر یہ کہکر نواب صاحب پھر بیہوش ہو گئے۔ زنان محل نے ایک فتنۂ خوابیدہ جگایا کہ ظاہر کیا کہ نواب صاحب نے شوربا نوش فرمایا اور طبیعت بحال ہوئی افسران فوج سے فرمایا ہے کہ راے دھونکل سنگھ نے مجھپر جادو کیا ہے جلد جاؤ اور اُس نمک حرام کا سر کاٹ لاؤ لوگ تو آزردہ خاطر تھے ہی حکم جعلی کے صادر ہوتے ہی اُٹھ دوڑے اور اُسکے مکان کو گھیر لیا اتفاقاً راے دھونکل سنگھ نے احمد خان اخوندزادے کو جو اُس کے رفیق اور دلی دوست تھے فہمائش کر کے رخصت کیا تھا کہ تم ٹرک صاحب کے پاس جو گورون کی فوج اور توپخانے کے ساتھ مونڈھے کے قریب انتظام کی غرض سے مقیم تھے جا کر میری طرف سے کہو کہ مین بلوائیون کے خوف سے اپنے مکان مین محصور ہون اپنی فوج کے سپاہی بھیجکر مجھے اپنے پاس بلا لیجیے وہ مسلح ہو کر کھڑکی کے رستے سے نکلکر ٹرک صاحب کے پاس جاتے تھے جب ترولیا کے قریب چوک کی مسجد کے متصل پہونچے اُس وقت ایک سرکاری سائیس نے سر مین لٹھ مارا اور کہا کہ اے نمک حرام تو نے دھونکل سنگھ سے اتفاق کر کے بہت مال سرکاری کھایا ہے اور وہ سائیس لٹھ لیے ہوئے اخوندزادے کے پاس کھڑا رہا وہ شدت زخم سے بحالت تشنگی پانی مانگتے تھے تو وہ سائیس اطفال بازاری سے اُنکے منھ مین پیشاب کروا دیتا تھا۔

پھر ایک انبوہ کثیر مارو مارو پکڑو پکڑو کہتا ہوا دھونکل سنگھ کے مکان پر چڑھ گیا اور

جبہول

دھونکل سنگھ نے مکان کی کھڑکی بند کر کے قفل ڈالدیا اور بلوچ حسب
... دھونکل سنگھ کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا مانسنگھ ٹھاکر کہ نہایت دلیر تھا
... کے ساتھ بالاخانے پر پھرتا تھا اور دیوار سے دیکھ دیکھ کر بندوق کی گولی
... پیادوں کو مارتا تھا چنانچہ چند آدمی زخمی ہو ہو کر گر گئے آخرکار لوگوں نے چاروں
طرف سے سیڑھیاں لگا کر بالاخانے پر دھاوا کیا جو دیوار پر سے اندر کودا مانسنگھ نے
اسکو مار ڈالا تب بلوائی دوڑے اور توپخانے سے خان صاحب کمان کر پر...
اور دھونکل سنگھ کے مکان پر توپ کے گولے گرائے. اس اثنا میں غلامی خان (چ
چھوٹی دولھن صاحبہ زوجہ نواب سید احمد علی خان کے بھائی تھے) چند آدمیوں کو ساتھ
لیکر سیڑھی لگا کر بالاخانہ سے چھت پر کودے مانسنگھ نے ایک تلوار غلامی خان کے
اُن کا بایاں ہاتھ زخمی ہوا غلامی خان نے زخمی ہو کر جبھو کا ہاتھ مانسنگھ کے ایسا مارا کہ
دوسری ضرب کا محتاج نہ رہا مانسنگھ کے مرتے ہی اور بہت آدمی کود پڑے جسکو پایا
پایا مارا دھونکل سنگھ جس کوٹھری میں بند تھا اُسکا دروازہ غلامی خان ...
علی رضا صاحب کو آواز دو رہو گئے تو دھونکل سنگھ دست بستہ غلامی خان کے ...
غلامی خان نے تلوار سے اُسکی گردن کاٹ لی اور چوٹی پکڑ کے سر ہاتھ میں لٹکائے ہوئے
تمام کپڑے خون آلودہ قلعہ میں لائے اور کہا کہ آج ہمنے اپنے دشمن کو مار لیا.

اس تمام شہر میں متعلقین دھونکل سنگھ ...

سپاہی یا خدمتگار یا مصاحب تھے

ہزاری لال جسکے متعلق پرمٹ کا کام تھا اُسکو بلوائی گنج سے زندہ گرفتار کر لائے
کو لیے جاتے تھے کہ کمہار کے دروازے کے قریب ایک بازاری جس کا ...

اور چوبدستی کی اعانت سے چلتا پھرتا تھا اُسنے یہ کہکر اس نمک حرام کو کہان لیے جاتے ہو مارتے
کیون نہین لاٹھی ماری اُسکے لگتے ہی بلوائیون نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور جو زیور جسم پر تھا
اُتار لیا دھونکل سنگھ کے طرفدارون مین سے تریسٹھ آدمی مارے گئے جنکی لاشین سرائے دروازے
کے قریب ایک باغبان کے کنوین مین تلے اوپر ڈالکر مٹی سے پاٹ دیا یہ مقام ابتک دھونکل سنگھ
کے کھتے کے نام سے مشہور ہے بہت سے آدمی شہر کے بھی دھونکل سنگھ کی ہمراہی کی
علت مین مارے گئے اور بعضے چھپ گئے اور اُسکے جسقدر عزیز
کو دیہاتیون نے زندہ گرفتار کرکے شام کے قریب قلعہ کے دروازے پر حاضر کیا
وزیر علی اور محمد عظیم اخوند زادے نے کہ یہ اب منتظم ریاست تھے جیل مین بھیجدیا اس حادثے
کی نواب کو بیہوشی مین بالکل خبر نہ تھی۔

نواب سیّد احمد علی خان کا انتقال کرنا
ڈک صاحب کا سپاہ انگریزی کے ساتھ انتظام کی غرض سے رامپور مین آنا

کمشنر بریلی نے نواب سیّد احمد علی خان کی شدت مرض کا حال سنکر یہ انتظام کیا تھا کہ مسٹر
ہنری کارڈک صاحب مہتمم بندوبست ضلع بجنور کو حکم دیا کہ نواب سید احمد علی خان کا انتقال
ہو جائے تو آپ علاقۂ رامپور کے انتظام کو چلے جائین اور اُن کی ہمراہی مین فوج انگریزی
متعینہ مرادآباد مقرر ہوئی ۱۹ جولائی ۱۸۴۰ء مطابق ۱۰ جمادی الاولی ۱۲۵۶ ہجری کو رات
کے وقت ڈک صاحب کو حالت نزع نواب سید احمد علی خان کی خبر پہونچی۔ صاحب مہتمم نے
اُسیوقت فوج کو ہمراہ لیکر رامپور کی طرف کوچ کیا اور مونڈھا پرگنہ سرکڑا مین مقام کیا اور
نواب کی خبر وفات کے انتظار مین ٹھہرے تین مقام کے بعد یہان سے کوچ کرکے موضع نگلہ

پرگنہ سرکڑا میں جو رام پور سے بیس کوس کا فاصلہ رکھتا ہے تیس مقام کیے اور بریلی سے جو
پیادہ و سوار کی فوج انکی شرکت کو روانہ ہوئی تھی وہ یہاں آکر شامل ہو گئی۔

۵ / جمادی الاولی ۱۲۵۸ھ ہجری مطابق ۲۶ / جولائی ۱۸۴۲ء شب یکشنبہ کو بہرات ہے
سینتالیس برس ریاست کرکے چھتیس سال کی عمر میں نواب سید احمد علی خاں نے رحلت
کی "عروس کوکب" اس کے انتقال کی تاریخ ہے سنہ ۱۲۷۵ہجری مطابق ۱۸۵۸ء میں
پیدا ہوئے تھے ڈک صاحب نواب صاحب کے انتقال کی خبر سنکر صبح کو انگریزی فوج
کے ساتھ رام پور کی طرف روانہ ہوئے چونکہ پہلے سے انھوں نے ریاست کے صاحبزادوں
اور کارندوں کو اپنے آنے کی اطلاع دیدی تھی اور فہمائش کر دی تھی اس لیے ڈک صاحب
کی آمد کا حال سنکر نامور صاحبزادے اور محمد عظیم احمد صاحبزادے اور خانساماں ، ریر علی استقبال
کو روانہ ہوئے ڈک صاحب گنبیں گھاٹ پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ یہ لوگ اُن سے ملے اور درخواست
کی کہ آپ شہر میں چلکر استقامت کیجے صاحب موصوف کو بوجہ بلوہ اور حادثہ دھونکل سنگھ کے
شہر میں آنے میں تامل تھا دونوں اہلکاروں نے انکا کوئی اطمینان کیا کہ شہر میں اب
ہر طرح امن و خاموشی ہے اور نواب صاحب کے آدمیوں میں سے کسی کو گورنمنٹ انگریزی
کے ساتھ مخالفت کا خیال نہیں آپ بے کھٹکے چلیے ڈک صاحب یہ حال سنکر مع فوج
دولتخانہ شہر میں داخل ہوئے پہلے محکمہ ایجنٹی کی طرف سے جا بجا شہر میں اور شہر
کے دروازوں پر اشتہار لگا دیے گئے اور معتبر صاحبزادوں کے پاس کئی قطعے بھیجے
گئے۔ خلاصہ مضمون اُسکا یہ تھا کہ سرکار انگریزی کو نواب سید احمد علی خاں مرحوم کے
ملک و مال سے کچھ سروکار نہیں ہے نواب صاحب کے مال و اسباب کی صرف حفاظت
مدنظر ہے جب تک مسند نشین تجویز ہو اس ملک کا بندوبست ریاست کے کارندوں

کی معرفت ڈک صاحب بہادر کے متعلق رہیگا بعد اسکے ڈک صاحب نے مکانات خزانہ اور نواب صاحب کے سب اسباب پر سرکاری مہر لگا کر تلنگون کے پہرے کھڑے کردیے۔ صاحب کمشنر بھی اپنے سرشتہ دار کے ساتھ بریلی سے رامپور مین آگئے اور تجویز مسند نشینی در پیش ہوئی۔ اسوقت مین بڑا کارندہ عظیم اخوندزادہ تھا جو نواب سید احمد علی خان اور حکام انگریزی کے درمیان سفارت کا کام انجام دیتا تھا اُسنے صاحب کمشنر سے نواب سید احمد علی خان کے جنازے کے دفن کرنے کی اجازت مع جلوس و فوج حاصل کی اور قریب شہر ایک موضع ہے نانکا روہان مزار پہلے سے تیار تھا ہم پہلو سے میان حسن شاہ صاحب قادری اپنے مُرشد کے دفن ہوے جسوقت نواب کا جنازہ اُٹھایا گیا تو تمام شہر مین کہرام مچا تھا عورتین جس درد آمیز بیان سے روتی تھین اُس سے جگر شق ہوتا تھا اور زیادہ رونا اُس روز اس وجہسے تھا کہ نواب صاحب کی دختر شمسہ تاجدار بیگم کے سوا کوئی وارث ریاست نہ تھا نواب صاحب کے انتقال کی تاریخ منظوم یہ ہے جسکے پورے مصرع سے مادۂ تاریخ پیدا ہے۔

بانیٔ عدل، حامیِ اسلام	مظہرِ فیض، مصدرِ اکرام
بست و پنجم جمادیِ اوّل	صبح یکشنبہ اش رسید اجل
بعد بگذشتہ عمر پنجہ و پنج	سوے جنات گشت مرحلہ سنج
کرد رحلت ازین جہانِ تباہ	ہاے نوابِ عہد عالی جاہ
واے افسوس حسرت و ہیہات	زین جہان رفت مستحقِ نجات
بجنابِ رسول و آلِ رسول	داشت بس اعتقاد حُسنِ قبول
گفت سالش کرم بطرزِ جلی	خادمِ اہلِ بیت احمد علی

نواب صاحب کی قبر کو عوام نے زیارت گاہ مقرر کر لیا ہے شیرینی اور کھانا
اور ہر قسم کی جنس یہاں شہر کے اور گاؤں کے عوام صدق نیت سے جمعرات کو اُس مزار پر
لے جاتے اور منتیں مانتے ہیں اور آئین کسی کا اجارہ نہیں باوجود ایسے اعمال کے
قبول کر لیے گئے ہوں مصرعہ

"گو ملکہ بکمر نواز ہے اللہ"

ڈک صاحب بالاستقلال کارہائے ریاست و خراج وغیرہ و حساب و کتاب تنخواہ خاندان و
دیگر امور میں بہت مصروف ہوئے اور جملہ خادموں سے فرداً فرداً ملاقات کی اور سپاہ
کی تنخواہ جو نو مہینے سے چڑھی ہوئی تھی تقسیم کرا دی نواب سید محمد سعید خاں صاحب بھی
رام پور میں چلے آئے تھے عظیم احمد داروغہ نے ڈک صاحب سے کہا کہ اُن کا یہاں
رہنا بہتر نہیں اور اُن کی کچھ شکایات کیں۔ ڈک صاحب نے نواب سید محمد سعید خاں سے
کہا کہ آپ یہاں کیوں چلے آئے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نواب سید احمد علی خاں
میرے بھائی تھے میں اُنکے انتقال کی خبر سنکر آ گیا ہوں بعد اسکے شہر میں
سے چلے گئے بارش کی کثرت تھی پالکی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے شہر کے اندر راستے میں
کئی جگہ سخت کیچڑ میں اُن کی پالکی کو جھٹکے لگے اس لیے عظیم احمد داروغہ سے دل میں
بہت ناخوش ہوئے۔

جلد اوّل ختم ہوئی